یا اللہ

شباب اردو

اسٹاف

شعبۂ تصنیف و تالیف

ایڈیٹر

خان احمد حسین خاں - بی - اے ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ممبر رائل آرٹس سوسائٹی لندن

آنریری ایڈیٹر

خان بہادر شیخ عبدالقادر - بی - اے بیرسٹر ایٹ لا - ہائی کورٹ لاہور

جائنٹ ایڈیٹر

چودھری ذکاء اللہ بسمل ایم اے — ملک برکت علی - ایم - اے

پروفیسر غلام عباس خاں ایم اے — ایل - ایل - بی - وکیل

پروفیسر ریاضی اسلامیہ کالج لاہور — ابوالاثر حفیظ جالندھری

اسسٹنٹ ایڈیٹر حصۂ نسواں

خورشید سلطانہ بنت احمد حسین خاں

پبلشر خان نظیر احمد خاں

وہ کتاب

(۱) جسکی ضرورت صدیوں سے ہر ایک ڈاکٹر۔ حکیم۔ وید اور دواساز کو بھی (۲) جس کے لئے ہر ایک ہی خواہ طب تڑپ رہا تھا۔ (۳) جس کے لئے ملک بھر کے نامی گرامی جراحوں اور سیاحوں نے سیکڑوں ہزاروں روپیہ خرچ کر دئے (۴) جسکیلئے بہت سے اصحاب ہزاروں روپیہ وزانہ اشتہاروں پر خرچ اور پھر بھی سلطنت آری نہیں ہوتی (۵) جس کیلئے اکثر حاجتمند اصحاب دولت کو پانی کیطرح خرچ کرتے رہے ہیں۔ اور پھر بھی حاصل نہیں ہوئی۔ (۶) جسکیلئے ہر ایک شہر قصبہ اور گاؤں کا حکیم اور طبیب بلکہ ہوشمند ہر (۷) جسکیلئے خط و کتابت کرتے کرتے کئی سال لگجاتے تھے اور پھر بھی نامکمل پتہ ملتا تھا۔ جو لوگ طبیب ہیں۔ جو لوگ طب پڑھتے ہیں جو لوگ فن طب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

اُن کیلئے وہ کیا کریں

(۱) میڈیکل ڈائرکٹری نظام الدین صاحب ایم۔ بی میں اپنے پتے۔ نام طریق اور علاج اور مختصر حالات زندگی مفت درج کروائیں (۲) جو اصحاب اشتہار دینا چاہتے ہیں جلد تر بذریعہ ڈاک اشتہار اور اجرت ارسال کریں (۳) جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہے وہ خریداری کیواسطے جلد درخواستیں درج رجسٹر کروا لیں ورنہ شاید انکی درخواست سے پہلے پہلے سب کتابیں ختم ہو جائیں کیونکہ اس کتاب کی برسوں سے اشد ضرورت ہے۔

شرح اشتہارات میڈیکل ڈائرکٹری

عوام سے سالم صفحہ (سے) نصف صفحہ (للعہ) چوتھائی صفحہ (عہ) ⅛ صفحہ (۱۲) طبابت پیشہ اصحاب سے جن کے نام نامی ڈائرکٹری میں درج ہونگے ان سے سالم صفحہ (للعہ) نصف صفحہ (عہ) چوتھائی صفحہ (۱۲) ⅛ صفحہ (عہ) قیمت ڈائرکٹری عوام سے فی جلد (عہ) لیکن جن طبابت پیشہ اصحاب کے نام نامی ڈائرکٹری میں درج ہونگے۔ ان سے صرف فی جلد۔ پانچ روپیہ (صہ)

المشتہر منیجر ٹیچر اینڈ سنز ڈاکٹر لاہور

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشان حالی و درماندگی

بھارت

بیمہ کمپنی لمٹیڈ لاہور
آپ کی سچی غمگسار

محب صادق مصیبت کے وقت کام آنیوالی ہمدرد دوست ہے۔ اس نے ہزاروں بلکہ مصیبت زدہ یتیموں۔ بیواؤں اور خاندانوں کو وقت پر مالی امداد دے کر تباہی سے بچایا ہے قریباً چودہ لاکھ روپیہ اسوقت تک ممبران میں تقسیم کر چکی ہے۔

بھارت

اب بھی ہر وقت عوام کی خدمت گذاری کیلئے کمربستہ ہے نیز ملت و قوم ہر وقت طیار ہے۔

کمپنی ہذا ذمہ لیتی ہے (۱) کہ بڑھاپے میں آپکو مالی امداد دے۔ (۲) آپ کی وفات کے بعد آپکے بال بچوں اور پسماندگاں کی دستگیری کرے۔ (۳) اور آپکو اپنی پیاری اولاد کی تعلیم اور شادی کی تفکرات سے آزاد کرے

صرف اس شرط پر کہ آپ فوراً ہی کمپنی ہذا کی ممبری اختیار کریں مزید حالات کے لئے مفصلہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں

المشتہر۔ کے۔ سی۔ ودیارتھی منیجر بھارت انشورنس کمپنی لمٹیڈ بھارت بلڈنگس۔ لاہور

SHABAB-I-URDU.



HAJI NAWAB SIR FATTEH ALI KHAN.

KIZALBASH. K. C. I. E.

خون کے پیاسے

(گذشتہ سے پیوستہ)

باب ۲۵

اب تک جو تجربہ ڈاکٹر کمال کو حاصل ہوا تھا۔ اس کے مطابق انہوں نے رشوت خواروں کو چار جماعتوں میں منقسم کیا تھا۔ پہلی قسم ۔ وہ رشوت خوار جو ایک دو روپیہ لیکر اہل غرض کا کام جلدی کر دیتے ہیں اور ان کے اس فعل سے کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچتا۔ اور اگر پہنچتا ہے تو بہت ہی کم کہ وہ شمار میں لانیکے قابل نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک اہل مقدمہ جو کاروباری آدمی ہے۔ اور جس کا وقت قیمتی ہے۔ عدالت میں گھنٹوں سرگرداں پھرنے کے بجائے ایک روپیہ کسی اہلمد کو دیدیتا ہے۔ وہ فوراً اس کا سمن یا نوٹس تیار کر کے اور کسی نہ کسی بہانہ سے اس پر حاکم کے دستخط کرا کر فوراً نظارت میں بھیجدیتا ہے۔ وہ شخص اسی وقت ناظر کے یہاں جاتا ہے اور وہاں ایک روپیہ خرچ کر وہی سمن کسی مذکوری کو دلوا دیتا ہے۔ اور پھر مذکوری کو ایک دو پیسہ دیتا ہے۔ وہ فوراً اس کی تعمیل کر دیتا ہے۔ رشوت کی یہ قسم سب سے زیادہ خفیف سمجھی جاتی ہے اور اس قسم کے رشوت خوار مزدور مرتشی کہلاتے ہیں اگر یہ اہلمد یا صاحب ثروت یا مذکوری ارادتاً لوگوں کو دق کرتے نہیں تو اس کا یہ فعل نظر انداز ہونے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ ایسے رشوت خواروں کی شکایت بہت کم ہوتی ہے اور یہ رشوت تمام جہان میں مروج ہے اس لئے بہت مذموم خیال نہیں کیجاتی۔

دوسری قسم کے وہ رشوت خوار ہیں جو رشوت لیکر اس سے سہ چند اور چار چند فائدہ راشی کو پہنچا دیتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے شخص کا نقصان نہیں کرتے بلکہ اپنے آقا یعنی سرکار کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایسے رشوت خواروں کو سارق یا غاصب یا نمک حرام سمجھنا چاہئے۔ اس کی مثال آبکاری کا شہری ملازم ہیں وہ سرکاری نقصان کرتے ہیں۔

پچاس روپیہ خود کھاتے ہیں اور دو سو روپیہ کا فائدہ ٹھیکیدار کو کرا دیتے ہیں۔ ایسے رشوت خواروں کی شکایت کوئی فریق نہیں کرتا۔ جس فریق کا وہ نقصان کرتے ہیں۔ وہ راشی اور مرتشی دونوں کی قدر کرتا ہے۔ جب ٹھیکیدار اس طرح سرکاری مال کھا کر لکھ پتی اور کروڑ پتی ہو جاتے ہیں تو ان کو گورنمنٹ خطابات بھی عطا کرتی ہے۔

تیسری قسم کے رشوت خوار وہ ہیں جو سرکار کا نقصان بظاہر تو کچھ نہیں کرتے بلکہ وفادار اور نمک حلال سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن عوام الناس اور رعایا کو دق کر کے اور ان کا دل دکھا کے اپنا دوزخ کو بھرتے ہیں۔ اس قسم کے رشوت خوار ڈاکو مرتشی کہلاتے ہیں۔ اور اس قسم کی نسبت سے عموماً نظر [illegible] کے

اہلکار ہیں۔ کسی کے گھر میں نقب لگے اس کا تمام مال واسباب چوری چلا جائے۔ لیکن پولیس والوں کو کوئی ہمدردی اس مظلوم کے ساتھ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ چاہتے ہیں کہ اگر کچھ ممکن ہو تو اس سے بھی کچھ جھٹک لیں۔ اور اس غرض کے لئے طرح طرح کے اشارے کرتے ہیں جس سے وہ غریب سمجھتا ہے کہ میری عزت بھی معرض خطر میں ہے۔ کسی کے گھر میں اتفاقاً خودکشی کا سانحہ ہو جاوے۔ تمام خاندان سوگ و رنج میں ہے لیکن پولیس والے چاہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے پاس سے کچھ دے کر اپنی عقب گزاری کرائے جبتک یہ ستم رسیدہ ان کی جیب کو بھر نہیں دیتا۔ لاش کو اٹھنے نہیں دیتے۔ اس قسم کے رشوت خواروں کی بابت عوام کی رائے نہایت مخالف ہے۔ اور ان کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی سبب سے یہ محکمہ دنیا میں سب سے زیادہ بدنام ہے۔ اور کوئی شخص ان سے خوش نہیں ہوتا۔

چوتھی قسم رشوت خواروں کی وہ ہے کہ جن کے قلم کو حکم نشتر کا اختیار ہے وہ انصاف کو بیچکر ایک کا حق دوسرے کو دیدیتے ہیں۔ ایک فریق ان کو دشمن خلائق سمجھتا ہے اور دوسرا اپنے حق میں فرشتہ رحمت لیکن عام رائے ان کے خلاف ہوتی ہے اور خدا کے نزدیک یہ فرقہ سخت مذموم اور احسان فراموش سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کے رشوت خوار بھی ڈاکو قزاقوں میں شمار ہوتے ہیں اور جو حاکم اس طرح رشوت کھاتے ہیں کہ فیصلہ روئداد کے مطابق کرتے ہیں۔ لیکن دونوں فریقوں سے رشوت رکھا لیتے ہیں۔ جو فریق ہار جاتا ہے اس کی رشوت واپس کر دیتے ہیں۔ اور جو کامیاب ہو جاتا ہے اس کی رشوت رکھ لیتے ہیں۔ اس قسم کے رشوت خوار کو ٹھگ یا جیب کترا سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ نہایت حقارت سے دیکھے جانے کے قابل ہیں۔

کمیٹی میں داخل ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا کہ اس محکمہ میں ان چاروں قسم کے رشوت خواروں کے علاوہ ایک اور قسم کے مرتشی ہیں۔ کمیٹی کا مال بھی غبن کر لیتے ہیں۔ اور لوگوں سے وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن سرکاری کاغذات میں وہ رقمیں ان کے نام رجسٹر میں ہمیشہ چڑھتے رہتے ہیں۔ ذرا زیادہ تجربہ سے ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا کہ جو اہلکار سوا سو روپیہ تنخواہ پاتے ہیں وہ کمشنروں اور ڈپٹی کمشنروں سے اچھے پڑ رہتے ہیں۔ اور سکرٹری کے برابر تو ان میں سے بیسیوں کما لیتے ہیں۔

ایک اہلکار لالہ خوشوقت رائے کی بابت ڈاکٹر صاحب نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ اس نے ایک شخص کو نزول کی زمین دلائی اور اس سے پانچ ہزار روپیہ رشوت لی۔ لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ایسی رقم اس کو ہر سال ایک آدھ ضرور ملجاتی ہے

ایک جوہری کا مکان لالہ خوشوقت رائے نے کمیٹی کے قواعد کے خلاف بنوا دیا کمیٹی کے قواعد کے مطابق اس کو گلی چوڑی کرنے کے لئے سو گز زمین چھوڑنی پڑتی تھی۔ اس موقعہ پر اسقدر اراضی کی

قیمت پندرہ ہزار روپیہ ہوتی تھی - لالہ خوشوقت رائے نے تین ہزار روپیہ رشوت لیکر یہہ مکان بنوا دیا۔ ایک سال کے بعد پریزیڈنٹ صاحب اتفاقاً اس گلی میں جا نکلے - تو لالہ خوشوقت رائے سے مواخذہ کیا اور مالک مکان کو بھی گرفت کیا - لالہ خوشوقت رائے نے یہہ کہکر کہ یہہ نامدار خاں جمعدار کی بدعتی ہے - اپنا پیچھا چھڑا لیا - اور مالک مکان پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ ہوگیا - نامدار جمعدار تین ماہ کے لئے معطل ہوگیا - لیکن کچھ عرصہ کے بعد تین چار ممبروں نے اس کی سفارش کی سکرٹری صاحب نے اس کو بحال کر دیا اور فقط بیس روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی یہہ رقم لالہ خوشوقت رائے نے نہایت فیاضی سے اپنے پاس سے داخل کر دی۔

ایسی بڑی رقم ایک دو سال میں ایک آدھ دفعہ ہاتھ لگجاتی تھی - لیکن سو سو روپیہ کی دس بارہ رقمیں تو ہر سال ملجاتی تھیں۔

گلیوں میں روشنی کا انتظام امانی تھا - روشنی سے بھی چھ ہزار سالانہ کی رقم بے غل و غش بچ جایا کرتی تھی - روشنی والوں کو ہدایت تھی کہ ممبر صاحبان کی گلی کی لالٹین میں پورا تیل ڈالیں - لیکن باقی گلیوں میں فقط ایک چوتھائی تیل بھریں اور بتی کو فقط اسقدر اکساویں کہ تمام رات ٹمٹماتی رہے۔ حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ بارہ ہزار کا تیل خریدا جاتا تھا - جسمیں سے لالہ خوشوقت رائے چھ ہزار تو علیحدہ اُڑا لیتے تھے اور چھ ہزار کا تیل خریدتے تھے

اس میں سے ان کا نائب دار وغہ روشنی تین ہزار کا تیل فروخت کر دیتا تھا۔ اور باقی تین ہزار میں عام نیچے کے اہلکار راؤ ہزاروں لالٹینیں - ڈاکٹر صاحب نے ایک روز اندازہ کیا تو لالہ خوشوقت رائے کی کل آمدنی تین ہزار روپیہ ماہانہ سے کم نہ تھی - جو کمشنر صاحب کی تنخواہ کے برابر ہوتی تھی - پریزیڈنٹ اور سکرٹری لالہ خوشوقت رائے سے نہایت خوش رہتے تھے - اور جو کاغذ ان کے سامنے لالہ صاحب رکھ دیتے تھے - وہ کٹ پتلی کی طرح اس پر دستخط کر دیتے تھے۔

بعض بدگمان شبہ کرتے تھے کہ پریزیڈنٹ اور سکرٹیری صاحب کو بھی یہہ لالہ صاحب حصہ دیتے ہیں - لیکن ڈاکٹر صاحب کو یقین ہوگیا تھا - کہ اس بدگمانی کی فقط یہہ اصل تھی کہ بڑی بڑی رقم رشوت دینے والے حضرات غلطی سے سمجھتے ہیں - کہ وہ ضرور صاحب لوگوں کو حصہ دیتا ہے - ورنہ وہ اس قدر بڑی رقمیں ہضم نہیں کرسکتا۔

ممبروں کا یہہ حال تھا کہ سوا چند ممبروں کے جو انگریزی خواں تھے - اور بجز دونوں وائس پریزیڈنٹوں کے جو رئیس تھے باقی ممبر لالہ خوشوقت رائے کے مکان پر اتوار کو حاضری دیتے تھے - انمیں سے جو ذرا شوقین

اور عیش پرست تھے۔ ان کو لالہ صاحب کبھی کبھی اپنے باغ میں لیجا کر محفل رقص و سرود میں شامل کرتے تھے۔ اور بعضوں کو یا ل مفت دل بیرحم چاء یا فروٹ کھلا کر نہال دیا کر تے تھے۔ لالہ دھرمچند آنریری مجسٹریٹ کو لالہ جی نے نزول کے چند قطعات تھوڑی سی رشوت لیکر برائے نام قیمت پر دلا دیئے تھے۔ وہ تو ان کے غلام بنے ہوئے تھے۔ جو ممبر پریزیڈنٹ یا سکریٹری صاحب سے ملنے جاتا۔ لالہ خوشوقت رائے کی بڑی تعریف کرتا۔ اور کہتا کہ اگر سچ پوچھو تو حضور کمیٹی کا کام لالہ خوشوقت رائے کی ہوشیاری اور حضور کے اقبال سے چل رہا ہے کرنیل ہلوڈڈن اور ہاف مین صاحب کی پریزیڈنٹی میں تو اس نے خوب ہاتھ رنگے۔ جسکو چاہا نزول کا قطعہ جس شرح پر چاہا دیدیا۔ کرنیل صاحب امیرانہ مزاج کے آدمی تھے۔ اور ہاف مین صاحب محض اُلو تھے اس لئے لالہ خوشوقت رائے کی اس زمانہ میں خوب چلی۔ سکریٹری اس زمانہ میں اکثر یوریشین صاحبان ہوا کرتے تھے جو نہ ادھر کے ہوتے ہیں نہ اُدھر کے۔ معاشرت میں انگریزوں کی نقل کرتے ہیں لیکن چونکہ تنخواہیں کم ہوتی ہیں اس لئے یا تو رشوت خوار بنجاتے ہیں۔ اور یا مقروض۔

ایسے صاحب لوگوں کے سامنے ہندوستانی چلتے پرزوں کو خوب موقعہ ملتا ہے چنانچہ لالہ خوشوقت رائے کو بھی ان دنوں میں ایک ایسے سکریٹری مل گئے تھے جو بہت خلیق اور نیک مزاج تھے۔ لیکن انکی میم صاحبہ کسی کرنیل کی بیٹی تھیں۔ اگرچہ سکریٹری صاحب کلب کے ممبر نہ تھے مگر میم صاحبہ کو یہہ فخر حاصل تھا۔ اور بڑی فضول خرچ تھیں۔ پوشاک اور آرائش میں کمشنر اور ڈپٹی کمشنر صاحبان کی میموں سے مقابلہ کرتی تھیں اس لئے صاحب ہمیشہ قرضدار رہتے تھے۔ لالہ خوشوقت رائے نکو ہر مہینے سو دوسو روپیہ قرضہ دلا دیا کرتے تھے اور چونکہ روپیہ خود لالہ صاحب کا ہوتا تھا اس لئے دالستہ تقاضا کم ہوتا تھا۔ صاحب پر جسقدر قرضہ بڑھتا گیا اسیقدر وہ لالہ خوشوقت رائے کے بس میں زیادہ تر آنے لگے۔ یہانتک کہ جب قرضہ کی تعداد دس ہزار ہوگئی۔ تو سکریٹری صاحب بالکل صفر بن گئے لالہ خوشوقت رائے جو چاہتے تھے وہ کرتے تھے۔ اور اسطرح عملاً گویا لالہ صاحب ہی سکریٹری بنگئے تھے تعلیم یافتہ ممبر جو اکثر ہندو تھے۔ لالہ خوشوقت رائے کی بددیانتی کے اکثر شاکی رہتے تھے۔ لیکن جب ڈاکٹر ٹھا صاحب نے انکو ٹٹولا تو ان سب نے لالہ خوشوقت رائے کے برخلاف کسی کارروائی سے انکار کیا وجہ یہہ تھی کہ انمیں سے دو ان کے ہم قوم تھے اور دوسرے اس قسم کے متعصب تھے کہ ہندو ہونے کے سبب سے لالہ صاحب کے برخلاف کوئی عملی کارروائی کرنا گناہ سمجھتے تھے اگر کوئی مسلمان ہوتا۔ تو اسکو کبھی کا اُڑا دیا ہوتا۔

(باقی آیندہ)

کلام اثر

تیغ عریاں بن گئی ہے زندگی میرے لئے
موت کے پردے میں ہے پنہاں خوشی میرے لئے

رات اندھیری دور منزل راستہ دور و دراز
اے مرے اللہ تھوڑی روشنی میرے لئے

جام خالی دل تھا جلوے حسن کے بے کیف تھے
عشق نے کھینچی شراب زندگی میرے لئے

رخصت اے درد و الم صبر و تواں ہوش و خرد
لائی ہے پیغام راحت بیخودی میرے لئے

جب سے محکوم تصور ہے رخ زیبائے دوست
روز شیشے میں اترتی ہے پری میرے لئے

میرے ساقی نے مجھے اک جام ایسا دیدیا
کم نہیں ہوتا سرور زندگی میرے لئے

کیا مبارک ہے یہ عالم نزع کا آئے ہیں وہ
پھر مرتب ہو نظام زندگی میرے لئے

میری دیکھا دیکھی گل بھی تیرے عاشق ہو گئے
بوفاؤں نے وفا پر جان دی میرے لئے

زندگی کا غم نہیں اتری ہوئی پوشاک ہے
تو مگر بےچین ہوگی بیکسی میرے لئے

میرا مرنا رہ گیا اہل وفا میں یادگار
موت نے بدلا لباس زندگی میرے لئے

سب سے بیگانہ ہے تو میں آپ سے بیگانہ ہوں
اک معما ہے یہ تیری دوستی میرے لئے

طبع نازک پر گراں ہے وعظ کی صحبت اثر
چاہئے برپا ہو بزم کافری میرے لئے

(جعفر علی خاں اثر)

کوہ آبو - دلوارا مندر جینی

دیک پارسی کی موٹر اور لاری آبو کو چلتی ہے۔ شام کی لاری کے لئے ٹکٹ لے لئے گئے۔ اور ویٹنگ روم میں قیام کیا گیا۔ اب کھانے کی فکر ہوئی۔ پتہ ملا کہ بازار میں دو ایک برہمن جنہیں بوسی کہتے ہیں۔ کھانا پکاتے ہیں میں نے اور منشی جی نے اسے بازار میں تلاش کرکے اُس کو ترکاری اور گھی دیدیا۔ دال۔ چاول وہ اپنے پاس سے دیتے ہیں۔ اُجرت پر اس سے کھانا پکوایا۔ منشی جی اور ملازم نے اس کے مکان پر تناول کیا میرے لئے تھالی میں لے آئے۔ اب ہم کو ویٹنگ روم میں شام تک انتظار کرنا تھا۔ حقہ اُڑ رہا تھا۔ کہ ایک صاحب انگریزی لباس پہنے ہوئے چھریرے بدن کے گندم رنگ وہاں آئے۔ اور چار طلب کی۔ میں وضع قطع سے ان کو ہندو سمجھتا رہا۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ یہ صاحب مسٹر جنید اہیں۔ اور ہمارے رئیس مرتنگ میاں حنین دین صاحب کے برادر زادے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے حالات سنائے۔ دلچسپی ایسی تھی کہ میں

ہمہ تن گوش ہوکر سنا کیا - ان کا کابل جانا - ولایت جانا - لام میں مسوپوٹومیا Mesopotamia جانا - جے پور وغیرہ کی نوکری کے حالات وغیرہ وغیرہ ایک لمبی داستان ہے - انہوں نے لشکر جی کے ایک گاؤں کے ایک مسلمان نمبردار کی لڑکی سے نکاح کرلیا ہے اور صاحب اولاد ہیں - وہ اجمیر میں انجنیر ہیں - نہایت خوش خلق - ازادوش نیک دل آدمی ہیں - یہ ہر چا جاری تھا کہ ایک صاحب جو رات کو گاڑی میں میرے ہم سفر تھے - فربہ اندام - سیاہ رنگ - آڈٹ چیکر Audit checker تھے وہ بھی ہماری خوش گپیوں میں شامل ہوگئے میں مسٹر چند ا کو بعض صنادید کی کیفیت بیان کر رہا تھا - اسی گفتگو میں یہ صاحب بھی جن کا نام کیسر سنگھ تھا - متوجہ ہوگئے - اور مجھ سے تعارف ہوگیا - دوران گفتگو میں معلوم ہوا کہ ان کے دو بھائی صاحب کوہ آبو پر برسرکار ہیں جن کا نام کنور لچھمن سنگھ (پولیس) دوسرے کنور کشن سنگھ (سکرٹری راجپوت ہتکارنی سبھا) یہ تینوں بھائی اودے پور کے ایک دیوان کے صاحبزادے ہیں - کیسر سنگھ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ میو کالج کے تعلیم یافتہ ہیں - اور راجہ ہری سنگھ صاحب ولیعہد کشمیر کے ہم جماعت ہیں - غرض خاندانی آدمی گفتگو شائستہ انگریزی نہایت اچھی جانتے اور ہمہ وجوہ رئیس زادے ثابت ہوئے - بڑا کرم فرمائی انہوں نے اپنے بھائیوں کے نام مجھے چٹھی لکھدی کہ وہ میری فروکشی کا انتظام کریں - اس چٹھی میں انہوں نے یہ بھی لکھدیا تھا کہ حضرت شمیم نہایت دلچسپ شخص ہیں - اور ان سے آپ بہت خوش ہوں گے - لیجئے اب بندہ لاری پر سوار ہوا لاری میں ایک دو ہندوستانی صاحب اودھ کے رہنے والے بیٹھے تھے - ان سے سلسلہ گفتگو شروع ہوا - پان سپاری کا تبادلہ ہوا - میں نے تمباکو - اور لکھنوی زردہ کی ڈبیا نکالی اور پیش کش کی تو میرے تعارف کا انہیں خیال پیدا ہوا - میں نے یہ بھی کہدیا کہ میں کنور صاحب کا مہمان ہوں گا - اگر وہ بفرض محال نہ ملے تو ڈاک بنگلہ ٹھیروں گا - ایک صاحب ان میں سے منظور احمد نام تھوڑا عرصہ گذرا ریاست کیراڑی کے منیجر بھی رہ چکے تھے وہ خوش خلقی سے فرمانے لگے کہ آپ فکر نہ کریں میں آپ کے اُترنے کا انتظام کماحقہ کردوں گا - آپ کو کوئی تکلیف محسوس نہ ہوگی - مجھے اطمینان ہوا کہ کوہ آبو پر پریشانی نہ ہوگی - پہاڑوں پر اچھی قیام گاہ نہ ملنے سے بہت سراسیمگی پیدا ہوجاتی ہے - کوہ آبو پہونچے - راستہ ویسا ہی تھا - جیسے پنجاب کے پہاڑوں کا ہے - کوئی خاص تخصیص نہ تھی - تیرہ میل کا فاصلہ ہے - ڈیڑھ گھنٹہ میں طے ہوگیا -

شام کو پہونچے تو جن صاحبوں کے نام چٹھی تھی وہ وہاں موجود نہ تھے - ہمارے ہمسفر منظور احمد صاحب نے تسلی دی کہ آپ وکیل خانہ کیراڑی میں اسباب رکھدیں - کمرہ کھولا گیا اور ہم وہاں کنور صاحبان کے انتظار کرتے کرتے تھک گئے - رات کے کھانے کا انتظام نہ تھا - منشی جی کو بازار روانہ کیا ان کی تحقیقات مقامی بہت تسلی بخش نہ تھی - ناچار جو کچھ ملتا اس سے شکم پری کیجاتی - اس مشکل کے سوچ میں تھے کہ کنور صاحبان آگئے

انہوں نے چٹھی پڑھتے ہی کھانے کے متعلق فرمایا کہ آپ کے لئے کھانا تیار ہو جاوے گا۔ بازار سے کچھ نہ منگوائیے وہ میری تواضع میں مصروف ہوئے۔ دو تین گھنٹے خوش گپیاں ہوتی رہیں وہاں کے وکیل خانہ ریاست بیکانیر میں نارنول کے دو سادات صاحب رہتے ہیں۔ ایک وکیل ریاست اور ایک تحصیلدار ریاست ہیں۔ نہایت متواضع ثابت ہوئے۔ سادات صاحبان اور کنور صاحبان کو اب یہہ فکر تھی کہ وہ کس طرح مسافر نوازی ایسی کریں کہ مجھے یاد رہے۔ چنانچہ انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ کنور کشن سنگھ تو میرے ایسے گرویدہ ہوئے کہ وہ سیر آبو میں دوسرے روز میرے ہمراہ رہے۔ کنور لچھمن سنگھ جی۔ پولیس ڈیوٹی پر چلے گئے۔ یہہ دونوں صاحب وکیل خانہ بیکانیر میں رہتے تھے۔ کنور صاحب سے میں نے ذکر کیا کہ میرے بزرگ جے پور میں ملازم تھے میرے دادا کے سب سے بڑے بھائی رائے لچھمی نراین صاحب (جن کی شاخ میں اب برج نراین شیلخواں ضلع لدھیانہ اور آنند نراین بی۔ اے۔ انسپکٹر ڈاکخانہ جات موجود ہیں) وکیل ایجنٹی تھے۔ اور جب ہمارے خاندان پر آفت آئی تو وہ کلکتہ جاتے یا آتے ہیضہ سے راہی ملک بقا ہوئے۔ میں آبو کا جے پوری وکالت گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اگرچہ عمارت ان کے ایام وکالت میں موجود تھی تو وہ یہاں رہتے ہوں گے۔ راستہ میں راجپوتانہ کی کئی ریاستوں کے وکیل خانے باہر سے دیکھے۔ بعض ریاستوں نے آبو پر کوٹھیاں بھی بنائی ہوئی ہیں۔ ان کی شکل دور سے نظر آتی تھی۔ جئیوری وکالت خانہ کا موقعہ سب سے بہترین نظارہ دیتا ہے۔ نیچے جھیل اور سارا شہر اور آس پاس کی پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ وکالت خانہ اندر سے دیکھا۔ تو بعض حصے پورانے اور بعض نئی طرز کے بنے ہوئے ہیں۔ غالب خیال ہے کہ میرے بزرگ اسی میں رہتے ہوں گے۔ کنور صاحب کشن سنگھ جی سے میں نے درخواست کی کہ وہ دفتر سے دریافت فرمادیں یا راج کے کسی واقف حال سے دریافت کریں۔ کہ آیا رائے لچھمی نراین صاحب اسی وکالت خانہ میں رہتے تھے یا کہیں اور۔ اس خیال سے ایک گونہ مسرت حاصل ہوئی کہ ایک بزرگ کی جائے سکونت سو سال کے بعد دیکھی۔ اس کے بعد ہم رگھناتھ جی کے مندر پہونچے۔ جو جھیل کے ایک کنارے پر واقعہ ہے۔ منشی جی اگلے جنم میں شاید مچھلی تھے۔ ان کو جہاں پانی نظر آجاوے ان کا دل وہیں غوطہ لگانے کو تلملاتا ہے۔ معاً انہوں نے کپڑے اتارے اور غوطہ مارنے لگے۔ میں اس سرد پانی میں نہانے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ مونہہ ہاتھ دھویا۔ اور رگھناتھ جی کے مندر کے درشن کو منزل بالا پر گیا۔ مجھے خاص عقیدت سری رام چندر جی کے ساتھ ہے۔ رامچندر جی کا نام آیا اور میرے دل میں جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں جن کو میں خود نہیں سمجھ سکتا۔ رگھناتھ جی کے مندر میں مسافروں کے لئے نہایت پاکیزہ اور با آرام کمرے بنے ہوئے ہیں۔ اب کے جب آبو جاؤں گا تو عہد کر لیا ہے کہ وہیں ٹھیروں گا۔ جھنت لچھم شہیم۔ دل لبھانیوالی باتیں

کرنے والا ہے - جاتریوں اور مسافروں کو خوش کرنے کا اس کو ایک خاص ملکہ ہے - پھول لئے ایک روپیہ انہیں شامل کیا - اور سری راجندرجی کے درشن کئے - ہاتھ جوڑے اور پچھلے پاؤں واپس آئے - مجھ کو کیا ملا آپ شاید سوال کریں گے - جواب یہہ ہے کہ درشن سے ایک روحانی کیفیت حاصل ہوئی جو قابل بیان نہیں - دنیا کے رنج و راحت کا احساس انسان کے دل کی حالت پر منحصر ہے - بعض اوقات - زرحسن موسیقی - منظرات کیسے ہی خوشنما ہوں دل کو مسرت نہیں دیتے - بلکہ بعض اوقات جنگل بیابان - گوشہ تنہائی کیفیت دیتے ہیں جس سے دل کو کمال درجہ کا سرور حاصل ہو جاتا ہے - یہہ پہلی منزل تھی - اس تمنا کا حصول کی جو سری راجندرجی کی تاریخ کے متعلق میرے دل میں تھے - مندر سے رخصت ہو کر واپس آئے - کھانا کھایا - صبح کے کھانے پر کنور صاحبان نے نہایت تکلف دکھایا - کنور کشن سنگھ جی میرے ساتھ ہو لئے - وہ اس راستہ سے مجھے لے گئے کہ جہاں ایک بیٹھہ معروف جوگن (Jogan) واقعہ ہے - ہوٹل ہمالیہ جو ایک بڑا ہوٹل ہے - دکھلایا - لنگوروں کی برادری کثرت سے نظر آئی - کلب کے پاس سے جاتے ہوئے راستہ میں ایک سید صاحب سے جو صاحب کرامات بیان کئے جاتے تھے تعارف کرایا - کھنڈرات میں سے ہوتے ہوئے ایک مصنوعی جھیل دکھائی - جہاں ایک فقیر رہتا ہے - اس نے انسان اور حیوان کے لئے ایک چشمہ کو ایک بند لگایا ہے کہ ایک مختصر سی جھیل بن گئی ہے - شاباش اور مبارکباد اس انسان کو جو خلق اللہ کے آسائش کے لئے کوشاں ہے - ان کھنڈرات کے بعض حصوں میں پرانے مندروں اور معبدوں کے آثار نظر آتے ہیں - پرانی مورتیاں پڑی ہوئی ہیں - ایک مقام پر کنیا کماری اور بالم کے بت دیکھے یہہ قصہ طلب بت ہیں - بالم رسیا کے ہاتھ میں زہر کا پیالہ ہے - اور کنیا کماری آنکھوں میں سرمہ لگائے لباس فاخرہ میں پیکر مجسم کی شکل میں ایک چھوٹی سی کوٹھی میں استھاپن ہوئے ہوئے ہے - بالم رسیا ایک رشی تھا جو اس کنیا پر عاشق ہو کر خواستگار شادی ہوا تھا - راجہ کو خبر ہونے پر اس نے کرامات کا وعدہ کیا - کسی کسی طرح راجہ نے کرامات کو وقوع میں آنے نہ دیا - رشی نے مایوسی میں زہر کا پیالہ پی لیا - غرض بہت سے کھنڈرات مشاہدہ میں آئے - کہیں وشسٹ - کہیں وسوامتر - کہیں کیرو - کہیں پانڈو - کہیں کسی رشی کی کتھا کہیں کسی بزرگ کی کتھا بیان کی جاتی تھی - ایک پہاڑ پر ایک دیوی کا - استھان ہے - وہ میرے لئے دشوار گذار تھا ترک کیا گیا - آخر اس مندر کے درشن ہوئے جسے مندر دلوار (Dilwara) کہتے ہیں - اس کے ساتھ اسی طرز کا ایک دوسرا مندر بھی ہے جو قریبًا دوسو سال بعد کا بنا ہوا ہے - واپسی پر دروازہ پر سے گائڈ شملہ تا علمنگ خریدی - کاش کہ یہہ پہلے سے خریدی ہوتی تو کھنڈرات کے سمجھنے میں مدد ملتی - خیر اس کے مطالعہ سے جو جو مقامات دیکھے تھے ان کا مفصل حال بعد میں پڑھا -

مندر دلواڑا کے بیان میں الفاظ قاصر ہیں - انسان فانوس خیال میں معلوم ہوتا ہے - سارا مندر سنگ مرمر کا بنا ہوا
ہے - گائڈ سے معلوم ہوا کہ اس کو ۱۰۳۲ء میں ایک ساہوکار جینی مت نے بہ لاگت تریپٹھ کروڑ بنوایا تھا
صنعت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم ہرگز مبالغہ سے بیان نہیں کی گئی - زمانہ حال میں اسکا بننا محال ہے
یہہ سمجھئے کہ کاریگر نے سنگ مرمر پر وہ کام کیا ہے جو صرف موم پر بھی کرنا مشکل ہے - اس قسم کا باریک اور خوشنما
بیل بوٹا - بت تراشی - کنول کے کھیت اور کلیوں کی نقل - ہاتھی - گھوڑے - بندر وغیرہ جانوروں کی شکلیں
پتھر میں ایسی کندہ کی ہیں کہ انسان حیران رہتا ہے - ہر موقعہ پر سقف نئی طرز کی ہے - گلکاری نئی وضع کی
ہے - ستون اور لہرئے اور محرابوں میں جو نقوش بنے ہیں - دیکھتے دیکھتے انسان کی آنکھ تھک جاتی ہے
اور آخر یہہ کہنا پڑتا ہے کہ یہہ مندر عرش سے بنا بنایا اترا ہوگا - دیول مندر کا دروازہ کھلوایا گیا - اندر طرح
طرح کے فانوس اور شمعدان تھے - دھوپ جلائی گئی - مندر مہک گیا - اور آدمی ناتھ کی مورتی (جو گورے
رنگ کا چہرہ رکھتے تھے) معہ مکٹ کے نظر پڑی - ایکبات سمجھ میں اسوقت نہ آئی - جو بعدہٗ گائڈ کے مطالعہ سے
حل ہوگئی - یعنی یہہ کہ مندر کی سقف میں بہت جگہ ہندو دیویوں کی مورتیاں پتھر کی سلوں میں کندہ کی گئی
ہیں - علاوہ ازیں مندر کے ایک کونے پر ایک دیوی کا مندر بھی ہے - یا تو یہہ بات تھی کہ وہاں ایک دیوی کا
استہان پہلے سے تھا - جینی ساہوکار نے اس مقام کو پسند کیا - یا دراصل جینیوں میں اور ہندوؤں میں
کوئی اختلاف نہ تھا - جینی اپنے مرشدوں کے پیرو تھے - لیکن دیویوں کی پرستش بھی قطعی متروک نہوئی تھی
اسی سفر میں آیندہ جو جو مندر ہم نے دیکھے ان سے ہمارا خیال پختہ ہوتا گیا - کہ ہندو ازم وہ بحر ناپیدا کنار ہے
کہ اس سے کوئی اختلاف نہیں کرسکتا - رجحان طبع اس کی مختلف رشیوں اور ہادیوں اور مصلحان کی طرف
کسی فرقہ کا زیادہ کسی کا کم رہا ہے - لیکن اصلی تخالف کوئی نہ تھا - مرنجاں - مرنج اور صلح کے اصول
ہندوؤں کے کسی فرقہ سے رخصت نہیں ہوئے - انگریزی تاریخیں بعض فرقوں کو منحرف اور علیحدہ دکھاتی
ہیں - یہہ عدم واقفیت کا نتیجہ ہے - مورخوں نے موجودہ طریق عمل سے نتیجے نکالے ہیں ابتدائی حالات
تاریخیں تصنیف کرنے کے وقت ان کے ذہن میں نہ تھے - بعد کی معلومات نے کئی مسئلے حل کر دئے ہیں
بدھوں کے مندروں کے تذکرہ کے موقعہ پر ہم اس امر کی جانب پھر رجوع ہوں گے - واضح ہو کہ
معبد دو طرح کے ہیں - اول وہ جہاں راگ ہے - چراغ روشن ہوتے ہیں - آرتیاں ہوتی ہیں - گانا
بجانا ہوتا ہے کثرت سے پھول استعمال میں آتے ہیں چڑھاوے چڑھتے ہیں دیوتا کو بھوگ لگاتے ہیں
لوگوں کو پرشاد بٹتا ہے - غرضکہ لوگ جاتے اور آنند کی حالت میں واپس آتے ہیں - رنج و غم دلو نپر
اثر نہیں کرتا - دنیا سے نفرت پیدا نہیں ہوتی یعنی دنیوی مشاغل اور کاروبار سے سرد مہری پیدا نہیں ہوتی

یہ صورت ہندو مندروں کی ہے۔ البتہ جہاں رگھناتھ جی کے مندر ہیں وہاں اتنی رونق نہیں ہوتی جتنی کرشن بھگتی کے مندروں میں ہوتی ہے بلکہ ایک ہلکا سا ویراگ شامل راگ کے ہو جاتا ہے۔ دویم وہ معبد ہیں جہاں ویراگ دلوں پر اثر کرتا ہے۔ دینوی معاملات اور کاروبار دنیا سے بے اعتنائی۔ اور بے ثباتی عالم کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اس جینی مندر میں ہندو مندروں کیسی کیفیت نہ تھی۔ ہاں اس کی صنعت اور شان سے میرا دل ایسا متاثر ہوا کہ لغات کے الفاظ اگر سب خرچ کر دئے جائیں۔ تو پورا ۔۔عادا ہوتا۔ سنا گیا کہ جب جاتری جینی مت کے آجاتے ہیں تو رونق زیادہ ہو جاتی ہے ورنہ یہ مندر وقت معینہ پر کھلتے اور وقت معینہ پر بند ہو جاتے ہیں۔ ان مندروں میں ایک اداسی چھائی ہوئی تھی دست کاری کے اعلےٰ نمونہ موجود لیکن کوئی سرور یا جوش وخروش موجود نہ پایا۔ جو میں نے متھرا۔ بندرابن بنارس وغیرہ وغیرہ مقامات پر دیکھا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان مختلف طبائع رکھتے ہیں۔ کسی کو راگ پسند ہے۔ کسی کو ویراگ پسند آتا ہے۔ شیو کے اپاسک ویراگ پسند کرتے ہیں۔ وشنو کے اپاسک راگ پسند کرتے ہیں۔ برہما کے اپاسک کم ہو گئے۔ کیونکہ آفرینش کا کام ہو چکا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ برہما کی پرستش کے لئے سوری پشکر راج کے اور کوئی جگہ قابل ذکر پائی نہیں جاتی۔ وشنوی اور شیوی فرقوں میں بہت عرصہ تک اختلاف رہا بحث مباحثہ بہت ہوتے رہے۔ آخر صلح ہو گئی۔ اور شیوی اور وشنوی مندروں میں ایک سی کیفیت نمودار ہو گئی۔ اور اب وہی رونق دونوں اقسام کے مندر میں پائی جاتی ہے۔ ہمیں موقعہ نہ ملا کہ ہم دلوارا مندر کی وہ کیفیت دیکھتے جب جین جاتریوں کا اژدہام ہوتا ہے۔ شاید اس موقعہ پر ویسا ہی سماں ہوتا ہوگا۔ جیسے ہندو مندروں میں ہوتا ہے۔ مندر کے بانی کی سنگین مورت سنگ مرمر کے گھوڑے پر سواری کی حالت میں موجود ہے۔ تناسب اعضا بہت اعلیٰ قسم کا نہیں۔ ہاتھی اور گھوڑے سنگ مرمر کے ایک اصطبل کے سے کمرے میں موجود ہیں۔ مگر تناسب جسم میں خامی معلوم ہوتی ہے۔ آس پاس کوئی کان سنگ سفید یا سنگ مرمر کی نہیں ہے اتنے اتنے بڑے پتھر کہاں سے آئے کون لائے۔ ایسے سوال ہیں جن کا جواب دینا مشکل ہے کہا جاتا ہے کہ جس زمین پر یہ دونوں جینی مندر ہیں اس زمین کے صاف کرانے میں ستر لاکھ صرف ہوا تھا۔ کسی ایک ساہوکار کے پاس اتنی دولت کا ہونا قیاس سے باہر ہے۔ جینی اب بھی بہت اہل دول ہیں اور گو بہت ہی کفایت شعار ہیں۔ مندر کے لئے وہ بخیل دریا دلی دکھلاتے ہیں۔ دو نظارے مجھے کبھی نہ بھولیں گے ایک محرم میں لکھنو کے امام باڑوں کی روشنی دوسرا دلوارا مندر کی صنعت کا نظارہ۔ میرے لوح دل پر ان کا نقش تادم مرگ قائم رہے گا۔ معمولی جذبات تو موج کی مانند پیدا ہوتے اور زائل ہوتے ہیں۔ لیکن بعض نظارے مستقل

انجر پیدا کر دیتے ہیں۔

آبو کے کھنڈرات میں بتوں کے اجسام پر صدمے ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ان کا کوئی نشان اس جینی مندر پر معلوم نہیں ہوا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ محققان تاریخ جواب دیں۔ کیا یہ مندر بت شکنوں کی غارت کی دست برد سے اس لئے محفوظ رہے کہ ان کی مقام کا پتہ نہ ملا۔ یا اہل دول نے بت شکنوں کی ہوا طمع کو زر سے کسی طرح پورا کر دیا۔ یا ان کو کوئی بت نظر نہ آیا۔ شاید ایسا ہی ہو۔ کیونکہ جے پور ہی ستا کے یا آرس ناتھ جی بت بعد میں گوشوں میں استہاپن کئے گئے ہیں۔ سقف کی دیویاں شاید سمجھ میں نہ آئی ہوں گا ئیڈ میں بھی اس معاملہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ایک اور امر دریافت طلب رہا کسی جینی صاحب سے دریافت کروں گا۔ یعنی یہ کہ دلوارا مندر میں آدھی ناتھ کا چہرہ سفید پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس کے پاس کے مندر میں جو تقریباً دو صدی بعد بنا۔ اسمیں نیمو ناتھ کا چہرہ سنگ موسے کا بنا ہوا ہے۔ اس گورے اور کالے چہروں کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید یہ ابلق ایام سے مراد ہو۔

ایک مقام پر سنگ مرمر کے دو تپٹے یا پلے کی شکل کے نئے معلوم ہوئے۔ فوراً اسپر نگاہ پڑی اور وہ اس زمانہ کی بنی ہوئی معلوم ہوئی۔ یقین مانئے کہ زمانہ حال کے دستکار اصلی صنعت کی نقل بھی نکر سکے ہمارے رہنما نے بتلایا کہ اس چھوٹے سے ٹکڑے کے بنانے کے لئے سال بھر چالیس دستکار مصروف رہے پھر بھی وہ صفائی نہیں آئی۔ وہ فن ہی مفقود ہو گیا۔ افسوس! جیسے اسوک شہنشاہ کے محل کے ستون کی صفائی کا۔ (polish) پالش اب کسی سے نہیں ہو سکتا۔ جیسے پرسی پولیس (Persi polus) کے پتھروں کا پالش اب نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی پتھر پر وہ بیل بوٹا بنانے والے مفقود ہو گئے۔ قاعدہ ہے کہ جس شے کی مانگ نہیں رہتی ہے وہ رخصت ہو جاتی ہے۔ آبو کی سیر ختم ہوئی۔ واپسی کے موقعہ پر خاص موٹر کار کا انتظام کیا گیا۔ اور ایک گھنٹہ میں بندہ آبو روڈ واپس آیا۔ اور شام کے کھانے کی فکر لاحق ہوئی۔ منشی اور میں برہمن کے بنے ہوئے کھانے سے خوش نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے بازار سے کچوریاں بھاجی ترکاری منگوائی اور خوب تناول کی کچھ صبح کے لئے بھی رکھ لیں جو بہت کام آئیں۔

آبو بہت وسیع پہاڑ ہے۔ جھیل نہایت خوبصورت ہے ایک ہوٹل کرونماس Kromundas نام کا موجود ہے۔ شاید کرونداس کے جھیل کے نام پر رکھا گیا ہوگا۔ انگریزی گرجا اور مدرسہ اور ایک ڈاک بنگلہ بھی ہے بازار نہایت مختصر ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ جب ہم پہونچے تو کوٹھیاں سب خالی تھیں۔ جب سے بارش شروع ہوتی ہے وہاں کا (Season) موسم ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے پنجاب کے پہاڑوں پر بارش کے دنوں میں بھی ( ) اکتوبر کے آخر تک جاری رہتا ہے۔ یہ بھی کیفیت ادنیٰ پہاڑ کی پائی گئی

وہاں بھی بارش ہوتے ہی راجپوتانہ اور دکن میں گرمی نہیں رہتی۔ خنکی ہو جاتی ہے اور لوگ نیچے اتر آتے ہیں

نوٹ:۔ اس تحریر کے بعد شباب اردو میں کسی صاحب نے آبو کا حال لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ وہاں ایک کتبہ ہے جس میں مذکور ہے کہ چین کے کاریگر معماروں نے جینی مندر بنایا تھا۔ نیز یہ کہ روپیہ جو ان مندروں پر صرف ہوا۔ ایک دفینہ سے نکلا تھا۔ ہم نے کوئی کتبہ ایسا نہیں دیکھا۔ وہاں کے مہتمم کو ہم نے خط لکھا۔ جواب آیا کہ وہاں کوئی کتبہ موجود نہیں۔ دفینہ بھی تاریخی واقعہ نہیں۔ روایت سے مشہور ہے۔

(شمیم)

کلامِ یاس

دل کی ہوس وہی ہے مگر دل نہیں رہا
محمل نشیں تو رہ گیا محمل نہیں رہا

بیہودہ سر پٹکنے کا حاصل نہیں کوئی
نقشِ قدم تک اب سرِ منزل نہیں رہا

پہونچی نہ اڑ کے دامنِ عصمت پہ گرد تک
اس خاک اڑانے کا کوئی حاصل نہیں رہا

یاد آئی بوئے پیرہنِ یار ناصحا
اپنا دماغ اب کسی قابل نہیں رہا

رکھتے نہیں کسی سے تسلی کی چشم داشت
دل تک اب اعتبار کے قابل نہیں رہا

اک آخری علاج پہ ٹھیرا ہے فیصلہ
بیمار اب امتحان کے قابل نہیں رہا

آہستہ پاؤں رکھئے قیامت نہ کیجئے
اب کوئی سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا

پروانے اپنی آگ میں جل کر ہوے تمام
اب کوئی بارِ خاطرِ محفل نہیں رہا

تکتے ہیں یاسؔ دور سے منہ آپکا ہنوز
آنکھیں تو رہ گئیں مگر اب دل نہیں رہا

(ابو المعانی مرزا یاس لکھنوی)

نزلہ بر اندامِ ضعیف

کیوں بے تیجا کیا بھول گیا کہ جب گھوڑی کے معاملہ میں پھنس گیا تھا۔ بچہ اگر ہم نہ بچاتے تو ڈھائی برس کو جاتے کیا وعدہ کیا تھا۔ کہ ہے کچھ یا نہیں دلوا کوئی مقدمہ ورنہ یاد رکھ۔ خیر نہیں۔ چالان دھرا ہوا ہے۔ وارد غہ جی ہم آپ کے بال بچے ہیں آپ کے ہی بھروسہ پر جیتے ہیں۔ بھلا آپ کا گن بھول سکتے ہیں۔ ہماری جان بھی اگر آپ کے کام آسئے تو حاضر ہے۔ کیا کہیں آجکل کچھ ایسا ہی معاملہ ہے نہیں تو آپ کے دم کو سو مقدمے۔ چلئے یہ باتیں تو ہو چکیں اب یہ کہ کچھ کارروائی ہوگی یا نہیں۔ سرکار خفا نہو۔ ہوگی۔ اور پھر ہوگی۔ آپ کا حکم

اور ٹل جائے ۔ لو اب تو جاتے ہیں پھر سلام ہو گا۔ چوتھے روز سکھرام کورمی سکنہ جمال پور نے تھانہ میں آکر رپٹ کی کہ کل رات میری ایک بھینسیا جو ابھی بیاہی تھی معہ بچہ کے کھل گئی کل سے تلاش کر رہا ہوں کہیں پتہ نہیں ہے ۔ کھوج سڑک پختہ سے آگے نہیں چلتا۔ دیوانجی بولے کہ کچھ بھینٹ بھیٹا ون بھی لایا ہے یا رپٹ ہی کو دوڑ پڑا چوکیدار جو ساتھ آیا تھا بولا کہ دیوانجی کیوں گھبراتے ہو۔ رپٹ تو درج کرو حق حقوق بھی مل جائے گا سکھرام نے جھٹ ایک روپیہ پگڑی سے کھول کر دیوانجی کو دیا رپٹ آوارگی کی لکھی گئی۔ دیوانجی نے کہا کہ جاؤ تلاش کرواد ہر اُدہر کے پھاٹکوں میں دیکھو بھالو دیہات کے چوکیداروں سے ہم بھی تاکید کر دیں گے اور گنیش سنگھ کانسٹبل کی بھینس کی تلاشی پر تعیناتی کر دی۔ سکھرام نے چلتے وقت دیوانجی سے کہا کہ حضور میں غریب آدمی ہوں ۔ میری ایک ہی جھٹیا ہے اسی سے بال بچوں کے منہ میں میٹھا پانی پڑ جاتا ہے ذرا کوشش کر اچھی طرح تلاش کرانا ۔ رمضان کا مہینہ آپہونچا اور دارو غہ جی کے کوئی دودھ کا پوہا نہیں ہے۔ سحری کو کیا ہو گا آپ نے تیجا کو بلا بھیجا۔ چار بجے شام کے جبکہ دارو غہ صاحب اسٹیشن کے چبوترہ پر بطور تفریح براج رہے تھے۔ تیجا چودھری آموجود ہوا ۔ بولا حکم سرکار کیوں یاد کیا ہے ۔ دارو غہ جی بولے حکم و کم تو کیا ہے کبھی تمہارے وعدہ بھی پورے ہوں گے ۔ چودھری صاحب یہاں انتظار میں مرے جاتے ہیں ۔ دیکھو یہ حکم آیا ہے مجسٹریٹ صاحب کی چٹھی کپتان صاحب کے نام آئی ہے جس کا مضمون یہ ہے ۔ ڈیر مسٹر محمود آباد پولس اسٹیشن کی کارروائی قابل اطمینان نہیں ۔ سرقہ مولشیاں میں تھانہ دار کی جانب سے سرگرمی نہیں ہے آپ مہربانی سے اس کو ہدایت کریں کہ اس طرف وہ زیادہ توجہ کرے ۔ دیکھو اصل چٹھی حکم کے ساتھ منتھی ہے کپتان صاحب لکھتے ہیں کہ اگر تھانہ دار پوری توجہ اس جانب نہیں کرے گا۔ تو اس کے حق میں بہتر نہ ہو گا اب کہو کیا کہتے ہو دلواؤ کوئی مقدمہ ۔ سرکار پندرہ بیس روز اور چپکے رہیے پرمیشر مالک ہے وہ لو جس میں نام ہو جائے نام ہی نہیں بلکہ .... خیر چودھری صاحب دیکھا جائے گا۔ ہاں ایک بات اور ہے رمضان سر پر آگیا اور ہمارے ہاں کوئی دودھ کا پوہا نہیں ۔ دو بھینس گیا بھن کھڑی ہیں دودھ کا کیا بندوبست ہو تین سیر دودھ کافی ہو گا سرکار اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ پیتا مرے بھتیجے نے ابھی ایک جھٹیا ستر کو مول لی ہے سات سیر دھار دیتی ہے شام کو تین سیر دودھ پہونچ جایا کرے گا۔ آخر تین سیر دودھ شام کو پہونچنے لگا رمضان بھر دودھ پہونچتا رہا اور خوب روزے کٹے اور سحری اُڑی ایک دن صبح کو ہرجیت گوجر دارو غہ صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ سے کچھ علیحدہ بات کہنی ہے ذرا آپ سن لیں ۔ دارو غہ صاحب نے کہا کہ یہیں ذرا کان میں کہدو نہیں سرکار ذرا علیحدہ سن لو یہاں کہنے کی بات نہیں ہے ۔ دارو غہ جی اپنے کمرہ میں آئے اور ہرجیت بھی آیا۔ دارو غہ جی میرا نام تو نہو برادری کا معاملہ ہے سکھرام کی بھینسیا تیجا کی

پھیر میں ہے اس نے اپنے بھتیجے ننتا کے گھر میں باندھ رکھی ہے۔ روز بے کھٹکے دودھ پیتا ہے۔ لو میں تو جاتا ہوں دیکھنا میرا نام نہ ہو۔ داروغہ جی بولے ذرا سُن تو سہی بھاگا کیوں جاتا ہے۔ کیا وہی سکھرام کی بھینسا تیجا کے پھیر میں ہے اس نے ننتا کے گھر میں باندھ رکھی ہے تیجا تو یہہ کہتا تھا کہ ستر روپیہ کو مول لی ہے داروغہ جی اب تم جانو اور تمہارا کام ہمیں جو معلوم تھا سو کہدیا یہہ کہکر سر جیت چلدیا۔ فوراً داروغہ جی نے دوش کا انتظام کیا اور چلتے چلتے سکھرام کو بھی بلا بھیجا کوئی ایک بجے دن کے کانسٹبل اور چوکیداروں کو لیکر داروغہ جی نے ننتا کا گھر گھیر لیا۔ تیجا بھی آپہونچا۔ تیجا نے بہترا کہا کہ داروغہ جی بھینس آجائے گی۔ آپ گھر کی تلاشی نہ لیں۔ مگر داروغہ جی نے ایک نہ مانی۔ آخر بھینس گھر میں سے نکلی اور سکھرام نے پہچان لی۔ فوراً ننتا کو پکڑ لیا اور بھینس اور ملزم کو لیکر داروغہ جی تھانہ میں آئے۔ ننتا نے کہا کہ داروغہ جی بھینس تو میں نے شتبا چمار سے پور بیہ سے ستر روپیہ میں مول لی ہے۔ آپ مجھے کیوں پکڑتے ہیں۔ اب یہاں سے چل کر شتبا کو تھام لیا یہہ غریب گھبرایا۔ یہہ کیا آفت ہے۔ میں نے کب بھینس بیچی ہے۔ شتبا ایک آبرودار آدمی تھا۔ دل میں کہنے لگا کہ اب پولس نہیں چھوڑے گی۔ دھانگڑ سے کی۔ چوپال میں کانا پھوسی ہونے لگی۔ آخر معاملہ طے ہوا اس شرط پر کہ یہہ بھی کسی کا نام لے دے کہ اس سے بھینس خریدی ہے۔ شتبا نے ہزاری لودہ کا نام لے دیا ہزاری نے مہتاب بنئے کا۔ مہتاب نے رام سکھ ٹھاکر کا اور اس نے نربت برہمن کا۔ نربت نے کیولا چمار کا ہزاری۔ مہتاب۔ رام سکھ۔ اور نربت تو ایک ایک سیکڑہ دے کر پولس کے پنجہ سے اپنی جان بچا کر الگ ہوگئے۔ اب رہا بیچارہ کیولا چمار اس کے پلے کیا تھا اس کو تو دو دو دن کے فاقہ گذرتے تھے یہہ بھلا کہاں سے انجن میں کوئلہ ڈالتا نہ کوئی اس کا گواہ تھا نہ کوئی مددگار یہہ دھر لیا گیا گواہوں نے صاف کہا کہ اس چمار نے بھینسا چورائی ہے ایک گواہ نے تو یہہ بھی کہا کہ فلاں دن میں نے کیولا چمار کو شام کے وقت جالپور سے بھینس لاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں نے مول لی ہے۔ یہہ گواہی بھی پوری اُتری کہ اس چمار نے فلاں دن نربت کے ہاتھ بھینس بیچی ہے۔ اب تمام نزلہ غریب کیولا پر پڑ گیا۔

تحقیقات میں داروغہ جی نے نربت کو صاف بچادیا۔ صرف کیولا کا چالان کیا گیا۔ عدالت سے ثبوت جرم پر اس کو دو سال کی قید سخت ہوگئی سکھرام مدعی اپنی بھینس اپنے گھر کو لے آیا۔ ایک مہینہ تک خوب دودھ پئے گئے سحریاں اُڑیں۔ چھ سو روپیہ۔ ایک پرہیزگار متقی روزہ دار کی تھیلی میں جا پڑے کارگزاری درج اعمال نامہ ہوئی اور تھانہ کی پیشانی سے یہہ سیاہ دھبہ بدنامی کا دھل گیا کہ ہوتی کی چوری نہیں پکڑی جاتی۔

(نثار حسین)

نغمہ جذبات

لذت شناس جور و جفا کو سزا ملے ۔۔۔ کچھ تو مری وفا کا ستمگر صلا ملے
میں ان سے شکوہ سنج تغافل ہوں کس لئے ۔۔۔ جب نالے خود ہی مجکو مرے نارسا ملے
اللہ یوں تو ہو کوئی مجبور عاشقی ۔۔۔ دشنام اور وہ بھی نہ مجھے بر ملا ملے
پھر وقف اضطراب دل ناصبور ہے ۔۔۔ اچھا ہے جرم عشق کی اس کو سزا ملے
غافل تو بتکدے ہی میں کر سجدۂ نیاز ۔۔۔ شاید یہیں سے راہ حقیقت نما ملے
پھر کیوں نہ شکوہ سنج ہوں جب کیف درد ہے ۔۔۔ خود چارہ ساز ہی مجھے نا آشنا ملے
کردوں میں چاک چاک گریبان زندگی ۔۔۔ دست جنوں کو غم سے جو فرصت ذرا ملے
ثاقب کی راہ عشق میں اللہ ری محویت ۔۔۔ سجدے کئے جہاں پہ ترے نقش پا ملے

(سید ابو محمد ثاقب ۔ کانپوری)

ارزانی اور گرانی

ضروریات زندگی کی گرانی نے جو صورت اس وقت اختیار کر رکھی ہے ۔ وہ اس ملک کی تاریخ میں لاثانی ہے ۔ جو چیز ہے ۔ بنفشہ کے بھاؤ بک رہی ہے ۔ کوئی چیز بھی چاہے دیسی ہو یا پردیسی سستی نہیں ہے، پانی کی ٹھلیا اور جھاڑو تک پہلے سے دو گنے داموں بک رہی ہیں ۔ عوام حیران ہیں کہ کیا کریں اور کہاں جائیں ۔ آمدنی قلیل اور اخراجات بہت بڑھے ہوئے ۔ اس بوجھ کے نیچے محدود آمدنی والے مرے جاتے ہیں ۔ آؤ ۔ ضروریات زندگی کی گرانی اور ارزانی پر غور کریں ۔ اور اپنے ذہن کو ان غلط فہمیوں سے آزادی دلائیں ۔ جو ناواقفیت اور لاعلمی سے واقع ہو جاتی ہیں ۔ گذشتہ نمبر میں اسی مسئلے پر بحث ہو چکی ہے ۔ مگر مضمون بڑا وسیع اور جامع ہے اسوجہ سے ایک مضمون میں کیا ۔ درجنوں مضامین میں بھی ختم نہیں ہو سکتا ۔ یہہ سوال اقتصادیات سے تعلق رکھتا ہے اور یہہ بہت پرانا علم ہے سنسکرت میں بیسوں کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ جن میں سے کئی سنہ عیسوی سے کئی سو برس پہلے لکھی گئی تھیں ۔ مثلاً کوٹلیہ عرف چانک کا "ارتھ شاستر" مہاراجہ چندر گپت موریہ کے زمانہ میں لکھا گیا تھا ۔ چند ہی برس ہوئے کہ اس کا اصل نسخہ برآمد ہوا ۔ اور اب انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے ۔ اس میں کئی کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ جو اس سے بھی پہلے کی ہیں ۔ سب سمرتیاں اقتصادی مسائل سے بحث کرتی ہیں ۔ یاگ ولک

اور منوجی کی سمرتی سب سے مشہور ہیں۔ اور وہ کوٹلیہ کے ارتھ شاستر سے بھی پہلے لکھی گئی ہیں۔ یونانیوں نے بھی اسی علم پر خامہ فرسائی کی ہے۔ افلاطون۔ اور ارسطاطالیس نے دو نہایت مستند کتابیں۔ اکنامکس (اقتصادیات) میں لکھی ہیں۔ اس زمانہ میں برطانیہ۔ فرانس۔ امریکہ۔ جرمنی۔ اٹلی۔ ہالینڈ۔ سویڈن۔ ناروے وغیرہ کے ماہروں نے بڑی بڑی مستند کتابیں اسی فن پر لکھی ہیں۔ جن کے ترجمے دیگر زبانوں میں بھی کئے جاتے ہیں۔ اسوجہ سے اس موضوع پر مسلسل مضامین شائع کرنے کی بیحد گنجائش ہے۔

لوگ باگ گرانی اور ارزانی اپنی نادانی میں کبھی حکام کی حاکمانہ کارروائی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی دوکانداروں اور سوداگروں کی طمع سے منسوب کرتے ہیں اور کسی حد تک یہہ دونوں عذر جائز قرار دئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً جنگ آرائی کے سبب سے سپاہ کے لئے گھی اور دیگر اشیائے خوردنی کی ضرورت تھی۔ اگر بازار کے بھاؤ سے خریدا جاتا۔ تو ملنا دشوار رہتا۔ اور چونکہ ضرورت اشد تھی۔ اسوجہ سے مہنگا خریدنا شروع کر دیا۔ اور تجارت میں نفع مقدم بات ہے۔ اس لئے سوداگروں نے گورنمنٹ کو گھی اور دیگر اشیاء بہم پہونچانا شروع کر دیا۔ کہ جس سے بازار میں آنے سے چیزیں بند ہوگئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعض وقت حکام کی طرز عمل چیزوں کے نرخ تیز کر دیتی ہے۔ مگر بالعموم ایسا نہیں ہوتا۔ سوداگر بھی نفع کے خیال سے بہت سا مال لے کر گودام میں بند کر دیتے ہیں۔ گویا مال کی بہم رسانی پر قابض ہو گئے۔ اس سے بھی چیزیں مہنگی ہو جاتی ہیں۔ مگر عالم صحت و تجارت کے بعض خاص قوانین ہیں کہ جو ضروریات زندگی کے نرخ پر حاوی رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض بڑے بڑے حسب ذیل ہیں (۱) مانگ اور بہم رسانی۔ یہہ سب سے بڑا قانون اور ہمہ گیر ہے۔ (۲) کثرت اور قلت۔ جو اول الذکر قاعدہ سے منتج ہوتا ہے۔ (۳) سکہ کی نوعیت۔ (۴) درآمد و برآمد کا توازن۔ (۵) شرح تبادلہ جو صرف خارجی تجارت سے واقع ہوتا ہے۔ ان تمام معاملات کا مفصل ذکر پچھلے مضمون میں ہو چکا ہے۔ اسوجہ سے سلسلہ قایم رکھنے کے لئے خلاصہ کے تذکرہ ہی پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔

جو لوگ اپنے کو ایسے اہم مسائل پر حاوی تصور کرتے ہیں۔ اور وہ گرانی کی یہہ وجہ بتلاتے ہیں۔ کہ ہماری ازلی پیداوار گورنمنٹ اور اسکے کارندے ولایت کو لیجاتے ہیں۔ اور ہم بھوکے مرتے ہیں غلہ باہر جاتا ہے۔ اور دیگر چیزیں بھی جاتی ہیں۔ جیسے چمڑا۔ کپاس۔ سرسوں۔ تل۔ السی وغیرہ تیل والے تخم۔ آپ غلہ باہر جانے دیجئے۔ لیکن آپ نے کبھی بین الاقوام تجارت کے اتار چڑھاؤ تجارت درآمد و برآمد کے سلسلہ پر غور کیا ہے؟ غیر ممالک سے آپ کی ضروریات کا بہت بڑا حصہ آتا ہے ریشم۔ اور اون کے خوبصورت کپڑے۔ ململ۔ لٹھا وغیرہ۔ جوتیاں۔ چھتریاں۔ سوئیاں۔ دیاسلائی

سگرٹ - سگار - چھڑیاں - کالر، نکٹائیاں - دستانے - موزے - ٹوپیاں - بٹن - تاگہ - غرض اس
قسم کی بہت چیزیں غیر ملکوں سے آتی ہیں - یہ فرمائیے ان چیزوں کے بدلے - آپ کیا دیں گے؟ نقدا! نقد
دینے میں ہمیشہ خسارہ رہتا ہے - فرانس سے ریشمی مال منگایا - وہاں کا سکہ فرانک ہے - روپیہ کو فرانک کے
ہم قیمت کرنے میں پونڈ کا سہارا لینا پڑتا ہے - اور اسی ہیر پھیر میں خاصا فرق پڑ جاتا ہے - کسان اناج
اور دیگر زراعتی چیزیں پیدا کرتا ہے - اسی سے اس کی بسر اوقات ہوتی ہے - جتنا اناج پیدا ہوتا ہے
وہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے - اسیطرح جولاہا اپنی ضرورت سے بڑھکر کپڑا بناتا ہے اور موچی جوتیاں
تیار کرتا ہے - افراد قوم مختلف پیشوں سے اپنی ضروریات بہم پہونچاتے ہیں اور قدرت کے ہمہ گیر قانون
احتیاج بالغیر کے طفیل افراد اپنی آسائش یعنی ضروریات زندگی کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں
اپنی محنت سے ہم اپنی ساری ضرورتیں پوری کرتے ہیں سکہ وسیلہ ہے کہ جس سے ضروریات اور اشیا کی
قیمت کا تعین کیا جاتا ہے - روپیہ وسیلہ خرید و فروخت اور مبادلہ اشیا ہے - جولاہا کپڑا بناکر بازار میں
بیچتا ہے - وہاں اس کے دام مقرر ہوتے ہیں کپڑا بزاز کے حوالہ کرکے نقد حاصل کرتا ہے - اور
اسی سے وہ بنئے کے ہاں - دال - آٹا - سبزی فروش سے ترکاری اور لکڑی والے کے ہاں سے ایندھن
لیکر گھر کو لوٹتا ہے - اور ان چیزوں سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے جو سامان افراد اپنی محنت
سے بناتے ہیں - ان سے وہ آسائش حاصل کرتے ہیں - اپنی ضرورت پورا کرکے وافر اشیا دوسروں کو
دیتے ہیں - کہ جس سے ان کی ضرورت رفع ہوتی ہے - اس کا نام اصطلاح میں تبادلہ ہے - بین الاقوام
تجارت اسی قاعدہ سے ہوتی ہے - اقوام اور ممالک احتیاج بالغیر کے زبردست قانون میں جکڑے ہوئے
ہیں - قدرت نے سب کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے - ہر ایک ملک اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کا
دست نگر ہے - قومیں اپنی محنت کے نتائج منڈی میں لاتی ہیں دوسروں سے اپنی پیدا کردہ چیزوں کا
تبادلہ کر لیتی ہیں - اپنا فاضل مال دوسروں کو دیتی ہیں - اور دوسروں کی وافر اشیا آپ لے لیتی ہیں
سوداگر اپنا دین لین ہنڈیوں سے چکاتے ہیں - نقد کبھی نہیں دیتے - مثلاً امرتسر کے کسی تاجر نے -
پشاور کے کسی دوکاندار سے خشک میوہ ہزار روپیہ کا منگایا - ادھر دوسرے دوکاندار نے جس کا نام
کریم بخش ہے - امرتسر کے لالہ نارائن داس سے ہزار روپیہ کا کپڑا منگایا - کریم بخش میوہ فروش
پشاوریکو امرتسر کے بیناری کی طرف سے روپیہ ادا کر دے گا - اور آخر الذکر لالہ نارائن داس کو پشاوری
بزاز کے حساب میں رقم ادا کرکے حساب چکا دے گا - روپیہ ادا ہوگیا - مگر نقد نہ امرتسر سے پشاور گیا
اور نہ پشاور سے امرتسر آیا - یہی حال بین الاقوام کی خرید و فروخت کا ہے مال جو ایک دوسرے سے

لیا جاتا ہے - اس کی قیمت کا تخمینہ پونڈ شلنگ میں کیا جاتا ہے - مثلاً لائل پور کے سوداگر نرنجن داس سے لندن کے تاجر جارج ہربرٹ نے پندرہ لاکھ روپیہ کے گیہوں خریدے - اور امرتسر کے سوداگر ہزاری لال نے مانچسٹر سے پندرہ لاکھ کا کپڑا منگایا - ہزاری لال امرتسری نرنجن داس لائل پوری کو پندرہ لاکھ ادا کر دے گا - اور جارج ہربرٹ مانچسٹر سوداگر کو پندرہ لاکھ ادا کر کے سرخرو ہو جائے گا - یہہ کام تبادلہ کی ہنڈی سے ہوتا ہے - ہمارے ہاں زیادہ تر خام زرعی چیزیں پیدا ہوتی ہیں - ہم وہی غیروں کو دیں گے اور ان کے بدلہ اوروں سے مصنوعات لیں گے - کسان جب بنئے کی دوکان پر جاتا ہے تو ہمیشہ اناج لیکر جاتا ہے کہ جس کے بدلہ میں - نمک تیل - تمباکو وغیرہ حاصل کرتا ہے - اگر غلہ باہر نجائے - تو کسانوں کو سخت نقصان ہے - اگر سوداگر اپنا مال اسی حالت میں فروخت کرے کہ جب چیز مہنگی ہونے سے زیادہ منافع ہو - یا جہاں زیادہ نفع ملنے کی توقع ہو تو کیا وجہ ہے - کسان یورپ کی منڈیوں میں فروخت کر کے پورا فائدہ حاصل نہ کرے! غلہ کی برآمد منع کرنے سے کسانوں کو سراسر نقصان ہے -

بعض شخصوں نے ایک اور ہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ جو سراسر حق کشی پر مبنی ہے اور ان باتوں کے شائق اپنی لاعلمی بخوبی عیاں کرتے ہیں - اور وہ یہہ ہے کہ پرانی تاریخوں سے پرانے بادشاہوں کے عہد کے نرخ اشیا پیش کر کے یہہ ثابت کرنے کے درپے رہتے ہیں کہ انگریزوں کے زمانہ میں چیزیں بیحد مہنگی ہیں اور مسلمان بادشاہوں کے عہد حکومت میں بہت ارزاں تھیں - ہر دو زمانوں کے اخراجات زیست کا مقابلہ کر کے بالواسطہ انگریزی راج کو مذموم قرار دیا جاتا ہے - اس بے انصافی کو دیکھکر چپ رہنا دشوار ہے - گورنمنٹ پر ایسی باتوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - مگر ہم واقعات سے چشم پوشی کرنا گناہ سمجھتے ہیں - جو لوگ صرف اشیائے خوردنی کے نرخ دکھاتے اور باقی باتوں کو محذوف کرتے ہیں - وہ حق و انصاف کا کند چھری سے گلا کاٹتے ہیں اس لئے اقتصادی پہلو سے پرانے زمانہ اور حال کے نرخوں پر غور کرنا امر ضروری ہے - اس سے اقتصادیات کی بنیادی مسائل کی تشریح مطلوب ہے -

ایک انگریزی میگزین میں ایک مضمون طبع ہوا کہ جسمیں مختلف زمانوں کے نرخ اشیاء دیئے ہوئے تھے - اسی کی نقل بقول "نقل راچہ عقل" سب اخباروں - اور رسالوں میں کی گئی - اور ایڈیٹران اخبارات و رسائل نے بڑی سخت حیرت ظاہر کی - جو بلاشبہ نادانی پر مبنی تھی یعنی اگر اقتصادیات کی شد بد سے واقفیت ہوتی - تو اس قدر تعجب ظاہر کرنے میں ضرور تامل ہوتا - اب ہم بھی ان نرخوں کا ذکر کریں گے - جو انگریزی مضمون سے ماخوذ ہیں - مگر اکبر کے زمانہ کے بھاؤ ہم نے آئین اکبری کے انگریزی اڈیشن سے مستعار لئے ہیں - جو تین سو برس پہلے کے نرخ -

جس سے مراد علاء الدین خلجی کا زمانہ ہے - گھی - (۳۴۳) سیر - گیہوں - (۱۱۶) سیر - جو (۲۳۲) سیر چاول (۱۷۶) سیر - اُرد (۱۷۹) سیر - چنے (۱۷۹) سیر - موٹھ (۱۹۶) سیر - کھانڈ (۱۷۵) سیر روپیہ کی تھی - اور دودھ روپیہ کا چھ من تھا - ایک آدمی کے خرچ ماہانہ کا حساب حسب ذیل دیا گیا ہے

گھی نو سیر	۳ - ۲ - ۰	گندم ایک من	۶ - ۵
چاول بیس سیر	۹ - ۱ - ۰	اُرد دس سیر	۱۱ - ۰
چنے دس سیر	۱۱ - ۰ - ۰	موٹھ 〃	۱۱ - ۰
کھانڈ پانچ سیر	۳ - ۵	لکڑی	۱

میزان کل ۶ - ۲ - ۲

اب سوال پیدا ہوتا ہے - من کتنے سیر کا تھا - اور سیر کتنے تولہ کا تھا - ہندوستان میں اب تک مختلف قسم کے سیر ہیں - دیہات کا سیر جو پنجاب میں استعمال ہوتا ہے بتیس تولہ کا ہے - بمبئی - مدراس کا سیر بہت ہی ہلکا ہے اسی حساب سے من بھی کم ہوتا ہے - جے پور اور شاہجہانپور اور بریلی کا سیر سو تولہ کا ہوتا ہے - گورکھپور کے علاقہ کا سیر شاید سب سے بڑا ہے - راقم مضمون نے روپیہ کا بھی ذکر نہیں کیا کہ کتنا بڑا اور کتنے ماشے یا تولہ کا تھا - اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ انگریزی روپیہ اسوقت رائج نہ تھا - جے پور اور حیدرآباد اور دیگر ریاستوں کے اپنے سکے ہیں - مگر وہ انگریزی کلدار روپیہ سے وزن اور شکل اور نیز قیمت میں کم ہیں - اکبری روپیہ ان سے بہت مختلف تھا - اور باتوں سے قطع نظر علاء الدین خلجی کے عہد کے روپے اور اوزان کا صحیح وزن دینا چاہئے تھا - ہمیں ان اعداد کی صحت میں بھی شک ہے - لیکن خیر بحث کے لئے انہیں قبول کئے لیتے ہیں - اکبر کے عہد میں حسب ذیل نرخ تھے - اناجوں کا نرخ -

گیہوں	فی من	۱۲ درم	کابلی موٹھ	فی من	۱۶ درم
جو	〃	۱۶ 〃	باجرہ	〃	۶ 〃
السی	〃	۱۰ 〃	مٹر	〃	۲ 〃
سرسوں	〃	۱۲ 〃	چاول سکھ داس	〃	۱۰۰ 〃
شاہ زیرہ	〃	۹۰ 〃	مصری	〃	۹۰ 〃
مونگ	〃	۱۸ 〃	ارد	〃	۱۶ 〃
موٹھ	〃	۱۲ 〃	جوار	〃	۱۰ 〃

گھی	ایک من	۱۰۵	دام
دہی	"	۱۸	"
دودھ	"	۲۵	"
زعفران	ایک سیر	۴۰۰	"
آٹا سفید	فی من	۲۲	"
پیاز سبز	"	۴۰	"
گوبھی	"	۲۰½	"
چولائی کا ساک	ایک سیر	۱¼	"
افغانی بھیڑ درجہ اول	۰ — ۰ — ۲		روپے
" " سوم	۰ — ۴ — ۱		"
بکری کا گوشت	فی من	۶۵	دام
بٹیر	فی عدد	۳	"
فاختہ۔ کبوتر وغیرہ	"	۴	"
سوئی	۱۴ - دام سے	۴ روپے تک	
کمبل	۱۰ - دام سے	۲	"
ململ	۲ - روپے سے	۹ مہر تک	
دوپٹہ	۱ -	" ۱	"

عمدہ چینی	ایک من	۶	درم
مصری سفید	"	۵½	"
شکر	"	۵۶	"
نمک	فی من	۱۶	"
خشکہ	"	۱۵	"
گاجر	"	۲۲	"
ادرک	ایک سیر	۲½	"
لہسن	فی من	۶	"
افغانی بھیڑ درجہ دوم	۰ — ۸ — ۱		روپے
ہندی اور کشمیری بھیڑ	۰ — ۸ — ۱		"
لط مرغابی وغیرہ	فی من	۱۴۵	دام
تیتر	فی عدد	۲۰	"
پٹو	۰ — ۰ — ۱		روپے
شال	۲ - روپے سے	۸ مہر تک	
کھیس	۳	" ۱۵	"
سالو	"	" ۲	"

یہ نرخ اکبر کے سن جلوس کے چالیسویں سال کے ہیں - اسوقت اس کی سلطنت میں دو ہزار سات سو (۲۷۰۰) قصبات اور ایک سو پانچ " سرکار " یعنی صوبے تھے اور سالانہ محاصلات نو کروڑ سات لاکھ (۴۳) ہزار آٹھ سو اور اکاسی روپے تھے - اکبری روپیہ سے ہم لوگ واقف ہیں کہ جو وزن میں انگریزی روپیہ سے تھوڑا ہی کم تھا - اسی طرح من چالیس سیر کا تھا - اور فی سیر تولے کا تھا - باقی سکوں کی قیمت اور وزن حسب ذیل تھا - اکبری درم وزن میں ایکتولہ سات ماشہ اور سات رتی تھا - اور روپیہ چالیس درم کے برابر تھا - اور درم کے (۲۵) حصے یا اجزا تھے - جو صرف دمڑیوں کی طرح حساب میں کام آتے تھے - ادھیلا نصف تولہ کے برابر اور پولہ چوتھے حصے کا اور دمڑی ¼ روپیہ برابر تھی - جلالی مہر سونے چودہ رتی وزن میں اور قیمت میں

چار سو درم کے برابر تھی - اس سے ظاہر ہے کہ ایک آنے کے ڈھائی درم ہوتے تھے - اور سونے کا نرخ مہر کے وزن اور قیمت کے حساب سے فی رتی (۲۸) درم کے قریب تھا - اس سے ظاہر ہے کہ گیہوں کا بھاؤ فی من ۱/۸ روپیہ یعنی پانچ آنہ اکبری سے کچھ کم تھا - اسی حساب سے اور چیزوں کے نرخ کا اندازہ کرلینا چاہیے - اس زمانہ میں اکبری مہر دس روپیہ کی برابر تھی - شالوں کی قیمت اسی روپے ہوتی تھی اگر محض نرخ ہی دیئے جائیں تو دانستہ پڑھنے والوں کو مغالطہ میں ڈالنا ہے - اس لئے اکبر کے زمانہ کی شرح مزدوری کا بھی ذکر کرنا چاہیئے - آئین اکبری کے نکتہ اس مصنف نے ذرا ذرا باتوں کا ذکر کردیا ہے - پختہ اینٹوں کا نرخ تیس دام فی ہزار تھا - اور وزن فی اینٹ تین سیر تھا - جو موجودہ ڈبل اینٹ سے کچھ کم تھی - کچی دس دام فی ہزار کے نرخ سے بکا کرتی تھیں - اینٹ بنانیوالے کاریگر درجہ اول کو سات درم روزانہ اور درجہ چہارم کو چار درم روزانہ - معمار جو پتھروں میں بیل بوٹے بناتے تھے - چھ درم روزانہ - بڑھئی سات درم روزانہ - کارچوبی بنانے والے کو ساڑھے تین درم روزانہ - کنویں کو کھودنے والوں کو دو درم فی گز دیا جاتا تھا - مٹی - پانی - اینٹ وغیرہ دینے والے قلیوں کو دو درم روزانہ جو ڈھائی یا تین پیسے کے برابر ہوتا ہے - اور پانی ڈھونیوالے کو دو تین درم روزانہ اجرت ملا کرتی تھی - پیادہ سپاہیوں کا مشاہرہ ایک سو درم (ڈھائی روپے) سے لیکر چار سو درم ماہوار تھا - جو دس روپے کے برابر ہے - کسی کو زیادہ کسی کو کم ملتا تھا - مگر اس سے ان کے مشاہروں کا اندازہ ہوسکتا ہے - یہ کیفیت مسلمان بادشاہوں کے زمانہ کی ہے - اب انگریزی عملداری کے نرخ بھی ملاحظہ ہوں -

۱۸۵۷ء میں غدر ہوا تھا - اور اسوقت ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج تھا - جو اس سے بھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے قائم ہوا تھا - غدر کے سال نرخ حسب ذیل تھے - گندم (۳۹) سیر - چنے ایک من ساڑھے (۱۹) سیر - چاول - ساڑھے اٹھارہ سیر - گھی چار سیر فی روپیہ - اور دودھ چار من ملتا تھا - بالفاظ دیگر دودھ ایک پیسہ کا ڈھائی سیر تھا - اور یہ بھاؤ قریب قریب درست ہے - ایسے لوگ موجود ہیں کہ جنھوں نے اس بھاؤ پر اس کے لگ بھگ چیزیں خریدی تھیں - ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے عہد ۱۸۹۰ء میں نرخ حسب ذیل رائج تھے - گندم (۲۵) سیر - چنے (۲۸) سیر - چاول - (۱۲) سیر - گھی دو سیر روپیہ کا ملتا تھا - اور دودھ تین پیسے سیر ملا کرتا تھا - یہ اب سے تیس سال پیشتر کا حال تھا - اسوقت کے نرخ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے - آپ ان سے بخوبی واقف ہیں - جس آدمی نے پرانی کتابوں سے نرخ نقل کرکے اپنے مضمون میں دیئے ہیں - اس کی اقتصادی معاملات سے عدم واقفیت

اسی بات سے ظاہر ہے کہ اسی نے صرف چیزوں کے نرخ بیان کر دیئے۔ مگر اور باتوں کا ذکر بالکل محذوف کر دیا۔ اس سے عوام سخت غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہم اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے اور غلط فہمی کے رفع داد کے خواہاں ہیں۔

ضرورت زندگی کا مسئلہ بہت جامع اور بسیط ہے اور اقتصادیات کا ایک معرکتہ الآرا بنیادی سوال ہے۔ اس کی دوسری صورت وسائل آمدنی ہے۔ یا بالفاظ دیگر آرام و آسائش کا ہر ایک آدمی خواہاں ہے۔ اور اسی غرض سے دماغی تدبیر اور طبعی محنت سے کام لیتا ہے۔ جیسا پیچھے ذکر ہوا ہے چیزوں کا مبادلہ سکہ ہوتا ہے اور جسم قسم کا سکہ ہوتا ہے۔ اسی قسم کا چیزوں کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے سکہ بہت مہذب ملکوں میں ایسی دھات کا ہوتا ہے۔ کہ جو سب سے قیمتی اور پائیدار ہو۔ اور ساتھ ہی عالمگیر مقبولیت بھی رکھتی ہو۔ اس قسم کی دو ہی دھاتیں ہیں۔ ایک تو سونا۔ اور دوسری چاندی گویا چاندی اور سونا چیزوں کا مبادلہ بنتے ہیں۔ ان کی بہم رسانی یعنی مقدار پر چیزوں کی قیمتوں کا دارومدار ہوتا ہے۔ کیونکہ مبادلۂ اشیا سکہ ہے کہ جو سونے یا چاندی کا ہوتا ہے۔ اور چاندی یا سونے کی مقدار کی رو سے تجارت کا اتار چڑھاؤ واقع ہوتا ہے۔ عوام کے نزدیک جس آدمی کے پاس مہریں یا پونڈ یا روپے زیادہ ہوتے ہیں۔ وہی دولتمند ہے اور یہ ایک حد تک درست ہے کہ سونا اور چاندی دولت کی بہترین اور مجتمع صورت ہے۔ جس آسانی یا دقت سے یہ قیمتی چیزیں ہاتھ آتی ہیں اسی کے تناسب سے چیزوں کے دام مقرر ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ان چیزوں کی بہتات ہو تو بآسانی دستیاب ہو جاتی ہیں۔ اگر قلت ہو تو ان کا ہاتھ آنا دشوار ہے۔ حال کی مثال لو۔ جنگ سے پہلے سونا چوبیس روپیہ تولہ اور چاندی نو۔ دس آنہ فی تولہ بکتی تھی۔ اور اس کے ساتھ باقی تمام ضروریات بحد ارزاں تھیں۔ مگر بعد ازاں سونا (۳۲) روپے تولہ ہو گیا۔ جیسا کہ جون ۱۹۱۹ء میں ہوا تھا۔ کیونکہ یہ نایاب تھا۔ اور چاندی ایک روپیہ اور پھر دو تین آنہ تولہ ہو گئی تھی۔ کیونکہ دونوں چیزوں کی مقدار میں بہت فرق آگیا۔ جنگ کے سبب سے کئی ملکوں نے اپنا اپنا سونا باہر جانے سے روک دیا۔ اور چاندی کی پیداوار کم ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان چیزوں کے نرخ بھی بڑھ گئے۔ کہ جو ان بیش قیمت دھاتوں پر مبنی تھیں یا ان کے وسیلہ سے ان کی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے۔ گذشتہ فروری اور مارچ میں چند روز سونا اکیس بائیس روپیہ فی تولہ ہو گیا تھا۔ تو چیزیں بھی چند روز ارزاں ہو گئیں۔ لیکن جب بعد ازاں سونا گراں ہوا۔ تو چیزیں بھی مہنگی ہو گئیں۔ اس بحث کا مطلب یہ ہے کہ سونا اور چاندی نہایت بیش قیمت دھاتیں اور دولت کی بہترین اور آسان ترین

صورتیں ہیں - اسوجہ سے ان کے سکے بنتے ہیں - اور سکہ وسیلۂ خرید و فروخت اور چیزوں کی قیمتوں کا معیار رہے - گویا سونے چاندی کی کثرت و قلت کے ساتھ - چیزوں کی گرانی اور ارزانی وابستہ ہے جو لوگ اگلے وقتوں کی ارزانی کا خوشدلی سے چرچا کرتے ہیں وہ اپنی جہالت میں یہ کبھی نہیں بتاتے کہ علاؤ الدین خلجی اور اکبر اور دیگر بادشاہوں کے عہد میں سونے چاندی کا کیا بھاؤ تھا - اکبری یا جلالی مہر پونے چودہ رتی کی تھی - اور اس کی قیمت چار سو درم یعنی دس روپے تھی - اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اندنوں چاندی سونے کی قیمت کیا تھی - اس دور افتادہ زمانہ میں تجارت کو وہ سہولتیں نصیب نہ تھیں - اسوجہ سے خام پیداوار یا مصنوعات ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ جاسکتی تھیں - اور اسوجہ سے ضروریات زندگی اور اشیائے تجارت کی قیمتوں کی سطح ہموار نہ رہتی - بلکہ اسمیں اونچ نیچ رہا کرتی تھی - اس کے ساتھ شرح مزدوری کا سوال بھی وابستہ ہے - دوسرے لفظوں میں اس سے مراد آمدنی ہے - یعنی ضروریات زندگی حاصل کرنے کے وسائل کی آسانی ہے یا تنگی - اسپر شرح مزدوری موقوف ہے اور اسی سے سکہ کے مال خریدنے کی قوت وابستہ ہے - جب چیزیں سستی ہوتی ہیں - تو مزدوری بھی سستی ہوتی ہے - خلجی کے زمانہ کی شرح مزدوری اور دیگر اقتصادی باتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے - اکبر کے زمانہ میں عام شرح دو تین پیسے مزدور اور دو دو ڈھائی آنہ کے درمیان کاریگر مزدوری پاتا تھا - اور سپاہی کی تنخواہ دو تین روپیہ ماہوار تھی - اور یہہ گذارہ کے لئے بس تھی - سونے چاندی کی جتنی مقدار جمہور کے دست قدرت میں ہوگی - اسی اندازہ سے ان کی دولتمندی ہوتی ہے - اور اسی تناسب سے ضروریات زلیت اور آسائش کے اسباب بہم پہونچانے میں آسانی اور تنگی واقع ہوتی ہے - اس کے تعلق میں اقتصادیات کے حسب ذیل مسلمات کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے - (۱) روپیہ چیزوں کی قیمت کے تعین کا معیار - اور وسیلۂ لین دین ہے (۲) روپیہ کی کثرت چیزوں کی گرانی اور چیزوں کی ارزانی - روپیہ کی قلت پر دال ہے - دوسرے لفظوں میں اس سے مراد چاندی سونے کی بہتات یا نایابی ہے - (۳) روپیہ حاصل کرنے میں جتنی سردردی ہوتی ہے اسی نسبت سے اس کا اثر محنت مزدوری کی شرح پر پڑتا ہے - (۴) روپیہ کی قیمت کے زوال اور عروج سے اشیا کی قیمت وابستہ رہتی ہے - اکبر کا زمانہ بہت دور کا ہے - حال کی مثال لو اور اپنے ذاتی تجربہ اور علم سے اسی امر کی قیمت کا فیصلہ کر لو - کہ اب سے چالیس سال پہلے نیچے اور محنت پیشہ گروہوں کے پاس اتنا روپیہ تھا - ؟ جتنا اب ہے ؟ اکبر کا محاصل نوکروڑ سالانہ تھا

گورنمنٹ ہند کا (۳۹) کروڑ سالانہ اور یہ صرف مالگذاری ہے۔ اور سالانہ آمدنی ۲۰-۱۹۱۹ء میں ایک ارب ساڑھے (۳۵) کروڑ روپے ہوئی۔ ۱۹۱۸ء میں خزانہ سے (۴۴) کروڑ روپے غائب ہو گئے۔ عوام نے اٹھا کر زیر زمین دفن کر دیئے۔ اور ۱۹۱۹ء میں بائیس کروڑ روپے غائب ہوئے تھے۔ ساٹھ سال کے عرصہ میں ہندوستان میں تین ارب کی چاندی اور تین ارب کا سونا آیا۔ اور زیورات یا دیگر صورتوں میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ مطلب یہ ہے۔ اب روپیہ کی بہتات ہے۔ ایک مزدور لاہور میں ایک دن میں روپیہ اٹھارہ آنے کما لیتا ہے۔ تیس سال پہلے اسی قدر کمانے حاصل کرنے کے لئے دس روز صرف ہوتے تھے۔ اسوقت چاندی نایاب تھی۔ خلجی۔ اکبر اور دیگر بادشاہوں کے عہد میں لوگ ایسے مالدار نہ تھے۔ سونا چاندی امرا اور روسا اور اہل دول کے چوچلے تھے۔ غربا اور اہل محنت برس میں بمشکل ایک آدھ مرتبہ روپیہ کی صورت دیکھتے تھے۔ ورنہ دو تین پیسے روزانہ کماتے تھے معمار اب ڈھائی روپیہ روزانہ کماتا ہے اور اکبر کے عہد میں ڈھائی آنہ پاتا تھا۔ اگر اب سولہ گنا مزدوری ہے تو چیزوں کا بھاؤ بھی سولہ ہی گنا ہے۔ ہم اکبر کے عہد سے مقابلہ کرتے ہیں۔

اگر اسوقت گندم پانچ آنے من تھی۔ تو اب پانچ روپے من ہے۔ شرح مزدوری چیزوں کے تناسب سے مقرر ہوتی ہے۔ اور چیزوں کا بھاؤ۔ روپیہ کے مال خریدنے کی طاقت کے مناسب ہوتی ہے۔ اور یہ سونے چاندی کی کثرت قلت سے وابستہ ہیں۔ پس اگلے وقتوں کے نرخ دینا مگر اور اقتصادی باتوں کو محذوف کرنا دانستہ دھوکا دینا ہے۔

(جے۔ آر۔ رائے۔ جرنلسٹ)

غزل

رنج فراق یار کو آزاد کیا کروں — ویران خانۂ دل ناشاد کیا کروں
بہتر یہ ہے کہ وقف خموشی رہوں عبث — دل کو رہین نالہ و فریاد کیا کروں
وہ اپنا جذب شوق چھپائے رہیں تو پھر — میں انتہائے ضبط کی فریاد کیا کروں
کنج قفس میں سیر چمن کر رہا ہوں میں — مشکور ہوں شکایت صیاد کیا کروں
وعدہ تو ہو چکا ہے ملاقات کا۔ مگر — تاخیر ہو تو اے دل ناشاد کیا کروں
نادم ہوا گناہ پہ لیکن دم اخیر — اے دل بتا میں اب تری امداد کیا کروں
کمتر میرا خیال تصوف پسند ہے — طرز جدید اور میں ایجاد کیا کروں

(کمتر اوجینی از بمبئی)

فلسفۂ اخلاق

(گذشتہ سے پیوستہ)

باب ۳۲

امید و خوف

امید کی دیوی گلاب کے پھول سے زیادہ پیاری اور خوبصورت ہوتی ہے اور خوف کا بھوت ایسا ہیبتناک ہوتا ہے کہ جس سے دل کے جملہ اوصاف حمیدہ ہر وقت لرزا کرتے ہیں۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ سچ کہنے میں اور سچائی کے کام میں کبھی خوف نہ کھانا چاہئے اور نہ کبھی کسی طمع کی وجہ سے اپنی سچائی کے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرنا چاہئے اگر تو اس بات پر عمل کریگا تو ہمیشہ تیری زندگی کے سب کام ہمیشہ ہموار اور درست ہو جایا کریں گے۔

ایک نیک آدمی کو سچائی کے کام کی تکمیل میں موت کا خوف تک نہیں روک سکتا۔ کیونکہ سچائی کا ہر فعل کسی قسم کی کوئی برائی نہیں پیدا کرتا۔ اور جب کسی کے ساتھ برائی نہ کی جاوے گی تو پھر کسی قسم کا خوف بھی پاس نہ آسکے گا۔ پھر ایسی حالت میں اے انسان تو کیوں اپنی روح کو بلا وجہ فضول و بیجا خوف سے ڈرایا کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے دل کی قوت پست و ذلیل ہو جاتی ہے۔

ہر شعبۂ حیات کے متعلق واجب اور مناسب امید رکھنا چاہئے۔ کیونکہ مایوسی دنا امیدی ہر قسم کی کامیابی کی راہ میں حد فاصل بن جایا کرتی ہے۔ جو شخص دل میں امید رکھتا ہے وہ حقیقت میں اپنی حیات کی امداد کیا کرتا ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات مایوسی مشکلات میں اور اضافہ کر دیا کرتی ہے۔ مگر اسکے ساتھ اس بات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ کہ امید جائز اور صحیح ہو۔ ایسی نہو جس سے خلاف عقل و غیر ممکن بات کی تمنا پیدا ہوتی ہو۔ اور حقیقت تو یہ ہے امید ہی ایک ایسی قوت ہے جو اکثر اوقات کمزور انسان کے دل میں بھی غیر معمولی قوت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر اسوقت استقلال سے بھی مدد لیجاوے تو اہم سے اہم کام پر فتح پا جانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ مگر خوف ایک ایسی مصیبت ہے جو انسان کے ساتھ رہکر اس کی جادۂ حیات کی ہر ہر منزل پر اس کو ناکامیاب بنایا کرتا ہے۔ جسطرح شتر مرغ خوف کیوقت سر کو چھپا لیتا ہے مگر اپنے تمام جسم کو بھول جاتا ہے اسی طرح بزدل آدمی خوف کے وقت اپنے جسم کو

تو چھپا لیتا ہے۔ مگر اپنے جملہ فرائض اور ضروری کاموں کو بھول جاتا ہے۔

باب ۳۴

رنج و راحت

مسرت کا اتنا اثر نہ قبول کر جس سے دلیں بادہ سرور کا ایسا نشہ پیدا ہو جائے۔ جس کی وجہ سے وہ تجھے حد اعتدال سے باہر کر دے اور نہ رنج کا اسقدر اثر لے جسکی وجہ سے تیرا دل پست ہو جائے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اس دنیا میں کوئی خوشی ایسی نہیں ہے جس سے انسان کی روح کی قدر و منزلت زیادہ ہو جاتی ہو اور نہ کوئی ایسا جائز رنج ہے جو روح کو پست و ذلیل کر سکے۔ ہاں دیکھ وہ سامنے عشرت کا مندر بنا ہوا ہے۔ بظاہر کیسا خوشنما اور دل فریب ہے اس کی درو دیوار میں کس قیامت کی چمک و دمک ہے۔ کسی ترکیب سے وہ سجایا گیا ہے۔ اور کیسے مختلف قسم کے رنگوں سے ہر ہر گوشہ اُس کا رنگین کیا گیا ہے۔ اور وہاں چہل پہل بھی کیسی ہے۔ اور شور و غل بھی کس قسم کا ہو رہا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس میں ایسی کشش ہے جس سے اکثر لوگوں کا دل اس کی طرف خود بخود کھنچنے لگتا ہے۔

ہاں یہ بھی دیکھ اس مندر کی دیوی دروازہ پر کھڑی ہوئی ہے جو شخص اسطرف سے گذرتا ہے اس کو ایک خاص انداز سے بلا رہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ اس مندر میں آکر لطف زندگی حاصل کرو کیونکہ اصل میں دنیا کی حیات کا مقصد محض عیش و عشرت ہے اور سوا اس مندر کے اور کوئی دوسرا مقام نہیں ہے جہاں اسقدر راحت کا سامان ہو۔ ہاں اس کی آواز سے کیسا ترنم پیدا ہو رہا ہے اور اسکی زیر لب مسکراہٹ کیا دلوں پر بجلی گرا رہی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ایک بے خبر انسان کا اسکی طرف کھنچ جانا کچھ تعجب انگیز نہیں ہے۔ مگر خبردار اس مندر کے اندر داخل ہونے کا قصد تک نہ کرنا جو لوگ وہاں جا رہے ہیں۔ وہ اپنے کو مسرت کی اولاد کہتے ہیں گو وہ اکثر قہقہے بھی لگایا کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ سب دیوانے اور بیوقوف ہیں کیونکہ یہ مندر مسرت کی دیوی کا نہیں ہے۔ اور نہ اس کو اس مندر سے کوئی تعلق ہے۔

اچھا دوسری طرف دیکھو اس تاریک وادی میں جہاں بیک نظر تکنا جانے سے معذوری ظاہر کر رہا ہے رنج و غم کے شیدائیوں کا مسکن ہے وہاں کے رہنے والوں کے دل سے ہمیشہ آہ سوزاں نکلا کرتی ہے

اور منہ سے گریہ وزاری کی آواز بلند ہوا کرتی ہے۔ اس مقام کا مالک تیری زندگی کے واقعات دیکھکر رویا کرتا ہے۔ اور وہ ہر وقت محض تیری اخلاقی کمزوریوں اور بدنفسیوں کا ذکر کیا کرتا ہے۔ اس کی دالنست میں تمام مخلوق بدنفسیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا دل ہر وقت تاریکی میں رہا کرتا ہے۔ کبھی خوشی اس کی پاس تک جانا گوارا نہیں کرتی۔ شکوہ و شکایت اس کے رفیق و مصاحب ہیں جو ہمیشہ مایوسی اور آزردگی کے اوصاف بیان کرکے اس کو مطمئن کردیا کرتے ہیں۔ یہہ مقام بھی جانے کے قابل نہیں ہے کیونکہ یہاں کی فضا گرد آلود ہونے کی وجہہ سے تمام پاکیزہ چیزوں کو گندہ کردیا کرتی ہے۔ اور یہاں کی تاریکی زندگی کے روشن پہلوؤں پر بہت جلد سیاہی کا پردہ ڈالدیتی ہے۔ ایسی حالت میں یہہ مانی ہوئی بات ہے کہ یہاں نہال آرزو کبھی سرسبز نہیں رہ سکتا۔

دیکھ ان دونوں مقامات کے بیچ میں جو راہ ہے وہی صراط مستقیم ہے اس راہ سے جا۔ آگے چل کر تجھے ایک باغ ملے گا۔ اس میں بلاخوف و خطر چلا جانا وہاں نہ تو شور و غل سنائی دے گا۔ اور نہ ضرورت سے زیادہ خوشی کی گرم بازاری ہوگی۔ وہاں کی کوئی ہستی مصائب اور آلام دہر کی شاکی نہوگی۔ ہر شخص کے چہرے سے سنجیدگی و متانت کے آثار نظر آتے ہوں گے۔ اس باغ کے وسط میں ایک مسند رہوگا۔ جس میں امن و اطمینان کی دیوی جلوہ افروز ہوگی۔ اے انسان یہی وہ دیوی ہے جس کے مسند تک لوگوں کی رسائی بہت مشکل سے ہوا کرتی ہے۔

باب ۳۴

غصہ

جسطرح طوفان اپنی قوت سے مضبوط سے مضبوط درختوں کو جڑ سے اکھاڑکر پھینک دیتا ہے۔ اور صحن عالم کی صدہا مجتمع چیزوں کو منتشر کردیتا ہے۔ اور جسطرح زلزلہ زمین کی آبادی کو تہہ و بالا کرکے برباد کردیتا ہے۔ اسیطرح ایک غصیل انسان کا غصہ اپنے گرد و پیش کی چیزوں کو تباہ و برباد کرکے اپنے قریب کے لوگوں کو نقصان پہونچایا کرتا ہے۔ اس کے ہاتھ سے ہمیشہ نقصان و برائی کے کام ہوا کرتے ہیں۔ اور اس کے پاؤں ہمیشہ خطرات اور تنازعات کیطرف اٹھا کرتے ہیں۔ اے انسان سب سے پہلے خود اپنی ذات پر غور کر تجھ میں خود کس قدر کمزوریاں موجود ہیں۔ کیا تیرے مخالف میں کچھ اوصاف نہیں ہیں۔ کیا تیرے غصے سے اس کی کچھ اصلاح ہوجائے گی۔ کیا تیرے نقصان پہونچانے

وہ پھر تجھ کو نقصان پہونچانے کی سعی نہ کرے گا۔ کیا تیرا غصہ اس کی شر سے تجھے محفوظ کر دے گا۔ اس لئے میری یہ ہدایت ہے کہ تجھے کبھی بیجا غصہ نہ کرنا چاہئے۔ اور اگر کسی وقت غصہ آبھی جاوے تو ایسی حالت میں کوئی کام نہ کرنا چاہئے اور نہ کوئی بات زبان سے نکالنا چاہئے ورنہ بعد میں سوائے پچتانے کے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت بالعموم امتیازی قوت غصے سے مغلوب ہوجایا کرتی ہے۔ اور عقل پر پردہ پڑجایا کرتا ہے۔

غصہ کرنے سے تیری دولت وعزت اور جسم کو سوائے نقصان پہونچنے کے کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچ سکتا اگر تو اشتعال طبع کو صبر سے برداشت کرلیگا۔ تو نقصان سے محفوظ رہیگا۔ اور اگر اس کو دل سے نکال ڈالے گا۔ تو اطمینان قلب کی ایسی بیش بہا دولت تجھے حاصل ہوجائیگی دوسرے شخص کو غصہ کرتے ہوئے دیکھ کر نصیحت حاصل کرنا چاہئے۔ اگر نظر غور سے دیکھیگا۔ تو تجھے یہ معلوم ہوجاوے گا۔ کہ اسوقت یہ انسان ایک بےعقل حیوان کی جون میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ ہر شخص اسوقت اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور اس کے بعد وہ عرصہ تک

اگر کسی وقت تجھ کو غصے کا ضبط کرنا مشکل معلوم ہو تو سب سے بہتر ترکیب یہ ہے کہ اس مقام سے چلا جائے۔ دل میں انتقام کی خواہش رکھنے سے دل کو ایذا ہوا کرتی ہے اور غصہ پیدا کرنے سے یا روکنے سے اچھے خیالات دماغ سے نکل جاتے ہیں۔ ہمیشہ طبیعت میں انتقام کی خواہش رکھنے کے بجائے معاف کرنیکا خیال غالب رکھا کر۔

جو شخص انتقام لینے کی فکر میں رہتا ہے۔ خود اپنی ذات کو نقصان پہونچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ اور نرم جواب آتش غضب کو اس طرح ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ جس طرح رقیق پانی بھڑکتے ہوئے شعلہ کو اور اس کے علاوہ ایک خاص فائدہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہی نرم جواب دشمنی کے لوہے کو نرم بنا کر مفید بنا دیتا ہے۔

گستاخانہ کلام پر بیوقوف کو تو غصہ آجاتا ہے۔ مگر عقلمند آدمی کے چہرے پر محض ایک حقارت آمیز مسکراہٹ پیدا ہوکر رہجاتی ہے مگر ہاں آخر میں یہ بات بھی معاف کرنے کے قابل ہے کہ بیجا غصہ یا اپنی غلطی کی وجہ سے یا کسی کمزوری کے قائم رکھنے میں جو غصہ کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ پشیمانی اور نقصان پیدا کرتا ہے۔ جسکی وجہ سے انسان کو ندامت اور افسوس کے صدمات برداشت کرنے پڑتے ہیں مگر جب انصاف کے لئے یا جائز افعال کی تکمیل کیلئے غصہ آجائے تو اسوقت کسی بات کا خوف نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایسا غصہ اخلاقاً صحیح بلکہ ضروری ہے کیونکہ مظلوم کی مدد نہ کرنا بھی ایکقسم کا ظلم ہے۔

باب ۳۵

ترس

جس طرح موسم بہار کے فیض سے ہر قسم کے پھول شگفتہ ہو جاتے ہیں - اور فصل ربیع کی گرمی سے پھل طیار ہوا کرتے ہیں - اسی طرح رحم دل انسان کی طبیعت مصیبت زدہ ہستی کو دیکھ کر بیچین ہو جاتی ہے - اور اپنی فطری طبیعت کی وجہ سے جہاں تک اس کے امکان میں ہو سکتا ہے بغیر خیال کئے ہوے کسی معاوضہ کے مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے - مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جو شخص دوسروں پر ترس کھاتا ہے وہ خود اپنی ذات کی مدد کیا کرتا ہے - کیونکہ ایسے شخص کیلئے تمام خلقت کو ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے اور جو شخص کسی کے اوپر ترس نہیں کھاتا وہ کسی شخص کے نزدیک ہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا

جسطرح ایک قصائی بھیڑ کے بچہ کی فریاد و شیون دیکھکر اسپر رحم نہیں کھاتا - اور اس کو ذبح کر ڈالتا ہے - اُسیطرح ایک بیرحم انسان کسی شخص کی مصیبت کو دیکھ کر ترس نہیں کھاتا اور اسکی آہ و زاری کا اس کے دل پر مطلق اثر نہیں پڑتا - ہاں ایک رحم دل انسان کے آنسو جب کسی درد انگیز کلام کو سنکر گرتے ہیں تب وہ شبنم کے قطروں سے زیادہ پیارے اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں - اس لئے اے انسان فطری طور پر طبیعت کا تجھسے یہ تقاضا ہے کہ غریبوں کی گریہ و زاری اور آہوں کو سنکر اپنے کان بند نہ کیا کر اور بے قصور آدمی کے لئے اپنے دل کو سخت نہ کر اور جب کبھی کوئی یتیم اور لاوارث بچہ یا کوئی بیوہ عورت تجھ سے امداد کی خواہاں ہو - تو اس کی اعانت جہانتک تیرے امکان میں ہے ضرور کر - اور جب تو کسی غریب الوطن مسافر کو سڑک پر سردی سے کانپتا ہوا دیکھے تو اس کو موت کے پنجے سے چھوڑا کر سچی فیاضی کی مسرت حاصل کر اور جسوقت تو کسی غریب بیمار کو بستر علالت پر بیماری کی اذیت میں مبتلا دیکھے - یا کوئی ضعیف آواز تجھ سے امداد طلب کرے - یا کوئی کمزور آنکھ تیری طرف اعانت کے لئے اُٹھے تو اسوقت یہ سمجھ لے کہ تیرا پیدا کرنیوالا تجھے یہ حکم دے رہا ہے - کہ اس کی اعانت کر - اگر ایسی حالت میں بھی تو نے چشم پوشی کی تو علاوہ اپنی خلقی فرض کے ادا کرنے کے تو نے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل میں سرتابی کی اور بہت ممکن ہے کہ بعد میں تجھ سے تیرا مالک ناراض ہو جائے - یہ بات بھی میری یاد رکھ کہ اگر تو کسی مستحق اعانت کی مدد نہ کرے گا - جکی اعانت حقیقت میں تو کر سکتا ہے یا کسی واجب الرحم شخص پر ترس نہ کھائے گا - جس کے ترس کھانے میں تیرا کچھ نقصان نہیں ہے - تو اس بات کا یقین کر لے کہ تیری امیدیں بھی

کبھی پوری نہ ہوں گی - اور تیرا ایمان تیری سچی مدد کرنے سے معذور رہیگا - آخر میں یہہ بات بھی سمجھ لے کہ محض تیری ہمدردی کے الفاظ کچھ وقعت نہ پیدا کریں گے - جب تک تو ان کو عملی جامہ نہ پہنائے گا -

(باقی آیندہ)

(محمود علی خاں عرف آغا علیخاں تعلقہ دار الہ آباد)

جذباتِ ضامن

سامانِ رنج و راحتِ دنیا ہمیں سے ہے
حسرت امید یاس تمنا ہمیں سے ہے

دل ہم گنوائیں داغ جدائی کا ہم اٹھائیں
پھر اُلٹے ضبط کا بھی تقاضا ہمیں سے ہے

اے دل نہ کھا فریبِ طلسماتِ اسم و رسم
صورت ہمیں سے اور ہیولےٰ ہمیں سے ہے

دل تھا تو درد بھی تھا نہ دل اب ہے اور نہ درد
یعنی مرض ہمیں سے مداوا ہمیں سے ہے

بیجا ہے بحثِ ردِّ قبیح و قبولِ حسن
نیرنگِ دلفریبیٔ اشیا ہمیں سے ہے

اللہ یہہ حجاب ہے یا بے حجابیاں
دل میں ہمارے رہتے ہیں پردا ہمیں سے ہے

اغیار لاکھ عشق و محبت کا دم بھریں
سرجوشیٔ شراب تولا ہمیں سے ہے

راحت ہے کوئی چیز نہ کلفت ہے کوئی شے
صبر و سکون و شورش و غوغا ہمیں سے ہے

ضامن گلہ فلک کا نہ شکوہ ہے بخت کا
سامانِ رنج و راحتِ دنیا ہمیں سے ہے

(ضامن کنتوری)

ترکی خواتین

لوسی گارنٹ صاحبہ مصنفہ انگلستان نے جن کو عرصہ تک قسطنطنیہ کی حرم سراؤں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے - ایک مضمون بزبان انگریزی اس موضوع پر لکھا ہے کہ ترکی خواتین کی نسبت اہل یورپ کا یہہ عام خیال بالکل غلط ہے کہ ان کی زندگی قیدیوں کی طرح بے لطف اور بے اثر ہے - قابل مصنفہ نے بہت سی چشم دید مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ مسلمان خواتین کے حقوق کی پوری حفاظت شرع شریف سے ہوتی ہے - اور وہ اپنے گھروں میں مثل یوروپین خواتین کے تمام معاملات متعلقہ خانہ داری میں پوری مالک و مختار ہوتی ہیں - اور جب چاہتی ہیں تو شرکت تقاریب یا ملاقات یا ہوا خوری کے واسطے اکثر باہر نکلتی ہیں - اپنے شوہروں کے ساتھ ان کے عمدہ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے مصنفہ نے لکھا ہے کہ بعض

امور میں ان کو یورپ کی خواتین سے زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ مثلاً اقالیم یورپ میں کوئی ایسا وزیر نہیں ہے کہ جو اپنے ماتحت عہدہ داروں کے عزل ونصب میں اپنی اہلیہ سے مشورہ کرے یا مدد لے لیکن بخلاف اس کے جب قسطنطنیہ میں کوئی نیا وزیر مقرر ہوتا ہے۔ تو جیسا ہجوم اس کے مردانہ مکان میں مبارکباد دینے والے عہدہ داروں اور امیدواروں کا ہوتا ہے۔ اور اسیطرح اس کے محلسرائے کے دروازہ پر بروہم (بند) گاڑیوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ جن میں پردہ نشین خواتین جو اکثر عہدہ داروں کی رشتہ دار ہوتی ہیں۔ جدید وزیر کی بیگم سے ملنے آتی ہیں۔ خادمان ان کا خیر مقدم کرکے ایک علیحدہ کمرہ میں لے جاتی ہیں۔ جہاں یہ خواتین اپنی سفید یشمکیں اور نقابیں اتار کر آرام سے بیٹھتی ہیں۔ اگر وزیر کی بیگم تک ان کے پہونچنے میں عرصہ ہوتا ہے تو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مشروبات و فواکہات خصوصاً قہوہ اور سگریٹ سے ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ اس عرصہ میں بعض خواتین آئینہ کے سامنے اپنا لباس اور زیور وغیرہ جو راستہ میں ٹیڑھا سیدھا ہوجاتا ہے درست کرتی ہیں۔ بعض سگریٹ پیتی ہیں اور بعض ایک دوسرے کے لباس اور وضع کو ناقدانہ نظر سے دیکھ کر ان کے متعلق اپنی رائے قائم اور ظاہر کرتی ہیں۔ جب ملاقات کے کمرہ میں وزیر کی بیگم صاحبہ کے روبرو پیش ہوتی ہیں۔ تو جھک جھک کر کئی کئی سلام کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں۔ اور اکثر یہ کوشش کرتی ہیں کہ بیگم صاحبہ کے قدم یا آنچل کو بوسہ دیں۔ اوسط درجہ کی عورتوں کو اس کا موقع ملجاتا ہے۔ لیکن بڑے درجہ کی یا برابر والی خواتین جب ایسی کوشش کرتی ہیں۔ تو بیگم صاحبہ ان کو روک دیتی ہیں۔ تھوڑی دیر کی متفرق گفتگو کے بعد جو زیادہ تر خوشامدانہ ہوتی ہے۔ آنیوالی خاتون اصل مطلب کی طرف رجوع کرتی ہیں اور نہایت لطیف اور خوشگوار پیرایہ میں اپنے لڑکے یا بھائی یا شوہر کی ترقی یا تقرر کی درخواست کرتی ہیں جسکو بیگم صاحبہ نہایت اخلاق سے بغور سنتی ہیں۔ اور جواب اس پولٹیکل ہوشیاری کے ساتھ۔ جو ترکوں کا خاصہ ہے ایسا معقول دیتی ہیں۔ کہ اس سے نہ تو سائلہ ناخوش یا ناامید ہو اور نہ اپنے اوپر کوئی ناقابل برداشت بار یا پابندی عائد ہو۔ بعد میں ایسی درخواستیں کبھی کبھی قبول ہوجاتی ہیں۔ جس کی وجہ وہ زبردست اثر ہے جو ترکی خواتین اپنے شوہروں کی طبیعت پر حاصل کر لیتی ہیں۔

(شیبانی)

عالمِ خیال

رفیقِ جہان کے کاروبار سے بیخبر۔ رشید کے خیال میں محو کشتی میں بیٹھا پانی کی لہروں کا نظارہ دیکھ رہا تھا۔ کہ غروبِ آفتاب کے وقت یکایک اس کی ناؤ ایک زیرِ آب چٹان سے ٹکرا کر الٹ گئی اور سمندر نے اسے اپنی آغوشِ سرد میں لے لیا۔ یہ حادثہ ایسا ناگہانی تھا۔ کہ رشید بھی اس کے احاطۂ خیال سے جدا ہو گیا۔ پانی کی دنیا سے جب اُبھرا تو ایک لکڑی کا تختہ سطحِ آب پر نظر آیا۔ تیر کر اسے پکڑ لیا۔

پھر سوچنے لگا کہ جس شاندار عمارت کی ابھی پورے طور پر تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑے عرصہ میں پیوندِ خاک ہونیوالی ہے۔ حسرت اور اُداسی کا چہرے پر نقشہ کھچ گیا۔ دفعتاً ایک بڑھتی ہوئی موج کی لپیٹ میں آکر پھر غائب ہو گیا۔ جب دوسری بار اُبھرا۔ تو بیہوش تھا۔ مگر اس تختہ سے بدستور لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد ہمیں معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ کیونکہ ظلمتِ شب نے اس کے اور ہمارے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا۔

نو بجے صبح کا عمل ہے۔ اب ہم پھر اسے ہوش میں دیکھتے ہیں۔ اس کا ابھی آغازِ شباب تھا تعلیم کے آخری زینہ پر چمنِ زندگی سے ابھی اس نے پھول چُنے تھے۔ امتحان پاس کرنے کے بعد اُسے ایک اعلےٰ اسامی ملنے کی قوی امید تھی۔ اس کے والدین جس مبارک روز کے اکیس سال سے منتظر تھے۔ وہ بھی قریب ہی تھا۔ اور وہ نہایت شوق و اضطراب سے دن گن رہے تھے۔

غرضیکہ اس کے پُرحسرت دل کے لئے کئی مضامین تھے۔ مگر اس کی تمام آرزوئیں رشید کے لئے تھیں اور رشید ہی اسوقت اس کے تصور کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ دل میں اسے اس طرح خطاب کر رہا تھا "رشید مجھے اس بے کسی میں آکے دیکھو میں نہیں کہتا تم مجھے اس تباہی سے بچاؤ۔ کیونکہ میں مرنیکے لئے تیار ہوں۔ کاش تم مجھے اس حوصلہ پر آفریں کہتے۔ اور میری تباہی پر آہ کھینچتے۔ اس آخری دم تک تمہاری یاد میرے دل میں موجزن ہے۔ افسوس۔ افسوس۔ کاش کہ تمہیں اس کا احساس ہوتا"

اتنے میں ایک اور لہر نے اُسے تہ دامن چھپا لیا۔

سمندر میں اب سکون ہے۔ پانی کی اصلی لہر نے اسے خشکی کے قریب پھینک دیا ہے۔ وہ حیران ہے کہ عالمِ ابداع میں ہے یا عالمِ ہستی میں۔ ساحل پر پہونچکر کچھ کچے پھل ملے۔ جس سے شکم پُری کی۔ رشید کا خیال آیا۔ تو گھبرا گیا۔ کپڑے خراب حالت میں تھے۔ پتلون کے شکن اور استری تھا نکل خراب

ہو چکی تھی۔ کالر کا بٹن کہیں گر گیا تھا۔ اور وہ گلے میں طوق اعمال کی طرح لٹک رہا تھا۔ اس کے دل میں آیا کہ کپڑے اتار کر صاف کروں۔ لیکن یہہ تکلف بے سود نظر آیا کیونکہ یہاں رشید نہ تھا جس کی پسند اس کے لئے فردوس آرزو تھی۔ اب اسے بوٹ کو اتار کر اپنے ہاتھ سے صاف کرنے اور ننگے پاؤں پھرنے میں عار نہ تھا۔

چھ ماہ گذر گئے۔ رفیع آوارہ دشت ہے۔ وہ رات کو فرش خاک پر سوتا ہے۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ جوتا بوسیدہ ہوگیا ہے۔ ہاتھ پاؤں کرخت ہوگئے ہیں۔ داڑھی مونچھیں غیر معمولی طور پر بڑھ رہی ہیں۔ لیکن رشید کی تصویر اس کے دل میں ایسی جگہ محفوظ تھی۔ جہاں گرمی کی شدت سے نہ جاڑے کا ڈر تھا۔ تاہم وہ اداس تھا۔ چہرے کی رونق اڑ گئی تھی۔ شاید یہہ تبدیلی۔ رفیع کے غرق آب ہونے کی وجہہ سے تھی۔

ایک دن اسی ویرانہ میں اس نے ایک پیر مرد کو اپنی طرف بخندہ پیشانی بڑھتے دیکھا۔ اس نے قریب آکر کہا "آ تجھے عالم حقیقی دکھاؤں"

رفیع ساتھ ہولیا۔ آج اسے ہر شے نئی اور عجیب نظر آتی تھی۔ یہہ بیدا رراستے ہیبت ناک بھیانک چٹانیں۔ نشیب و فراز اور چٹیل میدان اس کی نگاہ سے کبھی نہیں گذرے تھے۔ وہ ہر دلچسپ مقام پر ٹھیرنا چاہتا تھا۔ ہادی نے اجازت نہ دی۔ اس نے دیکھا کہ کہیں کہیں آبادی بھی ہے۔ آخر ایک مقام پر وہ پیر مرد رفیق کو ایک طرف بڑھنے کا اشارہ کرکے خود ٹھیر گیا۔ رفیع نے دیکھا کہ رشید کے مکان کے دروازے کے سامنے کھڑا ہے۔ فرط شوق اور بے صبری میں چاہا کہ اندر چلا جائے۔ مگر یہہ خیال کہ وحشیوں کی سی شکل ہے۔ رک گیا۔ پیر مرد نے للکار کر کہا۔ کہ بے دھڑک اندر چلے جاؤ۔ یہہ عالم موہوم نہیں۔ تمہاری شکل و صورت کی تبدیلی اس پر کوئی اثر نہیں کرے گی۔ رشید اپنے کمرے میں تصویر کشی کر رہا تھا۔ اس نے لاپرواہی سے رفیع کی طرف دیکھا۔ اور پھر اپنے کام میں مشغول ہوگیا حقیقت میں وہ رفیع کی بیوقت آمد سے کبیدہ خاطر ہوا۔ اس بے مہری سے رفیع کے دل پر صدمہ ہوا مگر وہ چوکی پر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ مکان کا نقشہ اب کچھ اور ہی ہے۔ اپنا فوٹو اسے کسی جانب نظر نہ آیا تو اسے ملال ہوا۔ رفیع کا خیال تھا۔ کہ رشید نے مجھے پہچانا نہیں۔ رشید بولا "مسٹر رفیع مجھے نصف گھنٹہ کے لئے اجازت دو مجھے ایک دوست کے ہمراہ چند اشیا خریدنے بازار جانا ہے اگر میری غیر حاضری تمہیں ملن بھر معلوم ہو تو یہہ تصویر جسے میں نے ابھی مکمل کیا ہے دیکھ سکتے ہو۔ یہہ میں نے ہو بہو اپنے دل کی تصویر اتاری ہے"۔

یہ کہہ کے ٹوپی سر پہ رکھ باہر چلا گیا - رفیق چند منٹ ایسی بے التفاتی سے محو حیرت تھا - مگر پھر اٹھ کر میز کے قریب جا بیٹھا - اور تصویر کو بغور دیکھنے لگا -

تصویر کے عین وسط میں ایک ٹینس ریکٹ دکھایا گیا تھا - اس کے گرد ایک حاشیہ دیا گیا تھا - جسمیں بڑی جانفشانی سے بیل بوٹے بنائے ہوئے تھے - حقیقت میں رشید کو ٹینس کا بڑا شوق تھا - حاشیہ کے اندر کی طرف ایک دوست کی تصویر تھی - رفیق نے پہچان لیا - کہ یہ حمید کی تصویر ہے جو رشید کا رفیق ٹینس ہے - مگر یہ تصویر مدہم سی تھی - جس سے رفیق سمجھا کہ حمید کو یہ جگہ فقط ٹینس کی خاطر ملی ہے - حاشیہ کے باہر دائیں طرف تیز اور شوخ رنگ میں ایک کیمرہ دکھایا گیا تھا - اس کے دائیں بائیں دو دوستوں کی تصویریں تھیں - بائیں طرف کی تصویر بہت روشن اور صاف تھی حاشیہ کے بائیں طرف پیسٹری اور پھل ڈبوں میں رکھے تھے - آئیس کریم اور روز واٹر کی بوتلیں بھی پڑی تھیں - ایک پیالی میں چائے سے بھاپ نکل رہی تھی - نصف درجن دوستوں کی تصویریں بھی پاس ہی تھیں - ان میں سے دو کے چہرے ربڑ سے کھرچے ہوئے تھے - باقی دوست چائے پینے کے لباس میں ملبوس تھے - دو کے ہاتھ میں ٹینس ریکٹ بھی مدہم سے دکھائے ہوئے تھے - وہ غالباً ٹینس شوق سے نہیں - صرف فیشن کے لحاظ سے کھیلتے تھے - ایک کے ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں آج شب کے کھیل کا اشتہار تھا - جو وہ اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنا رہا تھا اشتہار کے حروف نمایاں طور پر ظاہر کئے گئے تھے - ایک خوش وضع صاحب بھی موجود تھے - جو بادی النظر میں کم عمر معلوم ہوتے تھے - مگر بغور دیکھنے سے ظاہر ہوتا تھا - کہ داڑھی مونچھیں صاف کئے ہوئے ہیں - چست لباس پہنا ہوا تھا - کیا مجال جو کہیں شکن نظر آ جائے - ان کے ہاتھ میں پیرس جرنل (رسالہ) تھا - جسمیں خیاطی کے تازہ ترین نمونے اور نو ایجاد کالر تھے -

تصویروں کی حدود سے ذرا باہر دو تین بوسیدہ کتابیں پڑی تھیں - قریب ہی ایک معمر آدمی کی تصویر تھی - جس نے گون پہنا ہوا تھا - اس کے ایک ہاتھ میں رجسٹر حاضری تھا - یہ تصویر بھیانک اور ڈراؤنی تھی - دوسرے ہاتھ میں چند کاغذ کے ٹکڑے تھے - غالباً پروفیسر صاحب طلبا پر جرمانہ کرنے کے بہت عادی تھے - مگر زیادہ غور سے دیکھنے پر ان سے محبت ٹپکتی تھی - اس کے قریب ہی حدود کے ذرا اندر کی طرف گون اور انگریزی ٹوپی پہنے ایک اور تصویر تھی - اس کی مونچھیں نہایت باریک تھیں - داڑھی ابھی ابھی منڈائی گئی تھی - پس پشت ایک سنہری جلد کی کتاب اور رجسٹر پڑا ہوا تھا - ہاتھ میں ریکٹ تھا - یہ پروفیسر صاحب ہنس مکھ اور ہردلعزیز تھے -

توجہ کے ساتھ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ علاوہ ریکٹ۔ کیمرہ اور بیٹری کے ڈبوں کے
قی سب تصاویر ربڑ سے مٹ سکتی تھیں۔ یہہ اس بات کی دلیل تھی کہ ان سب اصحاب کی رشید کے
ل میں مستقل جگہ نہ تھی۔ مگر یہہ بات رفیع کے دل میں نہ گذری۔ وہ کسی اور چیز کا متلاشی تھا۔ کیا
سے کوئی جگہ نہیں ملی؟ آخر بڑی تلاش کی۔ تو اسے اپنا نام ایک کونے میں پنسل سے لکھا ہوا ملا۔
اس کے نیچے یہہ نوٹ لکھا ہوا تھا۔ "اس کی تصویر تو دل میں نہیں جمتی مگر اس کا نام سننے کا ایسا عادی
ہوگیا ہوں۔ کہ کچھ یاد سا ہوگیا ہے۔ اسے چاہئے کہ ایسا طرز عمل اختیار کرے کہ اس کی ہستی مجھ پر
بار معلوم نہ ہو۔ ملاقاتیں کم کردے۔ اور ہر ملاقات مختصر کردے۔ اول اس کی بھی ضرورت کیا ہے
لیکن میں مل ہی لیتے ہیں۔ میں اسے یہہ صاف صاف کہنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ نازک مزاج اور زود رنج ہے"
یہہ پڑھ کر رفیع کے دل میں ایک درد اٹھا۔ چہرے پہ اداسی چھاگئی۔ اور ایک جگر سوز آہ نکلی۔ مگر آخر
غیرت نے جوش مارا۔ دل میں عہد کرلیا۔ کہ آج سے رشید کے ساتھ قطع تعلق ہوجائے۔ پھر قلم اٹھاکر
کچھ لکھنا شروع کیا۔ ابھی دو چار سطور ہی لکھی تھیں کہ مناسب الفاظ ملنے دشوار ہوگئے۔ اس لئے ارادہ
کیا۔ کہ ویسی ہی تصویر اپنے دل کی بناؤں۔

وہ تصویر کھینچنے لگا۔ اور تصویر کے وسط میں میز پہ چند کتابیں دکھائیں۔ ایک پر دیوان غالب لکھا
دوسری پر شیکسپیر اور تیسری پر ایڈیسن۔ رشید کی تصویر کو میز کے نیچے گرا ہوا دکھایا۔ مدعا یہہ تھا۔ کہ
پڑھنے لکھنے میں دل لگالیا ہے۔ اور رشید کا خیال چھوڑ دیا ہے۔ دائیں طرف ایک دریا کی تصویر کھینچی
جس میں اپنے آپ کو کشتی میں بیٹھے دکھایا۔ رشید کنارے پہ کھڑا اسے بلاتا ہے۔ مگر وہ اس کی طرف
پشت کئے کشتی دوسری طرف لئے جارہا ہے۔ پھر دکھایا کہ خود پھولوں کا ہار پہنے ہوئے ہے۔ رشید
بنظر تحسین اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ مگر اس نے اپنی توجہ لاپرواہی سے دوسری طرف پھیرلی ہے
ابھی رفیع کئی اور ایسی بدعتیں اس میں ایزاد کرنا چاہتا تھا۔ کہ وہی پیر مرد اندر داخل ہوا۔ رفیع نے
جھٹ کاغذ پر سیاہی چوس رکھ لیا۔ پیر مرد کہنے لگا۔ کہ رشید تین گھنٹے تک نہیں آسکے گا۔ نصف گھنٹہ
اس نے اس لئے کہا تھا کہ تمہاری دلشکنی نہ ہو۔ میں تین گھنٹے انتظار نہیں کرسکتا۔ اب ہمیں چلنا
چاہئے۔ تم اپنی تصویر پر ایک نوٹ لکھ دو۔ تاکہ اسے یہہ معمہ آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ رفیع نے
سیاہی چوس جو اٹھایا تو یہاں اور ہی رنگ پایا۔ اسنے دیکھا کہ کتابیں سرک کر رفیع کے خط بن گئے ہیں
جو وہ رشید کو لکھا کرتا تھا۔ فوٹو میز پہ سامنے چوکھٹ میں دھرا ہے۔ کشتی باوجود ہوا کے مخالف
رشید ہی کی طرف جارہی ہے۔ اور رفیع اپنے گلے سے ہار اتار کر رشید کو دے رہا ہے۔ اور تصویر کے

ہر اک موقع پہ رشید۔ رشید لکھا ہے۔ رشید کے دیے ہوئے چند تحائف بھی بڑی روشن سیاہی میں دکھائے گئے ہیں۔ پیر مرد نے کہا۔ "حیرانگی کی کوئی وجہ نہیں۔ تم عالم حقیقی میں ہو۔ یہاں تم اپنا رنج و غصہ ظاہر کرنے کے لئے سچے جذبات چھپا نہیں سکتے۔ اور تم اُس عہد پر جو ابھی تم نے کیا ہے قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ تمہارا اختیاری معاملہ نہیں ہے کیا تم نے دیکھا نہیں کہ باوجودیکہ تم بغرض انتقام تصویر بنا رہے تھے۔ تم نے ہر موقع پہ کسی نہ کسی طرح سے رشید ہی کو ظاہر کیا تھا۔ برائی سے بھی جب تم نے یاد کیا۔ تو اسی کو کیا۔ اس لئے اس کوشش لاحاصل سے باز آؤ۔ اور اٹھو۔ مجھے تم سے اس جزیرہ کے متعلق کچھ اور بھی کہنا ہے۔ اپنی تصویر ساتھ لے آؤ۔ خبردار وہ اسے نہ دیکھے"۔

"میدان میں نکل کر اس نے بتایا۔ کہ وہ سامنے کا پہاڑ عالم حقیقی اور تمہارے جہان کے درمیان حائل ہے۔ تمہیں جہان سے یہاں تک پہنچنا ممکن تو ہے۔ لیکن رستہ دشوار گذار ہے۔ دوسرے تم لوگوں کا خیال ہے۔ کہ یہ عالم غیر آباد۔ اور روکھا سا ہے۔ بعض لوگ پہاڑ کے اس جانب آ بھی جاتے ہیں۔ مگر بہت تھوڑے ہیں جو یہاں رہکر استقلال کے ساتھ ہر شئے کو ملاحظہ کرتے ہیں آج تمہیں بھی ثابت ہو گیا ہوگا۔ کہ اس عالم سے کوئی فرد خوشی ساتھ لے کر نہیں واپس جاتا۔ لیکن دانا اور تجربہ کار وہی ہے جو ان کوچوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ تم میرے منظور نظر ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں دوسرے قابل دید مقامات کی سیر بھی کراؤں۔ لیکن یاد رہے کہ یہاں تم پر صرف یہ ثابت ہوگا کہ ہر ایک نعمت اور خوبصورتی کی حقیقت اتنی امید افزا نہیں۔ جتنی تمہارے عالم موہوم میں نظر آتی ہے حقیقت میں تمہارے عالم کی بنا وہم و گمان پر ہے"۔

اس کے بعد اس نے رفیع کی آنکھیں۔ ہاتھ رکھ کر بند کر دیں۔ اور ایک لمحہ کے بعد کہا۔ کھولو۔ رفیع نے آنکھیں کھولکر دیکھا۔ کہ حمید پاس کھڑا مسکرا رہا ہے۔ رشید سامنے ٹینس کھیل رہا تھا اُس کے آنے کی رفیع کو محویت کی وجہ سے اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ رفیع کے پاس بھی ریکٹ تھا۔ اگرچہ دھوپ ابھی تیز تھی۔ لیکن وہ کوٹ اُتار کر حمید کے ہمراہ کھیلنے میں مشغول ہو گیا۔

سمندر اور جزیرہ رفیع کے بحر فکر سے پیدا ہوئے تھے۔ یاس کا آخری مرحلہ جو کبھی کبھی خوشگوار بھی ہوتا ہے۔ پیر مرد کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ واقعات کی درست تصویر پیر مرد کا عالم حقیقی تھا اور ٹینس کورٹ گورنمنٹ کالج کے ہیں۔ جو مین ہوسٹل کے پاس واقع ہیں۔ رفیع۔ رشید اور حمید کے اصل نام بتانے ضروری نہیں۔

(اشفاق حسین)

قندِ پارس

اے سرو چہ خوش خرام داری — در دام دلم مدام داری
با حسن کمال ناز و انداز — آئی ز کجا چہ نام داری
آغوش نشیں بہ مسند جم — اے دل تو بدست جام داری
اے پیک صبا بگو خدا را — زاں گل چہ مرا پیام داری
بگذر ز خیال مہ جبیناں — سودائے وصال خام داری
کاکل چہ فگندہ بر رخسار — ابرے بہ مہ تمام داری
مائیم بہ عشق گرچہ بدنام — شکر است کہ نیک نام داری
مستور شوی ز چشم فرحت — لیکن بدلش قیام داری

(موتی رام فرحت تحصیلدار)

دوشیزۂ کہسار

مندرجہ ذیل مضمون۔ ورڈسورتھ کی نظم کا ترجمہ ہے جو اُس نے اپنی خواہر ڈوروتھی کی معیت میں ہائی لینڈ کا سفر کرتے ہوئے لاک لومنڈ جھیل کے کنارے پر، دو لڑکیوں کو دیکھ کر اور اُن میں سے ایک کے بے پناہ حسن سے متاثر ہو کر اگست ۱۸۰۳ء میں لکھی تھی، شاعری میں ورڈسورتھ کا منتہائے مقصد اور نقطہ نظر حسن و محبت نہیں تھا۔ لیکن اس کو حسن کا کرشمہ کہئے کہ ورڈسورتھ جیسا فلسفی شاعر بھی تاثیر حس سے محفوظ۔ اور محبت کے اظہار سے باز نہ رہ سکا۔

قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ یہ لڑکی چودہ سال کی ہے۔ اور ورڈسورتھ قریب ستر سال کے۔ مجھ کو بہت ہنسی آئی یہ پڑھ کر کہ ورڈسورتھ ایک جگہ اپنی الجھنوں سے کھلکر صاف کہتا ہے۔

"مجھ کو تیرا۔ ہو جانیکی اسقدر آرزو ہے کہ میں سب کچھ بننے کے لئے تیار ہوں، عمر کی نامناسبت نے مجھ کو تجھ سے بہت دور کر دیا ہے۔ اس لئے میں یہ کہنے کو مجبور ہوا ہوں کہ کاش میں تیرا بھائی ہوتا۔ یا باپ۔ غرض کچھ ہوتا اگر تیرا ہوتا۔ یہ بھی نہ سہی تو کیا صرف تیری ہمسائیگی میں۔ میرے لئے کچھ کم مسرت تھی؟ تیرے زیر سایہ رہکر تری نظر نواز صورت کو دیکھکر تری سامعہ نواز آواز کو سنکر میں بس کرتا، میرے ضعیف قلب کے لئے اس میں بھی بہت کچھ نعمتیں مضمر ہوتیں"

اس نظم کا ترجمہ میں اپنے الفاظ اور اپنے انداز میں کرتا ہوں۔ اس کے بعد خیال ہے کہ اس قسم کی انگریزی نظموں کے ترجمہ گرد پنے ہی اسلوب و عبارت میں مسلسل اوراق شباب میں مستدعی مطالعہ ہوا کریں گے

(ولی احمد خاں)

اف یہ دوشیزۂ کوہسار۔ اپنی حلاوت عصمت اور حسن کے ساتھ ایک اعجاز بعبارت ہے۔ ایک خواب خوش کا نظارہ دلفریب ہے۔ شاعر کا قلب ضعیف تاثیر پذیر ہے۔ اور آمادہ دعا! حیات مسرت افزا کے چودہ حسن بار سالوں میں یہ صناعی قدرت کا نمونہ کمال مرتب ہوا ہے۔ ایسے مجسمۂ حسن کا ماحول بھی دلکشی سے خالی نہیں ہے۔ یہ سرجہار سو جبال اخضر کا محصور، وہ خوشنما گلزار مختصر جو مسکن حسن مجسم کا ایک لطیف جزو ہے۔ یہ ترنم خیز آبشار وہ سامنے والی ساکت جھیل جس کی لہریں خاموشی سے ہوا کے ساتھ کھیلتی ہیں یہ سب مناظر قدرت، تری نازش حسن کی پشت پناہ ہیں۔ جب ہم اپنی دنیوی تفکرات اور بیداری کی کاوشوں سے عالم خواب میں فارغ ہوتے ہیں۔ خزانۂ دماغ کے دروازہ کھلجاتے ہیں۔ اور مرئیات کے بہترین نمونے ہماری اندرونی نگاہ کے سامنے ہوتے ہیں۔ مصروف خواب ہونے سے قبل بھی تمہارا القوا میرے دماغ میں ساری ہوتا ہے۔ تم بہترین چیزوں میں ممتاز و منتخب ہو۔ اس لئے۔ خواب و بیداری دونوں میں لیکن اس وقت جبکہ دماغ ہنگامہ سے خالی اور کثافت تفکرات دنیوی سے پاک ہوتا ہے۔ فقط اسوقت

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

(مومن دہلوی)

اگرچہ میں نے تم کو ابھی دیکھا ہے۔ تمہارے عزیزوں اور دوستوں سے بھی واقف نہیں ہوں، لیکن تمہاری پیاری صورت میں خدا جانے کیا طلسم ہے۔ کہ میرا دل رقیق ہو کر آنکھوں کی راہ سے آنسو بن کر بے اختیار نکلا پڑتا ہے۔ تیری عفت تیری منت فرمائیاں۔ تیری سادگی۔ اور تیرا بھولا پن تیری وطنی سرزمین کے خصوصیات ہیں۔ تجھ میں مصنوعی اور تکلیف دینے والی شرم و حیا کا جو شہر میں رہنے والی لڑکیوں میں عام ہے۔ اور ان کو متوحش اور بدنما یا ناگوار ظاہر کرتی ہے۔ ایک شمہ بھی نہیں دکھلائی دیتا۔ تو اصلی شرم و حیا کا مرقع اور پیکر لطف و انبساط ہے۔ میں یہ محسوس کرکے کس قدر خوش ہوں کہ تجھ کو ابھی ان کیفیات نے مس بھی نہیں کیا۔ جن کے خیال سے تو اس قسم کی بناوٹی شرم و حیا کیلئے بہ تکلف مجبور ہو آہ! تیری زندگی کسقدر جبہ سادہ اور پاکیزہ ہے۔ اور تیرا حسن کسقدر دلکش اور صبر سوز۔ معاذاللہ!!! ہر جنبش لب کے ساتھ تمہاری تبسم ریزیاں کافی ثبوت ہیں۔ تمہاری ہمدردی اور فیاض مہربانیوں کا جو طبعی طور پر اپنے ہم جنس انسانوں پر صرف کرنے کا سبق قدرت نے تم کو سکھلا کر حسن سیرت بھی تمام تر عطا کردیا ہے،

میرے لئے اس سے زیادہ کیا مسرت ہو سکتی تھی - کہ میں تمہارے زیر سایہ اپنی زندگی بسر کرتا میں صرف تمہارا قرب حاصل کرنے کی غرض سے کم سے کم یہ ہی تمنا کرنے پر مجبور رہوں کہ کاش میں تمہارا بھائی ہوتا - یا باپ - یا ہمسایہ، کچھ ہوتا - مگر تمہارا ہوتا - تمہاری معیت کی بے انتہا مسرت سے بہرہ اندوز ہوتا - کیونکہ عمر کی نامناسبت نے مجھ کو تم سے بہت دور کر دیا ہے - اور دائمی رفاقت اور قریب ترین ہونے کی آرزو) باپ - بھائی یا ہمسایہ - ہونیکی تمنا سے بدل گئی - میرا ضعیف دل ان لذات و مسرت سے بھی قانع ہے لیکن افسوس ؎

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے　　ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

(مومن دہلوی)

اللہ تعالےٰ کا شکر کیونکر ادا کر سکتا ہوں کہ اس نے دنیا میں تمہاری پیاری شکل مجھ کو دکھلائی - میری تمام نیکیاں اگر وہ کچھ ہیں مشکور ہو چکیں - اور ان کی جزا مجھ کو دنیا ہی میں مل گئی - کہ میں نے تم کو دیکھ لیا - میری زندگی کا یہ بہترین انعام ہے کہ تمہاری یاد میرے دماغ میں مسلط اور تمہاری صورت میرے دل میں منقوش ہو گئی ہے -

تمہارا ماحول یعنی تمہارے قرب و جوار کے خوشنما مناظر ہی بہت دل کش ہیں اور تم تو اس جگہ کی ملکۂ حسن ہو - صرف تمہارے وجود سے ہی حسن کی تکمیل و غایت پوری ہوتی ہے - تمہاری معیت میری کچھ دیر کے لئے بھی میری موجودگی - دخل در معقولات ہے - اس لئے تمہاری دائمی یاد اور تصور کیساتھ میں تم سے رخصت ہوتا ہوں -　　"خدا حافظ!"

(ولی احمد خاں از جے پور)

رازِ زندگی

مرتبہ سچ پوچھئے وابستہ وسعت نہیں　　یہ بھی ہے یکسر غلط عزت بجز شوکت نہیں
غیر از حسن حقیقی نازش شہرت نہیں　　چاک وہ سینہ ہو جسمیں سوزش الفت نہیں
لفظ کن میں سوز تھا جو عالم آرائی ہوئی　　حسن کا شہرہ ہوا خلقت تماشائی ہوئی
ہے دل انسان میں سوز و گدازِ زندگی　　ہے یہیں جلوہ فگن آئینہ سازِ زندگی
زندگی چاہے اگر ہو لے نیاز زندگی　　تو سمجھ لے اس کو اک ادنےٰ سا رازِ زندگی
درجہان شوب زا از نیز کم گفتار شو　　ہاں مگر بیدار شو ہشیار شو خود دار شو

[illegible]

مکافاتِ عمل

انگریزی زبان میں ایک مثل ہے - کہ بعض بچے چاندی کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں شمشیر ان بچوں میں سے تھا - اس کا والد بمبئی کا دولتمند سوداگر تھا - یہہ ناز و نعمت میں پلا - اور سن تمیز تک پہونچا یہہ کالج میں تھا کہ دفعتاً والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا - ایام کالج میں فیروزہ نامی ایک پری جمال لڑکی سے اس کی نسبت ہوگئی - جو اس کی ہم جماعت تھی - یکایک انقلاب آیا صحبت بد نے تماشا دکھایا - اور شمشیر نے باپ دادا کی کمائی بیدریغ لٹادی - آخر جب خواب عیش و عشرت سے آنکھ کھلی تو وہ مفلس تھا - نہ صرف مفلس بلکہ محتاج - فیروزہ کے والدین اسکی وحشیانہ زندگی سے اس قدر برافروختہ ہوئے کہ انہوں نے نسبت توڑ دی - اور شمشیر کی تمام امیدیں نقش بر آب ہوگئیں - چند دن کے بعد وہ بمبئی سے غائب ہو گیا - اور پھر اس کی شکل وہاں نظر نہ آئی

(۲)

بے نوا شمشیر یک بینی و دو گوش تبت جا نکلا جہاں یہہ ایک قمار خانہ کا دلال بن گیا - اس قمار خانہ میں تمام دنیا کے بدمعاش اور مجرم رہتے تھے - اور وہ اس کے مرید تھے - یہہ شریف زادوں کو پھانس کر لاتا تھا - اور اپنے آقا کی مٹھی گرم کرتا تھا - کبھی یہہ چین کی سرحد پر خفیہ طور پر افیون کی درآمد میں بھی حصہ لیتا تھا - کچھ عرصہ کے بعد اس پر پھر جنون طاری ہوا - اس نے اپنے آقا کا زہر سے کام تمام کر دیا - اور اس کا تمام اندوختہ لیکر ہندوستان میں آ سر نکالا - یہہ وہ وقت تھا کہ یورپ کی ہولناک جنگ کی آگ شعلہ زن تھی - وہ فوج میں بھرتی ہو گیا - اور اپنی تمام حرام کی کمائی بنک میں جمع کر دی - کچھ عرصہ وہ فرانس میں رہا اور پھر اپنی فوج کے ہمراہ افریقہ کے لق و دق بیابان میں سرحد کی حفاظت کے لئے بھیجا گیا - رفتہ رفتہ وہ فوج کے ہسپتال کا عہدہ دار ہو گیا - جہاں وبائے انفلوئینزا قیامت برپا کر رکھی تھی - اس نے سپاہیوں کی بہت خدمت کی - اور ہر دلعزیز ہو گیا - یہاں اسنے بہت سا روپیہ کمایا - اور جب لڑائی ختم ہوئی تو مالا مال ہو کر پھر اپنے وطن میں آگیا - اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگا -

(۳)

بارہ سال کے عرصہ میں کچھ کا کچھ ہو چکا تھا - بمبئی کے لوگ اس کو اور اس کی بے اعتدالیاں بھول گئے تھے - فیروزہ جس کی محبت کی آگ شمشیر کے دل میں برابر سلگ رہی تھی - اب لیڈی ڈاکٹر تھی -

وہ ابھی تک کنواری تھی - اور لوگوں کا خیال تھا - کہ اس نے اپنی زندگی فن طبابت کے لئے وقف کر دی ہے وہ کبھی شادی نہیں کرے گی - واپسی پر شمشیر اپنا وقت کتب خانہ میں بسر کرتا تھا - اس کی نشست و برخاست مشہور پروفیسروں کے ہاں تھی وہ جانتے تھے کہ شمشیر تبت پر ایک جامع کتاب لکھ رہا ہے - سب کو یقین تھا کہ شمشیر کے تجربوں اور مشاہدوں سے علمی دنیا میں ہل چل مچ جائے گی - اب اسنے اپنا نام بدل لیا تھا - ایک دن کا ذکر ہے کہ شمشیر بڑے زنانہ ہسپتال کی لیڈی سپرنٹنڈنٹ سے گفتگو کر رہا تھا - کہ فیروزہ وہاں آگئی اور ان کی آنکھیں چار ہوئیں - فیروزہ نے بہ نگاہ حیرت شمشیر کی طرف دیکھا اور اس کی تیوری پر بل پڑ گیا - وہ بہت جلد وہاں سے چلی گئی - میڈیکل کالج کے چند یورپین پروفیسر جو شمشیر کو محبت کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے وہاں قریب ہی کھڑے تھے - ایک نے فیروزہ کی کج ادائی دیکھی اور مسکرا کر اپنے رفیق کو کہا کہ فیروزہ بڑی سمجھدار عورت ہے - یہ ان میں سے ہے جو مردوں کے دل کے اندرونی حالات معلوم کر لیتی ہیں - وہ انسان کو سونے کی طرح کسوٹی پر کس لیتی ہیں - یہ الفاظ شمشیر نے سنے وہ گھبرا گیا اس کو اپنی گذشتہ زندگی یاد آگئی -

(۴)

شمشیر اب کتاب ختم کر چکا تھا - یہ کتاب بڑی عرق ریزی سے لکھی گئی تھی - یہ اس نے تین سال دن رات محنت کر کے لکھی تھی - اب اسے ایک ٹائپ کرنیوالے کی ضرورت تھی - شمشیر نے اشتہار دیا اور ایک نوجوان تبتی لڑکا جو تعلیم کے لئے ہندوستان میں آیا ہوا تھا - اپنے پروفیسر کا خط لیکر اس کے پاس آیا - اس کا نام لی چو چن تھا - اس کو ٹائپ کے کام میں خاص مہارت تھی - بہت زود نویس تھا - شمشیر نے اسی سے معاملہ کر لیا - اب اسے شہرت کا بہت شوق تھا - وہ چاہتا تھا کہ جلد اس کی کتاب شائع ہو - اور اخباروں میں اس کا نام گونجے - وہ اور لی چو چن رات کو بھی دیر تک کام کرتے تھے اور کبھی کبھی لی چو چن اپنے آقا کی تواضع خاص چینی چائے اور مٹھائی سے کرتا تھا -

آخر کتاب ختم ہو گئی - اب مسودہ چھپنے کے لئے بالکل تیار تھا - شمشیر نے ایکدن اپنے سکرٹری لی چو چن سے کہا کہ یہ مسودہ پبلشر کو بھیجدو - تمہیں معلوم ہے کہ مجھے روپیہ کی حاجت نہیں ہے - میں یہ کتاب تم کو تحفہ کے طور پر دیتا ہوں -

لی چو چن نے حیران ہو کر پوچھا "تحفہ! اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

شمشیر نے اطمینان سے جواب دیا "جو کچھ کتاب کی فروخت سے وصول ہوگا - اس کے مالک تم ہو ایک خط اس مضمون کا ٹائپ کر دو کہ یہ مسودہ میں نے تم کو دے دیا ہے - اور کہ میں نے تمام حقوق

تمہارے نام منتقل کر دئیے ہیں - میں خط پر دستخط کر دوں گا"

لی چو چن خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا - اس نے جلدی سے خطے ٹائپ کر کے مسٹر شمشیر کے دستخط کرا لئے اور پھر بولا "کیا میں چائے اور کیک لاؤں"؟ شمشیر نے سر ہلایا - وہ اسوقت فیروزہ کے خیال میں تھا اتنے میں لی چو چن چائے لے آیا - شمشیر نے پیالہ منہ کو لگایا - لیکن پھر اسی وقت رکھدیا - اور کہا - "آج اس کا ذائقہ کچھ عجیب سا ہے" پھر اس نے تھوڑا سا کیک بھگو کر کھایا - اور پھر کہا - "کیا یہ نئی قسم کی چائے ہے جو تمہارے رشتہ داروں نے تمہیں بھیجی ہے"

لی چو چن نے جواب دیا - یہ نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے اور اس کا ذائقہ عجیب قسم کا ہوتا ہے - یہ میرے والد نے مرتے وقت مجھے نشانی کے طور پر دی تھی - جسے وہ خاص موقعوں پر استعمال کرتا تھا"

شمشیر نے کہا "میں اس عزت افزائی کا بہت مشکور ہوں - تم نے مجھے اپنے حالات کیوں نہیں بتلائے - تمہارا باپ کیا کام کیا کرتا تھا"

"تبتی بولا - میرے باپ نے تبتی سرحد پر اعلیٰ پیمانہ پر قمار خانہ کھولا تھا - اور چونکہ اس علاقہ میں قمار بازی بے عزتی نہیں سمجھی جاتی - اس لئے وہ بہت امیر کبیر ہو گیا تھا - لیکن چند سال ہوئے اسے ایک احسان فراموش ہندوستانی نے قتل کر دیا - اور اس کا مال و اسباب لیکر بھاگ گیا"

شمشیر نے کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی - لیکن وہ ہل نہ سکا - اور اس نے دیکھا کہ لی چو چن اس کی طرف گھور گھور کر دیکھ رہا ہے اور اس کا چہرہ خوفناک صورت اختیار کئے ہوئے ہے

اب لی چو چن بولا - مجھے معلوم ہو گیا تھا - کہ میرے باپ کا قاتل کون ہے - اس چائے میں ایک عجیب خاصیت ہے - لوگ کل تمہیں مردہ پائیں گے - اور ڈاکٹر تمہارے مرنے کا باعث دل کی حرکت کا یک لخت بند ہو جانا تشخیص کریں گے - مجھے صرف کتاب کے ختم ہونے کا انتظار تھا - میں آپ کی مہربانی کا مشکور ہوں کہ آپ نے کتاب مجھے دیدی ہے مسٹر شمشیر مجھے اس کتاب سے بہت نفع حاصل ہو گا - اور ہونا چاہیے - انصاف یہی چاہتا ہے - تم نے مرے باپ کو قتل کیا - اور اس کا روپیہ غبن کیا - وہ اب مجھے واپس مل جائے گا - یہ مکافات عمل ہے

شمشیر نے اور سننے کی کوشش کی - مگر وہ سرد ہو چکا تھا -

محمد فضل حق معتصم

تلاش

اے چھوٹے چھوٹے خوشنما ستارو! نیلے اور بوڑھے آسمان پر چمکنے والے ستارو! تم گواہ رہنا کہ میں نے "اس" کو تم میں تلاش کیا۔ میں نے تم سب کو "اس" کی بابت پوچھا۔ مگر معلوم ہے تم نے کیا جواب دیا۔ تم دیر تک میری طرف رحم کی نظروں سے دیکھا کئے۔ پھر تم نے ٹمٹمانا شروع کیا اور میں سمجھ گیا کہ "اس" کی تلاش کرنا تم میں لاحاصل ہے۔

اے دریا! اونچے اور خوشنما پہاڑوں سے پانی لینے والے دریا! تو شاہد رہنا کہ میں نے اس کو تیرے خوشنما کناروں پر ڈھونڈا۔ اور پہروں ڈھونڈھتا رہا۔ تیرا پانی موجوں میں تبدیل ہوا موجیں اوپر کو اٹھیں اور دیر تک حسرت سے میری طرف دیکھتی رہیں۔ پھر تیرے پانی کے ساتھ ہی بہہ گئیں۔ میں سمجھ گیا کہ تجھ میں اس کی تلاش فضول ہے۔

میں نے اس کو اونچے اُڑتے ہوئے پرندوں میں تلاش کیا۔ پرندوں نے مجھے دیکھا۔ آہ حسرت سے دیکھا۔ اور اڑتے رہے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہاں بھی میرے لئے صاف جواب ہے۔ پھر میں نے غور کیا۔ اور میں نے اس کو اپنے دل میں نہاں پایا۔ میں نے آنکھیں اوپر اٹھائیں اور وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اور ہنس رہا تھا۔

(نصیر احمد۔ میانہ پورہ۔ سیال کوٹ)

غزل

جلوۂ حسن نے بخشی ہے وہ تاثیر مجھے
کہ ہر اک شئے میں نظر آتی ہے تنویر مجھے

ہائے وہ سیر چمن اور یہ زندان بلا
اس جگہ لائی کہاں سے مری تقدیر مجھے

سختی ہجر سے ہے جسم بھی زندان حیات
ہر رگِ دل ہے مری قید کی زنجیر مجھے

نہ ہوئی عمر میں اب تک کسی صورت سے نصیب
سامنے آپ کے آزادیٔ تقریر مجھے

ہو گئی روح بھی گو بعد میں تم پر صدقے
دیکھنا تھی نگہ ناز کی تاثیر مجھے

میری تخئیل پہ زنداں کا اثر ہے اتنا
کہ رگِ جسم نظر آتی ہے زنجیر مجھے

دیکھتے ہی ہوئے دل اور جگر دونوں نثار
اسقدر آئی پسند آپ کی تصویر مجھے

دادخواہی کے لئے حشر میں جب میں اٹھا
پڑھ کے ظالم نے دکھا دی مری تحریر مجھے

فکر کیوں ہو مجھے محمود دُرِ مضموں کی / جبکہ فطرت سے ملی نظم کی جاگیر مجھے

زیست کی لذت کا یہ سامان مہیا کیجئے / روح میں اک عشق دل میں درد پیدا کیجئے
چاک کر ڈالا بالآخر عشق نے ملبوسِ ہوش / اب تو دیوانے کو دنیا میں نہ رسوا کیجئے
دیکھنا ہو آپ کو گر حسنِ فطرت کی بہار / دیدۂ باطن کو بھی محوِ تماشا کیجئے
ظلم بیحد نے مٹا ڈالے ہیں جذباتِ نشاط / عشق کی لذت کا پھر سامان مہیا کیجئے
وقت آخر ہے اسیری کی ہوئی میعاد ختم / اب تو دیوانے کو اپنے رُو بصحرا کیجئے
اللہ اللہ دلکشی ہے حسن میں وہ آپ کے / دل یہ کہتا ہے اسے ہر وقت دیکھا کیجئے
بحرِ عالم میں حیاتِ انساں کی ہے مثلِ حباب / پھر تو ایسی زندگی پر کیا بھروسا کیجئے
عشق نے رگ رگ میں پھونکا ہے وہ الفت کا اثر / روح سے جب چاہئے اک حشر برپا کیجئے
جلوۂ ہستی اگر کچھ دیکھنا ہے آپ کو / چشمِ باطن میں سے اپنے دلکو دیکھا کیجئے
میرے مرنے سے مٹے الفت کے سب نقش و نگار / اب کتابِ عشق کے اوراق الٹا کیجئے
یاس نے محمود کے دل سے مٹایا لطفِ عشق / پھر نیا جوشِ تمنا دل میں پیدا کیجئے

(از محمود علی خان عرف آغا علی خاں)

مُردوں کی چٹان

باب دوم

ایک دہشتناک چیخ

غرض یہ ہے کہ خرد صرف وصیت نامہ اور محولہ بالا کتاب لیکر اپنے باپ کے حسب ہدایت دولت کی تلاش میں چل پڑا۔ دنیا کی نامعلوم دولت کی تلاش میں ساتھ لیجانے کے لئے ایک کتاب اور ایک وصیت نامہ سے زیادہ عجیب و غریب شاید ہی کوئی دوسری چیز ہو سکتی ہو۔ جس کنجی کا وصیت نامہ میں تذکرہ کیا گیا تھا۔ وہ اسی طرح آویزاں تھی۔ اور ہزار ہا مکڑیاں یہ سمجھ کر کہ سارے "نگر" میں یہی ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں والدہ اعجاز کی جھاڑو کی دست برد سے مامون رہا جا سکتا ہے۔ اس غیر معمولی لمبی چوڑی کنجی پر اپنا جال پھیلانے کے لئے، آپس میں کٹی مرتی تھیں۔

خرد کی دتلاش دولت، روانگی کے وقت اعجاز بہت چھوٹا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد جو چیز کہ اسے اپنے بچپن کے واقعات کی یاددہانی کرتی تھی۔ وہ یہی مکڑیوں کی مدجنگ زرگری، تھی یا یوں سمجھئے کہ اعجاز کو اپنے بچپن کے واقعات سوائے اس کے اور کچھ یاد نہ تھے۔ کہ وہ ان مکڑیوں کی " ارتقائی جدوجہد "کا نہایت دلچسپی کے ساتھ گھنٹوں روزانہ معائنہ کیا کرتا تھا۔ اعجاز کو اپنے باپ کی صورت صرف اسقدر یاد تھی۔ کہ وہ ایک نہایت خوبصورت آدمی تھا۔ اس کے شانے نہایت فراخ تھے اور اس کی آنکھیں خطرناک حسین تھیں۔ جو ایک لمحہ میں نفرت وغضب کی چنگاریاں برساتی نظر آتی تھیں۔ اور دوسرے لمحہ میں محبت وہمدردی کا مظہر اتم بن جاتی تھیں۔

اعجاز کو نہ معلوم کیوں یہ بھی یاد تھا۔ کہ اس کے گھر میں ایک بکرا بھی پلا ہوا تھا۔ جسے سب لوگ ججو کہا کرتے تھے۔ اور یہ کہ یہ بکرا ایک روز مکان کی دیوار پر سے گر پڑا تھا۔ اور چلاتے چلاتے تمام نگر کو سر پر اٹھا لیا تھا۔ یہ تمام واقعات خرد کی روانگی سے پہلے کے ہیں۔ ان کا موجودہ افسانہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور محض برسبیل تذکرہ لکھدئے گئے ہیں۔

خرد کے اصل خیر سے روانہ ہو جانے کے بعد اعجاز اور اس کی ماں نہایت خاموش زندگی بسر کرنے لگے۔ اعجاز کو یہ بات ہمیشہ یاد رہی کہ اس کی ماں نے اس زمانہ میں محدود آمدنی سے ضروریات زندگی فراہم کرنے کی کیسی کیسی ان تھک کوششیں کیں۔ اعجاز کی ماں نہایت خوش نغمہ خوش گفتار عورت تھی جس کی آواز تکلم کے وقت ترنم ریزیاں کرتی تھی۔ بالخصوص اسوقت جبکہ وہ دنیا کے تمام دھندوں سے فارغ ہو کر اپنے معبود حقیقی کے سامنے نہایت ادب سے جھک جاتی تھی اور خرد کی فائز المرام بخیر و عافیت واپسی کی نہایت خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتی تھی۔

اعجاز کا دعوے تھا۔ کہ قدرت نے کسی دوسری صورت کو ایسا طریقہ ادا اور اسلوب بیان ودیعت ہی نہیں کیا۔ اور نہ کبھی کیا جائے گا۔ جس طریقہ سے کہ اس کی ماں اپنے پالن ہار کی بارگاہ جلالت میں اپنی عاجزی۔ اپنی ناتوانی اور اپنی کمزوری کا نادر الوجود تحفہ پیش کر کے۔ اس سے توانائی طاقت اور ہمت کی طالب ہوتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس عشق نے جو اعجاز کی والدہ گوہر کو اعجاز کے والد خرد سے تھا۔ اسے اوہام پرست بھی بنا دیا تھا۔ اور اس کی اس اوہام پرستی کا بہترین اور کامیاب مظاہرہ اسوقت ہوتا تھا۔ جبکہ سمندر کے سفر کے خطروں اور کسی جہاز کے ڈوب جانے کا تذکرہ اس کے سامنے کیا جاتا تھا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ کوئی شخص اس شعر کو پڑھتا تھا۔ ؎

منجدھار میں ہے بیڑا طوفان مچا ہوا ہے ۔۔۔ اب کون ڈوبتوں کو تیرے سوا سنبھالے

اس شعر پر گوہر کی حالت متغیر ہوتی جاتی تھی۔ اس کا جسم کانپنے لگتا تھا۔ اس کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ اور بعض وقت وہ کچھ اس طرح گھبرا کر اعجاز کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی۔ جس طرح کوئی ڈوبنے والا سہارے کے لئے کسی چیز کی گرفت کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اعجاز کو دنیا میں اگر کوئی شعر پسند تھا۔ تو قسمتی سے یہی ایک شعر پسند تھا۔ اور وہ بسا اوقات اپنی ماں کے ان روحانی صدمات کا ذرا خیال نہ کر کے جو اس پر یہ شعر سنکر طاری ہو جاتے تھے۔ کچھ ایسا محو ہو جاتا تھا۔ کہ گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنے بچپن کی دھن میں مزے لے لے کر۔ منجدھار میں ہے بیڑا۔ منجدھار میں ہے بیڑا۔ ارے منجدھار میں ہے بیڑا۔ کی رٹ لگا دیتا تھا۔ ادھر گوہر کی۔ اعجاز کے ہر "ارے منجدھار میں ہے بیڑا" پر ایک ایک انچ روح سلب ہو جاتی تھی۔ اور یہ شاید اسی روز کے "ارے منجدھار میں ہے بیڑا" ہی کا نتیجہ تھا کہ ایک روز اعجاز کو یہ تنبیہہ کی گئی کہ "اعجاز! خدا کے لئے یہ روح فرسا شعر تو نہ پڑھا کرو" مگر سوء اتفاق سے یہ تنبیہہ اسوقت کی گئی جبکہ خود اعجاز بھی اپنی ماں کی حالت یکایک متغیر ہو جانے سے سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ اور دل ہی دل میں اپنی اس بربریت پر نفریں کر رہا تھا۔ کہ کتنے عرصہ سے وہ محض اپنی ایک شعر پسندی کی بنا پر اپنی ماں کے روحانی صدمات کا باعث بنا ہوا ہے۔

خرد کی دلی تمنا یہ تھی کہ وہ اعجاز کو فاضل بنائے۔ فضیلت کے معنی اس زمانہ کے لحاظ سے یہ لئے جاتے تھے۔ کہ ایک شخص صرف معمولی وقت کے ساتھ لکھ پڑھ سکے۔ یعنی لکھنے پڑھنے میں اسے دقت تو ہو۔ مگر بہت معمولی قسم کی۔ چنانچہ اعجاز کی والدہ نے بھی اپنی تمام کوششیں اعجاز کی تعلیم میں صرف کیں۔ اور اعجاز بھی آم کے سیپارہ کے شوق میں یہ سمجھ کر کہ گھر بیٹھے پڑھنے کا پڑھنا اور آم کے آم۔ پانچوں گھی میں۔ اور سر بھی کڑھائی میں۔ جلدی جلدی "بغدادی قاعدہ" ختم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور ہر "آلکم۔ اینکم۔ اونکم"۔ کے بعد "ادی۔ بی اماں ہمیں تو آم چار (دو سیپارہ) منگا دو" کا تقاضا ہوتا تھا۔ مگر بدقسمتی سے یہ آم کا سیپارہ آگے چلکر حنظل کا سیپارہ ہو گیا۔ اور ابھی الحمد بھی ختم نہ کی تھی کہ میاں اعجاز کی وہ باقاعدہ کٹائی ہونے لگی کہ "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ضَرْبِ الْاُسْتَادِنَا" غرض یہ ہے کہ خدا خدا کر کے میاں اعجاز اتنے ہو گئے کہ جب خرد کا پہلا خط آیا ہے آپ نے اُسے نہایت اطمینان سے ہر صفحہ میں اوسطاً صرف ساٹھ جگہ اٹک اٹک کر پڑھ دیا۔ اور گوہر کے منہ سے بھی بے ساختہ نکل ہی گیا کہ "میرا لال تو انشاء اللہ وکیل ہو گا۔ وکیل"

اس زمانہ میں جبکہ یہ تمام واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ بحری سفر کوئی آسان کام نہ تھا خصوصاً اس لحاظ سے کہ نہر سویز ابھی تک مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اور ہندوستان آنیوالوں کو افریقہ کا پورا

بلکہ کاٹ کر کہیں خدا خدا کر کے ہندوستان کی صورت دیکھنی نصیب ہوتی تھی - اس لحاظ سے اگر خرد کا خط ایک عرصہ کے بعد اعجاز کی والدہ کو ملا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے - یہ خط دیر آید درست آید کا مصداق تھا - خرد نے اطلاع دی تھی کہ وہ بمبئی بخیر و عافیت پہونچا - اور سردار کے بیٹے میران سے ملا - میران نے خرد کو چند تحریری ہدایات دی تھیں جن کا ایک معتدبہ جز و خرد نے اپنے خط کے ساتھ معہ ایک محفوظ لفافہ کے جس پر ہر طرف مہر و چیڑی لگی ہوئی تھی - گوہر کے پاس اطلاعاً بھیجدیا تھا - اس محفوظ لفافہ پر الماس کے خط میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی -

"میری اولاد میں سے اس شخص کو دیا جائے جو باوجود گوناگوں مصائب"

"برداشت کرنے کے لئے اپنے ارادے میں مستقل ہو"

اس لفافہ کے متعلق خرد نے لکھا تھا کہ یہ ایک راز سربستہ ہے اس میں بہت زیادہ کار آمد مواد جمع ہے - اور یہ اسوقت تک بند رہیگا - جبتک کہ خرد اور گوہر کو بالاشتراک پڑھنے کا موقع حاصل ہو اپنے متعلق خرد نے صرف یہ لکھا تھا - کہ وہ بالکل بخیریت ہے - اور "پیاری گوہر" کو متفکر ہونیکی کوئی وجہ نہیں ہے - خصوصاً اس لئے کہ خرد کو ہندوستان سے - میران کی ہدایات پر کاربند ہونیکی غرض سے صرف سرآندیپ تک جانا ہے - جہاں وہ بہت کم ٹھہرے گا - اور پھر وہاں سے سیدھا نگر - آئے گا - اور پھر اس کی "پیاری گوہر" اس کے آغوش تمنا میں، اپنے عاشق کے وصال کی کیف انگیزیوں میں محو ہوگی - خط کا اصل مفہوم یہ تھا جس کو خرد نے ہزار ہا عشق انگیز جملوں میں خلط ملط کر دیا تھا - اس نے "پیاری گوہر" اور ننھے اعجاز سے ملنے کا، بھی اشتیاق ظاہر کیا تھا جسکی نسبت اس نے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ وہ ماشاء اللہ سے ایک حقیقی فاضل کی طرح اسوقت میرا یہ خط اپنی والدہ کو پڑھ کر سنا رہا ہوگا - اور اس کی دلجوئی کر رہا ہوگا - اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے - کہ خرد کی توقعات کا ایک جز و بالکل صحیح تھا - یعنی اعجاز نے خط واقعی ایک حقیقی فاضل کی طرح پڑھ کر سنا دیا تھا - لیکن دوسرے جز و کے متعلق بجائے اس کے کہ اعجاز اپنی والدہ کی تسلی و تشفی کرتا اور اس کی والدہ خط پڑھ کر مسرور ہوتی - دونوں ماں بیٹے سر جوڑ کر اس بری طرح روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں - اور پھر اس پر لطف یہ کہ جب یہ "جنون زاری" دونوں کے سر سے اتر گیا - تو باوجود غور و خوض کے کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی - کہ آخر کیوں روئے تھے - اور رونے کی کیا وجہ تھی - محفوظ لفافہ کے متعلق ربط عبارت سے یہ ظاہر ہوتا تھا - کہ خرد کچھ اور بھی لکھنا چاہتا تھا - مگر جس طرح کہ اس "مہذب و روشن زمانہ" میں بھی بعض عقلمندوں کو ہالیان ڈاک پر

اعتماد نہیں ہے ۔ اور یہہ سمجھتے ہیں کہ کہیں ان کے خط ضائع نہ ہو جائیں ۔ اسی طرح خرد کو بھی خطرہ تھا ۔ کہ کہیں کوئی شخص اس خط کو دیکھ نہ لے اور ایک خاندانی رازِ سربستہ طشت ازبام ہو جائے ۔

اس دنیا میں ۔ شاید ہی کوئی دوسری چیز پے در پے ایک بار ۔ دو دو بار ۔ سو سو بار ۔ دہزار بار سے زیادہ بالاستیعاب پڑھی گئی ہو ۔ سونے سے پہلے روزانہ یہہ خط بالالتزام پڑھا جاتا تھا ۔ اعجاز کو مخاطب کر کے جب جی چاہا دن میں دس دس مرتبہ پڑھ دیا ۔ جو شخص ملنے آتا تھا ۔ اسے لازمی طور پر سنایا جاتا تھا ۔ اور اس کے بعض جستہ جستہ فقرے قنبر والوں کو بھی سنائے جاتے تھے ۔ جو بیچارے سوائے اس کے اور کچھ نہیں سمجھتے تھے کہ بد خرد ہندوستان ۔ اپنی حالت درست کرنے گیا ہے "۔ اس کا حساب صرف خدا ہی بہتر جانتا ہے ۔ کہ گوہر نے کتنی مرتبہ اس خط کو مکرر سہ کرر پڑھا ۔ کتنی مرتبہ اسے آنکھوں سے لگایا اور چوما ۔ اور کتنی مرتبہ اسے کلیجے سے لگا کر زار و قطار روئی ۔ اعجاز کو صرف یہہ معلوم تھا کہ خط ملنے کے بعد گوہر میں ایک قسم کی ہمت سی پیدا ہو گئی تھی اور اس کا چہرہ ایسا روشن ہو گیا تھا ۔ جیسے ایک فرشتہ کا یا کم سے کم ایسا کہ اعجاز نے اپنی زندگی بھر پھر ایسا نورانی چہرہ کبھی نہیں دیکھا ۔

اس واقعہ کے بعد اعجاز کو خرد کے خط کا جواب لکھنے کا فخر حاصل ہوا ۔ یہہ دوسری بات ہے کہ اس نے دو ایک جگہ قیاس کو "قیاص"، لکھدیا ۔ گوہر کے دل میں جدائی کے ناسُور کو ناصُور بنا دیا ۔ اور دو ایک جگہ ہنوز ابھی تک ۔ تاہم بھی ۔ اور ۔ شب گیارہویں کی رات ۔ لکھ دیا ۔ بہر حال یہہ ضرور ہے کہ اس خط سے خرد پر اعجاز کی متوقعہ فضیلت کا نمایاں اثر پڑا ہوگا ۔ لکھنے کے بعد خط کو کئی کئی بار پڑھا گیا ۔ اصلاحیں کی گئیں ۔ یعنی خیر و عافیت کو "خیر آفیط"، کاٹ کر بنا دیا گیا کچھ مضمون میں اضافہ کیا گیا ۔ اور سب سے بڑی دقت پتہ لکھتے وقت ہوئی ۔ آخر بہزار تکلف گوہر کی حسب ہدایت حسب ذیل پتہ لکھا گیا ۔ " بفضلہ تعالا ۔ لفِ ہاذا ر و انا خاص بمقام شہر بمبائی الخ "

گوہر نے اس خط پر اپنے ہاتھ سے مہر و چٹری لگائی ۔ اور خرد کے جانے کے بعد پہلی مرتبہ "جیا"، پرا جوا ۔ کسا گیا ۔ خود گوہر گاڑی میں بیٹھ کر ڈاک گھر تک گئی اور اپنے سامنے اعجاز کے ہاتھوں سے خط ڈاک میں ڈلوایا ۔ جیا ۔ دراصل ایک خچر تھا ۔ اس کے اس عجیب و غریب نام کے متعلق روایت یہہ ہے کہ اعجاز جس زمانہ میں شیر خوار بچہ تھا ۔ اس وقت جب کبھی اس "خچر" کو دیکھتا تھا تو خوب اُچھلتا کودتا تھا ۔ اور اس کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر کچھ بے معنی الفاظ کہا کرتا ۔ جو بحیثیت اجتماعی ۔ جی آں ۔ جی آں ہوا کرتے تھے ۔ خرد نے اس "جی آں ۔ جی آں"، کی یادگار میں اس خچر کا نام "جیا"، رکھدیا ۔

اس واقعہ کے بعد انتظار کی گھڑیاں پھر شروع ہوئیں۔ اور اس قلیل بضاعت میں بھی جو اعجاز اور اعجاز کی والدہ کے پاس تھی۔ امتدادِ زمانہ نے عمل تقلیل شروع کر دیا۔ وہ تو یہہ کہئے کہ خرم دیکی بیوی کی امداد نے اس زمانہ میں بڑا سہارا دیا ورنہ خدا جانے کیا ہوتا۔

قمر اگرچہ بعض باتوں کے لحاظ سے نہایت درشت مزاج عورت تھی لیکن اس موقعہ پر اس کی درشتی۔ نرمی۔ اور مہربانی سے بدل گئی تھی۔ قمر نے اعجاز کے دادا۔ الماس کی غیر حاضری میں ایک شخص ریاض سے شادی کر لی تھی۔ اور یہہ ریاض ایک نہایت نرم مزاج آدمی تھا۔ جس میں ایک عجیب و غریب شان خود نمائی یہہ تھی۔ کہ وہ اپنے کپڑوں میں ضرورت سے زیادہ پیتل کے تکمہ بٹن اس لئے لگاتا تھا۔ کہ جدت کے لحاظ سے ہر شخص کی نظر پہلے اسی پر پڑے۔ یہہ دونوں میاں بیوی اکثر اعجاز اور گوہر کے لئے منجملہ ضروریات زندگی کوئی چیز بطور تحفہ کے لاتے تھے۔ اور ایک بڑی لمبی چوڑی تقریر کے ساتھ جس کا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اعجاز اور گوہر کو دیدیا کرتے۔

قمر۔ ہاں تو آج ہمارا ارادہ ہوا کہ تم سے ملنے آئیں۔ اور یہہ بھی خدا کا بڑا افضل تھا۔ یا یوں کہنا چاہیے (اعجاز! اپنا سر اتنا نہ جھکاؤ۔ اللہ کے لئے ڈر معلوم ہوتا ہے) خدا کی مرضی یہہ تھی۔ (اور گوہر بیٹی تمہیں معلوم ہے کہ خدا کی مرضی پوری ہو کرتی ہے۔ اور اسی خیال سے تمہاری اس پریشانی میں تمہیں ڈھارس رکھنی چاہیے کہ خدا کی مرضی سے تم اور خرم جدا ہوئے ہو۔ وہی انشاء اللہ ملائے گا بھی) کہ جب کل اعجاز کے دادا بازار گئے تھے تو۔ کیوں جی تم گئے تھے نا۔ (ریاض) بالکل درست ہے۔

قمر۔ ہاں تو کل جب اعجاز کے دادا بازار گئے تھے تو اتفاق سے کلو سے ملنے بھی چلے گئے۔ کلو کو تو جانتی ہو نا تم۔ وہ جو دس پندرہ دن ہوئے گاڑی کے نیچے دب گیا تھا۔ بیچارا کیسا بھولا بھالا ہے۔ کیسا نمازی ہے۔ کیسی ناگہانی کی آفت آئی ہے۔ اللہ اچھا کرے۔ پروردگار۔ اس دنیا میں بھی (اعجاز! شیطانی نہ کرو۔ چپ بیٹھو) ہاں تو کلو سے ملنے گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ عباسی۔ دو مرغیاں بیچ رہی ہے۔ اور اتنی سستی کہ بس۔ کیوں جی کتنی سستی تھیں!

ریاض۔ بالکل درست ہے۔ اعجاز یہاں آؤ۔ ذرا ہم سے بھی تو باتیں کرو۔ کیوں جی اعجاز تمہیں یہہ معلوم ہے کہ جو بچے جھوٹ بولتے ہیں ان کا کیا ہوتا ہے۔ ہاں جانتے ہو ان کو بڑی بڑی سزا ملتی ہے۔ اللہ میاں خفا ہو جاتے ہیں۔ اچھا آؤ ذرا ہمیں اپنا بکرا تو بتلاؤ۔

اسیطرح دن رات گذرتے گئے۔ یہاں تک کہ آخر بہار ۱۹۲۰ء میں جبکہ خرم کو گئے ہوئے انیس مہینے ہو چکے تھے۔ خرم کا ایک دوسرا خط آیا جس میں اس نے اپنی تاریخ روانگی کی اطلاع دی تھی۔

اور یہہ لکھا تھا کہ جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ مل گئی ہے۔ اور وہ اس کی قیمت و معنی سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس نے یہہ بھی لکھا تھا۔ کہ تسے مُحصلہ ایک معمہ ہے۔ جس کا سر پیر اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ وہ دوسروں سے پوچھنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ لیکن اسے یہہ امید ضرور تھی کہ فاضل اعجاز اسے اس کے حل کرنے میں اسے ضرور مدد دے گا۔ خط میں خرد نے یہہ بھی لکھا تھا۔ کہ اسے کچھ بخار وغیرہ کی شکایت ہوگئی تھی۔ اور یہہ کہ وہ "قسمت نما" جہاز میں روانہ ہوکر بہت جلد پیاری گوہر، اور پیارے اعجاز، سے ملنے والا ہے۔ اس آخری فقرے کو پڑھ کر گوہر کی جو بخار کا حال سنکر زرد ہوگئی تھی اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔ حالت سنبھل گئی اور اس کے لبوں پر خودبخود مسکراہٹ جھلکنے لگی۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ تاریخ روانگی کے لحاظ سے جہاز اکتوبر یا نومبر میں پہونچنے والا تھا لیکن اس مرتبہ گوہر کو انتظار میں بھی ایک خاص لطف حاصل تھا ؎

دل یاد میں کسی کی جو نغمہ سرا ہوا
ہر ذرہ کائنات کا رنگیں نوا ہوا

گرمیوں کا طویل موسم ختم ہوا ستمبر کا آغاز ہوگیا۔ اور انتظار کی گھڑیاں تقریبًا ختم ہوگئیں۔ پورے ستمبر بھر میں آسمان بالکل صاف رہا اور بحر بالکل ساکت لیکن اکتوبر کے شروع ہوتے ہی موسم بھی خراب ہو چلا۔ یہاں تک کہ ۱۱ اکتوبر کی شام کو اچھی خاصی آندھی چلنے لگی۔ شروع اکتوبر ہی سے ہوا کی تیزی کے ساتھ اعجاز کی والدہ کے اضطراب اور بے چینی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اس رات کو تو وہ بالخصوص نہایت دقت اور تکلیف سے انتہائی کوششیں صرف کرکے بظاہر چپ بیٹھ سکی تھی۔ اعجاز حسب معمول اپنا آموختہ یاد کر رہا تھا۔ کہ اس کی والدہ نے اپنا دل بہلانے کے لئے ادھر اُدھر کے قصے چھیڑ دئے اور رفتہ رفتہ ان خطرات پر گفتگو ہونے لگی جو خرد کو خدا نخواستہ، اثنا سفر میں ہونے کی صورت میں اس آندھی سے پہونچ سکتے تھے۔

اعجاز اور گوہر ہر ایک خود فریبی کے اس سخت ترین امتحان میں بدرجہ اعلےٰ کامیاب ہونیکی کوشش کر رہا تھا۔ اور ہر خطرہ کے لئے کھینچ تان کر کوئی نہ کوئی چارہ کار ضرور پیدا کر دیتے تھے غرض یہہ ہے کہ انہیں باتوں میں گیارہ بج گئے۔ اور دونوں اپنے اپنے بستروں پر پڑ کر سو گئے اعجاز کو نہیں معلوم کہ وہ کتنی دیر سویا ہوگا۔ بہر حال جب اس کی آنکھ کھلی ہے تو اس نے یہہ دیکھ کہ ایک شمع اس کے منہ کے بالکل قریب جل رہی ہے اور اس کی ماں نہایت خوفزدہ اس کے بستر کے پاس شمع لئے ہوئے کھڑی ہوئی ہے اور خوف سے تھرتھراتی ہوئی آواز میں یہہ کہہ رہی "اعجاز۔ اعجاز۔ اُٹھو تو۔ سنو تو" معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اعجاز اب تک نیند میں مخمور تھا۔

اس لئے کہ باوجود ان تمام باتوں کے دیکھنے اور سننے کے وہ اسیطرح پڑا رہا اور یہہ سوچتا رہا کہ آیا یہ تمام باتیں وہ خواب میں دیکھ رہا ہے - یا دراصل اس کی ماں کھڑی ہے -

"اعجاز - خدا کے لئے اٹھو، اس کی ماں نے پھر کہا اور اس مرتبہ گوہر کی آواز کچھ ایسی خوف سے ہے کہ اعجاز گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا - اور اس نے دیکھا کہ گوہر خوف کی وجہ سے سپید ہو گئی ہے اس بری طرح کانپ رہی ہے کہ شمع جو اس کے ہاتھ میں ہے ادھر اُدھر ڈگمگا رہی ہے - اور وہ گھبرا گھبرا کر مڑ مڑ کر دیوار پر جو پرچھائیاں پڑ رہی ہیں - ان کو دیکھ رہی ہے -

"سنو اعجاز - سنو، گوہر نے پھر کہا اور اعجاز نے خوب غور سے سنا - لیکن سوائے اس کے اور کچھ اسے سنائی نہیں دیا کہ ہوا سناٹے سے چل رہی تھی - اور پانی نہایت زور شور سے برس رہا تھا

اعجاز - " اماں جان! کچھ بھی نہیں ہے - ہوا کی سائیں سائیں اور پانی برسنے کی آواز ہے"

گوہر - " ہائیں - ہوا اور پانی کے سوا کچھ نہیں ہے بیٹے ذرا غور سے سنو - کیا تمہیں یقین ہے کہ ہوا اور پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے"

اعجاز - " امی کچھ بھی تو نہیں ہے"

اعجاز کے اس جواب سے گوہر کو کچھ اطمینان سا ہو گیا اگرچہ ابتک وہ کانپ رہی تھی لیکن اور پھر آواز کو غور سے سننے کی کوشش کرتی تھی - آندھی اور پانی کا یہہ زور شور تھا - کہ گویا قیامت آ گئی تھی - اور زمین اب کوئی دم میں اڑ جانیوالی تھی - کچھ دیر تک دونوں ماں بیٹے چپ چاپ کھڑے ہوئے سنتے رہے - لیکن سوائے ہوا اور پانی کے کوئی دوسری آواز نہیں سنائی دی اور حقیقت بھی یہہ ہے کہ ایسی قیامت خیز ہوا کی سائیں سائیں اور ایسی ہوشربا پانی کی پڑ اپڑ میں کسی دوسری آواز کے سنائی دینے کا یقین ہی نہیں ہو سکتا تھا - بالآخر اعجاز نے اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہا کہ -

" امی پیاری - کچھ بھی تو نہیں ہے سوائے ہوا کے - تم تو میاں کا خیال کر رہی تھیں - اسی سے وہم ہو گیا ہے بس - جائے سو جائیے - دیکھئے تو کیسی سردی ہے - جائیے لیٹئے اور سونے کی کوشش کیجئے - آخر آپ نے سنا کیا تھا"

گوہر - پیارے بیٹے - تم بڑے اچھے بچے ہو - اور میرا یہہ خیال ہے کہ تم بالکل سچ کہتے ہو - اس لئے کہ نہ تم کچھ سن سکتے ہو - اور نہ اب میں ہی کچھ سن سکتی ہوں - لیکن - اعجاز - آہ! وہ ایسی دہشتناک آواز تھی اور مجھے یہہ معلوم ہوا کہ میں سچ مچ سن رہی ہوں - مگر اب میں خیال کرتی ہوں - کہ وہ

صرف میرا........ اوہ۔ خدایا۔ وہ پھر آئی۔ سنو۔ سنو۔ اس مرتبہ اعجاز نے بھی سنا اور بالکل صاف اور صریح طور پر سنا۔ اور اسپر نوری، تر بیہ ہوا کہ اس نے اپنی تمام رگوں کا خون جمکر برف ہوتا ہوا محسوس کیا۔

نہایت باریک مگر صاف آندھی کی سائیں سائیں میں جو اسوقت کچھ دھیمی پڑگئی تھی۔ ممتاز اور دیر تک قائم رہنے والی ایک دہشتناک چیخ اس طرح سنائی دی کہ گویا سیکڑوں انسانی آوازیں دلسوز طریقہ سے خدا کا رحم طلب کرتی ہوئی ایک ساتھ اٹھیں۔ اور آندھی کی سائیں سائیں کے پھر تیز ہوجانے پر۔ جو اسوقت گویا تمام اراضی شیطانوں کا ایک مضحکہ خیز قہقہہ تھا۔ اور انسانوں کی اس کمزوری پر ٹھٹھے اڑا رہا تھا۔ کہ مصیبت کے وقت بھی اپنے خدا کو پکارا جاتا ہے جو (نعوذ باللہ من ذالک) کبھی کسی کی پکار نہیں سنتا۔ اور کبھی کسی کو مدد نہیں دیتا۔

بتدریج سسکیوں اور کپکپاہٹ میں تبدیل ہوتی ہوئی پھر فنا ہوگئی - ایک ایسی چیخ جس کا دنیا میں کوئی جواب نہیں۔ مگر یقینی اور قطعی طور پر انسانی اور دہشتناک انسانی چیخ۔ ایک ایسی دہشتناک چیخ جو اعجاز کو تمام عمر یاد رہی اور مرتے دم تک اس کے کانوں میں گونجتی رہی

اعجاز لپک کر کھڑکی کی طرف گیا اور اسے کھول کر باہر کی طرف جھک کر دیکھنے لگا۔ پانی کی بوچھاڑ نے اس کے تمام کپڑے بھگو دئے۔ اور ہوا کے زبردست جھونکے نے اسے پیچھے دھکیل دیا اور پھر کمرہ کی اور چیزوں سے جنگ میں مصروف ہوگیا۔ اعجاز نے باوجود کوشش کے نہ کچھ سنا اور نہ کچھ دیکھا۔ نہ کوئی اودئی[۱] روشنی تھی۔ اور نہ کسی قسم کی روشنی تھی۔ نہ کوئی چیخ تھی۔ نہ کوئی توپ[۲] کی آواز تھی۔ اور نہ کوئی اور خطرہ کی اطلاع تھی۔ کوئی چیز نہیں تھی مگر ہوا کی دہشتناک سائیں سائیں۔ پتوں کی خوفناک کھڑکھڑاہٹ اور پانی بہنے کا شور لہروں کے سمندر کے کنارے سے ٹکرانے کی قیامت خیز آواز اور اندھیری اور سخت اندھیری رات۔ اعجاز نے گھبرا کر اپنی والدہ کیطرف مڑ کر دیکھا۔ گوہر گھٹنوں کے بل پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ اعجاز کے بستر پر اس کا سر اعجاز کے پلنگ کی پٹی پر کچھ اسطرح پڑا ہوا تھا۔ کہ اعجاز کو معاً یہ وہم پیدا ہوا کہ در خدانخواستہ کہیں روح تو پرواز نہیں کر گئی۔" اعجاز اس اضطراب کی حالت میں ظاہر ہے کہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کہ وہ اس کا سر اپنے ہاتھوں میں اٹھانیکی کوشش کرے اور اس کا نام

۱؎ جہاز ڈوبنے کی علامت۔ ۲؎ جہاز ڈوبنے کی دوسری علامت۔

سے لے کر بکار رہے۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ وہ ابھی پورے آٹھ برس کا بھی نہیں تھا۔ اور اس نے اس سے پہلے کبھی کسی کو بیہوش ہوتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اگر بیہوشی کے پہلے نظارے نے اسے اسقدر حواس باختہ کر دیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کتنی دیر تک اس کی ماں پر یہ بیہوشی طاری رہی۔ اعجاز کو نہیں معلوم نہ وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ اسے اسوقت کتنی خوشی ہوئی۔ جبکہ اسکی ماں نے خود اپنا سر اٹھا کر بے معنی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا۔ اور آخر کار اس کی یہ بے معنی نگاہیں تمام واقعات کی یاد آتے ہی یہ خوف و ہراس کا مظہر بن گئیں۔

"اعجاز! یہ کیا تھا؟ خدا کے لئے بتاؤ یہ کیا تھا؟" اس نے پوچھا۔ مگر افسوس ہے کہ اعجاز جانتا تھا کہ وہ کیا ہو سکتا تھا۔ مگر نہیں بتا سکتا تھا؟

وہ دہشتناک چیخ اعجاز کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اور اس کے دل میں پیوست ہو رہی تھی۔ لیکن تاہم وہ یہ کوشش کرتا تھا کہ کسیطرح اسے یہ یقین آجائے کہ.....

جو کچھ کہ دیکھا خواب تھا۔ جو کچھ سنا افسانہ تھا۔

"اعجاز۔ خدا کے لئے بتاؤ تو یہ کہیں وہ..........." اس کی ماں نے پھر دریافت کیا اور دونوں کی نگاہیں ملتے ہی ایک نہایت ہی خوفناک واہمہ نے دونوں کے دلوں پر اسطرح قبضہ کر لیا کہ اُن کی روحیں ان کے جسموں میں کانپی جاتی تھیں۔ ان کا خون خشک ہوا جاتا تھا۔ اور ان کی زندگی ختم ہوئی جاتی تھی۔ اعجاز نے گوہر کو جواب دینے کی کوشش کی مگر نہ دے سکا۔ اور گوہر روتی ہوئی ایک ٹوٹا ہوا دل لیکر اپنے معبود حقیقی کے سامنے سربسجدہ ہو گئی۔ اور خرد کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگی۔ (باقی آئیندہ)

(سید حمید الدین احمد رعنا)

دیدہ خواہد شد

مٹایا تو نے مجھ کو جوش ایماں۔ دیدہ خواہد شد
ہُوا ہے فصل گل کے ساتھ ہی دوران خوں رخصت
بہار آنے تو دو۔ ہوش و خرد جانے تو دو ٹھیر و
ہمارے قتل کی تکمیل اور دشمن کے ہاتھوں سے
فلک کہتا ہے انساں! محو ہے تو آرزوؤں میں

صنم کہتے ہیں جا ہو جا مسلماں۔ دیدہ خواہد شد
پھر اگلے سال لے خار مغیلاں۔ دیدہ خواہد شد
گلستاں دیدہ خواہد شد بیاباں۔ دیدہ خواہد شد
یہ بے مہری۔ بھلا او دشمن جاں۔ دیدہ خواہد شد
بنا بیٹھا ہے پریوں میں سلیماں۔ دیدہ خواہد شد

یہ اپنے ساکنوں سے کس بیدردی کا سلوک اچھا! — بروز حشر اے گور غریباں - دیدہ خواہد شد
تری خدمت جنوں پر فرض ہے لیکن ذرا دم لے — یہ سر ہے تو کبھی دیوار زنداں - دیدہ خواہد شد
ہمارے ہی عزیزوں سے ہمیں ہو اختلاط ایسا — ہمیں سے نفرت اے مرگ عزیزاں - دیدہ خواہد شد
تم اسکی صورتیں پوجو! تم اس کی مورتیں توڑو — برہمن دیدہ خواہد شد مسلماں - دیدہ خواہد شد
حسینوں کی شکایت داور محشر سے کی ہم نے — بہت آہستہ [illegible] فریادیاں - دیدہ خواہد شد
کیا تاراج سب کچھ خندۂ گل گریۂ بلبل — خزاں [illegible] دیدہ خواہد شد [illegible] - دیدہ خواہد شد
حفیظ اس گفتگو سے رنگ مشرب کھل گیا یعنی — ہوئے تم پھر شریک بزم رنداں - دیدہ خواہد شد

(ابو الاثر حفیظ جالندھری)

نمکدان ظرافت

بیرسٹر - (حبشی موکل سے) اچھا تو تم مجھ کو اپنا وکیل مقرر کرنا چاہتے ہو [illegible]

حبشی موکل - میرے پاس ایک خچر کچھ مرغیاں اور دو [illegible] [illegible]

بیرسٹر - کافی ہے - اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم پر الزام کس چیز کی چوری کا [illegible]

حبشی موکل - صرف ایک خچر - چند مرغیوں [illegible]

(۲) ایک شخص کو بیخوابی کی شکایت تھی - اپنے دوست سے اپنی تکلیف بیان کی [illegible]

مد اس کا علاج سہل ہے - جب بستر پر لیٹو - ذہن میں خیال جماؤ - کہ تم ایک ایسے کھیت میں [illegible]

جس میں لاتعداد بھیڑیں چر رہی ہیں - بس ان کو گننا شروع کر دو - خود بخود نیند آ جاوے گی [illegible]

دوسرے دن دونوں ملاقی ہوئے - معالج دوست نے پوچھا - کہو [illegible] گیا؟ [illegible]

پوچھا کتنی بھیڑیں گنیں -

مریض دوست - ۱۸۶۷۵ -

معالج دوست - پھر [illegible] مریض دوست - پھر خانساماں صبح کی چاء لے آیا -

(۳) کام چور مجسٹریٹ - وکیل صاحب آپ خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہے ہیں - آپ کی بحث کا کیا فائدہ - اس کان سے داخل ہوتی ہے - اس کان سے نکل جاتی ہے -

وکیل - درست ہے جناب - روکنے والی چیز بھی تو درمیان میں کوئی نہیں -

(۴) وکیل استغاثہ گواہ پر ایک گھنٹہ کے قریب جرح کر چکا تھا - آخر تنگ آکر پوچھا -
وکیل - کیا یہ سچ ہے کہ تمہارے خاندان میں جنون کے آثار پائے گئے ہیں -
گواہ - آپکا خیال غالباً درست ہوگا - کیونکہ میرا دادا ایک مذہبی تعلیم حاصل کر رہا تھا آخر میں وکیل بنگیا تھا

بہی اور ریاتونی مسافر کے سوالات کی بوچھاڑ سے گارڈ کا دم ناک میں آگیا تھا -
دو اسٹیشنوں کے درمیان کسی وجہ سے گاڑی رکی - تو پھر مصیبت کا از سر نو آغاز ہوا -
مسافر - کیا کوئی حادثہ ہو گیا ہے - آخر کیا وجہ ہے - کہ گاڑی رک گئی -
گارڈ - (نہایت مودبانہ لہجہ میں) جناب عالی - بات یہ ہے کہ سامنے سگنل والے آدمی کے سر کے بال سرخ ہیں - انجن ڈرتا ہے - اور آگے نہیں چلتا -

---

تیز زبان - سرخ رنگ کا وکیل گواہ پر جرح کر رہا تھا - گویا مشین گن چلا رہا تھا - دریافت طلب یہ امر تھا - کہ آیا گواہ شب وقوعہ کو مخمور تھا؟
وکیل - کیا یہ سچ ہے - کہ تم بڑے بازار کے شراب خانہ میں (عین دروازہ کھلنے کے بعد یا اس سے کچھ وقت پہلے) داخل ہوئے -
گواہ - جی ہاں لیکن میں شراب پینے نہ گیا تھا -
وکیل - اچھا تو پھر تمہارا مطمح نگاہ کیا تھا -
گواہ - صرف آپ کا جسم مبارک جو عین اسی وقت لڑکھڑاتا ہوا شراب خانہ سے باہر نکل رہا تھا

(وہی آوارۂ مجنوں نے)

غزل

طوفان زندگی ہے جو ہوتی ہیں نیم آنکھیں　　انجام آرزو پر ہیں اشکبار آنکھیں
گلزار امتحاں میں پھیلی تھی جسکی خوشبو　　اس گل کو ڈھونڈتی ہیں اب بار بار آنکھیں
بلبل بھی پرورش فصل خزاں پا گل ہیں　　گل ریز ہیں ہمیشہ خونابہ بار آنکھیں
ہجر مہ عرب میں بے نور ہو گئی ہیں　　شب زندہ دار آنکھیں اختر شمار آنکھیں
محبوب حق کی ہستی صورت نظر پڑی تھی　　اے روز می وہی ہیں اب زار زار آنکھیں

[illegible]

ابی سینیا

ابی سینیا جنوب اور جنوب مشرق میں مصری سوڈان کے واقع ہے - اسے کوہستان کہنا چاہیئے پہاڑوں کی بلندی پانچ ہزار فیٹ سے لیکر پندرہ ہزار فیٹ تک ہے - یہاں گھاٹیوں کے درمیان مرتفع میدان ہیں - سردی بہت کم پڑتی ہے - اور بعض مقامات اس کے اسقدر زرخیز ہیں کہ وہاں تین فصلیں ہوتی ہیں - دریائے نیل اسمیں بہتا ہے - اور روئی - تمباکو اور کافی کی کاشت ہوتی ہے - یہاں سے سونا - ہاتھی دانت - اور کافی غیر ملکوں کو جاتی ہے - رقبہ ۳۲۰۰۰۰ مربعہ میل ہے بارش کثرت سے ہوتی ہے باشندے مکمل شائستگی سے ابھی تک محروم ہیں - یہہ جناب مسیح کو مانتے ہیں - مگر مذہب کو نہایت بگاڑ رکھا ہے - حکمران کا خطاب شہنشاہ حبش یعنی نیگس ہے - آدس ابابا پایہ تخت ہے - حبش میں سوائے شہنشاہ کے کوئی ببر شیر نہیں رکھ سکتا - کئی سال ہوئے شہنشاہ نے ایک شیر کا بچہ تحفہ کے طور پر ایک پادری صاحب کو دیا - یہہ



چھوٹے بلونگڑے کی برابر تھا - سپاہی اسے ہاتھ میں اٹھا کر لیگیا - اسوقت یہہ دودھ پیتا تھا - اور بلی کیطرح میاؤں میاؤں کرتا تھا - جب یہہ جوان ہوا تو اس کو دودھ سے نفرت ہوگئی - اور گوشت کھانے لگا پھر ایک بھیڑ یومیہ اس کی غذا ہوگئی - یہہ بھیڑ بادشاہ سلامت ہر روز بھیجدیتے تھے ورنہ غریب پادری کا دیوالہ نکل جاتا - یہہ نہایت خوبصورت شیر تھا - اس کی گرج سے گائے - بھینسیں اور بھیڑیں کانپ جاتی تھیں - مگر پادری کی بیٹی جسکی عمر آٹھ نو سال کی تھی - اس سے سواری کا کام لیتی تھی - شیر کتے کیطرح اس کے ساتھ رہتا تھا اور اس کے ہاتھ چاٹتا تھا - اگر غصہ میں ہوتا تھا - تو اسے دیکھ کر نرم ہو جاتا تھا - ایکدن بادشاہ کسی بات پر پادری سے بگڑ گیا اسے قید کردیا اور شیر کو مروا کر اسکی کھال کھچوائی اور اسکا زین پوش بنا کر سپہ سالار کو دیا - محبت میں بڑی طاقت ہے یہہ شیر کو بھی رام کرلیتی ہے - (مس) مارتھا

کٹی

میرا نام ؟ہم ہے - میں ۱۴ مارچ ۱۸۹۶ء کا واقعہ بیان کرتا ہوں - جاڑے کا موسم تھا - میں اور میرا رفیق انگس میکڈانلڈ شمالی مغربی کنیڈا میں ایک جھونپڑی میں رہتے تھے - جو پل گونی کی بستی سے

پانچ میل کے فاصلہ پر تھی - انگس دو دن سے رگینا گیا ہوا تھا - اس نے مجھے کہلا بھیجا تھا کہ میں ساڑھے چار بجہ کی گاڑی سے واپس آؤں گا - مجھے اسٹیشن پر ملنا ضروری کام ہے - میں اسٹیشن پر گیا - معلوم ہوا کہ برف باری سے ریل کی سڑک خراب ہوگئی ہے اور گاڑی بارہ گھنٹے لیٹ ہے - میں اس جھونپڑی میں واپس آگیا - دفعتاً سورج چھپ گیا - اور ابر چھا گیا - ہوا بند تھی - پتہ تک نہ ہلتا تھا - چاروں طرف مردنی چھائی ہوئی تھی - میں اپنی جھونپڑی میں داخل ہوا - انگیٹھی میں آگ سلگائی - میں روٹی کھاتا تھا کہ میرا دوست سیوکس جو اس ملک کا باشندہ تھا - وہاں آگیا - یہ ایک چالاک اور عیار شخص تھا - مگر مجھے اس پر اعتبار تھا - یہ اکثر میرے پاس آتا تھا - اور گھنٹوں بیٹھا رہتا تھا - بچا کھچا کھانا میں اسے دیدیا کرتا تھا - اسنے مجھے کہا کہ سخت طوفان آ رہا ہے - آج روحیں اپنے دشمنوں کو تباہ کر دینگی وہ آندھی اور بگولوں کا لشکر لیکر آئی ہیں - میں اس کی بے سر و پا گفتگو پر مسکرایا کہ بجلی بڑے زور سے کڑکی - ہوا سناٹوں کے ساتھ چلنے لگی اور بڑے بڑے ٹکڑے برف کے آسمان سے ہولناک آواز کے ساتھ گرنے لگے - میں جھونپڑی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا مگر برف کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا - میں نے سیوکس سے کہا کہ دوست تم یہاں ٹھیرو اور میں بلگونی جاتا ہوں میرا دوست کو آتا ہے اس نے مجھے منع کیا - اور کہا کہ ایسے خطرناک طوفان میں گھر سے باہر نہ نکلو میں نے نہ مانا - میں نے جھٹ کپڑے پہنے - پہلے فلالین کی قمیص پھر اس پر دوسری گرم قمیص پہنی پیچھے کشمیرے کی واسکٹ اور اس پر پوستین زیب بدن کی اور اس پر بھینس کے چمڑے کا اور کوٹ جو ٹخنوں تک لمبا تھا - استعمال کیا میرے سر پر بالوں والی ٹوپی تھی اور میری جرابیں چمڑے کی - ہاتھوں کے دستانے سمور کے تھے یہ کپڑے پہن کر میں اصطبل میں گیا - جہاں میری پیاری گھوڑی بندھی رہتی تھی - اس گھوڑی کا نام کٹی تھا - مجھے دیکھ وہ ہنہنانے لگی اور محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا - میں اسے باہر لے آیا - اور اس پر سوار ہو کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا برف گر رہی تھی - تاریکی چھائی ہوئی تھی - رستہ دکھائی نہ دیتا تھا - مگر میں بخیریت تمام بلگونی پہنچ گیا - جب اسٹیشن پر گیا تو غریب اسٹیشن ماسٹر سردی سے سکڑا ہوا آگ کے قریب بیٹھا تھا - اور کانپ رہا تھا - اسٹیشن پر کسی مسافر کا نشان تک نہ تھا - اسٹیشن ماسٹر نے مجھ سے کہا کہ گاڑی نہیں آئے گی - طوفان نے راستہ بند کر دیا ہے - میں نے افسوس کیا کہ ناحق اسقدر تکلیف اٹھائی - اور واپسی کی ٹھان لی اس نے حیران ہو کر کہا کہ میاں آدمی ہو کھینچکر اس طوفان میں جانا خودکشی ہے - اب رات یہیں بسر کرو - میں نے نہ مانا - اس نے مجھے [illegible] کا پانی پلایا جس سے میری طبیعت آراستہ ہوئی اور جما ہوا خون پھر حرکت کرنے لگا - ایسی حالت میں

برف کا پانی بہتر علاج ہے۔ شراب اکثر مہلک ثابت ہوتی ہے۔ جب میں وہاں سے چل پڑا تو اس نے چلا کر کہا کہ مجھے یقین ہے اب مجھے تمہارے جنازے پر آنا پڑے گا۔ میں کتّی پر سوار ہو کر گھر کیطرف لوٹا۔ اس وقت طوفان کا عالم شباب تھا۔ جدھر دیکھو برف کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ ہوا مہیب آواز عفریت کیطرح نالہ و بکا کر رہی تھی۔ ہوا کے تند جھونکے میرے چہرے کو گرم لوہے سے داغ رہے تھے مجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ مجھے کتّی کا جسم بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ میں نے ارادہ بدل دیا اور پھر اسٹیشن کی طرف لوٹا۔ میں کتّی کو پیچھے موڑتا تھا۔ اور وہ دوسری طرف جاتی تھی۔ میں زبردستی اسے اسطرف



لیگیا جدھر میرے خیال میں اسٹیشن تھا۔ مگر مجھے جلد معلوم ہو گیا کہ میں راستہ بھول گیا اور اب میں لق و دق بیابان میں جا رہا تھا۔ باگ میرے ہاتھ سے گر گئی۔ اور کتّی ملامت آمیز نگاہ سے میرا منہ دیکھنے لگی۔ اسوقت میں نے اپنے آپ کو بہت کچھ برا بھلا کہا۔ لیکن اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا

میرے ہاتھ پاؤں سو گئے۔ میرا دماغ چکرانے لگا۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا تھا۔ میں کتّی کے اوپر لیٹ گیا اور موت کے لئے طیار ہو گیا۔ کتّی نے جب دیکھا کہ اسے آزادی مل گئی ہے۔ تو وہ اس راستے سے جدھر میں اسے لیجا رہا تھا لوٹی اور دوسری طرف روانہ ہوئی۔ وہ برف اور برف کے ڈھیلوں سے رک رک کر چلتی تھی۔ دس قدم چلتی تھی۔ اور پھر ٹھیر جاتی تھی۔ میرا مریض دماغ اسوقت طرح طرح کے ڈراوے اور بھیانک شعبدے مجھے دکھا رہا تھا۔ اور وہمی صورتیں میرے روبرو لا رہا تھا۔ میں اس نوع سے ہوں جسے اشرف المخلوقات کہتے ہیں لیکن میری انسانی عقل یک حیوان کی عقل کے سامنے ناچیز تھی۔ آہ انسان کسقدر مغرور ہے لیکن وہ بے زبان حیوانوں کے

مقابلہ میں کسقدر کمزور ضعیف بیکس اور محتاج ہے آخر کار کٹی کئی بار چل کر اور پھر رک کر آخری مرتبہ ٹھیری اور میری پتھرائی ہوئی آنکھوں کے سامنے آگ کے شعلے چمکتے ہوئے دکھائی دئے۔ میں نے چیخ ماری لیکن میری آواز بھی ایک زیرزمین تہ خانہ کی گونج تھی۔ اس آگ کی چمک میں برف کے اولے مجھے آسمان پر جاتے اور پھر زور شور سے زمین کی طرف آتے نظر آتے تھے۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ کوئی آیا اور مجھے برف پر گھسیٹنے لگا اور پھر میں بیہوش ہوگیا۔ جب میں نے آنکھ کھولی تو میں اس جھونپڑی میں تھا۔ اور کوئی مجھ پر کمبل ڈال رہا تھا میرے منہ سے اتنا نکلا۔ میری کٹی مجھے گھر لائی ہے۔ اور پھر بیہوش ہو گیا۔ اچھا ہوا کہ میں بیہوش ہوا کیونکہ میرے ہاتھ۔ ناک۔ کان۔ اور سب منجمد تھے۔ سیوکس نے ٹھنڈا پانی استعمال کر کے ان کو گرم کیا۔ میں کئی دن بیمار رہا اور ایک ہفتہ کے بعد انگس کی واپسی پر چلنے پھرنے کے قابل ہوا۔

میں بچ گیا۔ لیکن میری کٹی دائم المریض ہوگئی۔ اب تو میں چلنا بھی اس کے لئے دشوار تھا۔ لوگ اسے بدصورت لنگوڑی کہتے تھے۔ مگر کوئی اسے میری آنکھوں سے دیکھتا۔ وہ کئی دفعہ میرے کام آئی دو بار اس نے مجھے گرفتاری سے بچایا اور تیسری مرتبہ اس کی بدولت میں دوبارہ زندہ ہوا۔

اب وہ مرچکی ہے۔ اسے میں نے دریا کے کنارے دفن کیا ہے جہاں اس کی قبر پر سبزگھاس لہہاتی ہے جب میں وطن کو آنے لگا۔ تو آخری مرتبہ اس کے تین سال کے بچہ پر سوار ہو کر اس کی قبر پر گیا۔ اور جب مجھے یہ خیال آیا کہ اب پھر اس قبر کو کبھی نہ دیکھوں گا۔ تو مجھ پر رقت طاری ہوئی۔ اور واپسی پر میں نے کئی بار لوٹ لوٹ کر اس جگہ کو دیکھا۔ جہاں میری کٹی میری جاں نثار کٹی سو رہی ہے۔

(ترجمہ) (بسمل)

میرا بائی

میرا بائی مارواڑ کے راجہ جیمل کی بیٹی تھی۔ بڑی خوبصورت۔ گویا پرستان کی پری تھی اور ساتھ ہی روشندل۔ اور روشندماغ۔ میرا ابھی کمسن تھی۔ اس کے بھائی کی شادی کی دھوم دھام تھی جب نئی دلہن آئی تو میرا نے بھولے پن سے اپنی ماں سے پوچھا۔ ماتاجی میرا پتی کون ہے۔ ماں نے مسکرا کر کرشن بھگوان کی مورتی کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا کہ بیٹی تیرا پتی گردھر ناگر گوپال ہے۔ میرا نے ماں کی بات پر اعتبار کر کے اسی وقت شرم سے گھونگٹ نکال لیا۔ اور اس دن سے کرشن کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوگئی۔ جب میرا جوان ہوئی تو بہت بیقرار رہنے لگی۔ اس کو راگ کا بڑا شوق تھا۔ دوتارا بجاتی اور اپنے بنائے گیت گاتی تھی۔ جب راجہ نے اس کی منگنی رانا کنبھ کے ساتھ کردی تو وہ

مسکرائی اور ماں کے پاس بیٹھ کر یہ گیت گایا۔ ؎

مائی موکو سوپن میں برنی گوپال
رالی پیلی چونر پہنی مہندی پانی رسال
مائی موکو سوپن میں برنی گوپال
کاہو اور کے بھرو ہا نوری
موکو جگ جنجال
میرا پربھو گردھر لال ننگ کرت سنگائی حال
مائی موکو سوپن میں برنی گوپال

سب لوگ حیران تھے کہ میرا کو کیا ہو گیا۔ آخر شادی ہو گئی۔ مگر وہ اسیطرح بیقرار تھی بلکہ بیخود۔ ساس نے بہت سمجھایا مگر کچھ فائدہ نہوا۔ وہ گھر سے گاتی ہوئی اکثر باہر نکل جاتی تھی۔ لوگ اسے سڑن سمجھنے لگے۔ آخر یہ قرار پایا کہ اسے اپنے کل کی لاج نہیں ہے اسے زہر دے کر مار دو خاوند نے زہر کا پیالہ بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ سادھوؤں کا امرت ہے۔ وہ پیالہ لیکر ہنسی اور آنکھیں بند کر کے پی گئی۔ زہر نے کچھ اثر نہ کیا۔ دوسری دفعہ راجہ نے ڈبہ میں زہریلا سانپ بند کر کے اس کے پاس بھیجا مگر وہ اس سے بھی بچ گئی

ایکدن وہ کوٹھری میں بیٹھی ہوئی اس طرح باتیں کر رہی تھی۔ جیسے وہاں کوئی غیر ہے۔ راجہ ادھر سے گذرا اور خفا ہو کر بولا۔ تو کس سے باتیں کر رہی تھی۔ میرا بیخود تھی قہقہ مار کر ہنسی اور ساز لیکر گانے لگی ؎

رانا جی میں سانور رنگ رنچی
بج سنگار۔ پیر باندھ گھونگرو۔ لوک لاج تج ناچی

راجہ سمجھ گیا کہ دیوانی ہو گئی ہے۔ اور اس کے پاس سے چلا گیا۔ چند دن کے بعد میرا کا دل گھر سے اکتا گیا وہ اپنی دھن میں شاہی محل سے نکلی اور ؎ میرے گردھر گوپال دوسرا نہ کوئی۔ گاتی ہوئی بندرابن چلی گئی۔ جہاں وہ بہت عرصہ رہی۔ اس کے گانے میں بلا کی تاثیر تھی۔ انسان تو کیا پرندے اور حیوان مبہوت ہو جاتے تھے۔ آسے روحانی باغ کی کویل کہنا چاہئے۔ لوگ لاکھوں کی تعداد میں اس کا درشن کرنے اور اس کا گانا سننے دور دور سے آتے تھے۔ کسی کسی وقت وہ مست ہو کر گانے کے ساتھ ناچتی بھی تھی۔

ایکدن وہ مندر کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی پریم کے گیت گا رہی تھی کہ اس کا خاوند فقیر کے بھیس میں وہاں آیا اور کہنے لگا مجھے دان دو۔ میرا نے کہا تھا میں آپ فقیرنی ہوں تم کو کیا دوں۔ راجہ نے سر کو ننگا کر کے کہا قصوروں کی معافی یہ فقرہ تیر تھا۔ دونوں طرف سے دل بھر آئے۔ اور دونوں دیر تک روتے رہے۔ دونوں میں صفائی ہو گئی۔ وہ کنبہ کے ساتھ میواڑ واپس آ گئی۔

وہ دوار کا میں تھی کہ اس کی زندگی کے دن اس سنسار میں پورے ہو گئے ۱۵۴۶ء میں وہ سمندر کے کنارے بیٹھی ہوئی گا رہی تھی۔ ؎

جیون جانو تیون لئے سیّن　　سدھ جیوں جانو تیوں لیجیے
تم بن میرے اور نہ کوئی　　کرپا رادرسے کیجیے
واسر بھوک ۔ رین نہیں ندرا　　یہہ تن پل پل چھیجیے
مرا کے پربھو گردہرناگر اب　　ہل بچھڑن نہیں دیجیے

یہہ بھجن گاتے گاتے وہ ایسی بیخود ہوئی کہ کرشن مہاراج نے اسے اپنے پاس بلالیا۔ اس کے خاوند نے بھی باپ کی زندگی ہی میں اس جہان سے کوچ کیا۔

(ہردیوی)

آرزوئے طیبہ

اے طیبہ کی آرزوؤ میں کب تک تمہیں اپنے خانۂ دل میں پوشیدہ رکھوں۔ آہ اب مجھ میں طاقت ضبط نہیں ملے میرے کارساز میری مراد برلا۔ تاکہ میرے بیچین بیقرار دل کو تسکین ہو۔ یہہ دوری میرے لئے آزار جان ہے ؎

اپنے مطلب تو نہ اس چرخ کہن سے نکلے　　وہ بھی ہوگا کوئی امید برآئی جسکی

اے تیرہ خاک ہند۔ ہر سال ہزار ہا خوش نصیب ۔ دولت کدۂ محبوب ۔ ہاں طیبہ کیطرف گامزن ہوتے ہیں تو کیا میں ہی محروم رہوں ۔ نکال نکال ۔ اے ہند مجھے بھی نکال ۔ ورنہ یہہ تمنا ۔ یہہ غم ہجر مجھے زندہ نہ رہنے دے گا ۔ اے حرم محترم ۔ اے آستانۂ شہنشاہ دوجہاں تمہیں اپنی حرمت کی قسم ضرور حضوری میں میری سفارش کرد اے بادصبا تجھ سے ہر روز اس مقدس جگہ کی جبہہ سائی میسر ہوتی ہے ۔ تو کیا تو کسی اور کیواسطے سفارش نہیں کرسکتی ۔ خدا کیواسطے میرے دل دوزنالوں کو میری آہ نارسا کو وہاں تک جلد پہونچا دے ۔ شہنشاہا ۔ اے ساقی کوثر مجھے جلد میکدۂ حرم میں بلاکر ایک آب زلال زمزم سے سیراب کر ۔ آہ اب مجھ سے ہجر میں آنسو نہیں پیئے جاتے ۔ ؎

آنسو نہ پیئے جائیں گے اے ناصح ناداں　　ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی

اے محبوب کبریا اب جراحتِ دل کا علاج ہو جائے ۔ اے میرے مسیحا میرے اس درد کی دوا تیرے ہی ہاتھ ہے ۔

(م ۔ ب ۔ شروانیہ)

اپریل ۱۹۲۳ء

نیند میں چلنے والی عورت

میں واہا واقعہ حسن ابدال سے لاہور واپس آرہی تھی۔ خالو نواب سعد اللہ خانصاحب مرحوم کے بچوں کی خوشی تھی
اس تقریب پر ہم سب وہاں گئی تھے واپسی پر ہمارے کمرے میں راولپنڈی سے ایک لیڈی سوار ہوئی۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ اسکا نام
ماڈ تھا۔ اور اسکا مشن سے تعلق تھا۔ اسکی عمر میرے خیال میں پچیس سال سے زیادہ نہ تھی وہ خوبصورت تھی جوان تھی لیکن سر کے
بال روئی کے گالے تھے سفید مطلق۔ وہ نہایت ہنس مکھ اور ملنسار تھی۔ بہت جلد میری ہمجولی بن گئی۔ باتوں باتوں میں میں نے پوچھا
کہ کیا وقت پیدائش سے تمہارے بال سفید ہیں۔ تو وہ بہت ہنسی اور کہنے لگی۔ نہیں میرے بال تمہاری طرح سیاہ کمر تک
لٹکتے تھے۔ دس سال ہوئے ایک ہی دن میں سفید ہو گئے۔ پھر اس نے اپنی کہانی اس طرح سے سنائی :-

میرا نام ماڈ کراس لینڈ ہے۔ میری عمر سولہ سال کی تھی اور میں جدید جنوبی ویلز کے ضلع گنداگائی میں جہاں کے باشندے
حبشیوں کی طرح کالے اور بدشکل ہیں۔ مقیم تھی۔ ہمارا مکان آبادی سے پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ میں ان سیاہ فام لوگوں سے
جنہیں میں دیو سمجھتی تھی۔ بہت گھبراتی تھی۔ خصوصاً ایک کالے ہٹے کٹے وحشی سے سخت ڈرتی تھی۔ یہ مجھے دیکھکر اکثر میرا تعاقب کیا
کرتا تھا۔ ہمارے گھر سے دو سو گز کے فاصلہ پر بھوسہ کا انبار تھا یہاں ایکدن شام کے وقت میں چند دیگر گاؤں کی لڑکیوں کے
ساتھ کھیل رہی تھی۔ ہم سب باری باری بھوسہ پر کودتی تھیں۔ جب سب لڑکیاں کود چکیں اور میری باری آئی اور میں کودنے کی
تیاری کرنے لگی تو بھوسہ میں سے کسی نے سر نکالا اور دو سیاہ بازو اٹھا کر مجھے پکڑ لیا۔ یہ وہی وحشی تھا جس سے میں ڈرتی تھی۔ مجھ پر تو
سکتہ سا ہو گیا اور میرے منہ پر مہر لگ گئی مگر اتفاقیہ ایک اور لڑکی نے اسے دیکھ لیا اور چیخ ماری پھر سب نے اسے دیکھا اور وہاں سے بے تحاشا بھاگیں
وحشی سمجھ گیا کہ ابھی گاؤں والے آجائیں گے اسکی خبر ہو جائیگی اس نے مجھے چھوڑ دیا اور دانت پیسکر کہنے لگا اگر کسی سے اس بات کا ذکر کیا تو مار ڈالونگا
یہ کہکر وہ غائب ہو گیا۔ اور میں بیہوش ہو گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں اپنے بستر پر تھی اور میری والدہ نہایت بیقرار تھی اس نے مجھ سے
پوچھا کہ وہ چور کون تھا میں نے صرف یہی کہ وہ مجھے مار ڈالیگا اسکا پتہ نہ بتایا اور یہ کہدیا کہ میں اسے شناخت نہیں کر سکتی دوسرے دن
صبح چور کی ہر طرف تلاش کی گئی۔ اور وہ وحشی بھی تلاش کرنیوالوں میں شامل رہا۔

مجھے بچپن سے یہ بیماری تھی کہ میں نیند میں اٹھکر ادھر ادھر پھرا کرتی تھی۔ سوتی ہوئی اٹھکر دروازہ کھولکر باہر نکلجاتی تھی اور پھر نیند کی
حالت میں واپس آکر چارپائی پر لیٹ جاتی تھی۔ جس دن یہ واقعہ ہوا اس سے دو دن کے بعد میں اپنی والدہ کے کمرہ میں لیٹی ہوئی تھی ابھی تک
میری طبیعت بحال نہ تھی اسدن کی دہشت نے مجھے ٹھیر کر دیا تھا۔ رات کے بارہ بج گئے اور مجھے نیند نہ آئی۔ شاید ایک کا عمل ہوگا جب مجھ پر غنودگی
طاری ہوئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں خواب میں پھر اسی بھوسہ کے انبار کے قریب سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی ہوں۔ یکایک ایک طرف سے
وہی وحشی آگیا اس نے جھپٹ کر مجھے اٹھا لیا اور پشت پر ڈال کر لے چلا۔ ٹھیک اسوقت ایسا معلوم ہوا کہ مینہ کی بوندیں گر رہی ہیں اور وہ جھاڑیوں کے
ساتھ ایک تنگ ڈنڈی پر چل رہا ہے۔ چلتے چلتے اسکا پاؤں پھسل گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور وہاں سے
پیچھے بھاگی۔ جان کے خوف نے مجھے پر لگا دئے میں ہرن کیطرح شکاری کتے سے بھاگ رہی تھی اور وہ میرے تعاقب میں تھا

اس کا بدن بھاری تھا اس لئے وہ مجھ سے دور تھا۔ راہ میں میرے بال ایک جھاڑی میں الجھ گئے میں نے زور سے جھٹکا دیا اور بہت سے بال چھوڑ کر بھاگی بھاگتے بھاگتے میں ایک ندی کے کنارے پہنچی جو ہمارے گاؤں کے قریب بہتی تھی اس اثنا میں وہ حبشی بھی وہاں آگیا میں نے ندی میں غوطہ مارا اور ٹھنڈے پانی کے اثر سے میری آنکھ کھل گئی اب مجھے معلوم ہوا کہ میں شب خوابی کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ نیند کی حالت میں گھر سے قریب ایک میل دور نکل گئی تھی اور جسے میں خواب سمجھ رہی تھی وہ اصلیت تھی۔ نیند میں مجھے حبشی نے اٹھا لیا تھا۔ اور نیند ہی میں اس سے بھاگ کر میں ندی میں کود پڑی حبشی کنارے پر کھڑا ہے اور میں پانی میں غوطے کھا رہی ہوں۔ رات اندھیری تھی چاروں طرف سناٹا تھا بڑے بڑے انجیر کے درخت ندی کے کنارے جنات کی طرح کھڑے تھے اور ان کا سایہ ندی کے پانی کو تاریک کر رہا تھا۔ کچھ سوچ کر حبشی بھی ندی میں



اتر پڑا۔ اس نے میرے بال پکڑ لئے اور مجھے کنارے کی طرف کھینچنے لگا۔ میں نے چیخ ماری وہ قریب تھا کہ میری جان نکل جائے کہ میرے کان میں میرے وفادار کتے جم کی آواز آئی اور فوراً کئی آدمی مشعل اور لاٹھیاں لیکر نمودار ہوئے۔ جم انکے آگے آگے ہوا کو سونگھتا ہوا دوڑا آتا تھا۔ میں صرف اتنا دیکھا اور پھر خبر نہیں کہ کیا ہوا۔ مجھے اٹھا کر گھر لے آئے۔ میں آٹھ ہفتہ بخار اور سرسام سے بیمار رہی جان کے لالے پڑ گئے جب مجھے ہوش آیا اور میں نے آئینہ دیکھا تو معلوم ہوا میرے سیاہ بال بالکل سفید ہیں ایک دن میں سفید ہو گئے۔ خدا جانے اس وقت وہ حبشی کہاں غائب ہوا۔ اس دن کے بعد پھر اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اب میری عمر بیس سال کی ہے لیکن میرے بال ساٹھ برس کی بڑھیا کی طرح سفید ہیں"

(خورشید سلطانہ)

گورستان

ترا اے فنا یہ انوکھا جہاں ہے — کہ سنسان ہے اور خاموش زباں ہے
اسے ہم کہیں بے نواؤں کی بستی — کہ ملجا و ماوائے اوہام ہستی
سحر اس جگہ شام وحشت فزا ہے — پیام شب تار بیم و رجا ہے
بنایا ہے حسرت نے لیکر اندھیرا — امیروں کا گھر اور غریبوں کا ڈیرا
مکین سرائے عدم کارواں ہیں — جرس کی جگہ قمریاں نوحہ خواں ہیں
تر و تازگی اس ہوا میں ہے باسی — یہاں کی فضا یا ہوا ہے اداسی
وہ بیہوش و بیخود یہاں کے مکیں ہیں — کہ پامال مانند خاک زمیں ہیں
سدا جانتے کوہ کو کاہ تھے یہ — جہانگیر ماہی سے تا ماہ تھے یہ
ستم ہے وہ بے دست و پا ہو گئے ہیں — کہ پیوند فرش زمیں ہو گئے ہیں
غضب ہو گیا ایسے مجبور ہیں یہ — کہ انگلی ہلانے سے معذور ہیں یہ

مرے کان بجتے ہیں یا یہ صدا ہے — سنو یہ صدا ہے کہ بانگ درا ہے
کوئی کہہ رہا ہے بصد نوحہ خوانی — فغان خموشی ہے آتش زبانی
"سن اے محو افسانۂ خود ستائی — سن اے مست میخانۂ خود نمائی"
"اگر تجھ کو سودا ہے سود و زیاں کا — اگر تو ہے دیوانہ نام و نشاں کا"
"مجھے دیکھ آکر بڑائی کے حامی — یہاں ایک ہے افسری ور غلامی"
"تو جس دھوپ چھاؤں پہ اترا رہا ہے — یہ اک سیرگاہ طلسم فنا ہے"
"بلندی و پستی کے سب کارخانے — کھلونے تھے مٹی کے توڑے فنا نے"

(ایڈیٹر)

عجیب و غریب مقبول مصنفین کی بہترین نادر و قابل دید تصنیفات

سمرنا کا چاند
(مصنفہ مولانا راشد الخیری دہلوی)

سمرنا کا چاند سیدانی سمرنا کے ہولناک اتفاقات بتیموں کی مبتلائی ہوک مبتلا ہیں۔ ترکی بہنوں کے صبر وتحمل کے عبرت آموز نقشے اسلامی سطوت و حشمت کے زوال کے جانگزا نظارے۔ نسوانی زندگی کے سبق آموز قصے۔ خون کے آنسو رلانے والے تذکرے۔ یعنی تربیت نسواں کے لئے ایک سبق آموز افسانہ۔ قیمت عہ

یوسف پاشا
(مصنفہ میر ارشد دہلوی)۔

عشق و محبت رزم و بزم اسلامی جوش مجاہدین اسلام اور مسیحیوں کی معرکہ آرائیاں نہایت عجیب و غریب نظارے جن میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ترک ڈاکو نہیں تھے۔ بلکہ دراصل ڈاکو وہ تھے جو مسلمانوں کو ڈاکو بتاتے تھے۔ اس کا زبردست ثبوت انگریزی تاریخوں سے دیا گیا ہے طرز بیان ایسا اعلیٰ کہ بغیر ختم کئے ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ قیمت عہ

آفتاب دمشق
تثلیث و توحید کا مقابلہ۔ ہلال و صلیب کا منازعہ

اسلام و نصرانیت کے معرکے۔ عہد صدیق و فاروق کے کارنامے نہایت دلچسپ شیریں بیان شیریں زبان محبت کی چاشنی بھی بانزہ دی گئی ہے لیکن حسرت (مصنفہ مصور غم مولینا راشد الخیری دہلوی)

قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

مستقبل اسلام
یعنے پروفیسر وامبری کی معرکۃ الآراء تصنیف

مغربی تمدن اور مشرقی ممالک مترجمہ مسٹر ظفر عمر بی۔ اے (علیگ) قیمت ۸ؔ

رہنمائے قانون
میاں شیر محمد خاں صاحب بی اے (علیگ) ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ لاہور (الہ آباد)

المعروف

وکیل کا منشی

وکلاء صاحبان کے لئے تو نت نئے دن قانونی کتب چھپتی رہتی ہیں لیکن ہمارے منشی صاحبان کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انگریزی کتب اردو جامہ پہنکر بالکل ناقابل العبارت ہو جاتی ہیں اور ان کا سمجھنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ کتاب ہذا میں علاوہ قانون کے مصنف کے سالہا تجربہ اور عدالت کی تمام باتیں درج ہیں منصبہ ذیل احباب کتاب ہذا سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

(۱) زمیندار ان (۲) اہل کمیشن صاحبان (۳) نئے وکلاء صاحب (۴) بیرسٹر صاحبان (۵) منصف صاحبان (۶) عرائض نویسان (۷) تالثان (۸) ساہوکاران (۹) طلبا صاحبان

نوٹ) وزنو جملے مختلف قسم کے نمونہ جات نہایت اعلیٰ طرز سے درج ہیں قیمت تین روپیہ ۲ ے

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے۔ برمن کی تیار کردہ ۱۹۲۲ء کی کافوری جنتری نہایت خوبصورت چکنے کاغذ پر چھپ رہی ہے اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ بھیجدیجئے مذکورہ بالا جنتری آپ کی خدمت میں مفت روانہ کیجاویگی

مکردہج یعنی خالص سونے کا کشتہ

مریض اور تندرست دونوں کے لئے یکساں مفید۔ کون ہے جو سونے کے کشتہ کے فوائد سے واقف نہیں فقط حکیم۔ اور ویدہی نہیں بلکہ بڑے بڑے ڈاکٹر بھی اس کے مداح ہیں۔ یہہ سونیکا کشتہ خاص ہمارے کیمیا خانہ میں طیار کیا گیا ہے۔ دمہ۔ بدہضمی اور دیگر امراض کے لئے نہایت مفید ہے۔ قیمت سات خوراک (۲؎) محصول سات سے اکیس خوراک تک چھ آنہ .... (۶؍)

تندرستی کی گفتگو

اپنی اپنی صحت کو درست رکھنے کے لئے امیر سے غریب تک فکر میں رہتے ہیں اور اپنی من مانی جسکو جیسی سوجھتی ہو ویسا ہی کرتے ہیں۔ دولتمند گھی۔ دودھ میوہ وغیرہ کھاتے ہیں اور قیمتی دوا کی تلاش کرتے ہیں۔ غریب کم خرچ۔ جڑی۔ بوٹی۔ اور جنگل کی کھوج میں رہتے ہیں جاڑیکے موسم میں چونکہ مقویات کا کھانا نہایت مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ اس موسم میں ہر چیز مریض کے موافق ہوتی ہے۔ اس فکر اور دقت کو دور کرنیکی نہایت ہی آسان ترکیب ہے جسمیں نہ تو زیادہ پریشانی ہوتی ہے اور نہ لیاقت سے باہر خرچ ہے اور وہ ڈاکٹر ایس کے برمن۔ کی گولیاں ہیں آپ بھی آزمائش کرکے دیکھئے یہہ بھوک کو بڑھا کر نیا خون پیدا کرتی ہیں۔ جوانی میں بے اعتدالیوں کی وجہ سے جو خرابی پیدا ہوجاتی ہے اور جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت ہوجاتی ہے۔ یہہ سب شکایتیں دور کرکے نیا خون اور نیا جوش پیدا کرتی ہیں۔ قیمت ۱؎ محصولڈاک (۶؍)

روگ کا گھر کھانسی

یہہ مثل بالکل درست ہے کیونکہ ایک کھانسی کی وجہ سے حلق سے لیکر سینہ تک مختلف مرض کے ہونیکا خوف رہتا ہے۔ سردی سے کھانسی کا آغاز ہوتا ہے اور فوراً ہی اگر مناسب علاج نکیا گیا تو سانس کی نلیوں میں سردی جمع ہوجاتی ہے اور اس سے گذر کر دمہ۔ کشی۔ سل کا دسیلہ نمونیہ۔ درد بخار وغیرہ شروع ہوجاتے ہیں اسلئے کھانسی کے شروع ہوتے ہی مناسب دوا ضرور کرنا چاہئے اور اس کی ترکیب بھی بہت آسان ہے اور وہ یہہ کہ ڈاکٹر۔ ایس۔ کے۔ برمن کی۔ کف اور کھانسی کی دوا نہایت درجہ مفید ثابت ہوئی ہے اسکی ایک شیشی خریدکر گھر میں ڈال رکھیں قیمت شیشی کلاں ۱؎ خورد ۱۰؍ محصولڈاک ۔ ۸؍ ۔ ۴؍

ڈاکٹر۔ ایس۔ کے۔ برمن۔ ۵۔ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایجنٹ۔ شیخ صاحب کار خانہ۔ پیسہ اخبار۔ لاہور

نو ایجاد برقعہ

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صیغۂ نسواں کے سکرٹری کے انعامی اعلان پر اس کی اختراع ہوئی کانفرنس منعقدہ لکھنؤ نے بہترین برقعہ قرار دے کر ان کو انعام طلائی تمغہ دیا۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں کانفرنس و نمائش ہائے صیغہ نسواں سے بھی بارہ طلائی و نقرئی تمغہ سند و انعامات حاصل کر چکا ہے۔

سولہ سال سے ہندوستان کے ہر گوشہ اور ہر طبقہ کے لوگوں میں مقبول ہے

بنگال ۔ برقعہ بہت پسند ہوا۔ واپس نہیں کیا جائے گا۔ بچہ کی ٹوپی جلد روانہ کریں۔ از جناب شمس الرحمٰن صاحب ایڈیٹر۔ رکھلتا بنگال

بہار ۔ ایک برقعہ چینی ریشم حسب قد جلد ممکن ہو اور روانہ فرمائیں جو برقعہ رنگین بھیجا ہے اسکی وضع بہت پسند ہوئی از جناب حکیم محمد یعقوب صاحب ارجہ یار ستی بہار

مدراس ۔ آپ کا اشتہار اکثر نظر سے گذرتا تھا۔ برقعہ منگانے سے اشتہار کے مطابق ثابت ہوا ایک برقعہ اپنا کپڑا روانہ کرکے طیار کراؤں گا۔

از جناب حسن صاحب ۔ رئیس حسن میسور۔

دکن ۔ برقعہ ہے نہایت آرام دہ اور پردہ دار ہے ۔ ایک برقعہ رنگین میرے بھائی کے گھر کے لئے روانہ کریں۔ از جناب محمد خلیل احسن صاحب انجینئر حیدرآباد دکن

احاطہ بمبئی ۔ آپکی دوکان سے دو برقعہ چینی ریشم خرید کئے تھے سب نے پسند کئے ایک برقعہ اور روانہ کریں ۔ از جناب ایم اسمٰعیل پوسٹ نمبر ۵ کولابا بمبئی

پنجاب ۔ جو برقعہ واپسی کی شرط پر منگوایا تھا بہت پسند ہوا گھر پہونچنے پر دو برقعہ طلب کروں گا۔ از جناب ایم فضل خاں صاحب نمبر ۳۳ لائل پور

سی پی ۔ میں نے بھائی احمد حسن صاحب کے پاس آپکا برقعہ دیکھا اسکی وضع پسند ہے ایک اور برقعہ روانہ کریں۔ از جناب الحاج حامد حسین صاحب آئی بی ریاست

یوپی ۔ برقعہ ملا واقعی برقعہ بہت آرام دہ چیز ہے ہر ایک بہن کو خریدنے کی ترغیب دونگی ایک برقعہ میری بہن کے نام روانہ کریں از جناب بنت عبد المجید صاحب ایم اے لکھنؤ

آپ بھی بشرط واپسی منگوا کر خود ملاحظہ کریں ۔ اور پردہ نشین خواتین کو معائنہ کا موقع دیں

برقعہ نو ایجاد کی وضع عام طرز کے بدنما تکلیف دہ اور ناکافی پردہ برقعہ سے بالکل مختلف ہے اسکی اختراع پردہ نشین کی ہر ایک ضرورت کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اتفاقیہ بے پردگی کا بچاؤ تازہ ہوا کی آمد کا کافی انتظام ۔ بچہ کو دودھ پلانے میں سہولت دیر تک پہنے رہنے کی تکلیف سے محفوظ و مکمل پردہ دار خوبصورت آرام دہ ۔ زمانہ کے حسب حال۔

وضع ۔ دو حصوں پر منقسم ہے بالائی حصہ سر سے شروع ہو کر ہاتھ کی انگلیوں سے تین انچ نیچے رہتا ہے اسمیں ہماری ایجاد کردہ ٹوپی نقاب والی لگی ہوئی ہے ۔ جو نقاب کو چہرہ سے بالکل الگ رکھتی ہے تاکہ چہرے پر پڑے رہنے سے دم نہ گھٹے اور باہر سے چہرہ کا خاکہ معلوم ہو سکے زیریں حصہ ڈھیلے ڈھالے کوٹ کے کندھے سے شروع ہو کر پیر کے ٹخنہ تک رہتا ہے کوٹ کی مانند سامنے کرخ بٹن لگے ہوئے ہیں دو جانب ہاتھ باہر نکالنے کی جگہ بنی ہے کرتے کی

آج ہی منگائیں ۔ گندھے سے لیکر پیر کے ٹخنہ تک لمبان اور سر کے دور کا ناپ روانہ کریں ۔ **ہر جگہ پردہ نشین خاتون کو اس کی ضرورت ہے** ۔ قیمت سفید لٹھا عہ ۔ رنگین عہ ۔ الپکہ عہ ۔ چینی ریشم للعہ ۔ سفید کھدر عہ ۔ رنگین کھدر عہ

خاتون اسٹور نمبر ۱۹ دہلی نمبر ۲ لکھنؤ

نوٹ: تاجرانہ رعایت ایک قسم یا مختلف قسم کی ایک درجن اشیاء کے خریدار کو محصول معاف ۵۰ کی کمیشن خریدار ہر معہ محصول ... کا وی پی ہوگا

فاسفرومین جسٹرڈ

شمشاد مجربات قوت و طاقت ہر مرض جو بچوں بوڑھوں جوانوں مستورات کو ہو سکتی ہے اس کا مجرب علاج ہے نسخہ مفت معہ محصول

رؤسا۔ امراء۔ غرباء۔ فقراء و حکماء کے لئے
فاسفرومین لیبوریٹری لاہور کے
کوڑیوں کے مول بیش بہا نادر تحائف

جوہر یا روح

پودینہ۔ بادیان۔ الائچی
لونگ۔ لیمو۔ لیونڈر۔ دارچینی
صندل ہر ایک فی شیشی ۶؎

اشتہاری فریب سے بجان تنگ آمدہ اصحاب ضرور تجربہ فرماویں اور دیکھیں۔ کہ اس شہرہ آفاق کارخانہ سے معاملہ ان کو کس قدر مفید اور ارزاں پڑتا ہے۔ کارخانہ سے پوری اور کافی مقدار میں ادویات مہیا ہوتی ہیں۔ برخلاف اشتہاری حکیموں و دھوکہ کے کہ قیمت گو کم ہے۔ مگر دوا کی شیشی بھی ایسی چھوٹی جیسی چوہیا کی دم یا بورے کے لڈو جو کھائے وہ بھی پچھتائے جو نہ کھائے وہ بھی پچھتائے۔ اشیا و ادویات نہایت عمدہ و اعلیٰ قسم کی رشتہ طبیہ ہیں۔ ہر جائز شکایت کی تلافی مادت کرنے کے لئے پروپرائٹر کارخانہ بذا ہر وقت آمادہ ہیں فہرست حسب ذیل ہے

امرت سارا۔ یہ وہی ہے جسے امرت دھارا یا امرت بان یا اسم اعظم یا روح حیات وغیرہ نام دیئے ہیں۔ کافور ست پودینہ و اجوائن وغیرہ سے مرکب سفر حضر میں مفید ہے۔ کہ ہر مرض کا علاج ہے فی دوا قیمت ۱۲؎

روح کافور روحی۔ ہیضہ۔ بدہضمی ... علاج حفظ ما تقدم کے لئے ... فی شیشی ۹؎

مہندی خضاب ... سفید بال ... سیاہ ... ۲ پیکٹ ۱۲ دفعہ کے واسطے کافی ہوتی ہیں قیمت صرف ۸؎

صفا صفا پوڈر۔ بے ضرر جو ... بالوں سے ... ۲ منٹ میں بال غائب قیمت فی پیکٹ ۲؎

دردسر کافور۔ ہر قسم کی دردسر کا تیر بہدف علاج ... نہایت مفید ۱۲ پوڈر قیمت صرف ۳؎

ہیر آئل عنبری۔ بال بڑھانے میں بے مثل دماغ کو معطر کرتا ہے۔ فی شیشی قیمت چھ آنے ۶؎

اقبال لال شربت۔ امراض سینہ سل کھانسی بخار کہنہ کے لئے مجرب قیمت فی شیشی ۴؎

روغن نمو افزا۔ داڑھی مونچھ اور سر کے بال پیدا کرنے اور بڑھانے میں جواب مجرب فی شیشی ۴؎

غازہ حسن افزا۔ خوبصورتی کو دوبالا کرنے اور پیدا کرنے میں لاجواب۔ قیمت فی پیکٹ چار آنے ۴؎

ست با جوہر عشبہ مغربی۔ اول درجہ کا مصفی خون ہے۔ قیمت فی شیشی چھ آنے ۶؎

ممیرے کا سرمہ۔ ہر مرض چشم کا مجرب علاج ممیرے کی شرط۔ قیمت فی پیکٹ صرف ۴؎

نمک سلیمانی۔ ہاضمہ اور خرابی معدہ و جگر کے لئے نہایت مجرب قیمت فی پیکٹ ۴؎

اکسیر طاعون۔ پلیگ یا طاعون کا مجرب علاج ہر حصہ میں ... قیمت فی شیشی آٹھ آنے ۸؎

اکسیر ملیریا۔ بخار روزانہ یا باری ... سے آرام ہوتا ہے ... قیمت چار آنے ۴؎

بخار۔ نزلہ۔ دردو اعضاء کا فوراً آرام ... ۱۲ ... ۳؎

اکسیر اطفال۔ ... مجرب علاج قیمت ... ۸؎

سفوف خارش گرمی دانہ۔ ہر قسم کی خارش گرمی دانہ کو ایک ہفتہ میں دور کرتا ہے قیمت ۲؎

جیبی تیل۔ جب چاہو ... جب چاہت ہو تو ایک گولی کھائے تین درجن ۳؎

کان بہنے کا مجرب علاج۔ فی شیشی قیمت ۴؎

دوائے داد۔ داد۔ دھدری کے لئے نہایت مجرب سریع الاثر ثابت ہوئی ہے قیمت ۴؎

مرہم زخم دنبل۔ ہر قسم کے پھنسی پھوڑے کے لئے مجرب و لاثانی دوائی ہے قیمت ۲؎

دردربا۔ اس کی مالش سے جہاں درد ہو کافور ہو جائے گا قیمت فی شیشی ۴؎

حابس الدم۔ خون تھوکنے یا جریان خون مستورات کے لئے مجرب قیمت فی شیشی ۸؎

ناٹا ٹانک۔ دماغی و جسمانی کمزوریوں کا مجرب علاج ہے قیمت فی شیشی آٹھ آنے ۸؎

اکسیر دمہ۔ اس موذی بیماری کی تکلیف سے بہت جلد نجات دلانیوالی دوا قیمت فی شیشی ۸؎

کلوروڈائین۔ بدہضمی و درد شکم پیچش کا مجرب و سریع الاثر علاج ہے قیمت فی شیشی ۴؎

کمفور وڈائین۔ گرما میں حبس، بدہضمی ...

ہیضہ کا نہایت مجرب و لاثانی دوا و علاج ہے ۶؎

جوہر قند۔ ذیابیطس یا شکر کا بدل اور سفوف ... ہر فن ... اسبدل قیمت فی تولہ چار آنے ۴؎

یوکلپٹس آئل۔ زکام۔ نزلہ۔ ... کا داخلی خارجی علاج ہے قیمت فی شیشی چار آنے ۴؎

اکسیر سعال۔ ہر قسم کی کھانسی کے لئے مجرب ۴؎

سفوف دافع قبض و لوابیر۔ مستورات کے لئے خاص کر نہایت ہی مفید ہے ۸ پوڈر قیمت ۴؎

سوڈا منٹ ہاضمہ کی مجرب دوا ... ۴؎

کھانسی کی ٹکیاں۔ ... کھانسی خراش گلو کے لئے مجرب ... قیمت ۳؎

جیبی کونین بخار کھانسی ... ...

بخار دیکھنے کا عمدہ تھرما میٹر۔ قیمت فی ۱۲؎

دودھ میں پانی بتانیوالا لیکٹو میٹر فی (۱۲؎)

نٹ ہالین بال جب میں کپڑے ... کی حفاظت ... بکس میں رکھو تو کیڑے سے محفوظ رہیں تین درجن ... قیمت صرف تین آنے ۳؎

خالص کاڈلیور آئل۔ کاڈ مچھلی کے جگر کا تیل پھیپھڑہ کے امراض میں مجرب ہے قیمت فی شیشی ۱۲؎

مچھر سے نجات دلانیوالا جوہر جسم پر مل لو مچھر پاس تک نہیں پھٹکتا اور خوشبو سے دماغ ... فی شیشی ۸؎

خوشبودار منجن۔ دانت مثل موتی چمکدار ہو جاتے ہیں دانتوں کو مضبوط کرتا ہے۔ درد دانت کا علاج کافی و شافی ہے۔ قیمت فی پیکٹ دو آنے ۲؎

کونین شیرین۔ بچوں کو کونین دینی ہو تو یہ شیرین کونین دیں۔ بخار۔ نزلہ۔ کھانسی میں بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ ۱۲ پوڈر قیمت ۴؎

تیار کرنے والا: منیجر فاسفرومین لیبوریٹری لاہور

SHABAB-I-URDU.



DEWAN MOTI RAM "FARHAT."

جلد ۷ نمبر ۲ بابت ماہ شوال ۱۳۴۱ھ مطابق مئی ۱۹۲۳ء

شذرات

اس ماہ میں ہمارا کتب خانہ مفصلہ ذیل کتب کے لئے مرہون منت ہے۔

(۱) زندہ جاوید حیات مبارکہ اسلامیہ کی تفسیر اہلم الشہدا حضرت حسین علیہ السلام کی سیرت پاک میں مولفہ سیدہ الف - ف - بیگم حیدرآبادی ثم عظیم آبادی - یہ قابل دید کتاب مسز محمود صاحبہ سے صرف پانچ آنہ میں بوساطت حاجی مولوی احمد بشیر صاحب مصلح پور ڈاکخانہ مہندرا پٹنہ سے ملسکتی ہے اس کا تمام منافع کارخیر میں صرف ہوگا۔

(۲) اسرار ادویہ مولفہ محمد عبداللہ فوق جسمیں ولایت کی مشہور آفاق پٹینٹ ادویہ کا راز سربستہ کھولکر پبلک کے سامنے رکھدیا ہے قیمت (عہ) سید رحمت علی شاہ مالک مسلم جنرل بلس ایجنسی لاہور سے ملسکتی ہے

(۳) نیرنگ خیال حصہ دوم مصنفہ شمس العلما مولنا آزاد مرحوم - جناب آغا طاہر صاحب نبیرہ حضرت آزاد کا کمال دیکھیے کہ جن کتابوں کا شان و گمان تک نہ تھا ان سے ہمیں بہرہ اندوز حلاوت فرما رہے ہیں - یہ کتاب آزاد بک ڈپو سے دستیاب ہوگی - لکھائی چھپائی دیدہ زیب ہے -

---

ارشاد نے صاحب تصنیف دیوان موتی رام فرحت لاہور کی مشہور و معروف خاندان کے چراغ ہیں آپکے خاندانی حالات تاریخ پنجاب جلد اول صفحہ ۵۰۵ پر مفصل درج ہیں دیوان رتن چند ہاڑی والا جنکا مشہور باغ لاہور میں ابتک قابل دید مقام ہے - انکے حقیقی نانا تھے - آپکا خاندان ہمیشہ ہی علم دوست اور روشن دماغ رہا ہے آپ کے والد بزرگوار دیوان صاحب دیوان ہر نام داس صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر - ایک باخبر شاعر تھے اور غمخوار تخلص کرتے تھے دیوان موتی رام کی طبیعت بچپن سے موزوں تھی آپ ہماری جمعیت ایڈیٹر صاحب کے ہم جماعت ہیں اور تیس سال سے فارسی زبان میں شعر کہتے ہیں حافظ کا رنگ آپ کو بہت پسند ہے - حق تو یہ ہے کہ خوب کہتے ہیں آپ کچھ عرصہ سے خاموش تھے خانصاحب کی تحریک اور شباب اردو کی محبت نے آسمانی آگ کا شعلہ پھر بھڑکا دیا ہے اور آپ نے ہر نمبر میں ہمنوائی کا وعدہ فرمایا - ہے آپ پرانے فیشن کے شریف ہیں لباس بھی وہی پرانے رؤسا کا ہے اور سرکار کے صادق کارکن اور پبلک کے خیر اندیش اور نہایت دیانتدار اور پرہیزگار افسر ہیں -

---

گذشتہ نمبر میں جناب محمود علی خاں عرف آغا علی خاں صاحب تعلقدار کے مضامین میں غلطیاں رہ گئی ہیں ناظرین درست فرمالیں -

مضمون	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
فلسفہ اخلاق				
″	۲۵	۱۷	عصیل	عضور
غزلیات	۲۶	۱۰	میون	شکل یا قالب
	۵۱	آخری مصرع	پڑھ کے	بڑھ کے

(برکت علی جائنٹ ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شباب اردو

وہ دیوی تھی

فرض کرو کہ میرا نام سکھرام ہے - مدتیں گذریں کہ میرا جوانی کا عالم تھا - اقبال میرا تاج سر تھا میری خدمات سرکار دولتمدار کی طرف سے پنجاب کی ایک بڑی ریاست میں مستعار تھیں - ریاست کا انتظام میرے سپرد تھا - مہاراج مجھ پر مہربان تھے - لیکن ریاست کے امرا میری جان کے دشمن و ہمیشہ میرے خلاف منصوبے سوچتے رہتے تھے - اور مجھے برباد کرنے کے لئے ہر وقت مستعد تھے -

کسی کو مے نوشی کا چسکا ہے - کسیکو قمار بازی کا لپکا ہے - کوئی حسن پرست ہے - کوئی عیاشی میں مست ہے - مگر مجھے ان سب سے نفرت تھی - مجھے صرف شکار کا شوق تھا - اور یہ شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا - میں دن کاروبار میں اور رات اپنی پیاری دھرم پتنی کے تصور میں جو لاہور میں تھی بسر کرتا تھا -

ایک دن میں جنگل میں خیمہ زن تھا - میں پلنگ پر لیٹا ہوا تھا - اور میرا وفادار خادم تعلو میرے پاؤں دبا رہا تھا - کہ میرے کانوں میں ایک ملایک فریب آواز آئی - مجھے ایشر پرماتما کی قسم میں نے ایسی دلکش آواز کبھی نہیں سنی - میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے - میرے بدن میں سنسنی پیدا ہوئی - میرے خون میں بجلیاں دوڑنے لگیں رات کا وقت تھا اور کوئی پرستان کی پری ساز بجا رہی اور گا رہی تھی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات کی روح کرشن بھگوان کی گوپیوں [illegible]

دہاکر دھرتی کی پریشانیوں کو ایک میٹھی لوری سنا کر سلا رہی ہے۔
میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور مبہوت ہوگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد راگ موقوف ہوگیا۔ اور گانیوالی خاموش ہوگئی۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک پربہار سبزہ زار سے نکل کر گرم ریگستان میں آگیا۔
نعلو نے مجھے حیران دیکھ کر کہا کہ ان داتا اس جنگل میں ماتا کا استھان ہے جس کے ساتھ لچھمن جوتشی کا مکان ہے۔ یہ اس کی پوتی سیتا کی آواز تھی۔ سیتا کے ماں باپ مر چکے ہیں وہ دادا کے ساتھ رہتی ہے۔ جوتشی جی نے اسے جوتش کا علم پڑھایا ہے۔ اور راگ سکھایا ہے۔ سنسکرت خوب جانتی ہے۔ بڑے بڑے پنڈت اس سے چکراتے ہیں۔ اور مشہور راگی کلاونت اور کتھک اس سے گھبراتے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ راجہ اندر کے اکھاڑے کی پریاں اس کی سہیلیاں ہیں۔ اور جب وہ گاتی ہے تو وہ سب پھولوں کے ہار لیکر گانا سننے آجاتی ہیں۔ سیتا بڑی مغرور ہے وہ مردوں سے بات نہیں کرتی۔ مرد کو دیکھ کر اس کی تیوری پر بل پڑ جاتا ہے۔ میں مسکرا کر خاموش ہو رہا۔ لیکن تمام رات بےچین رہا۔ نیند اڑ گئی جب پچھلی پہر مجھ پر غنودگی سی طاری ہوئی تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری بیوی کوشلیا متفکر اور مغموم میرے سرہانے کھڑی ہے اور غور سے میری طرف دیکھ رہی ہے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ میں بیدار تھا مگر میری کوشلیا بدستور میرے سرہانے کھڑی تھی میں نے اسطرف ہاتھ بڑھا کر اسے چھونا چاہا مگر وہاں سوا ہوا کے اور کچھ نہ تھا۔ یہ نظارہ وہم جو پہلے روشن تھا پھیکا پڑ گیا اور پھر غائب ہوگیا۔

(۲)

شب بیداری کی وجہ سے میری طبیعت خراب تھی پھر بھی میں حسب معمول گجر دم اٹھا۔ اور اشنان کرکے پوجا کے لئے آسن پر بیٹھ گیا۔ پھول مہک رہے تھے۔ لوبان سے معطر دھواں اٹھ رہا تھا۔ صبح کا سہانا سماں تھا۔ نسیم سحر چل رہی تھی۔ لیکن میری طبیعت اچاٹ تھی۔ میرے کانوں میں سیتا کی آواز گونج رہی تھی۔ اور کوئی پوشیدہ طاقت مجھے لچھمن جوتشی کے مکان کی طرف کھینچ رہی تھی آخر پاٹ ادھورا چھوڑ کر میں نے کپڑے بدلے۔ ریشمی کوٹ پہنا اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا۔ میں نے لچھمن کو دیکھا وہ ایک پیر مرد تھا اس کی عمر اسی سال کے قریب تھی۔ اس کا چہرہ تپسیا کے نور سے منور تھا۔ اس کی آنکھوں میں آسمانی اگنی کے شعلے چمک رہے تھے۔ وہ سنگھاسن پر بیٹھا ہوا اسمرن پھیر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا اور کہنے لگا آؤ مہاراج بڑی کرپا کی پھر اس نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا قسمت کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ میں اس کے رعب سے متاثر ہوکر مودب بیٹھ گیا۔ کچھ تامل کے بعد

اس نے سیتا کو آواز دی کہ بیٹی آؤ ہمارا مہمان آگیا۔ بیٹی قسمت کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ وہ لوگ جو قسمت کو نہیں مانتے مورکھ ہیں نادان ہیں۔ چند لمحوں کے بعد میری آنکھوں کے روبرو بجلی کوندی اور سیتا وہاں آئی جہاں ہم بیٹھے تھے۔ سچ جانیئے وہ ایک بلور کی پتلی نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اب آفتاب نکل چکا تھا۔ اور اس کی شعاعوں میں اس کے سر کے بال ٹخنوں تک لٹک رہے تھے۔ اور اس کے نازک جسم کے لئے زربفت کا برقعہ بنے ہوئے تھے۔ وہ آئی تو غصہ میں بھری ہوئی تھی اس نے مجھے دیکھا اور ناراضگی کے بادل کافور بن کر اُڑ گئے اس کے چہرہ کا رنگ نکھر اور ہو گیا۔ وہ آنکھیں جن میں غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اب فردوس محبت بن گئیں وہ شرما کر بیٹھ گئی۔ اس نے آنکھیں نیچی کر لیں مگر کسی کسی وقت وہ دزدیدہ نگاہ سے میری طرف دیکھتی تھی۔ اور پھر جھٹ منہ پھیر لیتی تھی۔ جوتشی جی کے اشارے پر اس نے اپنا ساز اٹھایا اور گانے لگی وہ گا رہی تھی اور میں بید مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ گا رہی تھی اور درخت جھوم رہے تھے وہ گا رہی تھی اور پرندے بیہوش ہو کر ہوا سے زمین پر گر رہے تھے۔ وہ گا رہی تھی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس مکان کی دیواریں ہل رہی ہیں۔ رفتہ رفتہ میری آنکھوں میں نیند آنے لگی میرے ہاتھ پاؤں سو گئے۔ میں سو گیا۔ میرا دماغ سو گیا۔

(۳)

میں کہہ چکا ہوں کہ ریاست کے گردن فراز سردار تمام میرے دشمن تھے۔ میرے خلاف ایک عظیم سازش قائم ہوئی تھی۔ مجھے ہر وقت جان کا خطرہ تھا۔ یہ صرف سیتا کے دادا کی نظر عنایت تھی کہ میں زندہ رہا۔ ورنہ دشمنوں کے کارندے مجھے ضرور ہلاک کر دیتے۔ جوتشی جی کے پاس میں ہر روز آتا تھا۔ وہ مجھے فرزندوں کی طرح چاہتے تھے۔ ان کا مشورہ میرے لئے خضر راہ تھا میں ان کی رائے پر کاربند ہوتا تھا۔ اور دشمنوں کو خفت اٹھانی پڑتی تھی۔ ہر روز کی آمدورفت سے میرے اور سیتا کے درمیان جو حجاب تھا وہ رفتہ رفتہ دور ہو چکا تھا۔ ہم گھنٹوں ڈل کے کنارے سیب اور ناسپاتیوں کے درختوں کے نیچے بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب وہ گاتی تھی تو ڈل سے مچھلیاں باہر نکل آتی تھیں۔ پرندے درختوں سے اتر کر اس کی گود میں آ بیٹھتے تھے۔ اور ہرن اور چکارے چوکڑیاں بھول کر خود بخود اس کے گرد طواف کرنے لگتے تھے۔ ناظرین میری راست گوئی پر ناراض نہ ہوں جب میں اور وہ تنہا ہوتے تھے تو اس کا عالم افروز حسن مجھے دیوانہ کر دیتا تھا۔ لیکن جس وقت میرے خون میں آتش خیز پہاڑ کی حرارت پیدا ہوتی تھی کوشلیا کی یاد شبنم بن کر اس آگ کو بجھا دیتی تھی۔ اور اس کی محبت کا آب زلال میری دیوانگی کو

رفع کر دیتا تھا۔ ایک دن ہم استھان کے پچھواڑے چہل قدمی کر رہے تھے۔ وہ اس وقت پژمردہ تھی اور چپ چپ تھی۔ دفعتاً اس نے میری طرف دیکھا اور میں حیران ہوگیا۔ اس کا رنگ جو عموماً گلنار رہا کرتا تھا۔ اسوقت ہلدی کی طرح زرد تھا۔ اور اس کی نرگسی آنکھوں کے گرد حلقے نمودار تھے۔ وہ کچھ سوچ کر ادبی پیارے سکھرام۔ میں نہیں جانتی تم مجھے کیا سمجھو گے۔ لیکن اب اس محبت کی آگ میں مجھ سے دن رات جلا نہیں جاتا۔ میرا کلیجہ پک گیا ہے۔ میرا جگر چھلنی ہوگیا ہے تم کیوں خاموش ہو۔ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں۔ کیا تم مجھے پسند نہیں کرتے۔ تم کیوں میرے دادا سے وہ درخواست نہیں کرتے۔ جس سے تم میرے ہو جاؤ گے۔ اور میں تو تمہارے لئے ہاں صرف تمہارے لئے پیدا ہوئی ہوں"

یہ گفتگو سنکر میرے ہوش بجا نہ رہے۔ قریب تھا کہ گریبان صبر و تحمل دھجیاں ہو جائے۔ اور میں اس کے قدموں پر سر رکھ کر اظہار محبت کروں اس کی بلائیں لوں منتیں کروں اسے گلے لگا لوں اور کہوں کہ اے حسن کی دیوی میرا دل تیرا مندر ہے تو میری جان اور میرے ایمان کی مالک ہے۔ کہ پھر کوشلیا کی صورت میری آنکھوں کے سامنے آگئی اور وہ میری طرف اسطرح دیکھنے لگی۔ جیسے ملزم حاکم عدالت کے چہرہ کی طرف اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے دیکھتا۔ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ اے اکاس کی پری تمام جہان میں تیرے برابر کوئی خوبصورت نہیں ہے اگر مجھ سے پوچھے تو مجھے کوئی انسان تیرے لایق دکھائی نہیں دیتا۔ اگر میری قسمت میں تیری غلامی ہوتی تو مجھ سے بڑھ کر کوئی خوش نصیب نہ تھا لیکن میں مجبور رہوں میری عورت کوشلیا موجود ہے اور اس کی محبت میرے لئے جز و بدن اور بنیاد ایمان ہے۔ میرے الفاظ سیتا کے لئے۔ مرگ کی آنکھوں والی سیتا۔ زریں مو سیتا۔ گل اندام سیتا۔ کے لئے تیر جگر دوز ثابت ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام لیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ بیہوش ہو کر گرنیوالی ہے میں نے بڑھ کر اسے سنبھالنا چاہا۔ لیکن اس نے مجھے ہٹا دیا۔ اور آنسو پونچھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ میں نے چاہا کہ اسے آواز دوں کہ جوتشی جی مسکراتے ہوئے ایک طرف سے نمودار ہوئے۔ پہلے سیتا کی طرف جو جا رہی تھی دیکھا۔ پھر میری طرف دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگے قسمت کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ بیٹا سکھرام یہ تین دن تجھ پر بہت سخت ہیں۔ تین دن بستر پر نہ سونا۔ تین دن اناج نہ کھانا۔ اور تین دن اکیلا باہر نہ جانا۔

(۴)

سیتا کو شکستہ دل پریشان حال دیکھ کر میں بیقرار تھا۔ مثل سیماب بیتاب تھا۔ ماہی بے آب کی طرح مضطرب تھا۔ میں کبیدہ خاطر ہو کر گھر گیا اور چاہا کہ بستر پر لیٹ جاؤں کہ جوتشی جی کی نصیحت یاد آئی۔ میں نے خادم کو آواز دی کہ میرا بستر اٹھا لو میں بغیر بستر چارپائی پر لیٹوں گا۔ نوکر بستر تہ کرنے لگا تو اس نے چیخ ماری اور بستر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اسوقت ایک کالا ناگ پھنکارے مارتا ہوا بستر سے نکلا اور غضبناک آنکھوں سے ہماری طرف دیکھنے لگا۔ ہم نے بمشکل اس کو مارا اور میں بال بال بچ گیا۔ وہ رات میرے لئے عجیب رات تھی یہ نہ سوتے کٹی نہ روتے کٹی۔ رات میں نے کچھ نہ کھایا صبح درد سے میرا سر پھٹا جا رہا تھا۔ باورچی کھانا لایا۔ میں نے ایک لقمہ اٹھایا اور منہ کے قریب لے گیا دفعتاً مجھے جوتشی جی کی دوسری نصیحت یاد آگئی۔ میں نے نوالہ رکھ دیا اور کھانا پھنکوا دیا۔ اور خادم سے کہا کہ اپنے ہاتھ سے دودھ دوہ کر مجھے دے۔ وہ ایک گلاس میں تازہ گرم گرم دودھ لے آیا اور میں نے پیا۔ میرا عزیز کتا ڈلیش جسکو مجھ سے بڑی محبت تھی۔ اگر وہ کھانا جو میں نے پھنکوایا تھا کھانے لگا اور میرے دیکھتے دیکھتے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ میرے دشمنوں نے مجھے زہر دلوانا چاہا تھا خدا نے بچا لیا کھانے میں سنکھیا تھی۔ ان صدمات سے میری طبیعت بگڑ گئی میں دو دن گھر سے باہر نہ نکلا۔ تیسرے دن شام کے وقت غم غلط کرنے کے لئے اور سیتا کی شکل دیکھنے کے لئے جنگل کی طرف گیا میں دل کو بہ نگاہ حسرت دیکھ رہا تھا۔ کہ درختوں کے جھنڈ سے تین سیاہ پوش دراز قد جوان جن کے چہروں پر نقاب تھے۔ نکلے اور مجھ پر حملہ آور ہوئے اسوقت میں تنہا تھا اور میرے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا کہ مقابلہ کرتا۔ افسوس کہ جوتشی جی کی تیسری نصیحت مجھے بیوقت یاد آئی۔ میں نے حد سے زیادہ جد و جہد کی لیکن وہ مجھ پر غالب آئے اور مجھے زمین پر پچھاڑ کر ذبح کرنا چاہتے تھے۔ کہ ایک طرف سے سیتا وہاں آگئی اور بانسری بجانے لگی اس نے اسطرح بانسری بجائی کہ پہلے کبھی نہ بجائی تھی بانسری میں اس کی روح داخل ہوگئی میں سچ کہتا ہوں کہ بانسری کی آواز سے میں اور میرے قاتل بیہوش ہوگئے۔

(۵)

اس واقعہ کے بعد میں ایک ماہ تک بیمار اور بیہوش رہا۔ ایکدن میرے مرنے کی خبر بھی مشہور ہوگئی مہاراج کو میری زندگی بہت عزیز تھی۔ انہوں نے انگریزی علاقہ سے میرے لئے سول سرجن بلوایا اپنے وید و حکیم آکر مجھے دوا پلواتے تھے۔ اور میرے نگراں حال تھے۔

ایک ماہ کے بعد جب میں نے آنکھ کھولی تو کوشلیا میرے سرہانے موجود تھی۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر

اس کی ہمان میں جان آگئی ورنہ آرام یا نیند اس کے لئے حرام تھی - وہ جوش مسرت سے رونے لگی - آہ ایک وہ آنسو تھے جو میں نے سیتا کے مدھ بھرے نینوں سے گرتے دیکھے تھے - اور ایک یہ تھے جو تیمارداری [illegible] آنکھوں سے بہہ رہے تھے - دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا -

میں تخفیف اور افاقہ تھا - ڈاکٹر نے کہا کہ دوبارہ زندگی ہوئی ہے - چند دن کے بعد میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو گرتا پڑتا جوتشی جی کے مکان پر گیا وہ بدستور سنگاسن پر بیٹھے ہوئے سمرن پھیر رہے تھے - میں نے کہا سیتا جی کہاں ہیں - وہ مسکرائے اور کہا قسمت کے لکھے کو کوئی مٹا نہیں سکتا - پھر ایک چاندی کے برتن کی طرف اشارہ کیا جس میں سیتا کے پھول تھے - بعد ازاں معلوم ہوا کہ جس دن میرے مرنے کی افواہ اڑی اسی دن سیتا نے اپنی جان بت کے نام پر صدقے کر دی - وہ استری نہ تھی - وہ دیوی تھی

(ایڈیٹر)

جذبات حفیظ

جنوں سودا عقل ہے الٰہی میری مت
کس قدر بے لطف تیرے بن ہے زندگی میرے لئے

ہے ترا کہنا بظاہر دل لگی میرے لئے
کیونکہ بے معنی ہے لفظ دوستی میرے لئے

آرزو کی جلوہ ہائے حسن رنگا رنگ نے
باندھ رکھا ہے طلسم زندگی میرے لئے

رونے والوں نے مسیحا کو کیا جھک کر سلام
لائے تھے حضرت نوید زندگی میرے لئے

ہائے دشمن کیلئے تجھ کو بظاہر دشمنی
اور وفا دشمن فریب دوستی میرے لئے

توبہ توبہ شیخ جی تو بڑا کچھ کس کا خیال
جب وہ خود کہدے کہ پی تھوڑی سی پی میرے لئے

دست تقدیر اور نقش مدعا باندھے - غلط
بت شکن کرنے لگے کیوں بت گری میرے لئے

کیا کہوں نا آشنایان مآل عشق سے
کر گئے جو وضع رسم عاشقی میرے لئے

منصب و جاگیر و دولت کی نہیں پروا حفیظ
باعث عزت ہے میری شاعری میرے لئے

(ابو الاثر حفیظ جالندھری)

خون کے پیاسے

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۲) ایک اور اہلکار صفائی کے محکمہ میں مرزا بلند اختر ہیڈ کلرک تھے - اس محکمہ میں تین ہزار بھنگی اور پندرہ سو سقے ملازم تھے - ہر ایک سے یہ بالحساب آٹھ آنہ ماہوار لیتے تھے - یعنی تنخواہ تقسیم کرنے کے وقت وضع کر لیتے تھے - ساڑھے بائیس سو روپیہ ماہوار تو یہ ہوگیا - اس کے علاوہ پچاس ساٹھ اسامیاں خالی بھی رکھتے تھے - وہ تنخواہ تمام کی تمام اڑا لیتے تھے - اس میں سے نصف کے قریب تو ماتحت اہلکاروں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے - اور نصف ڈیڑھ ہزار کے قریب خود رکھ لیتے تھے - چونکہ بانٹ کر کھاتے تھے اس لئے ماتحت بہت خوش تھے - ہر سال چھ ہزار لائسنس مختلف پیشہ والوں کے لئے دئے جاتے تھے - فی لائسنس دو روپیہ ملتا تھا - اس میں سے بھی نصف ماتحت اہلکاروں کو دیدیتے تھے قصائی اور دودھ والے اور نان بائی اور ڈھابہ والے خوش تھے - کہ دو روپیہ دیکر وہ ہر قاعدہ کی پابندی سے بچ گئے اور تمام سال کے لئے بے فکر ہوگئے علاوہ ازیں کسی سال ہیضہ ہو جاتا تھا کسی سال پلیگ کسی سال چیچک اور ادویہ اور دیگر سامان تحفظ میں بیس پچیس ہزار روپیہ خاص طور سے منظور ہو جاتا تھا - اس کا نصف بھی خرچ نہ ہوتا تھا اور اس طرح دس ہزار روپیہ اور بھی بچ رہتا تھا الغرض اس اہلکار کو دو ہزار روپیہ ماہوار سے زیادہ تنخواہ پڑ جاتی تھی - ہیلتھ آفیسر اکثر تو انگریز ہوتے تھے - جو ایسی باتوں کا خیال بھی بہت کم کرتے ہیں - کیونکہ ان کو عوام الناس سے دلچسپی کم ہوا کرتی ہے لیکن ان دنوں میں ایک ہندوستانی صاحب تھے - مگر ان پر انگریزیت اسقدر غالب تھی کہ وہ اکثر اسی افسوس میں رہتے تھے کہ مجھے خدا نے انگلستان میں کیوں پیدا نہ کیا - اور اپنے تئیں زبردستی انگریز سمجھتے تھے - ان کا طریقہ معاشرت وہی تھا - وہی بولی وہی چال ڈھال - ہندوستانی لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے - ہمدردی کا تو کیا ذکر ہے - اس لئے اہلکاروں کی شکایت سننا اپنی کسر شان سمجھتے تھے - دیانتدار تو تھے لیکن یار لوگوں نے زبردستی ان کی خواہش کے برخلاف یہ عادت ڈال دی تھی - کہ ترکاری اور گوشت اور دودھ پھر بھی مفت پہنچا دیتے تھے صاحب کو کبھی خیال آجاتا تھا تو برائے نام قیمت دیدیتے تھے -

(۳) ایک اور اہلکار صیغہ انجنیری میں تھے نالائق اول درجہ کے کام سے بالکل ناواقف - لیکن خوشامدی اس قدر مضبوط کہ انجنیر صاحب کو شیشہ میں اتارا ہوا تھا

اپنے دوست اور دور کے رشتہ دار ٹھیکیدار مقرر کئے ہوئے تھے - انہیں کو ہمیشہ ٹھیکہ ملتا تھا اور وہ اس طرح کہ ان کو بتا دیا جاتا تھا کہ کم سے کم ٹینڈر اس قدر ہے وہ اس سے بھی ایک آنہ کم ٹینڈر دیتے تھے - انجنیر صاحب مجبور ہو کر انہیں کو ٹھیکہ دیتے تھے - ریٹ بھی گنجائش کے رکھے ہوئے تھے - دیکھنے والے بھی خود ہی تھے - اور اسی لئے چونہ کا خرچ اس محکمہ میں بہت کم تھا - اور اینٹیں بھی اکثر خام اور دوسرے درجہ کی لگتی تھیں - پانچ گینگ میں بیس آدمیوں کے دائمی نوکر رہتے تھے - انہیں سے مشکل سے دو گینگ رکھے جاتے تھے - باقی کل فہرست فرضی ہوتی تھی اور ان دو گینگوں میں اوورسیروں اور اسسٹنٹ انجنیر کے ملازم یعنی باورچی تانگہ ہانکنے والے اور خدمتگار بھی ہوتے تھے - اس اہلکار کو بھی بیس ہزار سالانہ سے کم بالائی آمدنی نہ تھی - کوئی اوورسیر ایسا نہ تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کو کوپرہل کے مدرسہ میں انجنیری کے لئے نہ بھیجا ہو -

ایک اور اہلکار محکمہ جنگی کے سپرنٹنڈنٹ تھے پاتی رام ان کا نام تھا - حلیہ مبارک یہہ تھا - توند نکلی ہوئی - قد چھوٹا - گردن کوتاہ - پگڑی میں گز کی باندھے ہوئے - قصور کی بھدی جوتیاں پہنے ہوئے - پھٹ پھٹ کرتے چلا کرتے تھے - کوئی دیکھتا تو سمجھتا کہ دس روپیہ ماہوار کا متصدی ہے - لیکن دو سو روپیہ ماہوار تو تنخواہ ملتی تھی - اور کم سے کم دو لاکھ کی اسامی سمجھے جاتے تھے اگر کوئی پوچھتا کہ بابوجی اس قدر روپیہ کس طرح کمایا - تو کہتے تھے کہ بھئی تنخواہ میں تو مشکل سے گزارہ ہوتا ہے - یہہ روپیہ تو میرے ناناجی نے کمسریٹ میں کمایا تھا - وہ میرٹھ والوں کے یہاں جنھوں نے گوشت کی سپلائی کا ٹھیکہ لیا تھا - غدر سے لیکر تیس برس تک منیم رہے تھے - ان کی کمائی بھی دو ہزار روپیہ سے کم نہ تھی ہر ایک بیوکی کے اہلکاروں سے ان کا نصف نصف بندھا ہوا تھا - زیادہ تر گنجائش فہرست محاصل میں تھی - یا تو سرخ چندن جس کا محصول ۸ فی من تھا لکھدیا یا تینک جس کا محصول ۲ فی من تھا - آسے انگریزی بوٹ لکھدئے ہندوستانی شوز اس میں فی ایکر روپیہ فی من بچ جاتا تھا وقس علے ہذا - نصف مال لینے والا رکھ لیتا تھا اور نصف جنگی کے اہلکاروں کا حق ہوتا تھا - جس میں نصف سے زیادہ حصہ سپرنٹنڈنٹ صاحب لیتے تھے - ان دنوں میں واپسی کا سلسلہ بھی جاری تھا - اس میں بھی پندرہ بیس ہزار روپیہ سالانہ کی گنجائش تھی -

باب ۲۶

کمیٹی میں رشوت خواری کا تو یہہ حال تھا جو ہم نے مشتے از خروارے بیان کیا اور ممبروں کا یہہ حال تھا کہ ان میں سے اکثر نا تعلیم یافتہ اور

مست بنی تھے۔ اور جو تعلیم یافتہ تھے وہ یہ دیکھ کر کہ ان کی کچھ نہیں چل سکتی خاموش بیٹھے ہوئے دیکھا کرتے تھے اور اکثر غیر حاضر ہو جاتے تھے اکثر تو صاحب ڈپٹی کمشنر کا منہ دیکھتے تھے۔ اور اسی کے مطابق اپنی رائے دیدیتے تھے۔ آپس میں پارٹیاں بنائی تھیں خوب لڑتے تھے۔ جب کوئی مذہبی معاملہ آپڑتا تھا۔ تو دو فریق ہو جاتے تھے۔ ہندو علیحدہ مسلمان علیحدہ۔ دونوں فریق تعصب سے کام لیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دونوں کی طاقتیں زائل ہو جاتی تھیں۔ دو تین انگریز جو کمیٹی میں ہوتے تھے آخری فیصلہ ان کے ہاتھ میں جاتا تھا افراد کے معاملات کو بعض وقت مذہبی رنگ دیدیتے تھے۔ اور اس لئے کمیٹی ہیچ تھی۔ اور صاحب لوگ مالک تھے کبھی کسی فریق کو جتا دیتے تھے کبھی کسی کو کلب میں جاکر ہندوستانی ممبروں کا خاکہ اڑاتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو سخت رنج ہوا۔ انہوں نے اپنے دوست پنڈت کشن چند وال وال سے جو ان کے لنگوٹیا یار تھے ذکر کیا۔ وہ بھی ڈاکٹر صاحب کے ہم خیال ہو گئے۔ دونوں نے مل کر وقتاً بوقت نامی ممبروں کو جتانا شروع کیا کہ تم نے آپس کی عداوت اور ذاتی مفاد کی طمع اور محض جہالت سے اپنے آپ کو کیوں ذلیل و ہیچ بنایا ہے۔ سمجھانے بجھانے کا اثر ایک مدت کے بعد ہو کر رہا۔ اور رفتہ رفتہ ان میں سے نصف کے قریب ایسے نکل آئے جنہوں نے عہد کر لیا کہ وہ افراد کے معاملہ میں ذاتی مفاد اور مذہبی تعصب سے کام نہ لیں گے اور جاہ طلبی کی خواہش کو چھوڑ کر حکام کی بیجا خوشامد نہ کریں گے۔ اتفاق سے ان ہی دنوں میں ہندوستان کے بہی خواہ وائسرائے لارڈ رپن نے تمام انگریزی قوم کی رائے کے خلاف لوکل سیلف گورنمنٹ ایکٹ پاس کر دیا تھا۔ اسکا بھی نمایاں اثر بعض ممبروں پر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اور پنڈت کشن چند وال وال وکیل نے ہر معاملہ میں کاغذات اور مسل کا معائنہ بھی شروع کر دیا انہوں نے ہفتہ میں ایک روز دو تین گھنٹے اسی کام کے لئے علیحدہ کر دیئے۔ ہر اہم معاملہ میں خوب طیار ہو کر آتے تھے اور جلسہ میں تقریر کر کے ممبروں کو واقعات اور قانون سے خوب واقف کر دیتے تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے ڈاکٹر کمال اپنے دفتر میں کام کر رہے تھے ایک برقعہ پوش بڑھیا نے آکر اطلاع کرائی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کو اندر بلا لیا۔ بڑھیا نے کہا میں ایک شریف خاندان کی بیوہ ہوں۔ میرا خاوند اور خسر دونوں ریاست میں کاردار تھے۔ خسر مر گیا اور خاوند انگریزی حکومت میں بیکار ہو گیا۔ جو اندوختہ تھا وہ بیٹھا بیٹھا کھا گیا۔ لیکن میرے خسر نے پچاس ہزار روپیہ خرچ کر کے ایک حویلی کمیٹی بازار میں بنائی تھی وہ اب تک ہمارے قبضہ میں چلی آئی ہے میرے کوئی اولاد نہیں فقط ایک لڑکی بالغہ ناکتخدا ہے دونوں سیتا پرونا کر کے اپنا پیٹ پال لیتی ہیں۔ اب میں نے حویلی کا چوتھائی حصہ لڑکی کی شادی کیلئے بیچدیا ہے اور باقی اور دو

لڑکی کو جہیز میں دیدوں۔ لیکن کمیٹی نے دو سال سے ۲۵ روپیہ ہوس ٹیکس لگا دیا ہو ایک سال کا ٹیکس تو میں نے چوتھائی حویلی کی قیمت میں سے ادا کر دیا اب اس سال پھر طلب کرتے ہیں میرے پاس ایک کوڑی نہیں میں کل روپیہ شادی کے سامان میں خرچ کر چکی اور اگر اس سال کا ٹیکس جوں توں کر کے دے بھی دوں تو ہر سال کہاں سے دیا کروں گی۔ کل تحصیل کا چپراسی میرے دو پلنگ اور دو چرخے قرق کر کے لے گیا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کمیٹی کے ممبر ہیں اور غریبوں کے حامی ہیں آپ مہربانی فرما کے یہ ٹیکس معاف کرا دیں تو عین شرفا نوازی ہوگی۔ ڈاکٹر کمال کے یہ حال سنکر پسینا آگیا انہوں نے فوراً اپنے کیش بکس میں سے پچیس روپیہ نکال کر بڑھیا کو دیدئے اور کہا کہ اس سال کا ٹیکس تو تم داخل کرو آئندہ کے لئے میں سوچوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں بڑھیا شریف خاندان کی عورت تھی۔ روپیہ لینے میں اسے تامل کیا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے اصرار نے اور کچھ ضرورت کے انکار نے اس کو اپنی مرضی کے خلاف اس مدد کے قبول کرنے پر مجبور کیا۔

دوسرا دن مسلوں کے معائنہ کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہوس ٹیکس کے رجسٹروں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ کل ہوس ٹیکس ڈیڑھ لاکھ وصول ہوتا ہے جس میں ایک لاکھ پینتیس ہزار تو چار ہزار آدمی دیتے ہیں اور باقی پندرہ ہزار دس ہزار آدمی ادا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا تو بس بابو اس محکمہ میں کام کرتے ہیں جنکی تنخواہ آٹھ سو روپیہ ماہوار کی ہے۔ یعنی دس ہزار روپیہ سالانہ ڈاکٹر کمال نے سوچا کہ اگر ان دس ہزار آدمیوں کا پندرہ ہزار معاف کر دیا جاوے۔ اور ۳۰ کلرک موقوف کر دئے جائیں تو کمیٹی کو فقط ساڑھے سات ہزار روپیہ کا نقصان ہوتا ہے۔

ڈاکٹر کمال کمیٹی کے دفتر سے نکلے ہی تھے ان کو پورچ میں ان کے دوست رائے بہادر لالہ مکند لعل اگزکٹو انجنیر پنشن یافتہ ملے بندگی سلام کے بعد ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ رائے صاحب آپ کیسے تشریف لائے۔ رائے صاحب نے کہا کیا عرض کروں تمہاری کمیٹی کے اہلکاروں نے سخت تنگ کیا ہے۔ دو سہ ماہی کا ہوس ٹیکس ادا کر چکا ہوں۔ رسیدیں میرے پاس موجود ہیں لیکن پھر بھی نوٹس پر نوٹس اور وارنٹ پر وارنٹ آتا رہتا ہے کل دوپہر کے وقت ایک چپراسی آیا اور میری میز اور چار کرسیاں اور ایک دری اور ایک گھنٹہ الغرض ڈرائنگ روم کا تمام اسباب قرق کر کے لے گیا بہتیری رسیدیں دکھائیں لیکن اس نے کہا کہ آپ تحصیلدار صاحب یا سکرٹری صاحب کے پاس جائیے۔ مجھ کو تو جو حکم ہے۔ اس کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے۔ آج ہی دونوں رسیدیں لیکر آیا تھا۔

(باقی)

کلام یاس

دل آگاہ نے جب راہ پہ لانا چاہا
عقل گمراہ نے دیوانہ بنانا چاہا

پھر ستانے لگی دنیا کی ہوا "ہیں" کیطرح
زانوئے فکر سے جب سر کو اٹھانا چاہا

بال و پر نوچ کے صیاد نے آزاد کیا
حق خدمت جب اسیروں نے جتانا چاہا

حق بجانب ہے جو صیاد گلا گھونٹ دو آ
سوتے فتنوں کو اسیروں نے جگانا چاہا

ناگہاں چرخ ستمگار نے کروٹ بدلی
بخت بیدار نے جب مجھ کو جگانا چاہا

دل آگاہ نے گھبرا کے مجھے چونکایا
نفس نے جب کسی مشکل میں پھنسانا چاہا

جذبۂ شوق نے جب عشق کی صورت پکڑی
پھر مٹائے نہ مٹا لاکھ مٹانا چاہا

جامہ زیبوں پہ کفن نے بھی دیا وہ جوبن
دوڑ کر سب نے کلیجہ سے لگانا چاہا

لکھنؤ میں غزل یاس کو پڑھنے نہ دی
ذرہ نے پہلوئے خورشید دبانا چاہا

(ابوالمعانی مرزا یاس لکھنوی - مصنف چراغ سخن)

فلسفۂ اخلاق

(گذشتہ سے پیوستہ)

باب ۳۶

ناجائز نفسانی خواہش و جائز محبت

اے نوجوان تجھے نفسانی خواہش اور بدمستی کے جوش کا جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے یہ ضرور ہے کہ فاحشہ عورتوں کے حسن میں ایک قسم کی مقناطیسی کشش ہوتی ہے جو کمزور طبیعت انسان کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ مگر اے فرزند یہ بات یاد رکھ کہ تیرا یہ دیوانہ پن تیری حیات کے اصل مقصد کو فوت کر دیگا خبردار اس کی شیریں کلامی اور اس کے ان جوش انگیز حرکات کا دل و دماغ پر اثر نہ پڑنے دے۔ جس سے جذبات فاسد برانگیختہ ہوتے ہیں۔ اگر تو اس ہوشیار عورت کے بہکانے اور پھسلانے میں آگیا تو وہ چشمۂ جمال و تندرستی جس سے تیرا گلشن حیات سرسبز ہے خشک ہو جائیگا۔ اور اس بادۂ سرور میں جسے

تیری زندگی کو راحت و آرام عطا کرتا ہے وہ جوش پیدا ہوگا جس کی وجہ سے دل کا شیشۂ انبساط و مسرت ٹوٹکر پاش پاش ہو جائے گا۔

اور عنفوان شباب میں ضعیفی کا عالم بھی پیدا ہو جائے گا۔ بلکہ یہانتک نوبت پہونچیگی کہ تیرے ضعف اور ناتوانی پر عورتیں تک طعنہ زنی کرنے لگیں گی۔ اور بہت ممکن ہے کہ کوئی خطرناک بیماری پیدا ہو جائے جسکی وجہسے تو زندہ درگور کہلانے کا مستحق ہو جائے۔ ہاں اگر کسی ایسی حسین عورت کے ساتھ تیری طبیعت کا رجحان پیدا ہو جسکی صفتیں اچھی ہیں اور وہ باحیا بھی ہے تو اس کے ساتھ ضرور محبت کر اور اسوقت اپنے جوش الفت کو نہ روک۔ کیونکہ اس قسم کی پاک محبت کا جذبہ روح کو بلند کردیا کرتا ہے اور زندگی کے سنوارنے میں بہت امداد دیتا ہے۔ ایسی عورت کا حسن وجمال آسمان کے ستاروں سے زیادہ روشن اور منور ہوتا ہے اور اس کی ادنٰے برق تبسم کاشانۂ حیات کو منور کردیتی ہے۔ اس کے رخسار حقیقت میں گلاب کے پھول سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں۔ اور اس کے چہرہ کا بھولاپن ہر وقت دل میں ایک خاص مقناطیسی اثر ڈالا کرتا ہے اس کے دل کی سادگی اور پاکیزگی پر ہر وقت عصمت کی دیوی گلہائے حیا نثار کیا کرتی ہے اور اس کی ہر سانس سے ہر قسم کے عمدہ پھولوں کی شمیم نثار کرتی ہے اس لئے ایسی عورت کے ساتھ محبت کرنا اصل میں اپنی حیات کا مقصد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

باب ۳۷

عورتوں کے فرائض

اے عشق ومحبت کی دیوی جو نصیحتیں تجھ سے دور اندیشی اور احتیاط کے متعلق کہی جاتی ہیں ان کو توجہ سے سنتی جا اور اپنے دل میں جگہ دیتی جا کیونکہ یہ ہر ہر قدم پر تجھے جادۂ حیات میں امداد دیں گی اور یہی وہ جواہر ہیں جو تیری صحت اور حسن وجمال کی رونق کو بڑھایا کریں گے۔ اور دل ودماغ میں ان کی موجودگی کی وجہ سے تیرے شباب کے جانے کے بعد تیرے حسن کے پھول کی شمیم میں حلاوت باقی رہجائے گی۔

سن تیرے عنفوان شباب میں جب کوئی نوجوان مرد تیرے اوپر محبت آمیز نگاہ ڈالے اور تیری طبیعت بھی اس کی طرف کھینچنے لگے تو اس وقت بہت خبردار اور ہوشیار رہنا۔ یہ وقت تیرے لئے بہت نازک اور آزمائش کا ہوگا۔ دیکھ خبردار اس کی ترغیب اور بہکانے میں نہ آنا۔ اور نہ اس کے رنگین اور خوش کن الفاظ سے اپنے دل کو متاثر ہونے دینا۔

ہاں اس کے ہر ہر لفظ کو نہایت غور اور احتیاط سے سننا - اور اس کے بعد اصل مقصد کے جاننے کی سعی کرنا کہ حقیقت میں اس شخص کی محبت محض نفسانی خواہش پوری کرنے کی ہے - یا اپنے روح و دل کا جزو بنانے کی -

یہہ بات یاد رکھنا کہ تو مرد کی جائز مدد اور اعانت کے لئے دنیا میں خلق کی گئی ہے - خلاق عالم نے تیری خلقت کا مقصد یہہ رکھا ہے کہ تو مرد کی مونس اور غمگسار رہے نہ یہہ کہ تو مرد کی محض نفسانی خواہش کے پورا کرنے کا آلہ بن جائے -

دنیا میں تیرا اصلی فرض یہہ ہے کہ اپنے شوہر کے ہر شعبۂ حیات میں جہانتک تیرے امکان میں ہے مدد دیا کرے اور خانہ داری کا اہتمام و انتظام کیا کرے -

اور مرد کی نگہداشت اور پرورش اور ہر قسم کی خبر گیری کا معاوضہ محبت و پیار کے ذریعہ سے ادا کرے دنیا میں کوئی ایسا مرد نہیں ہے جس کے دل کو عورت اپنی سچی محبت سے گرویدہ نہ کر سکتی ہو اور جب شوہر اپنی زوجہ کا گرویدہ ہو جائے گا - تو پھر اس وقت حقیقی معنے میں عورت گھر کی حکمراں ہو جائیگی

ہاں اے بچی دیکھو وہ سامنے عفت و عصمت کی دیوی جا رہی ہے - غور کر کہ اس کے بشرے سے کیسی معصومیت کا اظہار ہو رہا ہے اور اس کے ہر اطوار سے شرم و حیا کے کیسے جوہر نمایاں ہو رہے ہیں اس کے ہاتھوں کی تیزیاں اس بات کو ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ بے شغل نہیں رہنا چاہتی - مگر اسی کے ساتھ اس کو بیکار گھومنے میں بھی خوشی حاصل نہیں ہوتی - گو کہ وہ پاکیزہ لباس زیب تن کئے ہوئے ہے مگر یہہ لباس بد اخلاقی کی گندگیوں سے ہمیشہ پاک و منزہ رہتے ہیں اور ہاں دیکھو اس کے انکسار نے کیسا بیش قیمت اخلاقی تاج اس کے سر پر مزین کر رکھا ہے -

دیکھو اس کی آواز فضاء عالم میں کیسا ترنم پیدا کر رہی ہے - اور اس کی بات چیت میں کسقدر دلچسپی و دلفریبی پائی جاتی ہے - اس کے داہنے ہاتھ میں جو چیز ہے اس کو دور اندیشی اور بائیں ہاتھ والی چیز کو سلیقہ و تمیز کہتے ہیں -

اس کی گفتگو میں وہ جوہر حجاب و حیا جو نسائیت کا پاکیزہ و درخشاں گوہر ہے کیسا چمک رہا ہے اس کے سامنے کسی زناکار اور دلالہ عورت کی زبان کبھی نہیں کھل سکتی - کیونکہ اس کی پرہیزگاری اور صداقت کا رعب سے اس کی زبان بند ہو جایا کرتی ہے - اس کا ہر جواب سچائی اور حقیقت پر مبنی ہوا کرتا ہے -

اور اس کے ہر ہر قدم پر نیکی اور بھلائی کی پریاں صدقے ہوا کرتی ہیں -

دیکھ اس کی نگاہ سے اس کی طبیعت کی نرمی و محبت کا کیسا اظہار ہو رہا ہے - اور اس کے سر پر

یہ ملکہ پارسائی کا جس زیں صداقت اور اخلاص کے جواہر جڑے ہوئے ہیں - اس کی فطری خوبیوں نے رکھدیا ہے کسقدر خوش نصیب وہ مرد ہے جسکی یہ بیوی ہے - اور کس قدر خوش قسمت وہ بچہ ہوگا جو اس کو ماں کہے گا -

یہ عورت جس گھر کی مالک ہے وہاں امن اور اطمینان کا فیض ہر وقت جاری رہتا ہے ہر حکم اس کا نہایت احتیاط و لحاظ کا پہلو لئے ہوتا ہے - جس کی وجہ سے اس گھر کا ہر شخص کامل اطاعت و فرماں برداری کرتا ہے -

یہ عورت ہمیشہ علی الصباح بستر راحت سے اٹھ بیٹھتی ہے - اور امورات خانہ داری پر توجہ شروع کر دیتی ہے - اور ہر شخص کو علیحدہ علیحدہ کام تقسیم کر دیتی ہے -

امورات خانہ داری کی اصلاح و درستگی میں اس کو ایک خاص انہماک رہتا ہے اور اس انہماک و محنت سے اس کو مسرت حاصل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کے گھر کے جملہ کام باقاعدہ اور صحیح ہوتے ہیں - اور ہمیشہ انتظامی مشین بالکل درست اور صحیح چلا کرتی ہے -

اس کی کفایت شعاری اور عمدہ انتظام خانہ داری علاوہ اور صدہا قسم کے نفع پہونچانے کے اس کے شوہر کے لئے دنیا میں ذریعہ فخر و مباہات ہے - اور اس کے لئے بھی ہر قسم کی خوشی و مسرت اکٹھا کرنے کا ذریعہ ہے - یہ خود اپنے بچوں کو تہذیب اور اخلاق کی تعلیم دیا کرتی ہے - اور ان کی حیات کی بنیاد کو نیک چلنی کی قوت سے مضبوط کیا کرتی ہے - یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی ماں کے بچوں کو زمانے کے انقلابات اور بد اخلاقیوں کے اثرات سہولیت سے تباہ نہیں کر سکتے - ایسی ماں کے زبان کے الفاظ بچوں کے لئے قانون کا درجہ رکھتے ہیں - اور محض آنکھ کے اشارے سے ہر بچہ ماں کے منشا کی تعمیل کرنا فرض سمجھتا ہے -

اس کی زبان سے بات نکلتے ہی ہر نوکر کام کرنیکو دوڑ پڑتا ہے - کیونکہ وہ ان کے ساتھ مہربانی و ہمدردی سے پیش آیا کرتی ہے - ایسی عورت کی طبیعت میں جاہ و ثروت کے حاصل ہو جانے پر بھی نخوت و غرور نہیں پیدا ہوتا - اور نہ مصیبت و افلاس کے پنجے میں گرفتار ہو جانے سے دامن صبر و استقلال کے چاک کرنے کی خواہش ہوتی ہے - اس کا مزاج اور اس کی طبیعت ہر حالت میں حد اعتدال پر رہتی ہے

ایسی عورت کے شوہر کی روحانی اذیتیں اس کے سچے اور نیک مشوروں سے بہت کچھ دفع ہو جاتی ہیں اور اسکی محبت و پیار کی باتیں ایسے وقت میں روح و دل کے زخم پر مرہم کا کام کرتی ہیں گو کہ اپنی فطری خصلت کیوجہ سے وہ دلمیں ہمیشہ اپنے جوش محبت کو پوشیدہ رکھا کرتی ہے - مگر ایسے اوقات میں اسکا اظہار کرنا بھی وہ ضروری سمجھتی ہے

باب ۳۸

سلسلۂ ازدواج

اے فرزند تو ایک نیک و پارسا بیوی کا انتخاب کرکے اس کے ساتھ عقد کر جس سے کہ قانون الٰہی کی تعمیل ہو اور تو بھی اپنی جماعت کا ایک سچا اور شریف مرد بن جائے

ہاں یہ بات خوب غور سے سن کہ اپنی بیوی کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لینا خوب اچھی طرح سے اس کی عادت - خصلت - مزاج و طبیعت کی جانچ کرنا اور اس بات کو بھی سمجھ لینا کہ وہ تیری عادت - خصلت - مزاج - وطبیعت کے موافق ہے یا نہیں - کیونکہ صرف اسی مسئلہ انتخاب پر تیری تمام عمر کی مسرت والم اور اچھائی و برائی کا دارومدار ہے -

اگر کسی نازنین کا بہت زیادہ وقت محض اپنے کو آراستہ کرنے اور اپنے لباس کی درستگی میں صرف ہوتا ہو - تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے حسن پر آپ فریفتہ ہے یا جو عورت اپنی تعریف سنکر حد سے زیادہ خوش ہوتی ہو - اور ضرورت سے زیادہ ہنستی اور زور زور سے باتیں کرتی ہو - یا جو عورت اپنے باپ کے مکان میں رہنے سے گھبراتی ہو اور ہر مرد کو بیحیائی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتی ہو - تو ایسی عورت خواہ وہ چاند سے بھی زیادہ خوبصورت ہو - مگر اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھنا - کیونکہ اس خصلت اور طبیعت کی عورتیں نہایت مخدوش ہوتی ہیں - اور ان کی مثال ایک زہریلی ناگن سے زیادہ موزوں ہوگی -

قابل قدر وہ عورت ہوتی ہے جس کی خصلت اور عادت اچھی ہو - اور اس کی طبیعت میں دانائی اور شریف النفسی پائی جاتی ہو - اس کے اوضاع و اطوار نیک و شریفانہ ہوں - صاف دل اور سچ بولنے والی ہو جسکی طبیعت میں غیرت و حیا کا مادہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہو اور اسی کے ساتھ صورت بھی دل پسند ہو - تو اس کے ساتھ ضرور عقد کر ایسی عورت البتہ تیری بیوی بننے کی مستحق ہے - اور یقین ہے کہ یہی بعد میں تیری مونس و غمخوار ثابت ہوگی -

اگر مذکورہ بالا صفت کی عورت تجھے مل جائے تو اس کو خدا کا ایک بہت بڑا فضل تصور کرکے اس کو دل سے عزیز رکھا کر - اور اپنی نیک چلنی اور محبت کے برتاؤ سے اس کے معصوم دل کو اپنے ہاتھوں سے لے - ہاں اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ چونکہ وہ عورت ذات ہے تیرے سے کوئی بات ...

حیثیت اس کی عزت کرنا۔ تاکہ ۔۔۔ اس کا اختیار جبلی وجہ سے امورات خانہ داری کی ۔۔۔ ہو جاتا ہے۔ اور بغیر کسی خاص موانعات کے اس کی جائز خواہش کو کبھی رد نہ کرنا۔ اور یونکہ وہ تیرے رنج و راحت کی شریک ہے اس لئے امر کو اپنی ان مسرتوں میں جن میں ۔۔۔ اپنے ہمیشہ ۔۔۔ کیا کرنا۔ اس کا بھی خیال رکھنا کہ اس کی غلطی یا سہو پر سخت کلامی نہ کرنا۔ بلکہ اس کو نرمی اور محبت سے سمجھا کر متنبہ کرنا۔ کیونکہ اس کی فطرت بالطبع نازک واقع ہوئی

یہ بات بھی یاد رکھو کہ ایسی عورت سے اپنے دل کے راز کو پوشیدہ نہ رکھنا کیونکہ اس کے مشورے سچے اور صحیح ہوں گے۔ اور یقین ہے کہ تو اس سے کبھی دھوکا نہ کھائے گا۔

اور ہاں ایسی عورت کے ساتھ تمام عمر وفادار رہنا۔ اس کی نسائیت کی کمزوری و نزاکت کا بھی ہمیشہ خیال رکھنا۔ کیونکہ قدرت نے ان کو کمزور و نازک خلق کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایسی سخت کلامی نہ کرنا جس کی وجہ سے اس کا شیشۂ دل کسی وقت چور چور ہو جائے۔ اور جس وقت وہ کسی درد و اذیت میں مبتلا ہو جائے۔ تو اس وقت اس کو محبت و پیار کے کلمات سے تسکین دینا محض تیری محبت کے چند کلمات اور پیار کی ایک نظر اس کے درد و تکلیف کو بہت جلد اتنا کم کر دے گی۔ جتنی کہ کسی حاذق حکیم کی دوا کم نہ کر سکے گی۔

اے فرزند اس بات کو بھی یاد رکھو کہ ایسی عورت کے ساتھ اگر تو مذکورۂ بالا نصیحتوں پر عمل کرے گا تو یہ ممکن ہے کہ تجھ کو اس کے ساتھ اور اس کو تیرے ساتھ سچی اور روحانی محبت پیدا ہو جائے

(باقی آئندہ) (محمود علیخاں عرف آغا علی خاں تعلقدار)

تنویر قمر

سیہ زلفوں میں اس کی یوں رخ پرنور ہوتا ہے
کہ جوں نور سحر زیر شب دیجور ہوتا ہے

نہیں محروم رہتا کوئی دل برق تجلی سے
کہ ہر ہر سنگ راہ عشق کوہ طور ہوتا ہے

بلائیں لاکھ گر ان کو نہیں آنے نہیں آتے
چلے آتے ہیں از خود گر انہیں منظور ہوتا ہے

خدا جانے کہ شاید ہے یہی مٹی سے دونوں کی
شکست جام مے سے جو مرا دل چور ہوتا ہے

نہ تیر پر وفا پرستے دل درماندہ حیراں ہو
دیار عشق و الفت میں یہی دستور ہوتا ہے

خدا کی شان ہے میری وفا سے یار برہم ہے
جفاؤں سے رقیبوں کی مگر مسرور رہتا ہے

حباب آب سے کہتی ہے یوں موج تبسم
فنا ہوتا ہے دم میں جو کوئی مغرور ہوتا ہے

ناک چپٹی ہے۔ بہ نسبت مردوں کے عورتیں حسین ہیں۔ یہ لوگ بجائے کوٹ پہنتے ہیں۔ قمیص یا کرتے کو پاجامہ کے اندر ہی لیتے ہیں۔ اکثر کمر بند لٹکائے رکھتے ہیں۔ یہ لوگ کچھ سٹھ شہر کی عالم میں رہتے ہیں انہیں کچھ شکار کا شوق نہیں ہے۔ نہ ان لوگوں کو فیشن ایبل بننے کا مرض ہے۔ یہ لوگ کچھ کھانا بھی اچھا نہیں کھاتے تمام طور سے گوشت کے موجود ہیں۔ برہمن نہیں چھتری ہے جو بھی ہے گوشت کھاتا ہے۔ یہ لوگ میلے زیادہ ہیں ان کو ذرا بھی صفائی کا خیال ہے غسل بھی کم کرتے ہیں شاید سردی کی وجہ سے گھر ان لوگوں کے بہت خراب اور تاریک ہوتے ہیں۔ ادھر کے حصہ میں تو یہ لوگ رہتے ہیں اور پیچھے کے حصہ میں اپنے مویشی باندھتے ہیں جس کی صفائی نہیں ہوتی۔ ان کی زبان بھی کچھ بیڈھنگی سی ہے۔ نذرانہ کے یہ اور بے حد بھنے سے ہیں۔

(نثار احمد علی گڈھ)

قند پارس

کافور میشود الم و اضطراب ما | آید اگر به برج شرف آفتاب ما
ما را خیال یاد دل گلزار و یار نیست | بگذشت لیے گردش شباب ما
غمنامه دوش به تیر دلبر پیش راست | آمد نه تا امداے نیامد جواب ما
برگشتگان کاسه نگاه نمی کند | گذرد ... ب ما
مسجد روم که بخرابات میر دم | هر جا خراب کرد محبت شراب ما
من کشته را که نرساند بکوست یار | یارب مدد لبیاز بکار صواب ما
رنجدا گر دے بسخن لب شوم | بیتاب میکند صنم پر عتاب ما
اے چرخ چو جدا شده همدم زمن جدا | لیکن جدا چرا نشود انقلاب ما
انشاء بی تخلص فرحت نموده ام | دیوانه کرده شده دیوان خطاب ما

(موتی رام فرحت)

"برق اور اس کے کرشمے"

حال میں ہم نے ایک فرانسیسی علم ہیئت کے فاضل اص کی کتاب "موت اور اس کا اسرار" مصنفہ فلیمرن پڑھی۔ وہ چند روحانی اور ذہنی طاقتوں کا ذکر کرتا ہے اور ایسے ایسے واقعات ثابت شدہ بیان کرتا ہے کہ پڑھ کر حیرت

ہوئی ہے۔ ہمیں خیال پیدا ہوا کہ جو اصحاب آجکل سائنس حال کے اصولوں پر کتب مقدس کی تعبیر و تشریح کر رہے ہیں۔ وہ کیسی غلطی پر ہیں۔ بعض ایسے کرشمے قدرت میں نظر آتے ہیں جن کا حل کرنا مشکل ہے بہت ہی ایسی پنہاں طاقتیں کام کر رہی ہیں جن کو ہم قطعی سمجھے ہی نہیں اور اپنی حدود تحقیقات پر انہیں اوہام باطل سمجھتے ہیں۔ بعض علماء اس راز کو بھی دریافت کر رہے ہیں۔ بعض کا خیال مستحکم ہو گیا ہے کہ ایک زیست بعد وفات بھی ہے۔ لہذا کسی شے کو محض بیہودہ وہم سمجھکر غیر ثابت یا بیہودہ قرار نہ دینا چاہئے۔ اپنی رائے کو تعطل کی حالت میں رکھنا چاہئے۔ ہر شے پر یقین نہ کرنا چاہئے اور نہ ہر شے سے منکر ہونا چاہئے۔ بلکہ تحقیقات کو وسیع کرنا چاہئے۔ شاید عقدے حل ہو جاویں اور پایۂ ثبوت کو پہنچ جاویں۔ کتاب مذکورۂ بالا سے ہم بجلی کے کرشمے اس کی دل لگی یا زبان بجلی بازیاں شباب اردو کے ناظرین کی ضیافت کے لئے نقل کرتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات کو عام لوگ بھوتوں کی کارروائیاں سمجھتے ہیں۔ (تسنیم)

ماخوذ از کتاب "موت اور اُس کے اسرار"

باطنی امور کی بابت ہم کو کسی تشریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ۔ دل را بدل رہیست کے اصول کے مطابق ہم خود ان امور باطنی کو بلا بیرونی ذرائع کے جانتے ہیں۔ یعنی اگر ایک شخص دل میں کوئی خیال لائے تو دوسرا آدمی اس کے خیال کو معلوم کر سکتا ہے۔ لیکن اگر باہر کی دنیا میں چیزیں جنبش کریں اور ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ چلی جاویں۔ اور بظاہر کوئی وجہ معلوم ہو تو خیال آتا ہے کہ بجلی ایسا کام کر سکتی ہے؟

یہ امر تسلیم کرنا لازمی ہے کہ بجلی کے خواص کا حال ہم کو قطعی معلوم نہیں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جہاں بجلی کی کارروائیاں باطنی قوت سے منسوب کر دی گئی ہیں۔

ہم نے ۱۹۰۲ء میں ایک کتاب لکھی تھی۔ جسکا نام "بجلی کی چھل بازیاں" ہے اسمیں ایسے بہت سے واقعات جمع کئے ہیں۔ چنانچہ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ کہ

(۱) چیزیں بلا ہاتھ لگائے چلتی ہیں۔ صفحہ (۲۰۷) (۲) تصویریں دیوار سے ٹوٹ پڑتی ہیں صفحہ ۱۰۹
(۳) میز کی دراز نکل کر دور جا پڑتی ہے۔ " (۲۲۱) (۴) درازوں کا چورا چورا ہو جاتا ہے " ۲۹۱
(۵) قفل ہاروں سے نکل پڑتے ہیں۔ " (۲۱) (۶) دروازہ میں سے چابیاں نکلکر اونکے نیچے جا چھپیں (۲۱۸)
(۷) گھنٹیوں کا بجنا۔ صفحہ ۲۰۳ و ۲۸۱۔ (۸) گھنٹہ کا ٹھہر جانا اور لنگر کا علیحدہ ہو جانا ۲۰۵
(۹) تعزیوں کا پسینے نکلنا صفحہ ۱۹۶ (۱۰) گھڑیوں پر مقناطیسی اثر ہونا۔

(۱۱) موم کی بتیاں۔ گیس کے لیمپ اور بجلی کے لیمپ خود بخود روشن ہو جاتے ہیں اور گل ہو جاتے ہیں صفحہ ۹۱، ۲۱۲، ۲۲۶

(۱۲) ایک شیشہ اپنے فریم میں سے نکل گیا اور آہستہ سے فرش پر رکھا گیا۔ صفحہ ۲۴

(۱۳) جو لہے میں سے پتھر اٹھے اور ایک سوئے ہوئے بچہ کے دونوں طرف آن جمے (۱۲۷)

(۱۴) تین بچے پلنگ پر سو رہے تھے وہ مکان سے باہر آن پڑے۔ مگر بلا کسی ضرب اور تکلیف کے اور پلنگ کا چورا چورا ہو گیا۔ صفحہ ۲۱۶

(۱۵) ایک بچہ تکیہ کے سہارے سو رہا تھا۔ بچہ سوتا رہا اور تکیہ دور فاصلہ پر جا پڑا۔ صفحہ ۲۱۴

(۱۶) ہزاروں من کے پتھر دور جا پڑیں۔ ۲۱۰ - (۱۷) ایک ٹوپی کا پچھلا حصہ کٹ کے کسی طرف آگیا۔ ر ۲۱۷

(۱۸) روشنی یا بجلی کا ایک گولا آیا۔ دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ عجب سماں تھا۔ صفحہ ۸۶

(۱۹) ایک بجلی کا گولہ ایک نوجوان لڑکی کے گرد ناچنے لگا اور لڑکی کو کوئی ضرر نہیں پہونچا۔ ر ۱۹۰

(۲۰) ایک عورت نے مرد کا بھیس پہن رکھا تھا۔ بجلی نے اُسے برہنہ کر دیا۔ صفحہ ۲۵

(۲۱) ایک عورت پر بجلی گری۔ اُسے برہنہ کر دیا اور اس کے کپڑے درخت پر جا لٹکے صفحہ ۲۹۰

نوٹ:۔ ایسے واقعات بہت ہوئے ہیں جن میں بجلی نے لوگوں کو برہنہ کر دیا ہے۔ کپڑے پھٹ گئے اور جوتے پاؤں سے نکل گئے اور جس آدمی پر بجلی گری وہ بلا ضرر مرنے سے اٹھ بیٹھا۔

۹ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو رالوڈی خبر میں ایک فوج کے لفٹنٹ پر معہ ۱۸ آدمیوں کے بجلی گری اور وہ زمین پر گر پڑے لوگ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کٹھ پتلی کو تار سے اٹھا لیتے ہیں۔ مگر افسر زمین پر بیہوش پڑا رہا۔ اس کی وردی پھٹ گئی تھی۔ بٹن غائب ہو گئے تھے۔ اور اس کی جیب میں تین ہزار "ریز" تھے وہ بھی غائب جوتے اس کے پاؤں سے نکل کر دور جا پڑے۔ وہ مرا نہیں۔ اور جب اس کو یہ باتیں بتائی گئیں تو وہ بہت حیران ہوا۔ اور بولا کہ "یہ چیزیں ملے میرین سکنہ فرانس کے پاس بھیج دو" چنانچہ یہ سب چیزیں میرے عجائب گھر جو دزمی میں موجود ہیں۔

(۲۲) دو عورتیں بن رہی تھیں۔ بجلی آئی اور ان کی سوئیاں لیکر غائب ہوئی۔ صفحہ ۲۷۰

(۲۳) ایک پادری گرجا میں ممبر پر کھڑا ہوا تھا۔ بجلی آئی اور اس کو مار دیا۔ مقدس روٹی کا ٹکڑا لیگئی اور کوڑے کے نیچے جا دبایا۔ صفحہ ۲۸۰

(۲۴) ایک لڑکے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یعنی سر تا پا بیچ میں سے چیر دیا۔ صفحہ ۲۰۰

(۲۵) ایک بندوق کے اگلے سرے کو توڑ کر پاس کے کمرے میں پہونچا دیا۔ ر ۲۱۹

(۲۶) ایک بندوق میں گولی بارود پڑی ہوئی تھی۔ بارود کو آگ نہ لگی اور گولی پگھل گئی ۲۲۴

(۲۷) ایک نوجوان بازار میں سے جا رہا تھا۔ بجلی آئی اور اسے پچاس ساٹھ گز کے
فاصلہ پر پھینکی۔ اس شخص نے اپنا حال خود میرے پاس بھیجا تھا۔

(۲۸) ایک ٹوپی دس قدم پر جا پڑی حالانکہ ہوا کا نام بھی نہ تھا۔ صفحہ ۱۳۵۰

(۲۹) رات کو مزے سے ناچ ہو رہا تھا۔ چمن کی طرف سے بجلی آئی۔ اور چہروں پر انگیٹھی کا
کوئلہ ملکر سب کو حبشی بنا دیا۔ صفحہ ۱۳۷۰

(۳۰) جسم جل کر خاک ہو گئے اور کپڑے ویسے کے ویسے رہے۔ صفحہ ۱۲۳۰

(۳۱) اور برخلاف اس کے۔ کپڑے جل گئے اور جسم بدستور قائم۔ " ۱۲۳۰

(۳۲) سنہری کلوبند پر بجلی پڑی اور ملمع غائب صفحہ ۱۹۵

(۳۳) تصاویر کے چوکھٹوں کا ملمع اڑا دیا گیا۔ " ۲۰۵

(۳۴) ایک سائٹ کے پلنگ میں سے کیلیں نکال کر چھت پر اینٹوں میں چھپا دیں ۱۹۹

(۳۵) کھڑکیاں ٹوٹ گئیں اور شیشے چورا چورا ہو گئے۔ صفحہ ۲۱۵

(۳۶) بجلی نے سکے چرا لئے۔ صفحہ ۸۰۵ (۳۷) بلٹیوں کے دو دو ٹکڑے کر دئے۔ ۲۲۲

وغیرہ وغیرہ ایسی ہزاروں مثالیں ہیں جن سے بجلی کی جادوگری ظاہر ہوتی ہے۔

(۳۸) جولائی سنہ ۱۹۱۱ء میں بجلی ایک سٹیشن ماسٹر کے دفتر میں گھس گئی اور کل دواتیں خالی کر گئی
یہاں تک کہ سیاہی کا کہیں نشان تک باقی نہ رہا۔

(۳۹) اسی ماہ میں ایک حوض خالی کر گئی جسمیں تین گز پانی تھا۔

بجلی کی فوٹو گرافی

(۴۰) ۱۷ جون سنہ ۱۸۹۶ء کو ایک مزدور مسمی ایلیسن پر بجلی پڑی۔ دو درخت جو اس موقعہ سے
[illegible] کے فاصلہ پر تھے ان کا فوٹو مزدور کے سینہ پر کپڑوں کے نیچے پایا گیا۔ اس عجیب
واقعہ کی تصدیق بات میرے پاس آئے تھے۔ اور ایک معزز ڈاکٹر...... نے مزدور کا
معائنہ کیا تھا۔ مزدور کھلا ہنسکا کھڑا ہو گیا۔ صفحہ ۲۵۰

(۴۱) ۲۰ جون سنہ [illegible] کو بجلی نے ایک درخت کے پتوں کا فوٹو دو آدمیوں کی پشت پر نقش
کر دیا۔ بجلی کی وجہ سے فٹ بال بن گئے مگر زندہ رہے۔ ایک فاضل فزکس دان نے مجھے
لکھا تھا کہ ہوشیار سے ہوشیار نقشہ نویس بھی اس سے بہتر نقش نہیں بنا سکتا تھا۔ صفحہ ۲۵۰

(۴۲) سنہ ۱۸۶۵ء کے موسم گرما میں ڈاکٹر...... کی پوکٹ بک ریلوے ٹرین میں سے گم ہو گئی

تھوڑے عرصہ کے بعد ایک برق زدہ شخص کے ملاحظہ کے لئے ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا - ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ اس آدمی کی ران پر ان کے نام کا مونوگرام منقش پایا گیا - یہ مونوگرام پوکٹ بک کے اوپر لوہے میں بنا ہوا تھا - یہ شخص چور تھا - صفحہ ۲۶۶

(۴۳) ایک روز بجلی گرجا میں گری ۔ ۵ نمازیوں کو لڑھکا دیا - مریم کو توڑ ڈالا اور عیسیٰ مسیح کی تصویر کو معلق لٹکا دیا - تصویر کا پردہ جو پیتل کے کڑوں میں اور لوہے کی سیخ میں پرو دیا ہوا تھا وہ صاف نکال کر لیگئی اور لوہے کی سیخ اور کڑے بدستور موجود رہے - ایک کارڈ پر دعائیہ کلمات لکھے ہوئے تھے - اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے اور ممبر کے کپڑے میں مقلوب الفاظ چھاپ گئی - ص ۲۴۳

(۴۴) ایسے ایسے ہزاروں واقعات شہادت معتبرہ سے ثابت ہوگئے ہیں -

زمانہ حال کے اہل سائنس یہ خیال کرتے میں غلطی پر ہیں کہ جبتک کوئی تجربہ سائنس کے کمرہ میں خود نہ کرسکیں وہ اصلی تجربہ نہیں ہے - بجلی کے یہ تماشے کرکے دیکھ لو - خواہ کچھ ہی ہو ہمارا خیال ہے کہ واقعات مندرجہ بالا میں اور ہر قسم کے معاملات میں بجلی کا بہت کچھ دخل ہے ان واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی ذہنی قوتیں صرف جسم کے احاطہ میں ہی محدود نہیں ہیں - ان کا اثر فاصلہ پر بھی ہوسکتا ہے - علاوہ ازیں کشش ثقل نے ہم کو راستہ پر ڈالدیا ہے کہ قوتیں فاصلہ پر بھی کام کرتی ہیں - ان کی تحقیقات کی جاوے -

تسنیم

غزل

کیا کہا پھر تو کہو ہم نہیں کیا جانتے ہیں
لو نہ کہنا تھا جو کہتے ہیں خدا جانتے ہیں

ناسمجھ ہیں جو بلاؤں کو بلا جانتے ہیں
ہم ہر آفت کو زمانہ کی ادا جانتے ہیں

کھلے تو مردۂ صد سالہ جلانے والے
کچھ مرے درد جگر کی بھی دوا جانتے ہیں؟

جیسے ہو آئیں گے در تک ترے گرتے پڑتے
خاک میں ہو اسی کوچہ کی شفا جانتے ہیں

غیر سے مشورے ہونے لگے ماشاء اللہ!
ہم تو سمجھے تھے وہ انداز جفا جانتے ہیں

شیخ جی جبہ و دستار کے پردے میں یہ کھوٹ
انہیں باتوں سے تمہیں لوگ برا جانتے ہیں

ہم بہر حال ہیں خوش ہم سے وہ خوش ہوں کہ خفا
یونہی چلتی ہے یہ جو بائی ہوا جانتے ہیں

داغوں کی سیر میں کیا ہے یہ حسیں کیسے ہیں
ساحت دل کو جو گلشن کی فضا جانتے ہیں

دامن بادِ بہاری کو پکڑنے دوڑے — اُف ری وحشت اسے ہم اُن کی قبا جانتے ہیں
بوئے گل گرچہ ہے آوارہ ہوا پر ہے سوار — دشت گردی کے مزے آبلہ پا جانتے ہیں
قتل کی دھمکیوں سے ڈرتے ہیں عاشق بھی کہیں — زندگی ہے انہیں سب جسکو قضا جانتے ہیں
قدر دانوں کی نوازش ہے وگرنہ ضامن — شاعری جو ہے بھلا ہم اُسے کیا جانتے ہیں

(ضامن کنتوری)

خواب جامِ جہاں نما

ستمبر کے شباب اردو میں جناب مولوی محمد ظفر صاحب - ایم - اے - ایل - ایل - بی - کا مضمون بعنوان بالا نظر سے گذرا - مطالعہ کے بعد مجھے بھی جسارت ہوئی کہ جناب ممدوح کے خیالات کی تائید میں میں بھی کچھ لکھوں -

ابتدا میں بکتلیں کے خواب کا سچ ہونا اور اس قبیلے کی دوسری داستانیں مجھے محض خوش کن کہانیاں اور خوش عقیدگی کی باتیں معلوم ہوتی تھیں - یوں تو شانِ ایزدی ہے - خواب میں کیا - بیداری میں جو چاہے اپنے بندوں کو دکھا دے - یہ اس کے ادنےٰ کرشمے ہیں - لیکن فسانوں اور تاریخوں میں بیان کئے ہوئے خوابوں کو پڑھ لینے کے بعد کبھی عقل کو ان پر یقین کرنا گوارا نہوتا تھا - مگر زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ واقعات زندگی نے کچھ ایسے پلٹے کھائے کہ وہی کہانیاں اور وہی داستانیں جن کو اظہار خوش عقیدگی سمجھا کرتا تھا اب بالکل صحیح نظر آنے لگیں - اور میں ان پر شروع سے آخر تک یقین کرنے کے لئے مہیا ہوگیا -

چار سال کا زمانہ گذرا، ایک رات میں یہہ سوچتے سوچتے سو گیا کہ "نہ ابا جان نے کوئی خط بھیجا نہ بہن کی کوئی تحریر آئی - دادا میاں کی طبیعت سخت خراب ہے - جو خط آیا ہے اسکی عبارت صاف کہے دیتی ہے کہ حالت نازک ہے پھر ایسی حالت میں گھر کے لوگ خاموش کیوں ہیں - لازم تھا کہ روز ایک کارڈ لکھ کر ڈال دیا کریں - جی گھبرا رہا ہے - ارادہ ہوتا ہے کہ بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ سے اجازت لیکر گھر چلا جاؤں - اچھا صبح ایک جوابی ٹیلیگراف بھیجکر حال دریافت کرکے ضرور شام کی گاڑی سے روانہ ہونا چاہئے ...."

غرضکہ یہی خیالات میرے دل میں آرہے تھے اور میں بستر پر لیٹا نیند کو بلا رہا تھا آخر سو گیا لیکن مجھے پتہ نہیں کہ کب نیند آئی - صبح کو چار یا پانچ کا عمل ہوگا کہ میں نے خواب میں دیکھا

کہ والد صاحب کا تار آیا ہے جسکی ہر سطر صف ماتم اور جس کا ہر لفظ نیش غم ہے - یعنی دادا اماں فردوس بریں کو سدہار رہے - اناللہ و انا الیہ راجعون - منہ سے اک چیخ نکلی اور میری آنکھیں کھل گئیں - اٹھ بیٹھا اور پھر نیند نہ آئی - دن چڑھے ساتھیوں سے بیان کیا - تو سمعوں نے کہا چونکہ دل لگا ہوا ہے، اس لئے ایسی باتیں نظر آئیں گھبراؤ نہیں" ڈاکخانہ کھلنے کے انتظار میں بیٹھا ہوں کہ دس بجے جلیں تو جا کر تار دوں :-

تو بجے ہوں گے کہ ٹننوٹن، ٹننوٹن، ٹننوٹن....... کیا ہے بھئی؟ بائیسکل پر سوار تارکا ڈاکیہ پہنچا - دربان سے "نعمانی صاحب کا تار ہے" - میں تو اسی ادہیڑبن میں تھا ہی اپنے نام کی بھنک سنکر فوراً جا پہونچا - لفافہ چاک کیا - تو دیکھتا کیا ہوں کہ یہہ الفاظ مندرج ہیں "فادر ڈائد، منڈے نائٹ، پرے فور، ہز سول - محمود" - یعنی دوشنبہ کی شب کو والد ماجد کا انتقال ہوگیا - دعا کرو کہ خدا انہیں غریق رحمت کرے - زمین پاؤں تلے سے نکل گئی - انتہائے غم نے مبہوت کر دیا، غیر متحرک کھڑا اتک رہا تھا مگر شائد نظر کچھ نہ تھا - گویا کہ ایک بیجان پتلا کھڑا ہے - نہ آنسو گرے - نہ آنکھیں جھپکیں - ہاں ہوا تو یہہ ہوا کہ ایک آہ نکلی - اور میں دربان کی آغوش میں بےہوش تھا -

دوسرا واقعہ یہہ ہے کہ بی اے - آنرس کا میرا امتحان درپیش تھا اور گھر ماتمکدہ بنا ہوا تھا - امتحان کی طیاری کے لئے قاعدہ ہے کہ طلبہ چھوڑ دئے جاتے ہیں - میں نے بورڈنگ کے قیام پر وطن کے قیام کو ترجیح دی تھی - کیونکہ بورڈنگ کے مختلف شعبوں کی شرکت اور حاضری میں تضیع اوقات کا زیادہ خوف تھا - مگر وطن پہنچے تو یہہ عقدہ کھلا کہ نماز تو نہیں معاف ہوسکتی - ہاں روزے بھی گلے لگا دئے جائیں گے - فلک ستمگار نے جو دکھایا وہ دیکھا - افسردہ دل کہاں تک امتحان کی تیاری کی اجازت دے سکتا ہے - پھر بھی مرتا کیا نہ کرتا - جو کچھ رونے دھونے سے وقت بس انداز ہوا - کتب بینی میں گذرا - مگر کامیابی کی طرف سے ناامیدی سی ہوگئی - پھر بھی آس لگائے امتحان کی تاریخ کے منتظر بیٹھے کتابیں دیکھتے رہے اسی درمیان میں ایک شب کا واقعہ ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرتے کرتے سوگیا - خواب میں دیکھتا ہوں کہ" ایک میدان میں پریشان حال کھڑا ہوں - اس میدان میں آدمیوں کا ہجوم ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معاملہ ہے - کہ اتنے میں ایک بزرگ صورت شخص نے آکر میرے داہنے بازو پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ کیوں پریشان ہے امتحان کے لئے؟ پریشان نہو - سوالات ایسے

آئے ہیں کہ تو اچھی طرح حل کر دے گا اور تیرے سر سہرا اجڑ ہیگا ؛؛ آنکھ کھل گئی۔ نہ میدان تھا نہ ہجوم عام نہ وہ بزرگ صورت آخر وہ دن آگیا جسکو طلبہ روز حشر کہا کرتے ہیں۔ گیا۔ امتحان میں شریک ہوا۔ امتحان ختم ہو گیا۔ سوالات واقعتاً ایسے آئے کہ مجھے جواب لکھنے میں دقت نہ ہوئی۔ کچھ دن بعد نتیجہ نکلا سخت حیرت ہوئی۔ (مگر خدا کا شکر بجالایا) جب میں نے بزرگ کی باتوں کو حرف بحرف صحیح ہوتا ہوا پایا۔ آنرس کے کامیاب لڑکوں کی فہرست میں میرا نام سب سے پہلا تھا۔ جس کے صلہ میں۔ "مجھے کنگ جورج میڈل" ملا۔ (غالباً بزرگ کا کہا ہوا سہرا یہی میڈل تھا)

تیسرا واقعہ جو سچ ہوا یہ ہے کہ "میں نے خواب میں ایک برات کا سامان دیکھا۔ مگر جب برات چلی تو چھوٹے بڑے سب پاپیادہ چلے اور عجب بات یہ تھی کہ دولہ ایک بچہ تھا۔ کوئی بالغ شخص نہ تھا۔ جسے نہ موٹر پر نہ تخت رواں پر لیجاتے تھے۔ نہ گھوڑے ہاتھی پر۔ بلکہ یہ کسی کی گود میں تھا۔ برات جا کر ایک ہرے بھرے میدان میں اتری۔ جہاں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا۔ کچھ دیر بعد براتی منتشر ہو گئے۔ کچھ لوگ ادھر گئے کچھ اُدھر۔ مگر دولہ نہ جانے کیا ہوا۔ وہیں رہگیا۔ یا غائب ہو گیا۔ اس کا کچھ پتہ نہ چلا؛؛ آنکھ کھل گئی دوسرے روز سہ پہر کو خبر آئی کہ "تمہارے دوست ابراہیم صاحب کا عزیز فرزند جانِ عالم۔ پھول جیسا بچہ چل بسا والدین کو داغ دے گیا تجہیز و تکفین کا سامان ہے۔ تمہیں بلایا ہے"۔ جی بیٹھ گیا۔ گیا۔ اور ایک سرسبز میدان کی ہری بھری زمین میں اس گل کو پیوند کر آیا۔ اس وقت سے میں اپنے اس قسم کے خوابوں سے بہت ڈرتا ہوں۔ کیونکہ اس کے بعد دو واقعات ایسے پیش آچکے ہیں۔ جن کو طوالت کی وجہ سے نہیں لکھتا ہوں۔ ہاں ایک واقعہ جو میرے لئے نہایت خطرناک تھا سے درج کرتا ہوں:۔

ابھی پورا سال بھی نہیں گذرا ہے۔ حال کی بات ہے کہ میں نے بھی غبار نجد میں کسی کی محمل کو ڈھونڈھنے کی ٹھانی تھی۔ دشت پیمائی میں قیس کو شکست دینے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر مجنوں کیطرح مردانہ وار نہیں۔ اماں۔ بابا۔ کے ڈر سے رات کے اندھیرے میں چھپ چھپ کر تاریکی شب کی آڑ لے کر۔

شب اول میں میری یہ حرکت مجھ پر سو سو ٹھیکار برسا رہی رہی تھی۔ میرا کانشنس مجھ پر ہزار دل لعنتیں بھیج رہا تھا۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ پہلی خطا کا احساس انسان پر بہت زبردست ہوتا ہے۔ اور خطا کے تواتر و تکرار سے کانشنس مرجاتا ہے۔ اور پھر وہی فعل جو پہلے قبیح نظر آتا ہے۔ ایک معمولی بات بن کر عادت ثانیہ بنجاتا ہے۔ یہی ہوا پہلی دفعہ

جب میرے پاؤں باہر نکلے تو قدم قدم پر میں ہموار زمین میں ٹھوکریں کھاتا تھا - آنکھوں کی بصارت زائل ہوتی نظر آنے لگی - ٹانگیں قسمیہ کہتا ہوں کہ تھرتھرا رہی تھیں - دل کانپ رہا تھا کلیجہ میں دھڑکن تھی - اعضا میں ارتعاش تھا - اور زبان میں لکنت - گویا میں - میں نہ تھا جب اس کا سامنا ہوا جس کے لئے گھر سے نکلا تھا - تو میں مجسمہ مرمری تھا - ساکت کھڑا - آنکھیں کسی کے دلنشین حسن کو دیکھ رہی تھیں مگر ان میں حرکت نہ تھی - سینہ میں ہزاروں تمناؤں کا ہجوم تھا مگر زبان میں طاقت گویائی اور اظہار مدعا کی قوت نہ تھی - زبان بیزبان ہو رہی تھی - ٹکٹکی باندھے کھڑا اس پیکر حسن کو دیکھ رہا تھا - مگر کس طرح ؟ اسطرح کسی حاکم اعلےٰ کے سامنے کوئی جرم سنگین کا مرتکب مجرم کھڑا کانپ رہا ہو - مگر دوسری تیسری ملاقاتوں کے بعد رشتۂ حیا کمزور ہوتا گیا - اور آخر کار ٹوٹ گیا - غیرت نے جواب دیدیا - یہاں تک میری زندگی میں فرق نہ آیا

ایکدن سو جانے کے بعد مجھے خواب میں ایک بزرگ کی صورت نظر آئی جنہوں نے مجھے نصیحت کی کہ "یغمائی ! دیکھ تو اس حرکت کو چھوڑ دے - " صبح ہوئی - خیالات شیطانی نے اس نصیحت کو دماغ میں لینے کی جگہ نہ دی - ور میں نے بڑی بے پروائی سے اس نصیحت کو بھلا دیا - اور اپنے محبوب دلنواز سے ملنے کا خیال نہ چھوڑا - وہی بزرگ خواب میں پھر نظر آئے اور ڈانٹ کر کہا کہ "خبردار ! اس حرکت سے باز آ - تو اس لئے نہیں بنا ہے - تیرا میدان عمل اور ہے - اور نہیں باز آتا تو تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا" خواب دیکھ کر میں سہم گیا - اور کچھ روز تک حکیم ناصح کا بتایا ہوا پرہیز کرتا رہا - مگر جب کبھی زمین نجد کی طرف سے گذر ہوتا - تو اس کے غبار کے ہر ذرہ میں میرے لئے لپٹ پیدا ہو جاتی - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کے مقناطیسی حسن نے اپنی جاذبیت دکھائی اور میں ؎

چلا ہے اور دل راحت طلب لیکر شادماں ہوکر ‏ ‏ ‏ ‏ زمین کوئے جاناں رنج دیگی آسماں ہوکر

کاشکار ہونے کے لئے کشاں کشاں آستانہ حسن پر پہنچ گیا - شکوؤں کا دفتر کھلا - عجز و نیاز کی عبارتیں پڑہی گئیں - آخر کسی کی رحمی میرے جبین نیاز کی عرق آلودگی دیکھ کر جاتی رہی یہاں تک تو کوئی ناگہانی آفت نازل نہ ہوئی - اور بزرگ نے اپنا غصہ عملی صورت میں ظاہر نہ کیا - مگر جب درمیان کا دن گذر گیا اور دن بھر کا تھکا ماندہ مسافر آفتاب مغرب کی پہاڑیوں کے پیچھے آرام لینے کے لئے چھپ گیا - طیور گریول چکے - اور اس کے بعد تاریکی نے اپنا پورا تسلط جما لیا - تو خالق لم یزل کی ساری مخلوق مصروف خواب ہو گئی - میں اپنے بستر پر لیٹا الٹ پلٹ رہا تھا - تو مجھی

کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ فلکیات کی سیر ہو رہی تھی۔ کہ کسی سطر میں لفظ وینس نے زہرہ کی یاد دلائی۔ اور پھر زہرہ سے کسی زہرہ جبیں کی یاد آئی اور میں مصمم ہو گیا۔ کہ چلو آستانۂ ناز پر جبین نیاز کے دو چار سجدے کر آئیں۔ اٹھا اٹھتے ہی برقی شمع کے سوئچ پر ہاتھ پہنچا اور روشنی گل ہو گئی۔ ایک، دو، تین قدم آگے بڑھا تھا کہ اڑ اڑ اڑا دھم .... اس کے بعد میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا۔ جب ہوش ہوا تو دیکھتا ہوں کہ اسی اپنے بستر پر لیٹا ہوا ہوں۔ اماں بہنیں آس پاس کھڑی بیٹھیں ہیں۔ کوئی پنکھا کر رہا ہے۔ کوئی عجلت میں اپنی اوڑھنی کا آنچل اس لئے پھاڑتی ہے کہ میری پیشانی کا بہتا ہوا خون اس سے پونچھ دے۔ میں دم بخود ہوں کہ یہ کیا ہوا۔ سر آغوشِ مادر میں ہے۔ جن کے گرم گرم آنسو ان کے رخسار افسردہ سے ڈھلک ڈھلک کر میرے سپید چہرے پر اکثر گر پڑتے ہیں۔ کہ اتنے میں جھنانانانا، جھنانانانا (سوال) کون ہے؟ (جواب) زاہد۔ (سوال) کیوں ڈاکٹر کو اب تک لائے نہیں؟ (جواب) ڈاکٹر صاحب رات کی وجہ سے دوگنا فیس مانگتے ہیں۔ (سوال) دوگنا تین گنا جو کچھ لیں آنا چاہئے بھائی کا سر پھٹ گیا ہے۔ لہو لہان ہو رہے ہیں۔ جلد لائے۔

مجھے ہوش میں پاکر اماں جان نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "بیٹا جی کیسا ہے؟ کیا ہوا تھا؟ کیسے گر گئے؟ کیا پڑھتے پڑھتے اٹھے اور سر چکرایا گر پڑے؟" میری زبان بند تھی جواب نہ دے سکا۔ وجہ یہ تھی کہ گرنے کی دھمک سے زبان پر دانت بیٹھ گئے تھے۔ اور یہ بھی ضرب شدید کی شکار ہوئی تھی۔ بھٹ، بھبٹ، بھبٹ، بھبٹ، .... سوں" (یہ کیا بلا) ڈاکٹر صاحب آئے۔ ڈاکٹر صاحب کو لینے کے لئے موٹر تک ابا جان گئے اور ڈاکٹر صاحب کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی زخم کا ملاحظہ کیا اور فرمایا کہ "اُف بوت گیرا جخم ہے (اف بہت گہرا زخم ہے)" ہٹو حبیب لوگ ہٹو بگیر سلائی اچھا نہیں ہوگا۔ (ہٹو سب لوگ ہٹو بغیر سلائی اچھا نہیں ہوگا) اس کے بعد انہوں نے کوئی رومال میرے منہ پر رکھ دیا۔ اور نہ جانے کیا کیا کر ڈالا اچھا تو ہو گیا ہوں مگر زخم نے جو نشانی چھوڑی ہے اسے حین حیات اس قاتل کے مقتل کا زخم سمجھونگا ممکن ہے کہ بعد مردن منکر نکیر صاحب سوال کر بیٹھیں کہ یہ داغ کیسے ہیں؟ کہونگا حضا کسی کا داغا ہوا ہوں (میرے خوابوں کے متعلق ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو شبہ ہو لیکن میرے احباب اور میرے رفقا اور اس کے علاوہ میرے گھر کے بعض لوگ جو میرے ہم سن اور ہم مذاق ہیں خوب واقف ہیں)

(نعمانی)

عجیب و غریب باتیں

مہذب دنیا کی خون آشامی وحشت! - یورپ تمدن کا [illegible] سمجھا جاتا ہے - مگر [illegible] بعض ملکوں میں سخت جہالت اب تک پھیلی ہوئی ہے - اور یہ ایسی [illegible] ہے جیسی ہندوستان کے پست حال اور وحشی خطوں میں پائی جاتی ہے - لنڈن کے نامی اخبار ٹائمز کے نامہ نگار متعینہ میڈرڈ پایہ تخت ہسپانیہ نے چند ہفتے ہوئے اسے اس مضمون کی خبر دی کہ ملک ہسپانیہ کے صوبہ استرمدرہ میں ایک گڈریہ کے [illegible] لڑکی [illegible] - کہ جس کے [illegible] ٹکڑے کئے گئے تھے - اور اس کے بدن کا خون نکال کر بہا گیا تھا - [illegible] اور پاس ہی ایک ٹوٹا ہوا پیالہ پڑا تھا جس سے یہ صاف ظاہر ہوا کہ کسی وحشی صفت بلکہ [illegible] پرست نے لڑکی کا خون جادو ٹونے کے مقصد سے پیا تھا - میڈرڈ کی پولیس ایک عرصہ کی مدت کی تفتیش کر رہی ہے - کہ جو گڈریہ کی لڑکی کی طرح جادو ٹونے کے ارادے سے ہلاک کر دیا گیا تھا - ملک ہسپانیہ کے باشندے سخت جاہل ہیں - خرافات پرستی اب تک ان کے درمیان رائج ہے - دیہات کے لوگوں نے اب تک وحشت سے رستگاری حاصل نہیں کی ہے - جادوگر اور اوجھا وغیرہ اب تک ہسپانیہ میں پائے جاتے ہیں - گو ان کے لئے کئی قسم کی سخت سزائیں مقرر ہیں - تو بھی وہ تعویذ گنڈے اور سحر افسوں کرنے سے باز نہیں آتے - بلاؤں اور وباؤں سے بچنے کے لئے طلسم استعمال کئے جاتے ہیں اور [illegible] استعمال کیا جاتا ہے۔

چاند پر ہوائی بان - کلارک یونیورسٹی [illegible] مشہور [illegible] ایک ہوائی اختراع کی ہے - کہ جس [illegible] دو لاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو چالیس میل کا فاصلہ ہے - اس ہوائی میں ایک [illegible] ہے کہ متواتر مرحلوں میں ہوائی اس فاصلہ کو طے کر کے سطح چاند پر جا گرے گی - پروفیسر مذکور کئی برس سے اس دھن میں مصروف ہے - اس نے جو ہوائی آزمائش کے لئے بنائی ہے تین سیر کے قریب ہے اور اس کے اندر ساٹھ گولے یکے بعد دیگرے پھٹنے والے ہوں گے - کیونکہ [illegible] یہ گولے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نہ پھٹیں گے تو ہوائی کو آگے بڑھنے کی تحریک کیسے ہو [illegible] گو پہلے تجربہ میں کامیابی نہ ہوگی - لیکن پروفیسر صاحب کو آخرکار کامیاب ہونے کا پختہ یقین ہے علم ہوا کے ماہروں نے تجربوں کے ارادوں سے اٹھارہ میل بلندی تک [illegible] کر کے ہوا کے

اسرار معلوم کرنے کی کوشش کی ہے اور فلکی مشاہدات سے جو حال میں ہوئے - بظاہر ہوتا ہے کہ ہماری زمین کی کرۂ ہوا اوپر تین سو پندرہ میل تک پھیلی ہوئی ہے - اس ہوائی کے ساتھ ہوا کے حالات درجہ حرارت و برودت جانچنے کے آلات بھی لگائے جائیں گے اہل سائنس کی آنکھیں اس عملی تجربہ کی طرف لگی ہوئی ہیں -

ایک حیرت انگیز ایجاد - ڈنمارک کے دو نوعمر انجنیروں نے گذشتہ ساڑھے تین سال کی کوششوں سے ایک حیرت انگیز ایجاد کی ہے کہ جس سے بے تار کی پیام رسانی کے طریقے میں سخت انقلاب واقع ہو جائے گا - اس ایجاد کا اعلان سائنس دانوں کے ایک جلسے کے سامنے کیا گیا - بلکہ عملی تجربہ کر کے دکھایا گیا - کہ جس سے سویڈن اور ڈنمارک کے اہل تحقیق کو نہایت حیرت ہوئی تھی - ان دونوں کے نام تیاسن اور رابک ہے - اس کا اصل اصول یہ ہے کہ بعض چیزوں کو جب برقی قوت کا اثر پہونچتا ہے تو ان میں بھی اس قسم کی برقی جو پیدا ہو جاتی ہے اس سے برقیات کا ایک نامعلوم خاصہ ظاہر ہوا - اور اس سے یہ اختراع انجام کو پہونچی - جلسہ کو دکھانے کے لئے ایک وائیولین (بیلا یا سارنگی) دیوار پر رکھدی گئی اور ایک اور کمرے میں جو وہاں سے دور تھا - کسی راگ کی گت ایسے آلہ کے سامنے بجائی گئی کہ جیسے ٹیلیفون کا اسیور ہوتا ہے - کہ جسے کان میں لگا کر بات سنتے ہیں سامعین کو دیکھ کر کمال حیرت ہوئی کہ وایولن گت دہراتی ہے - بعد ازاں گیت کے چند مصرع بولے گئے جو وایولن نے ویسے کے ویسے دہرا دئے - اس سے سائنس دانوں کے درمیان سخت حیرت پیدا ہو گئی - علاوہ ازیں خاص آلہ سے کہ جن سے بات کرتے یا سنتے ہیں - بے تار کے پیام بھی سنتے ہیں - کہ جو اسوقت برلن سے میڈرڈ کو بھیجے جاتے تھے -

احسان پرستی کی انتہا - مروت کی قدر بہت کم لوگ کرتے ہیں - اور احسان فراموش سارا زمانہ ہے لیکن ذیل کی نظیر بے نظیر ہے - مانٹریال - کینڈا - کا ایک باشندہ - ڈیوڈ بیرن نامی پچھلے سال مر گیا اور دو کروڑ روپیہ کی جائداد محض احسان کی وجہ سے ایک شخص کے نام وصیت کر گیا - تیرہ سال ہوئے کہ بیرن کا نام کڈ تھا - اور شکاگو میں جانچنے کا کام ایک دوکاندار کے ہاں کرتا تھا - آدمی دیندار اور خدا ترس تھا - خرابات خانوں میں اس کی ملاقات ایک حسین لڑکی سے ہوئی جو گھر سے بھاگ کر عیاشی اور بدکاری کی زندگی بسر کر رہی تھی - کڈ نے اسے سمجھا بجھا کر اپنے باپ ڈیوڈ بیرن کے پاس واپس بھیجدیا اس احسان کے بدلہ باپ نے کڈ کو

شکاگو کے کسی وقف کا امین مقرر کر دیا۔ اور جب ۱۹۱۴ء میں بیرن کا سارا خاندان کشتی جہاز میں غرق ہو گیا۔ تو کنٹڈ کو اپنی جائداد کا وارث مقرر کر دیا۔ اس نے اپنا نام بدل کر اپنے مربی کا نام اختیار کیا۔

بکار میں حیرت انگیز جیت - بکارا ایک قسم کا فرانسیسی کھیل ہے۔ جو تاش سے بہت مشابہ ہے۔ چاہے جتنے آدمی شریک ہو جائیں۔ جوئے کی طرح بازی بھی لگائی جاتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں۔ بغیر روپیہ کے بھی کھیلا جاتا ہے۔ ایک سال کا ذکر ہے کہ یونانی باشندہ ولیانو۔ دوویل کے بکار خانہ میں کھیلنے کو گیا۔ وہاں بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے۔ سلونیکہ کے ایک باشندے نے دو ہفتوں میں ساٹھ ہزار پونڈ یعنی نو لاکھ روپیہ جیتے۔ اور جس جگہ ولیانو کھیلا تھا وہاں بڑے امیر آدمی کھلاڑی تھے۔ شام کے پانچ بجے سے کھیلنے کو بیٹھا۔ ساڑھے آٹھ بجے تک بیٹھا رہا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ شروع ہی سے جیت اس کی رہی چار چار سو پونڈ کے نوٹ چند منٹوں کے بعد ولیانو کی طرف سرکائے جاتے تھے اور وہ جیبوں میں ڈالتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ بقول ایک انگریز تماشائی کے وہ بیلوں کی طرح نظر آنے لگا۔ ساڑھے آٹھ بجے کھیل بند ہو گیا۔ اور وہ ہوٹل کو لوٹا۔ وہاں پر دو تین دوستوں نے بیٹھ کر حساب کیا۔ تو بہتر ہزار پونڈ کے نوٹ نکلے۔ یہ لاثانی واقعہ ہے سوا سات لاکھ روپیہ ساڑھے تین گھنٹے کے کھیل میں کسی میسر نہ آیا ہوگا۔ یورپ والوں کے کھیل بھی حیرت انگیز ہیں کہ بعض بن جاتے ہیں اور بعض بگڑ جاتے ہیں۔ اس کھیل سے بڑھ کر ڈربی وغیرہ کی گھوڑ دوڑ ہے۔ کہ جس کے جیتنے والے لاکھوں روپے کے مالک بن جاتے ہیں

(جے آر۔ راے جرنلسٹ)

خزانِ زندگی

ایک نوجوان شخص سرکاری ملازمت میں داخل ہوتے وقت پنشن کا خیال کر کے کس قدر خوش ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ ساری محنت و مشقت ختم ہونے کے بعد وہ کس فارغ البالی سے آرام و راحت کی زندگی بسر کرے گا۔ اس آرام و راحت کا خیال نوکری میں اس کو سخت سے سخت محنت برداشت کرنے کو آمادہ اور برانگیختہ کرتا ہے۔ زمانہ پنشن کی فرصت اور راحت کے خیال سے حالت ملازمت میں وہ دوپہر کا آرام اور رات کی نیند اکثر اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے اور شبانہ روز اپنے اشغالِ ملازمت میں منہمک رہتا ہے۔ ایک لاطینی مصنف

[illegible] زندگی بسر کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی سب حاجات [illegible]

[illegible] ع۔ کیسے را با کسے کارے نباشد

[illegible] اس کو یاد آتا ہے کہ بہترین زمانہ حیات [illegible] آدمی اپنے گھر کے اندر فارغ البالی اور [illegible]

[illegible] سے اس کے بال سفید ہونے شروع ہوتے ہیں اب وہ [illegible] خوشی سے [illegible] اسکول سے لڑکے آنیوالی تعطیل [illegible] ایک مکان خرید لیا ہے جس کے متعلق ایک [illegible] درختوں سے آراستہ کر رہا ہے [illegible] سایہ میں بیٹھکر وہ اپنا غم غلط کرے گا۔ رات کو [illegible] خیالی پھولوں کی مہک سونگھ کر بیدار ہو جاتا ہے۔

[illegible] ایک معقول جزو ہر مہینہ پس انداز کرتا ہے۔ تاکہ پنشن کی قلیل آمدنی سے [illegible] اسے تکلیف نہ ہو۔ رفتہ رفتہ وہ ملازمت میں ترقی بھی کر رہا ہے تاکہ پنشن معقول ہو۔

اب پچپن سال قریب ہے پنشن کا زمانہ آلگا۔ بالآخر وہ دن آگیا کہ اس کے بعد اس کو دفتر جانا نہیں [illegible] اپنے [illegible] ماتحتوں سے رخصت ہو کر وہ اپنے زرخرید مکان اور پائیں باغ میں آباد ہوتا ہے [illegible] سے مستفید ہوتا ہے جسکا عرصہ سے وہ آرزومند تھا۔ ایک مہینہ نہایت خوشی [illegible] اور نئے ہمسایوں کی ملاقات میں وقت نہایت دلچسپی سے کٹتا ہے۔ مگر اس کے بعد [illegible] ایک بڑا انقلاب محسوس کرتا ہے۔ دفتر کی مشغول زندگی اور اپنے ماتحتوں کی صحبت کو اس کا دل ڈھونڈتا ہے۔ مگر نہیں پاتا۔ پائیں باغ کے درختوں کے سایہ سے اب اسکا دل بھر جاتا ہے [illegible] کی مہک اس کے دماغ کو سیر کر دیتی ہے جس باغ کا خیال حالت ملازمت میں اس [illegible] رکھتا تھا۔ اب اس کے ساتھ کوئی دلچسپی اسے باقی نہیں رہتی۔ اب اس کا مزاج چڑچڑا [illegible] اور [illegible] ہوتا جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں بے نور ہوتی جاتی ہیں اس کے [illegible] پیشانی [illegible] باوجود کثرت مشاغل ملازمت اب تک ایک جھری بھی

نہیں پڑی تھی اب تقاضائے عمر اور یہ ہیئے شغلی مجبوریوں سے بھری جاتی ہے۔ اب وہ اپنے رشتہ دار دوستوں بلکہ تمام دنیا سے خفا رہتا ہے۔ اب اس کو دالٹن کا مقولہ یاد آتا ہے کہ سب سے بڑی مصیبت وہ آسائش ہے جو بے ضرورت اور خلاف رغبت ہو۔

اس کا خواب کیوں غلط ثابت ہوا؟ باوجود آرام و راحت وہ کیوں دل شکستہ ہے؟ حالت ملازمت میں وہ مشغول رہتا تھا۔ اب وہ محض بیکار ہے۔ مشغول رہنے سے اس کے قوے باقی چوبند رہتے تھے۔ اب بیکاری کی وجہ سے وہ روز بروز کہن ہوتے جاتے ہیں۔ چند ہی سال اس ناکامی میں بسر کرکے وہ لقمۂ اجل ہو جاتا ہے اور قبر میں جا سوتا ہے۔

کیا اکثر پنشن یافتہ اشخاص کا یہ انجام نہیں؟ کیا آرام و راحت سے زندگی بسر کرنے کے ان کے لمبے چوڑے منصوبے اسی طرح غلط ثابت نہیں ہوتے؟ کیا ان کی تمام زندگی بسا اوقات ایسی تلخ نہیں ہوتی؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ فلسفہ بتلاتا ہے کہ ایسے اشخاص کا مشغلہ زندگی ایک ہی ہوتا ہے یعنی صرف اپنے کار منصبی میں انہیں حالت ملازمت میں انہماک رہتا ہے۔ جب نوکری تمام ہوئی تو وہ سہارا یکایک جاتا رہتا ہے۔ اور اس کے بجائے کوئی دوسرا مشغلہ وہ اختیار نہیں کر سکتے۔ یا نہیں کرتے۔

ماحصل یہ ہے کہ ہر ملازمت پیشہ شخص کو علاوہ کار منصبی کے کوئی نہ کوئی اور دلچسپ مشغلہ اختیار کرنا چاہئے۔ حالت ملازمت میں اس سے مدد ملتی ہے۔ مثلاً تعطیل اور دیگر اوقات فرصت میں اس دوسرے مشغلہ کی دلچسپی سے ملازمت کی محنت ہلکی ہو جاتی ہے اور غم غلط ہوتا ہے اور بعد حصول پنشن یہ شوقیہ مشغلہ اصلی مشغلہ بکر آدمی کو مصروف رکھتا ہے اور جسطرح موسم بہار کے بعد موسم خزاں حائل ہو کر موسم سرما کی ہلاکت سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے اسیطرح یہ دوسرا مشغلہ جو حالت ملازمت میں زیر مشق رہکر طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے انسان کو بیکاری کی مصیبت اور مرگ بے ہنگام سے بچاتا ہے۔ پنشن کا زمانہ بھی اس دوسرے مشغلہ کی بدولت ایسی ہی دلچسپی سے گذرتا ہے۔ جیسا کہ ملازمت کا اور انسان کے قوائے عقلی اور جسمانی آخر عمر طبعی تک شگفتہ رہتے ہیں۔

(شیبانی)

کلام وصی

روتی ہے وحشت مجھے محتاج ساماں دیکھ کر ٹکڑے داماں دیکھ کر پرزے گریباں دیکھکر

اس طرح گذری حیات چند روزہ دہر میں
آنکھ گویا کھل گئی خواب پریشاں دیکھکر

شوق کی وارفتگی نے ربط پیدا کر دیا
حسرتیں پڑھنے لگیں خنجر کو عریاں دیکھکر

ظالم و مظلوم کو پہچان لیں گے اہل بزم
تجھ کو خنداں دیکھکر اور مجھ کو گریاں دیکھکر

زخم کے انگور لپٹ جائیں تو بسمل کیا کرے
جوش میں خون آ گیا شمشیر عریاں دیکھکر

دشت میں دیوانہ کو ہو گی کفن کی کیا کمی
خاک صحرا اڑا الدے گا نعش عریاں دیکھکر

قتل کا لبس راز یہ ہے عکس رخ خنجر میں تھا
میں گلے ملنے لگا تصویر جاناں دیکھکر

امید ہو وصال موت فرقت میں وصی
کوئی کیوں پھر صبح دیکھے شام ہجراں دیکھکر

(وصی حسن انسپکٹر پولیس)

ہماری حسن پرستیاں

یہ ایک قدرتی امر ہے کہ شباب میں انسان کو کثرت سے حسن پرستی کا لپکا ہوتا ہے اور بعض باذاق ہستیاں تو ایسی ہیں کہ اوائل عمر سے اواخر حیات تک تلاش خوبروئی میں ادہر اُدہر تاک جھانک کرتی رہتی ہیں -

دور سے بھی کسی اچھی صورت کی جھلک دکھائی دی اور نگاہ شوق فوراً استقبال کو پہونچی - پاس سے کوئی خوبصورت ہستی گزری اور نظر پُر اشتیاق ساتھ لی اور اپنی آخری حد وسعت تک مشایعت کی اور خوش قسمتی سے اگر کوئی حسین کچھ دیر سامنے بھی رہا تو اُسے اسقدر گھورا کہ نظر ہی لگا کے چھوڑا -

پہلو میں ایک دھڑکتا ہوا دل ہے جو ہمارے شوق رنگیں کے ساتھ حسن کی مہمان نوازی - اور میزبانی کے لئے وقف ہے ؎

تنخے بردار دل گزرد ہر کہ زپیشم
من قاش فروش دل صد پارہ خویشم

"حسن" درپردہ کے لئے بھی نگاہ شوق کی تیزی کچھ اس بلا کی ہوتی ہے کہ پردوں میں سے جھنکر پوشیدہ چہروں کو تاک لیتی ہے - کوئی روے زیبا اگر زیر نقاب ہے - تو چوری چوری گھس کر اسے بھی دیکھ لیتی ہے - "ملکہ حسن" گھر کی چاردیواری میں مستور و محصور ہے تو ہماری پُر شوق نگاہ خیال مضبوط دیواروں کو چھید کر حسین دیوی کے بے نقاب کر دیتی ہے ، پھر یکمشت شکست کا اعتراف کرتے ہوئے دل نثار کرتی ہے - لیکن وہاں وہ بے نیازی ہے کہ نہ قبولیت ہے نہ انکار - خیر بھی ہنر کر یہ کون ہے جو خیال ہی خیال میں یہاں گھس آیا ہے - یہ کس کے ارمان ہیں جو میرے ساتھ سائیر

اور یہ کیا ہے جو نظر ہی نظر میں کوئی نذر کر رہا ہے -

ہماری حسن پرستیاں بھی نرالی ہیں - ہر وہ ہستی جو متناسب اعضا اور خوبصورت خال وخط کیساتھ اس عالم ناسوت میں رونما ہوتی ہے - ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری ہی نظر بازی ولطف اندوزی کیواسطے ہے اس بنا پر چاہتے ہیں - کہ اس پیکر خوشنما تک ہماری رسائی ہو جائے اور اس روے منور کے دیدار فرحت آثار کو ہم اپنی بینائی کا ماحصل سمجھیں - کیونکہ ؎

دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

دل کی آشفتگی اور فریفتگی کی کیا حد ہو سکتی ہے - جبکہ ازل ہی سے اس کو حسن سے لگاؤ ہو شعر

حسن ہو جسمیں وہ ہر شے جلوہ گر اندر دلمیں ہے جذبۂ صورت پرستی میرے آب وگل میں ہے

دل کیسا ہی سخت سے سخت ہو - ایک نگاہ شوخ سے پسی پارہ ہو جاتا ہے - کوئی کیسا ہی پارسا اور متقی کیوں نہو - ایک نظر ناز کے آگے یہ سب کچھ نذر کر دیتا ہے - "کسی" کی ایک متوالی نظر سے جو کیفیت دیکھنے والے کے قلب پہ طاری ہوتی ہے اس کا اندازہ کچھ وہی کر سکتے ہیں - جو مے محبت سے سرخوش ہیں - کہیں ہوں اور کچھ کر رہے ہوں لیکن ہر وقت - مصرعہ

خیال دلربا ہے اور میں ہوں

کیونکہ ہم خود نہیں جانتے یہ سوال تو قبل از وقت ہے کہ اس حسن پرستی کے عالم میں ہم کتنی دور ہیں کہ ان خلشوں اور کشمکشوں سے ہمارا مقصود کیا ہے ؟ ہاں یہ محبت کا پرتو ہے کہ ہمارے جذبات قدسیہ اور خیالات عالیہ میں جو محض لطافت اور پاکیزگی سے نشوونما ہوئے ہیں - بے کیفی نہیں ہے -

ہم خود اپنی کثرت پرستیوں پر نفریں کرتے ہیں - اور اپنے تاوان کو بیتابیوں اور بے چینیوں کی تکلیف ظاہر کرتے ہیں - اور ناکامیوں کے مہیب اور حسرتناک مناظر پیش کرتے ہیں - اور چاہتے ہیں کہ حسن کے پھولوں کو جو مہلک وخطرناک کانٹوں میں رونما ہوتے ہیں - چننے سے باز رہیں - لیکن دل دیوانہ نہیں مانتا یہ کثرت پرستیوں کا زمانہ بھی طے ہو چکتا ہے اور ہمارا دل ایک ہی پری پیکر کی محبت میں وقف اسیری ہو جاتا ہے - اور صرف ایک ہی روے زیبا میں یہ سب شانیں دیکھتا ہے - اسی کے خم ابرو کو محراب سمجھ کر ہم اپنی جبین نیاز کو جھکاتے ہیں اور صرف اسی کے مصحف رخسار کی تلاوت کرتے ہیں - ہمارے لئے اس کے منور جسم کی ہر جنبش کسقدر ہوشربا ہے -

ہم کو خود اپنی الفت کے اندازہ کر لینے کا سلیقہ ہوتا تو ہم کہہ سکتے کہ اس اچھوتے گل حسن کے ہم کسقدر گرویدہ ہیں - ؎ کیا ہو رہے ہیں دل میں اثر کچھ نہ پوچھئے کس پر پڑی ہے میری نظر کچھ نہ پوچھئے

اس کے ایک انداز خاص، ایک ادائے جانستاں سے ہم کو کہاں پناہ مل سکتی ہے - سوائے اسکے کہ ؎

عشق میں جان سے گزر جائیں اب یہی جی میں ہے کہ مر جائیں

"کسی" کے تیر نیم کش کی خلش - کسی کی محبت کا درد ہم نہیں چاہتے کہ موقوف ہو جائے - یہ داغ الفت مٹ جائے - یہ اضطراب محو ہو جائے - یہ بے چینیاں زائل ہو جائیں - یہ جوش فرو ہو جائے اور اس مرض کا علاج ہو جائے - یہ سب ہماری راحت حقیقی کے اصلی لوازمات ہیں - ہم کو اسی درد میں مزا ملتا ہے - انہی بے چینیوں میں چین آتا ہے - اسی اضطراب میں سکون ہوتا ہے - اسی مرض میں صحت ہوتی ہے - ؎ وہ مزا دیا تڑپ نے کہ مری یہ آرزو ہے مرے دونوں پہلوؤں میں دل بے قرار ہوتا

حسن پر مائل ہونا کچھ دل ہی پر منحصر نہیں ہے - ہمارے تمام قوے اس سے میلان رکھتے ہیں شب کو کیسی ہی گہری نیند ہم سوتے ہوں - دور سے ہی اگر کوئی سُریلی آواز ہمارے کان تک پہنچتی ہے فوراً آنکھ کھلتی ہے اور اس سامعہ نواز آواز سے ہم بہت محظوظ ہوتے ہیں - کسی طرف سے خوشبو آئی اور میلان طبع ایکدم ادہر منتقل ہوئی - کسی کھانے کا مزہ اچھا لگا اور تمامتر قوت ذائقہ اس کی لذت اندوزی کے لئے مصروف ہوئی - الغرض یہ سب چیزیں محسوسات میں سے اپنے میں ایک دلفریب حسن نمایاں کرتی ہیں - اور ہم کو ان سب میں "کسی" کی اداؤں کی جھلک نظر آ جاتی ہے - ؎

ہرچہ آید در نظر غیر از تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

"حسن" غیر محدود گلزار فطرت کا بہترین و نہایت پسندیدہ پھول ہے - اس کی رعنائیاں و محبوبانہ دلربائیاں، حسن مطلق سے قریبی مناسبت رکھتی ہیں - "حسن" میں خدا جانے کیا جادو ہے کہ ہر وہ شخص جس کے پہلو میں دل ہے اس کو دیکھ کر لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے - یہ وہ دلفریب چیز ہے جس میں ہماری طرح ہزاروں زیرک ہستیاں باوجود ادعائے سلامتی ہوش جو اس اسیر و مبتلا ہیں ہم تو کہتے ہیں واللہ ؎

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

اب ہماری حسن پرستیوں کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہماری ملزمانہ کیف آرائیاں کس حقیقت سے وابستہ ہیں - اور ہماری وارفتگی - کس جمال مقدس کا اثر پرتو ہے - دلربا حسن ہو اور اس کے لئے پاک اور سچی محبت - پھر اعلے و لطیف جذبات آفرینی کی دل میں کوئی انتہا باقی رہ سکتی ہے ؟ یہ جذبات مقدس فانی نہیں ہوتے - اور اصلی معنوں میں انسانیت کا صحیح جوہر ہوتے ہیں - جن پر انسانی مسرات و لذات کا مدار و انحصار ہے - ؎

مجاز میں بھی ہے اپنی نظر حقیقت پر بتوں کی راہ میں پھرتے ہیں ہم خدا کیلئے

کیفیت حسن وعشق کا یہ شعر مظہر ہے۔ جس سے ہم کو انکار نہیں ؎

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سے آزاد — طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ

چونکہ انسان خوگر ہے پیکر محسوس کا اس لئے ابتداً اپنے ہم جنس حسینوں پہ ہی مائل ہوتا ہے۔ اور عموماً شباب میں ہی تخم محبت پھوٹتا ہے۔ اب اس نعمت عظمیٰ کے لئے۔ ع۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست بعض بدنصیب ایسے ہیں جو اپنی خامکاریوں اور ہولناکیوں سے اس جوہر کو خاک میں ملا دیتے ہیں وہ نہیں جانتے اور نہیں پہچانتے۔ کہ یہ کسقدر انمول ہے۔ اور اس کے بدلے میں ہمکو کیا...... حاصل ہو گا!

بعض خوش قسمت ایسے بھی ہیں جو لطافت وصداقت سے اس نادر جوہر کو اور چمکا دیتے ہیں۔ اور اس کے بدلے میں وہ پاتے ہیں جو ایک جید عابد وزاہد اپنے ہزار سالہ زہد وعبادت کی عوض بھی نہیں پاسکتا۔ پارسائی وعبادت کا ماحصل محض بہشت ہے اور عشق ومحبت کا مقصود سرحد ادراک سے بھی باہر ہے

حسن کے تاثرات ہمارے لئے پیغام دردمندی ہیں۔ ہم کو ہرگز منظور نہیں کہ خلش وتپش سے علیحدہ ہو کر بےحسی کی زندگی گزاریں۔ وہ کچھ زندگی نہیں جسمیں سوز وگداز نہ ہو۔ وہ کچھ دل نہیں جسمیں "کسی" کی محبت نہو۔ ہمارا اصول ہے کہ گل حسن کی صرف نکہت سے بہرہ اندوز ہونا چاہئے اس لئے کہ لمس اس کی نزاکت کے لئے باعث جراحت ہے۔ حضرت مخمور کی نظم بعنوان چھوئی موئی ہم کو ازلس پسند ہے۔ جسکا ایک بند بصورت مصداق ہونے کے درج ذیل کرتے ہیں۔

حرمت دوشیزگی سے دل ترا معمور ہے — یا نزاکت خود ترے ملبوس میں مستور ہے

یا تری فطرت میں مضمر خوے پاک حور ہے — یا نمود حسن مطلق کا یہی دستور ہے

رنگ تکمیل نسائیت ہے یہ حسن حجاب — تجھ میں کھنچکر رہ گئی تصویر لذات شباب

(ولی احمد خاں اثر جے پور)

مُردوں کی چٹان

باب ۳

دو اجنبی

آخر الامر خدا خدا کرکے صبح ہوئی۔ اور سورج کی پہلی کرن کے ساتھ طوفان کا زور وشور زائل ہو گیا

اعجاز کی والدہ کو بتدریج سکون حاصل ہو چکا تھا - اور وہ اسوقت خوف وہراس سے تھک تھکا کر دنیا، مافیہا سے بے خبر ہو کر سو رہی تھی - اعجاز صبح ہونے سے پہلے ہی ضروریات سے فارغ ہو چکا تھا اور باہر جانے کے لئے کچھ اس طرح بیتاب ہو رہا تھا - کہ اگر وہ سونے کی کوشش بھی کرتا تب بھی اس دہشتناک صبح کے متعلق معلومات بہم پہونچانے کی خواہش اسے سونے نہ دیتی - اور وہ اپنی اس کوشش میں ناکامیاب ہوتا - اپنی ماں کو سوتا ہوا دیکھکر اس نے چپکے سے جوتے ہاتھ میں اٹھائے اور پنجوں کے بل بالا خانہ سے مکان کے صحن میں اتر گیا - مکان کا زیریں حصہ صبح کی دھیمی روشنی میں کچھ ایسا ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا - کہ اعجاز نے تقریباً باہر جانے کے خیال کو خیرباد کہدیا اور وہ سیڑھی چپکے سے واپس لوٹنے والا تھا - کہ اسے معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ "امی جان کے اٹھنے سے پہلے مجھے اس صبح کے متعلق معلومات بہم پہونچا لینے چاہئیں - تاکہ ان کے بیدار ہوتے ہی اس کے متعلق صراحت کے ساتھ انہیں تمام باتوں کی اطلاع دیدوں"۔ بہر حال اس ہیئت سے کہ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا - اس نے دروازہ کھولا جو باوجود اس کے نہایت احتیاط سے کھولنے کے نہ تو کبھی اس موقع سے پہلے اور نہ کبھی اس موقعہ کے بعد ہی اسقدر آواز کے ساتھ کھلا تھا - جتنا کہ اس موقعہ پر اور بسم اللہ اور قل ہو اللہ اور جو جو سورتیں اسے یاد تھیں پڑھتا ہوا باہر نکلا - خوشگوار باد سحری نے جو اعجاز کے رخساروں کو بوسہ دے رہی تھی اس رات کے واقعات یک لخت بھلا دئے اور وہ انتہائے فرحت میں اپنے آپ کو صبح کا وہ ستارہ سمجھنے لگا - جو ہر دنیوی مصیبت کی دسترس سے بہت بالاتر ہے - اعجاز اپنے بچپن کی لحکدار طبعیت کے اثر سے جو ہر ہولناک سے ہولناک واقعہ میں اپنے مذاق کے مطابق سامان دلفریبی تلاش کر لیتی ہے - اس بھیانک صبح میں بھی دوڑتا ہوا اور کودتا پھاندتا ہوا جو اس کے مقتضئے تھا ساحل کی طرف چلدیا -

قبل اس کے کہ اعجاز ساحل پر پہونچے طلوع ہونیوالے آفتاب کے تصرف سے آسمان پر مشرق کی طرف اچھی خاصی روشنی ہو گئی تھی - لیکن ساحل پر اسوقت کوئی ذی روح موجود نہ تھا صبح کی روشنی ابھی تک یہاں اچھی طرح نہ پھیلی تھی - تاہم تاریکی زائل ہو چکی تھی اور جہاں تک اعجاز کی نظر نے کام کیا ساحل بالکل تنہا تھا - اعجاز یہاں سے آگے بڑھا اور جنوب کی طرف جو چٹانیں تھیں ان میں سے ایک سب سے اونچی چٹان پر چڑھ کر غور سے سمندر کی طرف دیکھنے لگا - لیکن نہ تو اسنے پہلی نظر میں کسی ڈوب جانیوالے کا کوئی کپڑا ہی بہتا ہوا دیکھا نہ کسی تباہ ہو جانیوالے جہاز کا کوئی ٹوٹا ہوا تختہ ہی - اس نے پھر غور سے دیکھا اور جیسے ہی اس کی نظر ایک ٹوپی پر پڑی جو اس

چٹان کے ٹھیک محاذ میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کا دل دھک سے ہو گیا۔ اور اس نے اپنی آنکھیں اپنے ہاتھوں سے بند کر لیں۔ تقریباً پورے ایک منٹ کے بعد اس نے بہت کوشش کرکے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں سے ہٹائے اور پھر غور سے دیکھا۔ بلا شبہ وہ چیز اسی جگہ اُسی طرح پڑی ہوئی تھی اور وہ یقینی طور پر ٹوپی تھی۔ رات کی دہشتناک چیخ پھر ایک مرتبہ اپنی اسی ہولناک اور روح فرسا گونج کے ساتھ اعجاز کے کانوں میں گونج اٹھی اور وہ نہایت دلگیرانہ طریقہ سے مرنے والوں کی اس خاموش مگر گویا شہادت اور کپڑے کی اس معمولی سی ٹوپی کیطرف جو ہولناک واقعات کے دل دہلا دینے والی افسانہ گو تھی۔ دیکھنے اور تھر تھر کانپنے لگا۔

اعجاز بالکل بچہ تھا اور اس ٹوپی کے خاموش خطرہ نے اسے بالکل نڈھال کر دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں پھر بند کر لیں۔ اور کانپتا ہوا چٹان سے چمٹ گیا۔ اگر کوئی شخص تمام دنیا کی دولت اعجاز کے سامنے رکھدیتا محض اس شرط سے کہ وہ جاکر اس خطرناک ٹوپی کو اٹھا لائے تو اعجاز کے لئے یہہ قطعاً ناممکن تھا۔ خوف دہراس کے پہلے تشنج کے ختم ہوتے ہی اعجاز جوتے ہاتھ میں لیکر گرتا پڑتا اپنی دانست میں گھر کی طرف کچھ اسطرح بے تحاشا بھاگا کہ گویا تمام ڈوبنے والوں کی روحیں اس کے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے آرہی ہیں۔ مگر بدقسمتی سے وہ اپنی اس بدحواسانہ فرار میں بجائے گھر کی طرف جانے کے سمندر کے کنارے کنارے گھر سے بہت دور نکل آیا اور یہاں آکر اس نے یہہ محسوس کیا کہ پھر اسی راستہ سے گھر واپس لوٹنا اس کے لئے قطعاً ناممکن تھا۔ اور اس لئے اس نے یہہ فیصلہ کیا کہ سمندر کے کنارے کنارے قنبیر جائے اور وہاں سے اپنے گھر آئے۔ ایک مسحور شخص کی طرح وہ اب تک گھبرا گھبرا کر سمندر کی طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ طوفان نے بحری گھاس کے گٹھے کے گٹھے کنارے سے لاکر لگا دئے تھے۔ اور اعجاز کو ہر گٹھے سے ایک نئے اور نامعلوم خطرے کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اعجاز ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا۔ کہ یکایک اس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جو قنبیر کی طرف سے اس طرف آرہا تھا۔ جسطرف سے اعجاز قنبیر کو جا رہا تھا۔ اعجاز نے جب پہلی مرتبہ اسے دیکھا ہے تو وہ اس سے تقریباً دو سو گز کے فاصلہ پر تھا۔ اور اس عظیم الشان خطرہ کے بعد کسی انسان کا دکھ جانا ظاہر ہے کہ اعجاز کے لئے کس قدر مبارک ہو سکتا تھا۔ وہ اس خیال سے دوڑتا ہوا اس کی طرف بڑھا کہ ممکن ہے وہ کوئی اس کا قنبیری جان پہچان والا ہو۔ کچھ قریب پہونچنے پر جن دو چیزوں پر سب سے پہلے اعجاز کی نظر پڑی ہے ان میں سے ایک تو یہہ تھی کہ اس کی پوشاک کچھ اس قسم کی تھی۔ کہ اس نواح میں کوئی بھی اس قسم کے کپڑے نہیں پہنتا تھا۔ اور دوسری یہہ کہ وہ

کچھ ایسے غور کے ساتھ سمندر کی طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کہ گویا اسے کسی کا انتظار ہے اس کی محویت کی انتہا یہہ ہے کہ اسے یہہ بھی خبر نہ تھی کہ کوئی دوسری ہستی بھی اس سے بالکل قریب اسی راستہ پہ اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ قریب پہونچنے پر اعجاز نے پہلی نظر میں پہچان لیا کہ وہ کوئی بالکل اجنبی شخص ہے۔

(باقی آیندہ)

(سید حمید الدین احمد رعنا)

نالۂ ناشاد

آنا لیقِ تصورِ حبیب اے ناشاد شامل ہے
نہ دل کی اب وہ بیتابی نہ اب وہ حسرتِ دل ہے

اسے اپنے مقدر کا دھنی کہئے زمانے میں
جبیں سائی تمہارے سنگِ در کی جسکو حاصل ہے

وفاداری کا کیا دعوٰی وہاں جب بے نیازی ہے
کسی خدمت کا منظورِ نظر ہونا بھی مشکل ہے

نہ لاؤ دل میں کچھ وسواس بے کھٹکے چلے آؤ
فقط ہم اور پہلو میں ہمارے غمزدہ دل ہے

شکیب و تاب و طاقت تک رفاقت چھوڑ دیتی ہیں
شبِ فرقت میں مشکل ہے تو اتنی بات مشکل ہے

سنا تو دوں جنابِ دل تمہارا سارا افسانہ
اثر ہونا مگر اس سنگدل کے دل میں مشکل ہے

الٰہی خیر ہو دردِ جگر کچھ بڑھتا جاتا ہے
یہی حالت رہی قائم تو اے دل سخت مشکل ہے

نہیں ہے حاصلِ ذوقِ نظر ہونا مقدر میں
وہ آئیں بھی تو کیا اے بیخودی شوق حاصل ہے

ہم اے ناشاد دونوں بیخودِ حسن و محبت ہیں؟
انہیں میری مجھے اُن کی خبر ہونا تو مشکل ہے

(ناشاد سہسرامی)

انارکلی

لاہور کا انارکلی بازار نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اپنی رونق چہل پہل اور اپنے دلکش اور عجیب و حیرت افزا نام کی وجہہ سے مشہور ہے۔ مگر یہہ بات کس قدر عجیب ہے کہ جسقدر اس کی شہرت عالمگیر ہے اسی قدر اس کی اصل وجہہ سے نہ صرف پنجاب و ہندوستان کے لوگ بلکہ خود اہل لاہور بہت کم آگاہ ہیں اور اس بات کا تو شاید کسی کو شان گمان بھی نہو کہ یہہ ایک ایسی عورت تھی جسکی حسن دلاویز نے اکبری محلوں میں رہ کر شاہزادیوں اور شاہی بیگمات کو پریشان کر رکھا تھا اس کا اصل نام نادرہ بیگم تھا۔ اکبر کی شاہی کنیز کہ محل میں نہایت حسینہ و جمیلہ تھی۔ کمال حسن کیوجہ سے

اکبر کی اسقدر منظور نظر تھی کہ حرم سرائے میں تمام بیگمات اس کے عروج و اقبال اور رسوخ و اقتدار سے خوف کھاتی تھیں۔ بادشاہ نے اپنی اس کنیز کا نام انارکلی رکھا۔ جس کا چہرہ گل انار کی طرح سرخ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہزادہ سلیم اور انارکلی کی آپس میں خفیہ محبت تھی۔ چونکہ عشق اور مشک چھپے نہیں رہ سکتے۔ اس لئے راز محبت خواہ لاکھ پردوں میں ہو۔ پھر بھی افشا ہو ہی جاتا ہے بقول استاد داغ ؎

ہم بھی رسوا ہو گئے وہ بت بھی رسوا ہو گیا　　راز دل جتنا چھپایا اتنا افشا ہو گیا

رفتہ رفتہ یہہ ناشدنی خبریں بادشاہ کے گوش گزار بھی ہوئیں۔ بلکہ ایک مرتبہ اکبر شیش محل میں نشست فرما تھا۔ انارکلی بھی موجود تھی۔ شاہزادہ سلیم بھی وہاں آ گیا۔ دونوں کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اور پیار و محبت کی جو باتیں ایک دوسرے سے کرنا چاہتے تھے وہ دل سے زبان پر تو نہ لا سکتے تھے مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں سب مطالب ادا ہو رہے تھے۔ اور کبھی کبھی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا بھی دیتے تھے۔ اکبر کی نگاہ بڑی دور رس تھی۔ وہ یہہ تمام حرکات اسی آئینہ خانہ میں ایک دوسرے کے عکس سے دیکھ رہا تھا۔ اور جو باتیں وہ کئی دنوں سے ان دونوں کے متعلق سن رہا تھا۔ آج اپنی آنکھوں سے اس کی تصدیق کر رہا تھا۔

شاہی کنیز۔ شہنشاہ اکبر کی چاہتی کنیز۔ اور شاہزادہ کے ساتھ دل لگی۔ یہہ جرم ناقابل عفو تھا اور اس کے لئے اب کسی دلیل۔ وکیل۔ اور اپیل کی ضرورت نہ تھی۔

یہہ صحیح ہے کہ اکبر بڑا رحمدل تھا۔ جب جہانگیر نے شہزادگی کے عالم میں ایک مجرم کی کھال اتروائی تو بادشاہ نے کہا۔ ہم سے تو بکرے کی کھال تک بھی نہیں اتر سکتی۔ تم نے اتنا بڑا ظلم کسطرح روا رکھا۔ مگر یہہ بھی درست ہے کہ جب اس کی تیوری پر بل پڑ جاتا تھا۔ تو شاہی سیاست کے آگے کسی کی سفارش نہ چلتی تھی۔ "دربار اکبری" دیکھو اور عہد اکبری کی دوسری تاریخیں ملاحظہ کرو۔ تم کو معلوم ہو گا کہ اکبر ماہم کا ادب اس لحاظ سے کہ وہ شاہی انا تھی۔ اپنی ماں سے کم نہ کرتا تھا۔ لیکن جب اس کے بیٹے ادہم خاں نے شمس الدین اتگہ خان اعظم کو بےگناہ مار ڈالا۔ تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ادہم خاں کو دو منزلہ کوٹھے سے جو چھبیس فٹ بلند تھا۔ سرنگوں گرا دو۔ جب اس کی لاش ماہم کے پاس گئی۔ تو اکبر خود معذرت کے لئے اس کے پاس گیا اور کہا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اسیطرح اکبر کی نظروں میں سلیم اور انارکلی کی محبت ناقابل معافی گناہ تھی۔ دونوں مجرمان عشق یکساں سزا کے سزاوار تھے۔ مگر سلیم شاہزادہ تھا۔ ولی عہد تھا۔ لخت جگر تھا۔ بچ گیا۔ اور انارکلی کو جرم الفت کی وہ سزا ملی جیکی اکبر جیسے شہنشاہ سے بہت کم توقع تھی۔

وہ سزا کیا تھی وہ نہایت خوفناک سزا تھی - "زندہ درگور" کے الفاظ سب لوگوں نے سنے ہیں - مرزا داغ بھی کہتے ہیں - ؎

زندہ درگور زمانے میں نہ ہوں گے ایسے مرثیہ پڑھتے ہیں شاعر ترے بیماروں کا

لیکن کیا کبھی کسی کو زندہ درگور ہوتے دیکھا بھی ہے؟ انارکلی جس کے حسن دلکش نے بیگمات شاہی کا چراغ ماند کر رکھا تھا - جس کی ایک ایک ادا پر سلیم سو سو جان قربان کرنے کو تیار تھا - کیا اس قابل تھی کہ زندہ درگور کر دی جاتی - مگر نوشتۂ تقدیر کون مٹا سکتا ہے - اکبر نے انارکلی کے - زندہ زمین میں چنوائے جانے کا حکم دیا - شاہی حکم کے بموجب انارکلی کو لاہور کے اس مقام پر جہاں مقبرہ انارکلی کی عالیشان عمارت اب تک اشک حسرت بہا رہی ہے - کھڑا کیا گیا - اور اس کے گرد اینٹوں کی دیوار چن دی گئی - جہاں اس حسن کی دیوی نے دم گھٹ گھٹ کر جان دیدی - یہ واقعہ ۱۰۰۸ھ ہجری مطابق ۱۵۹۹ء کا ہے -

سلیم کو خبر ہوئی - دم بخود ہو کر رہ گیا - مگر جب باپ کے انتقال (۱۳؍ اکتوبر ۱۶۰۵ء) کے بعد پہلی مرتبہ لاہور آیا - تو اپنی محبوبہ کے جائے مدفن پر ایک عظیم الشان مقبرہ اور خوش وضع باغ تعمیر کئے جانے کا حکم دیا - جو ۱۰۲۴ھ مطابق ۱۶۱۵ء میں طیار ہو گیا - سلیم کو انارکلی سے کس درجہ محبت تھی وہ اس کے ذیل کے شعر سے جو انارکلی کی قبر کے تعویذ پر جس کے سینے پر باری تعالیٰ کے ننانوے نام لکھے ہوئے ہیں - درج ہے ؎

تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را آہ گر من باز بینم روئے یار خویش را

یہ شعر نہیں ہے - ایک غمزدہ افسردہ بلکہ مردہ دل کی آہ کا دھواں ہے - اُس آنکھ کا قطرۂ اشک ہے جو نگہۂ انتظار اور چشم شوق کے نام سے موسوم ہے - اور آج تھک تھک کے گر پڑی ہے - یہ شعر یہ کتبہ یہ الفاظ شہزادہ سلیم کے عشق حقیقی کا مظہر ہیں -

ننانوے اسماء کے نیچے تعویذ کے شمال کی طرف "مجنون سلیم اکبر" کے الفاظ درج ہیں - جو ظاہر کرتے ہیں کہ اگر نادرہ بیگم جس کا نام شرف النساء بھی بعض کتابوں میں درج ہے - زندہ رہتی - تو اپنی بذلہ گوئیوں لطیفہ سنجیوں اپنی ذہانت و قابلیت اور سب سے زیادہ اپنے حسن دل آویز کی بدولت نور جہاں سے کم مشہور و مقبول نہ ہوتی - اور رفتہ رفتہ ملکۂ ہند ہو کر اس کے جوہر کیا کچھ نہ کھلتے -

قبر کے تعویذ پر جو خالص سنگ مرمر کا ہے ایسی خوبصورت اور نفیس میناکاری کا کام ہے - کہ مسٹر الیٹوک ایک یورپین سیاح اس کے متعلق لکھتا ہے - "یہ دنیا میں سب سے نفیس سنگ تراشی کے کاموں میں سے ہے"

اس خوبصورت عمارت کی چھت پر جس کے نیچے حسن و عشق کی زندہ تصویر دفن ہے - ایک بہت بلند گنبد ہے - جو قدیم مغلیہ عہد کے فن تعمیر کا اعلےٰ نمونہ ہے اس کے نیچے آٹھ بڑی محرابیں ہیں اور جس کا طول مشرق سے مغرب تک ۷۵ فیٹ ۲ انچ ہے گنبد دو منزلہ ہے - روشندان جالی دار - برجیاں - کھڑکیاں - دروازے - محراب بکثرت - تھے - حکومتوں کی تبدیلی کے ساتھ ہی اس عمارت میں بھی حسب ضرورت ردّ و بدل ہوتا رہا -

مقبرہ کے باغ میں بہت سی خوبصورت عمارتیں بھی جہانگیر کے حکم سے تیار ہوئی تھیں - اس زمانہ میں دریائے راوی مقبرہ اور باغ کی دیواروں کے ساتھ بہتا تھا - دارا شکوہ نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیا میں اس باغ اور مقبرہ کا ذکر کیا ہے - وہ حضرت میانمیر کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے شہر کے جنوب کی طرف انارکلی باغ کے اس گنبد میں جو باغ مذکور کی جنوبی دیوار کے کونے میں واقع ہے حضرت کبھی کبھی دن کے وقت جا کر آرام فرمایا کرتے تھے -

عالمگیر کے بعد طوائف الملوکی کے زمانہ میں بھی باغ اور مقبرہ کی عمارات اور اس کے قیمتی پتھروں کو کوئی آفت نہ آئی تھی - مگر جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۲۱ء میں اس مقام کو چھاؤنی بنا کر یہاں سکھوں کی چار پلٹنیں جنرل ونتورا کے ماتحت مقرر کیں - تو باغ بالکل ویران ہو گیا - بلکہ زمین صاف کر کے پریڈ گراؤنڈ بنا دی گئی - انارکلی کی قبر کا تعویذ صرف اسوجہ سے بیکار سمجھ کر ایک طرف پھینکا گیا - کہ اسپر باری تعالےٰ کے ننانوے نام لکھے ہوئے تھے - اور وہ سکھوں کے کسی مصرف کے نہ تھے - البتہ چبوترہ جو قبر کے تعویذ کیطرح خالص سنگ مرمر کا تھا - صحیح و سالم اتروا کر امرتسر میں دربار صاحب کی زینت افزائی کے لئے بھیج دیا گیا -

۱۸۱۶ء مطابق ۱۸۷۳ب - میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے ولیعہد شہزادہ کھڑک سنگھ کو جس کی عمر اسوقت پندرہ سال کی تھی - ولیعہدی کا خلعت دینے کے لئے ایک بہت بڑے جشن کی تیاری کی - تو اس کے لئے مقبرہ انارکلی کا مقام ہی تجویز کیا گیا - جہاں پنجاب کے نامی سرداروں - راجوں اور جاگیرداروں کے خیمے نصب ہو گئے - ہزارہا لوگ اس جشن کی رونق دیکھنے کے لئے قرب و جوار سے آئے - نجومیوں اور پنڈتوں نے اس تقریب کا مہورت ۱۵ ماگھ تجویز کیا - مہاراجہ نے کھڑک سنگھ کو اپنے روبرو اپنے ہاتھ سے مسند شاہی پر بٹھایا - تمام رؤسا - راجگان - اور اہل دربار سے نذریں دلوائیں - اور کئی روز تک اس مقام پر ہنگامہ عیش و عشرت گرم رکھا - ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے جب پنجاب کا الحاق کیا ہے - تو مقبرہ انارکلی کا نام سکھ افواج کے مقیم رہنے کی وجہ سے "چھاؤنی انارکلی"

مشہور تھا - انگریزی حکام نے اس کی مرمت کرائی اور اس مقبرہ کو پروٹسٹنٹ گرجا کے طور پر استعمال کرنے لگے - اور نام اس کا سینٹ جیمس چرچ انارکلی رکھا - انارکلی کی لاش زمین کھود کر باہر نکالی گئی - اور اسے ایک ستون کے نیچے دبا دیا گیا - قبر کا تعویذ جس پر اسمائے الٰہی کے علاوہ انارکلی کا سن وفات اور مقبرہ کا سن تعمیر بھی درج ہے - اب تک ایک کمرے میں بند پڑا ہے ۱۸۵۴ء یا اس کے کچھ عرصہ بعد تک یہ مقبرہ گرجا گھر کے طور پر استعمال ہوتا رہا - بعد ازاں اس کی عمارت میں کچھ اور ترمیم و اصلاح کی گئی - اور یہاں فنانشل کا دفتر قائم کیا گیا وہ دفتر اب تک وہاں موجود ہے -

لاہور میں سب سے پہلے جو بڑا کلاک آیا وہ اسی گرجا گھر یعنی مقبرہ انارکلی میں آویزاں کیا گیا - لاہور کے لوگ جب اسکی آواز سنتے تھے اور یہ دیکھتے تھے کہ وہ آواز خود بخود نکل رہی ہے تو بڑے حیران ہوتے تھے - یہ حالات غدر ۱۸۵۷ء سے پیشتر کے ہیں -

(محمد الدین فوق)

جذباتِ محمود

ہجوم یاس و غم سے اس مصیبت میں مرا دل ہے
کہ اب کشمکش میں سانس تک لینا بھی مشکل ہے

کہوں کیا لیجا رہا ہے کون مجھ کو جانب مقتل
مگر ہاں سامنے نظروں کے اک تصویر قاتل ہے

ترے جلوے نے کی اس بزم میں وہ آئینہ بندی
کہ جسکو دیکھکر حیران سب محفل کی محفل ہے

ارے او جانیوالے سر بکف ہو کر سوئے مقتل
ذرا اور آئے فریں اس دل پہ تیری کیا ترا دل ہے

ذرا اس مرنیوالے کے دلی جذبات تو دیکھو
کہ وقت نزع بھی اس کی زباں پر نام قاتل ہے

تری الفت نے کی عالم میں وہ ہنگامہ آرائی
جدھر دیکھو قیامت خیز اک شور سلاسل ہے

یہ سناٹا یہ تاریکی لحد کی اور یہ تنہائی
ذرا اے لوٹنے والو بتا دو کون منزل ہے

در اور اک تک لایا ہے شوق معرفت اس کا
ذرا اے فلسفہ بتلا کہ آگے کون منزل ہے

نہ چھیڑ اے ساز ہستی کو مری اے چھیڑنیوالے
کہ خاموشی میں میری روح کو اک لطف حاصل ہے

گیا ہے کون اے محمود اس دم زینت محفل
کہ محو رنج اک عالم میں سب محفل کی محفل ہے

(محمود علی عرف آغا علی خاں تعلقدار)

تجدید تجربہ

خان بہادر میر ناظر صاحب ضلع تانور میں آنریری مجسٹریٹ درجہ اول ۔ جج اور سب جج ہیں ۔ آپ کو دفعہ ۵۶۲ ضابطہ فوجداری کی رو سے ملزم کو رہائی کے بعد پانچسال تک زیرنگرانی رکھنے کے اختیارات بھی حاصل ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے اختیارات دریافت کئے جائیں تو بجائے دو کے سات سال بیان کرتے ہیں ۔ خان بہادر کو خبط بحد تیقن ہے کہ پوزیشن قائم رکھنے کے لئے گورنمنٹ ان کو بھی نواب کا خطاب عنایت کرے گی ۔ چنانچہ اسی خیال سے مدت سے سالگرہ شہنشاہ معظم اور نوروز کی صبح کو آپ گورنمنٹ پریس سے گزٹ کا پرچۂ خاص لیکر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کرتے ہیں ۔ اور بعد حسرت و یاس نامراد و مایوس ہونے کے عادی ہیں ؎

میں پھڑ پھڑا کے کنج قفس ہی میں رہ گیا آئے بھی اور چل بھی دیئے دن بہار کے

آپ کے والد میر عابد مرحوم صالح اور فقیر دوست تھے ۔ آپ والد مرحوم کے دوست تھے ۔ بڑھاپے کا زمانہ تھا ۔ خود بخود اٹھنے بیٹھنے سے معذور تھے ۔ اور آواز بھی کچھ ایسی بدلگئی تھی کہ چار پانچ اشخاص کے علاوہ سننے والوں کو اَو اَو اور غاں ۔ غوں کے سوائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا ۔ تاہم رعب تکلم سے آواز شیر نر کی گرج تھی چہرہ سے جلال ٹپکتا تھا ۔ کشادہ پیشانی ۔ اگرچہ جھریوں نے اُتو کر دی تھی ۔ مگر یہ ظاہر تھا کہ ایام جوانی میں وہ رشک آئینہ تھی ۔ آپ کی موٹی موٹی نرگسیں آنکھیں موتیا بند کی رہین تھیں ۔ وجع المفاصل کے سبب آپ کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتے تھے ۔ لیکن اگر کبھی ملازمین کے سہارے کھڑے ہو جاتے تھے ۔ تو صاف نظر آتا تھا ۔ کہ کبھی سرو سہی تھے ۔ آپ کی شہ زوری اور شہسواری کے تذکرے اب تک مشہور ہیں ۔ اکثر بوڑھوں سے سنا ہے کہ ایک دفعہ آپ علاقہ کی طرف سوار جا رہے تھے راستہ میں ایک فقیر بھی پیدل جا رہا تھا ۔ آپ نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے مسافر کو گردن پر ہاتھ ڈال کر اٹھا لیا اور بازو سیدھا رکھکر دس کوس تک گھوڑا دوڑائے لے گئے ۔ غریب مسافر ہوا میں معلق اُڑتا گیا ۔ اگرچہ شہسوار کی طاقت بازو کے سبب گھوڑے کے بدن تک اس کا جسم نہ پہونچا ۔ تاہم خوف سے اس کی روح پرواز کر گئی ۔ میر صاحب مرحوم کو شک تھا کہ اسی بے خانماں کی بد دعا کے سبب انہیں وجع المفاصل کا عارضہ لاحق ہوا ۔ اسی سبب سے وہ اولیاء اللہ قدس سرہم کے مزار ہائے شریف پر پہونچکر توبہ کرتے ۔ جہاں کہیں بھی کسی اہل اللہ کی خبر سنتے پہونچتے ۔ راتیں جاگ جاگ کر گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ۔ مگر عارضہ نہ جانا تھا نہ گیا ۔ البتہ فقیر دوست ہونے کے سبب "عابد میاں" مشہور ہو گئے

میرزا صاحب جسمانی و روحانی ہر دو صورتوں میں والد مرحوم کی ضد ہیں۔ پستہ قد۔ بیڈول اعضا کوتہ گردن۔ چہرہ کی بناوٹ دنیا بھر سے نرالی۔ تنگ پیشانی۔ آنکھیں چھوٹی اندر کو جھکی ہوئیں۔ ناک چپٹی۔ دہن اسقدر کشادہ کہ کشمیری سیب سالم نگل جاویں۔ ہونٹ موٹے رنگ تیلیا۔ توند بڑھی ہوئی۔ غرضکہ بدصورتی کی دیوی نے نہایت فیاضی کے ساتھ اپنے تحائف آپ کو عطا فرمائے تھے۔ آپ نیوی بلیو رنگ کا انگریزی سوٹ زیب تن کرتے ہیں ساتھ ہی کرزن فیشن پسند خاطر ہے۔ ڈیڑھ بالشت لمبی کلاہ اور اڑہائی گز کی دستار زیور سر ہوتی ہے۔ پتلون کے ساتھ دہلی کی سلیم شاہی جوتی آپ کو "ولایتی ٹٹو اور ہندی دُلتیاں" کا مصداق بناتی ہیں۔ آپ کی صورت تو دیکھ چکے۔ سیرت کا یہ حال ہے کہ کمینہ خو۔ مغرور۔ بد دماغ۔ کند ذہن۔ غرض ہر طرح سے کندۂ ناتراش ہیں۔ بسیار خوری کے لحاظ سے اگر عمر معدی کرب ہوتا تو آپ کے قدم لیتا۔ اگر کوئی مصیبت زدہ شریف ناکردہ گناہ بھی کسی پھندے میں آجاتا ہے تو خان بہادر موصوف کے سر پر بھوت سوار ہو جاتا ہے۔

ایک بار مجھے اپنے افسر کا پیغام لیکر آپ کی ملاقات کو جانا پڑا۔ آپ اپنے خلوت خانہ کے برآمدہ میں تشریف فرما تھے۔ چند ٹوٹے پھوٹے مونڈھے دہرے تھے۔ تین چار مراسی حاشیہ نشین تھے۔ مجھے دیکھکر بڑے تپاک سے ملے اور بیٹھلایا۔ پھر حسب عادت اپنی تعریف میں رطب اللسان ہوئے ہز ایکسیلنسی گورنر بہادر کی ملاقات اور دوستانہ تعلقات کا تذکرہ شروع ہوا۔ حضرات مطرب زادگان سبحان اللہ۔ قربان قربان کہے جاتے تھے۔ اور آپ اکڑتے ہوئے مجھ سے داد طلب فرماتے تھے۔ عدیم الفرصتی کا بہانہ کرکے جب میں حرف مطلب بیان کرنے کے لئے آپ کے ذرا قریب ہوا تو آپکا داہنا ہاتھ کچھ اس انداز سے خود بخود بڑھا۔ کہ مجھے عادتاً دست طلب دراز ہونے کا گمان ہوا اور میں مسکرا دیا۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور شاید کچھ خفیف بھی ہوئے۔

ایک وکیل صاحب سے گاڑھا یارانہ ہے۔ جس نے آپ کے ذریعہ اپنی تجارت چمکا رکھی ہے۔ آپ کی کچہری کا وقت ٹھیک اس وقت شروع ہوتا ہے جبکہ رات کا پرندہ تلاش خوراک کے لئے نکلتا ہے بسا اوقات ایسا ہوا کہ چوکیدار جاگو جاگو کی آواز دے رہا ہے اور خانصاحب کے فرعونی دربار میں مقدمات کی پیروی ہو رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسوقت کے تعین کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایسے وکلا صاحبان جنکو خود داری کا پاس ہے آپ کی عدالت میں مقدمہ نہیں لیتے۔ پولیس کے نام سے آپکی روح فنا ہو جاتی ہے۔ چالانی مقدمات کے دن کچہری کا وقت بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ کاغذات تفتیش پولیس میز پر کھلے رہتے ہیں۔ گواہ استغاثہ پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ جانتے کچھ کہیں مسل

میں صرف وہ بیان آتے ہیں۔جو ابتدائی تفتیش کے وقت پولیس کے روبرو لکھے جا چکے ہیں۔ پولیس ہی کی مہربانی سے آپ پہلے خان صاحب اور پھر خان بہادر ہوئے۔

آپ بہت فخر کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ ہم دوہرے خطاب یافتہ ہیں۔ اس لئے ہز ایکسلنسی نواب گورنر جنرل وائسرائے بہادر کو بھی ملاقات کے وقت ان کے بیٹھنے سے پہلے بیٹھنے کا حکم نہیں۔ مگر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک عیسائی کلرک کے کمرے میں جو ٹائپ کا کام کرتا تھا آپ جوتی اتارے گھنٹہ بھر اسی پوزیشن میں کھڑے رہے جسطرح آپ کے روبرو کٹھرہ میں ملزم۔ البتہ یہہ بات ضرور تھی کہ کلرک مذکور انگریزی ٹوپی پہنتا تھا۔

آپ کا ملاقاتی کارڈ قابل دید ہے۔ اسپر یہہ عبارت ہوا کرتی ہے لوگ اسے شیطان کی آنت کہتے ہیں:

"خان صاحب بہادر میر ناظر آنریری مجسٹریٹ درجہ اول سابق مجسٹریٹ جج وسب رجسٹرار و نیز آنریری سول جج حال سب جج درجہ چہارم" لالہ کلیجی رام منور میونسپلٹی کے ایک تحصیلدار ہیں (آف لائن) کے بھائی لالہ کرمادھن صاحب ایک دفعہ ناکردہ گناہ ایک پیچ میں آ گئے مقدمہ خان بہادر صاحب کی عدالت میں تفویض ہوا۔ خانصاحب قریباً ننانوے فیصدی مقدمات میں موقع پر تشریف لیجایا کرتے ہیں۔ بظاہر تو آپ کا فرمان ہے کہ بغیر ملاحظہ موقعہ انصاف ناممکن ہے مگر دراصل اسے ایک پنتھ دو کاج کہنا چاہئے۔ اہل مقدمہ سے سفر خرچ آپ کا اردلی وصول کر کے پہلے ٹکٹ کٹر لیجاتا ہے۔ اور ریلنگ کلرک کے پاس ریفنڈمنٹ ٹھہر کر رقم واپس لا کر خان بہادر صاحب کی پاکٹ میں ڈالدیتا ہے۔ ریل کا سفر بلا ٹکٹ کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک بار ایک معزز گھرانے کے سرکش ٹی ٹی۔ای نے آپ کو پکڑ لیا تھا۔ اور گھوڑے کھڑے کرایہ دھروالیا تھا۔ اس مقدمہ میں بھی حسب عادت صاحب موصوف مع لشکر اطفال موقعہ پر پہونچے۔ چونکہ اتفاقیہ میں بھی اسی علاقہ میں متعین تھا لالہ کلیجہ رام کو میرے والد صاحب مرحوم اور" عابد میاں" مرحوم کے دوستانہ تعلقات کا علم تھا۔ اس لئے بامید سفارش مجھے بھی مجسٹریٹ صاحب بہادر کے استقبال کے لئے ساتھ لے گئے۔ موقعہ کی کارروائی کا تو مجھے علم نہیں کہ باضابطہ تھی یا بے ضابطہ میں نے تو یہی دیکھا کہ ٹانگہ سے اترتے ہی صاحب مجسٹریٹ بہادر کے روبرو دس بارہ سیر انگور۔ کئی درجن بمبئی کے بے موسم آم۔ قندھاری انار ناگپور کے رنگترے۔ گوجرانوالہ کے مالٹے۔ سرخ اور سبز کیلے غرض کہ ڈالی کی شکل میں لائے گئے جنہیں دیکھکر آپ کی باچھیں کھل گئیں۔ ٹھیکیدار مجھے ناحق لے گئے۔ مجھ کو بعد کو معلوم ہوا کہ ڈالی کے علاوہ انہیں پانچسو روپیہ نقد بھی پوجنے پڑے۔

ایک دفعہ میں ریل میں سوار تھا۔ دس روپے کے پھل میرے ساتھ تھے۔ بدقسمتی سے خانبہادر میرے کمرے میں آ گئے۔ میرا خون خشک ہو گیا۔ کبھی میں ان کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی پھل کے ٹوکرے کیطرف۔ میں نے چاہا کہ کمرہ بدل لوں لیکن اب وقت نہ تھا۔ ابھی ایک ہی سٹیشن گزرا تھا کہ خانصاحب کی نظر ٹوکرے پر جا پڑی۔ فرمانے لگے۔ پیاس لگ رہی ہے سنگترہ ہوتا تو اچھا تھا۔ میں نے جل بھن کر دو تین رنگترے پیش کر کے اور ٹوکرے پر رومال ڈالدیا تاکہ نظر بد سے محفوظ رہے۔ ایک بچہ بھی اس وقت ہمراہ تھا۔ آپ نے وہ تو اسے دیدئے اور خود ہاتھ بڑھا کر ٹوکرا اپنی طرف سرکا لیا۔ اور سٹیشن تک پہونچتے پہونچتے قریب قریب اس کا صفایا کر دیا۔

اسدن سے میں نے عہد کر لیا ہے کہ آیندہ کبھی کسی آنریری عہدہ دار کے ہمراہ سفر نہ کروں گا۔

اس واقعہ سے چند یوم بعد خانصاحب کا دعوتی رقعہ موصول ہوا کہ آپ کے صاحبزادہ کی شادی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ مطلب سعدی دیگر است مجھے تقبول کے لئے بلایا جا رہا ہے۔ مگر میں اسقدر بیوقوف نہ تھا۔ کہ آنجناب کے پھانسے میں آ جاتا۔ مجھے عربی قول من جرب المجرب حل بہ الندامہ اچھی طرح یاد ہے۔

(محمد حیات قصوری ضلعدار)

محبت اور آزادی

(مترجمہ اختر سنگر یانوی عظیم آبادی)

لذتِ بوس و کنار اس وقت ہو دلچسپ کیا — طالب و مطلوب کی جب چاہ کی ہو ابتدا
جب کریں دونوں یہ خواہش یادِ اِن اندر دلیں — ایسا رشتہ ہو بہم قایم کہ پھر ٹوٹے نہیں
یاد رکھنا وقتِ اظہارِ تمنائے وصال — باعثِ رحمت ہے عقد اور موجبِ حزن و ملال
غیر کا خندہ گرا سکتا ہے دل پر بجلیاں — وجہ گریہ ہونگی ثابت حسن کی نیرنگیاں
طبع کا رجحان ٹھہرا عشق کا دارومدار — اس کے کب پابندِ قانوں ہیں روانی و قرار
التفات و بیوفائی اس کے حق میں ہر ہیں — کچھ ممد یا مُداری طولِ ہجر و قہر ہیں
گل سے بو، سبزہ سے رقصِ لاعبانہ دور کر — چشمۂ دریائے رواں کو خواب سے مخمور کر
ان کی بو و جنبش و حرکت کو پہلے باندھ دے — پھر تو پیمانِ وفائے عشق باقی باندھ لے
عشق اک آتش ہے ایسی جس کو ہر دم چاہئے — تازہ تازہ ہیزمِ حسن اپنی ہستی کے لئے
جبکہ آزادی یہ ہے حصر آسماں پیمائی کا — مضمحل ہوگا قفس میں بازوئے طیرِ ولا

کس طرح پورا نگس کا ہو گل واحد سے شوق؟ کسطرح رنگت بدلنا چھوڑ دے قمری کا طوق؟
عشق کی اور انکی فطرت میں ہے آخر فرق کیا؟ عشق پابند سلاسل جب ہوا رخصت ہوا؟

(ٹی کیمبل)

حقوق نسواں

(راقم الحروف اس مضمون کے تخیل کیلئے مسٹر اے وارڈ کا ممنون ہے اسکو کسیطرح سے اس کے خیالات کا آئینہ نہ سمجھائے)

امریکہ میں ایک تھیٹر کا منیجر ٹکٹ فروخت کرنے میں مشغول تھا۔ کہ عورتوں کا ایک گروہ آیا اور کہنے لگا وہ سب انجمن اصلاح نسواں کی ممبر ہیں اور بغیر ٹکٹ کے اندر جانے کی اجازت مانگی۔

منیجر:۔ "یہ تو کبھی ہو نہیں سکتا۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ آپ لوگ ٹکٹ خریدیں اور تماشہ دیکھیں" ایک عورت جسکی نگاہیں بڑی غضبناک تھیں اور جو بغل میں پیوند دار چھاتہ دابے ہوئے تھی جھک کر بولی۔

عورت:۔ "جناب کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہم لوگ کون ہیں"؟

منیجر:۔ "ہر ایک شخص آپ لوگوں کو سرسری نگاہ سے دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ آپ لوگ عورتیں ہیں"

وہی عورت:۔ ٹھیک ہے۔ ہم لوگ اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جسکا یقین ہے کہ عورتوں کے بھی کچھ حقوق ہیں جسکی بجا طور پر یہ خواہش ہے کہ وہ ان کو ایک بلند معیار تک اٹھائے۔ جسکا اعتقاد ہے کہ عورتیں اور مرد دماغی قوت میں بالکل برابر ہیں اور جو یہ خوب جانتی ہے کہ عورتیں مردوں کے بیجا ظلم و تشدد کا شکار بنی ہوئی ہیں۔ اور جو خوب سمجھتی ہے کہ مرد عورتوں کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور جس نے عزم کر لیا ہے کہ وہ آئندہ ان کے حقوق کی حفاظت کرے گی تاکہ مغرور اور بے انصاف مردان پر کوئی زبردستی کرنے سے باز آئیں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اس ظالم عورت نے منیجر بیچارے کو دبوچ لیا اور چھاتے سے مزاج پرسی کرنی شروع کر دی۔

منیجر:۔ "بیگم صاحبہ میرا خیال ہے کہ آپ کے ارادے قابل احترام ہیں"۔ مگر میں تو اس ویرانہ میں بالکل اکیلا رہتا ہوں مجھ سے عورتوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک بیوی ہے جو کہ نہایت آزادی کے ساتھ ہر وقت الا یا کرتی ہے۔

عورت:۔ "اور جو کہ غلامی کرتی ہے کیا وہ کبھی آزادی کے خواب نہیں دیکھتی؟ کیا وہ کبھی اس ظلم و تشدد کے جوئے کو اتار پھینکنے کی کوشش نہیں کرتی۔ کیا وہ کونسل میں جانا نہیں چاہتی؟ کیا اس کو دنیا میں رہنے کی خواہش نہیں ہے؟ کیا وہ اپنی عزت و غیرت کو کھو بیٹھی ہے؟ کیا اسکو ان باتوں کا خیال بالکل نہیں رہتا؟

منیجر - "جی نہیں وہ تو ایک پیدائشی بیوقوف ہے اس لئے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بفضلہ آجتک کبھی ایسے زہر آلود خیالات دل میں نہیں لائی" **دوسری عورت** "خیر آپکے تماشہ کی شرح ٹکٹ کیا ہے؟"

منیجر - "ایک روپیہ فی کس" **عورت** - "لیکن کیا میری انجمن مفت نہیں دیکھ سکتی؟"

منیجر - "جی نہیں ہرگز نہیں" **عورت** - "اف ظالم انسان سفاک مرد - اُف - اور رونے لگی"

تیسری عورت "کیا میری لڑکی بھی اندر نہیں جا سکتی برائے خدا اسکے حال پر رحم کرو - اسکا ننھا سا دل ٹوٹ جائیگا"

منیجر - "پھر میں کیا کروں - میں اسکا ذمہ دار نہیں ہو سکتا" یہ سنکر وہ سب پلٹیں منیجر نے موقع غنیمت جانا اور ایک چھوٹا سا لکچر مناسب وقت دیدیا -

"عزیز خواتین قبل اس کے کہ آپ یہاں سے بادل نخواستہ بے نیل و مرام واپس جائیں مجھے آپ سے چند باتیں عرض کرنا ہیں - مجھے امید ہے کہ آپ کان لگا کر سنیں گی - آپکی انجمن خواتین اس ملک کے بہترین شعبوں میں سے ہے اور ملک کو اسپر بجا طور سے فخر و ناز ہے - یہ بالکل سچ ہے کہ عورتوں کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا - اگر وہ دنیا میں نہوتیں تو میں یہاں پر اپنا لاثانی تماشہ نہیں دکھا سکتا تھا! اگر وہ نہوتیں تو کوئی کس طرح میرے اوپر خونخوار آنکھیں نکالتا! وہ بیماری تندرستی غرض ہر حالت میں ہماری شریک ہے - اور معاون و مددگار رہے وہ بھلائیوں کی مخزن ہے! عورت! عورت!!"

اس موقعہ پر میرے دل میں شاعرانہ درد شروع ہو گیا اور تخیل بڑھنے لگا -

"تم لوگ فرشتہ ہو جبتک تم اپنے جامہ میں رہتی ہو مگر جب تم اسکو پھاڑ کر پھینک دیتی ہو - جب تم چولہا برتن چھوڑ دیتی ہو اور اپنے محدود دماغ میں آزادی کے زہر آلود خیالات لیکر ادھر اُدھر ڈکارتی پھرتی ہو کہ کس کو پاؤں کس کو نگلوں - الغرض جب تم عورت سے مرد بنجاتی ہو اور اس کے تمام "صفات حسنہ" اختیار کر لیتی ہو - تو تم پوری چڑیل بنجاتی ہو - معزز خواتین تم کو چاہئے عورتیں بننے کی کوشش کرو - ! خدا حافظ!"

(محمد ادریس از الہ آباد)

تموج تخیل

شب کہ میری متوحش آنکھیں عالم تصور میں یاس آشنا ہو کر مژگان سرشک آلود سے چمن طرازی دامن میں مصروف تھیں - دل رہین درد - اور درد میں چاشنی حلاوت خیز تھی - اور میں مجسمہ اضطراب بنا سرشار بیخودی تھا - ہوا کی سائیں سائیں یا کہیں پتوں کی کھڑکھڑاہٹ رات کے نغمہ خموشی پر

رکاوٹ پیدا کر کے ساز محویت کے لے کو بدل کر مجھے گھڑی بھر کے لئے شکست آرزو کے احساس سے آشنا کر جاتی - عین اسوقت نظر اٹھی تو دیکھا کہ اس عالم تنہائی میں ایک مونس اور رات بھر کا ساتھ دینے والی شمع ہے - آہ چشم ظاہر بیں کو کیا خبر کہ ہم دونوں نوا پرداز غم اور تفسیر الم ہیں وہ شعلہ ساماں اور میں شعلہ داماں - ہاں فرق ہے تو یہ کہ اس کے لاکھوں پروانے اور ادہر چراغان شب ماہتاب کی سی صورت ہے -

خوشا نیرنگ خیال کہ کلبۂ احزان میں ضیائے مہتاب پیدا کر کے ایک عارضی سکون اضطراب میں نظر فریبی کا منظر لا رکھتا ہے - ورنہ وہ دل جو ازل سے ہی ودیعت پذیر درد ہو نہ تڑپے اور وہ آنکھ جو حسرت پرست دید ہو - طلاطم اشک سے تہیۂ طوفان نہ کرے - ممکن نہیں - آرزو سے مطلب مطلب برآری نہیں بلکہ نیرنگ تمنا کی ناکامیوں میں الجھکر ہستی فناخیز کی تلخ کامیوں کا متحمل ہونا ہے اسمیں بھی ایک لطف ہے وہ لطف کہ سوائے میرے دل کے مجھے بھی حاصل نہیں - حسرت دیا سر انجام آرزوئے ناکام اور غم دوام ذریعۂ شغل ہے - شام غربت پردہ دار راز ہائے اسرار دل اور کنج عزلت سراسر ملجائے عافیت ہے - ہاں

مدعا محو تماشائے شکست دل ہے آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے

(اندو ہگیں رنگین)

وصال روحانی

ایک عروس نو اپنے خاوند کو جو حال ہی میں مر چکا ہے خواب میں دیکھتی ہے اور اس کی ابدی مفارقت کو عارضی جدائی پر محمول کر کے اس سے یوں مخاطب ہوتی ہے -

"میں تم سے ناراض ہوں اس لئے کہ تم محرم الفت ہو - میں تم سے نہ بولوں گی - جاؤ - کیونکہ تم عہد شکن ہو - بیوفا ہو - تم کو یاد ہے وہ شب ماہتاب جبکہ ہم اور تم دونوں لب جو بیٹھے ہوئے فلسفہ محبت پر تبادلۂ خیالات کر رہے تھے - جب چاند کی سیمیں شعاعیں آب رواں میں منعکس ہو رہی تھیں - اور پانی کو سرچشمۂ نور بنا رہی تھیں -

تم کو یاد ہے وہ سماں جب ٹھنڈی ہوا کے جھونکے غنچوں کو خواب شیریں سے بیدار کر رہے تھے جو آنکھ کھول کر ہمیں دیکھتے اور مارے خوشی کے جامہ میں نہ سماتے -

تم کو یاد ہے وہ ترنم جو آب کی روانی سے پیدا ہو کر ہوا کی لہروں میں ملکر فضائے بسیط کی خاموشی

ہمکنار ہو جاتا تھا - اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ سب باتیں محبت کے زیر تحت تھیں لیکن تم مجھ سے اسطرح جدا ہوئے جیسے خوشبو پھول سے - رنگ چہرہ سے - روح جسم سے -

وہ عہد استوار جس کی بنیاد باہمی محبت پر قائم تھی - تم نے اپنی بے اعتنائیوں سے اُسے متزلزل کر دیا اور تم کو اس کا قطعی پاس و لحاظ نہ رہا - تم مجھ سے آنکھ چھپا کر اس طرح غائب ہو گئے - جیسے نیند آنکھوں سے تمنا دل سے - ظلمت روشنی سے -

اچھا جب تم مجھ سے جدا ہو گئے اور تمہاری نگاہوں نے مجھے دیکھنے کی قسم کھالی تو پھر دوبارہ مجھے ستانے کس لئے چلے آئے - کیا مجھے ستانے آئے ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ایک مرتبہ اور تمہارے قریب محبت میں پڑکر تمہاری حوصلہ افزا امیدوں پر اپنی حیات کے لمحات گزاروں -

میں دونوں ہاتھوں سے اپنی صورت چھپا لوں گی - لیکن نہیں انگلیوں کے جھروکوں میں سے حسن کی جھلک جلوہ ریز ہو گی - میں دوپٹہ کے آنچل سے اپنے چہرہ کو ڈھک لوں گی لیکن نہیں میرے شباب کا پرتو نازک تاروں میں سے چھنکر تمہاری دزدیدہ و جرعہ کش نگاہوں کو سیراب کر دے گا - نہیں نہیں میں منہ پھیر لوں گی - لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم میرے سامنے آجاؤ گے اور مسکراتے ہوئے مجھے دیکھنے لگو گے -

آہ! کوئی صورت ایسی نہیں جو میں تم سے جدا ہو سکوں - اگر یہ ہے تو پھر اس کشیدگی کے پردے کو برطرف کر کے تم سے ہم آغوش کیوں نہ ہو جاؤں

دونوں ہاتھ کشادہ ہوتے ہیں کہ آنکھ کھل جاتی ہے - اور وہ اپنے رخساروں پر قطرہائے اشک کی روانی کو محسوس کرتی ہے -

(صدیق حسن اسرائیلی)

خیالاتِ پریشان دیکھ کر!

تصورات کی کالی اور بھیانک رات نے جو نامراد دل کی طرح سنسان اور ویران تھی یہ اُوستانی ایک سطح سفید پر مجھے چند سیاہ کشتیں دکھائیں - جن کا ایک سرسری مطالعہ بھی سیر ظلمات سے کم نہ تھا - "خیالاتِ پریشان" کی کالی راتوں میں - "اے سہیلی" اے خدا، اور "اے اللہ" کی بے صبر آوازیں میں کیا کہوں دل دیر تک تڑپا کیا - اور پھر تڑپا - ذرا ٹھہرا - اور اُف! ان آوازوں کی صدائے بازگشت سنکر پھر تڑپنے لگا -

میں بھی اسی احساسِ تنہائی کا شکار ہوں - میری راتیں بھی طویل ہیں - اور بہت زیادہ طویل ہیں چاند تاروں کے جھرمٹ میں اپنا نورانی چہرہ لئے ہوئے نکلتا ہے - تو میں سوچتا ہوں کہ یہ میرے پاس کیوں نہیں آجاتا - تارے اپنی نورانی کرنوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے طلوع ہوتے ہیں تو میں کہتا ہوں یہ میرے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے!

مجھے کائنات کا ہر منظر حسین مشترک نظر آتا ہے - جہاں "ایک" کے پاس "ایک" اور رہے قدرت کے وسیع ارادوں نے اور فطرت کی بسیط ہمدردیوں نے، بھونرے کے لئے کلی - بلبل کے لئے پھول پروانے کے لئے شمع - چکور کے لئے چاند - اسی طرح ہر تڑپنے والے دل کے لئے ایک اور چیز پیدا کر دی ہے - پھر اے اللہ! میں تیری خدائی میں تنہا کیوں ہوں؟

بھولی بچی! تو نے سچ کہا - مجبوریوں کا طوفان عظیم اس عمر کی تنہا راتوں کا محشر ہے جسے میرے تیرے ہاتھ روک نہیں سکتے - ہاں! تنہائی کا تیر راتوں کو بہت چلتا ہے - گو دن کو اس کی خلش اتنی نہیں رہتی - کامل غور و فکر کے بعد مینے ایک تدبیر سوچی ہے - پریشان خاتون! کیا تجھے بھی بتا دوں؟

اچھا تو ان اس سے پہلے کہ چراغ شام میں تیل بھرا جائے - دل کو جذبات تنہائی سے خالی کر ڈال مطالعہ کی میز کو سامان تہذیب سے آراستہ کر - آنکھوں کو مل - اور غبار نگاہ کو سرمہ بصیرت بن جانے دے اٹھ اور ایک مطمئن نشست اختیار کر، بیٹھ اور تہذیب خیال میں مصروف ہو جا - کثرت مطالعہ کی واماندگی ضرور نوید خواب لائے گی - جب لائے تو لے اور سو جا - راتوں کا لمبان چشم خواب کے گوشۂ مختصر میں فنا کر دے - اور اس سے پہلے کہ سو کر تیرے جذبات منجمد کا شیرازۂ شباب بکھیرنے پر آمادہ ہو - پھر اٹھ بیٹھ - روز ایسا کر - ایسا کرنے کی عادت ڈال - اور پریشانی سے آزاد ہو جا

تنہا لڑکی! مطالعہ کی میز اُن تمام شیرازہ بندیوں سے پاک رکھ جن کے اندر جذبات کی جدائی کر دی جاتی ہے - ایسے شیرازے بند رہیں تو اچھا ہے - اس لئے کہ انہیں کے کھلنے سے "خیالات پریشان" کا راستہ کھلتا ہے -

"نور محل کی شاہجہاں"! اور رات بلند بیانی کی ملکہ! ... تنہائی کی راتوں ... پریشان ... کہ دنیا میں اور بھی بدنصیب ہستیاں اسی مصیبت میں گرفتار ہیں ... اور

ساغر نظامی چشتی سیمابی علیگڈہ ...

خوابِ حقیقت

عالمِ خیال کی تہذیبوں میں باستمدادِ نفسِ حیوانی محولذاتِ فانیہ - مصورِ واہمہ مائلِ صورت گری قوتِ متفکرہ بجائے مواد ثلاثہ مصروف پیکر تراشی تعینات اعتباری کے وجود میں (جو معدوم مخفیہ ہیں) لذت کش سلسلۂ اسباب علل میں مسلسل علت العلل و سببِ حقیقی سے جو منیر و مفیض اصلی ہے دور مادیات کی پرزور کشش میں جو بقائے عالم و سلسلۂ دنیا کے کائنات کا راستہ سربستہ ہے مشغول - صورت میں نگاہیں جلوۂ شاہدِ معنی سے بے بہرہ - ہستی موہوم کی نیرنگیاں - موجودات متنوعہ کی بے نمود نمودیاں - مذاہب و رواسم کی پابندیاں - اعتقادات موضوعہ کی نہایت مستحکم بیڑیاں زندگانی تلخ کی رخوشیاں - عالمِ کثرت میں [illegible] ہیں - جلوۂ شاہدِ حقیقت کے دل کش مناظر سے نگاہِ شوق دیدارِ حبیب [illegible] ہو سکتی ہے کہ [illegible] منبعِ نور مانند آئینہ [illegible] زنگِ داغِ حرص و خباثت کے اخلاق و افعال ذمیمہ سے بالکل صاف [illegible] پاک و پاکیزہ رکھا جائے - اور خاکروبِ تذکر و تفکر و تدبر سے خانۂ قلب مصفا کیا جائے - معمول بہ حکمائے اشراقین و مسلک حضرات صوفیہ صافیہ ہے - مبدا رفیاض سے عالمِ جسم انسانی میں دو قوتیں تفویض ہوئی ہیں اور دونوں کے وجود میں نسبت تباین اور صنعت تضاد تخالف سے کام لیا گیا ہے -

ایک کو تیرگی و ظلمت سے تشبیہ دیا کرتے ہیں اور دوسرے کو نور و اشعیت سے تعبیر کرتے ہیں یہ قفسِ عنصری جس کا نام کالبدِ خاکی ہے اور جس کی تیلیاں عظام اور بندشیں اعصاب رباطات و اوردہ سے ہوئی - جس میں ایک طوطی شیریں بیاں و ہم آہنگ کسی زرنگ صیاد کی قید میں محبوس میعادی ہے اس قفسِ ناپائدار کی بودی تیلیوں کو ایک نہ ایک دن قضا و قدر کی طاقتور دیمک عصائے سلیمان کے مانند چاٹ جائے گی - اور وہ صیدِ عدیم المثال و شکر خائے - **لاموجود الا اللہ** یعنی طوطی روح لایزال بشرطہا و شروطہا منقیم ذروۂ کوشک لایزالی پر دوبازو جھاڑتی ترنم ریز وحدتِ وجود دکھائی دیگی و در غیر مشروطہا جو سبب عدم فنا کل ہے برجعت قہقری و جبری بحکم حاکم بیچون کن ملبس بلباس فکان عالم کون و فساد کی جلوہ آرائی میں طمانیت بخش ہوگی - اور باعث جلوہ افروزی مظاہر قدرت و عرب جسیم اولی الابصار بنیگی - یہ ایک سلسلہ مربوط و مسلسل ہے جو ملقب بہ تسلسل ہوگا - **الا ان یشاء ربی**

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام   ہفتصد و ہفتاد قالب دیدہ ام

ہاں نور و ظلمت میں جیسا تباین و تضاد و تخالف ہے بعینہ یہی حال جسم کالبد خاکی کا ہے اگر پردہ

تعین پڑتا رہے گا - تو نورانیت کا فور ہو گی اور یونہی بالعکس یعنی جسد خاکی کی پرورش و پرداخت مدنظر ہو گی - تو روح کا طاقتور اسفندیار یونانیوں مائل بزبول و زبون ہو گا - بجائے صعود کے میلان طبعی ہبوط ہو گا - اور اگر روح کا فرشتہ غذائے تسبیح و تحلیل و تقدیس اذکار و افکار پاتا رہیگا - تو عالم لاہوت کی جو عالم جاوید سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وجہ بقا - تنفس و ذات اصلی اور بلسان عرفا مسمی بحیات جاودانی ہے خبر لائے گا - ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء

ہمی میرود عیسیٰ از لاغری تو در بند انی کہ خر پروری

کتب اخلاق و حکمت کی ورق گردانی ہی نہیں بلکہ فرہاد بن کر کوہ الفاظ سے جوئے شیریں معانی کیلئے تیشہ فہم و ادراک سے کام لے - قیس ہو کر لیلائے تصوف و عرفان کے لئے جو برزخ حجاب انداز ہے بیابان پر از گلہائے رنگا رنگ کی سیر و سیاحت کرے منصور کی طرح سرفروش ہو جائے - تو ذائقہ انا الحق سے لذت یاب ہو - شمس کے مانند عبدی اذا اتنی تکن مثلی فیقول لاشئی کن فیکون کا فنا فی الذات ہو جائے - تو عیسیٰ نفسی کی ہمطرحی کرے - والا فلہ گو بحر ذخار و دریائے ناپید اکنار ہے لیکن کسی کی سعی عمل و امل رائگاں نہیں جاتی - کچھ نہ کچھ درگاہ واہب العطایا سے عطا و فیضان ہو کر ہی رہتا ہے

ست بچن آر دینتا پر تریہ مات سمان اتنو پرہر نہیں تولسی جھوٹ جان
(سچائی اور خاکساری پرائی عورت ماں کے برابر — خدا — زبان)

ہاں یہ ضرور ہے ع توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے -

یا یوں کہئے کہ اس محبت کے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء کے قدرتی دوزنی جامہ سے جس کی قطع و برید خیاط فطرت کے زبردست ہاتھوں سے ہوئی ہے - تن آرائی و جسم زیبائی ہو رہے سلسلہ روحانیت مدعی حقیقت روح ہے - غواص عقل ہیولانی و حیرانی میں اور غوطہ زن نہیں - قوت باصرہ معنی ناشناس میں جوہر معیار نہیں - نہ اس دور اندیش ... ... پرواز نہ مجمل بیان میں وسعت لشست لیلائے حقیقت - یہ ایک عقدہ لاینحل ہے جس کو نہ ازل کا ناخن حکمت کھول سکا اور نہ ابد کا کھول سکے گا - الروح من ... ... نامہ در ہم پیچیدہ ہے - نامہ ہے - تو معنون لعنوان - کل موثر فی الوجود الا اللہ ... لا الہ الا اللہ

یک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

شکریہ اشکر - آنکھ کھل گئی - ابھی نہ جانے کیا کیا خواب پریشاں دیکھنا ہے

(سید محمد جعفری)

غرور

اسکی عمر سولہ برس کے قریب تھی۔ اس کا حسن ایک عالم سے خراج محبت وصول کرتا تھا۔ اس کی دلربائیاں شہرۂ آفاق تھیں۔ اور وہ اپنے گاؤں میں نازحسن کہلاتی تھی۔ سچ پوچھو تو گاؤں کیا۔ دنیا کے پردے میں ایسا حسن کسی کے حصہ میں کم آیا تھا۔ لیکن وہ تنہائی پسند تھی۔ وہ کسی سے ملنا پسند نہ کرتی تھی۔ وہ ایک ہندوستانی یونیورسٹی کی پڑھی لکھی عورت تھی۔ اس نام نہاد علم کی وجہ سے اس کے خیالات اس کی طرز رہائش اوروں سے بالکل مختلف تھی۔

وہ ایک برہمن کی بیوہ تھی۔ اس نے اپنے خاوند کو دیکھا بھی نہ تھا۔ نہ اس کا مرنا اسے یاد تھا۔ وہ اسوقت کمسن تھی۔ وہ اب اپنی ایک بیوہ خالہ کے پاس رہتی تھی۔ اور یہ خالہ اس کی کفیل تھی۔ دن کو وہ اکثر گاؤں سے باہر کنوئیں کے قریب ایک بڑے پیپل کے درخت کے تلے بیٹھی ہوئی کتاب پڑھا کرتی تھی اور اسطرح اپنی زندگی کے بے معنی اور بے ہنگامہ مگر خاموش اور بے لوث لمحے گذارتی تھی

ایکدن حسب معمول وہ بیٹھی ہوئی کتاب دیکھ رہی تھی کہ ایک خوبصورت نوجوان جس کے چہرے سے شرافت اور نجابت کے آثار نمودار تھے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ادہر سے گذرا اسے دیکھ کر ٹھہر گیا۔ کچھ عرصہ کے لئے تصویر حیرت بن گیا۔ اور پھر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اسدن کے بعد وہ یوسف جمال نوجوان ہر روز وہاں سے گذرنے لگا۔ ہر روز ان کی آنکھیں چار ہوتی تھیں ہر روز وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ گو گفتگو کی نوبت نہ آتی تھی۔ مگر یہ نگاہیں ہزار زبان سے ترجمان دل تھیں۔ آخر محبت کے جوش نے گریبان حجاب چاک کردیا۔ خاموشی کا پیرہن چھن گیا اور آخر کار ان کے کان محبت کے شیریں اور رسیلے راگوں سے آشنا ہوگئے۔ نوجوان نے کہا کہ اے شمع رخ میں تیری شمع محبت کا پروانہ ہوں۔ اے لیلیٰ ادا میں تیرا دیوانہ ہوں اب میری زندگی تجھ سے ہے۔ لیکن مجھے ابتک یہ معلوم نہوا کہ تم کس خوش نصیب باپ کی نور دیدہ ہو۔ لڑکی نے لجا کر شرما کر کہا کہ میرا نام رادھا ہے تم بھی اپنا نام بتاؤ۔ نوجوان نے کہا۔ تمہارے غلام کو مجید کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ نازنین شعلہ جوالہ بن گئی۔ اس کی آنکھوں سے شرارے گرنے لگے۔ رنگ بیر بہوٹی کیطرح سرخ ہوگیا اور چلا کر بولی کیا تو مسلمان ہے آہ میں نے کیا کیا کہ ایک ناپاک ملیچھ سے برہمن کی بیٹی ہوکر بات کی کیا تو نہیں جانتا کہ میں دیوتاؤں کی اولاد ہوں۔ میں

پوتر ہوں اور تو........... یہہ کہکر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بجلی کی طرح چمکتی ہوئی وہاں سے چلدی - یہہ گفتگو سنکر مجید کو سکتہ ہوگیا اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا - اس کے دل میں ایک درد اٹھا اور وہ بیتاب ہوکر وہیں بیٹھ گیا -

(۲)

دس سال گذر گئے - اس عرصہ میں کچھ کا کچھ ہوگیا - بھولی بھالی مگر مغرور رادھا کو اس کے ایک ہم مذہب نے دھوکا دیا - محبت کے لباس میں عداوت کی - آہ گلشن عصمت لٹ گیا آہ حصار عفت مسمار ہوگیا - اب وہ رقاصہ ہے اور وہاں رہتی ہے جہاں حسن بکتا ہے وہ اسوقت ایک پرتکلف کمرے میں جو ساز و سامان سے دلہن کی طرح آراستہ ہے بیٹھی ہوئی ہے - اور اس کی ماما اطلاع دینے آئی ہے کہ بیوی لوگ دوکانیں سجا رہے ہیں - بازار میں چھڑکاؤ ہو رہا ہے - شہر کے باشندے پھولوں کے ہار لئے کھڑے ہیں - ابھی ابھی ادھر سے سر عبد المجید کا جلوس گذرے گا عبد المجید کا نام سنکر رادھا کو گذشتہ زمانہ یاد آگیا - اور اس نے اپنے دل سے کہا کہ اگر مجید اب بھی وہی مجید ہے اگر اب بھی وہ بانکا اور چھبیلا اور خوبصورت ہے - تو ضرور اسے اپنا آپ دکھا دنگی تاکہ وہ پھر میرا دیوانہ ہوکر اپنی بیوی کو چھوڑ دے اس ارادے سے وہ اٹھی اور اٹھ کے آئینہ کے روبرو جا کھڑی ہوئی - وہ اب بھی ماہ پیکر تھی گو اقلیم پاک دامانی تاراج ہو چکی تھی مگر حسن ظاہری گردش زمانہ اور گناہ کی دست درازیوں پر خندہ زن تھا - اس نے ایک پرتکلف پوشاک زیب تن کی اور دریچہ میں بیٹھ گئی -

گاڑیاں آئیں اور گذر گئیں - فٹنیں آئیں اور روانہ ہوگئیں - ٹانگے آئے اور نکل گئے آخرکار ایک موٹر آئی - جس میں ایک جوان خورشید جہاں تاب کی طرح متمکن تھا - اور اس کے پہلو میں اس کی گل اندام حور شمائل بیوی جو دھویں رات کے چاند کیطرح جلوہ افروز تھی - رادھا نے مجید اور اس کی زہرہ ادا بیوی کو دیکھا اور اس کی آنکھیں چندھیا گئیں رقابت اور حسد کے شعلے اٹھے - اور رخت تحمل کو جلا دیا - ہیرے کی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی جو اس کی انگلی کے لئے باعث زینت تھی - اس نے جوش ناکامی میں ہیرا چاٹ لیا اور وہاں چلی گئی - جہاں غم فراق اور آتش حسد کا گذر ناممکن ہے -

(سعید الزماں (علیگ)

شاعر

شاعر زریں ولایت میں پیدا ہوا۔ وہاں کا آسمان طلائی ستاروں سے منقش تھا۔ اس کے خمیر میں حقارت کی مٹی تھی لیکن محبت کا پانی تھا۔ اس کی تیز نگاہی نے حیات و ممات کے راز کو پڑھا نیکی اور بدی کو جانا۔ اسے اپنی روح کا علم تھا۔ ابدی مرضی کے عجائبات اس کے لئے ایک کھلی کتاب تھی

صدا خیز قدموں کے ساتھ وہ شہرت کی پوشیدہ راہوں سے گزرا۔ اس کے تخیل کے غیر مرئی تیر نگینوں سے جڑاو تھے ان کے سروں پر آتشیں پر لگے تھے۔ اس کی مہتابی زبان سے پرندوں کی طرح کی بجلی کی تیزی کے ساتھ سرادیب سے کوہ قاف میں نغمہ ریز ہوئے۔ تمام فضا نور سے منور تھی۔ آوارہ نغمہ جو ہوا پر اڑ رہی تھیں۔ زمین پر برق ریز ہوئیں۔ ثمر آور دانائی کا بیج دل کو چیر کر تخم پاش ہوا۔ اسی رنگ و بو کا ایک پودا پھوٹا ایک پھول نکلا یہ تمام تر زریں تھا۔ پھر نہایت شجاعت کے ساتھ دانائی کے ذراتے بھرے لئے تیر پھینکے۔ جوانی اور امید کی تازہ بہاران شہوار غنچوں سے مالا مال ہوگئی۔

گو آتش کا مبدا ایک تھا۔ لیکن اسقدر دل آتشیں حلقوں سے پرجمال تھے۔ گویا عظمت خواہشات کے خواب میں آسمان روح کی آنکھ میں اتر آیا ہے۔

اس طرح صداقت پر صداقت جمع ہوتی گئی۔ اور یہ تمام کائنات ایک چمنستان کی طرح دمک اٹھی۔ اڑتی ظلمات کے بادھوئیں کی طرح چھٹ گئے اور خورشید کی نادر وجود کرنیں پھوٹ نکلیں پر شوکت افق تابی میں حریت بلند ہوئی۔ اس کی پیشانی خوشنما اور تاباں تھی اور اس کی جلالت نشان آنکھوں کے سامنے رسم و رواج کی اشکال برف کے گالوں کی طرح پگھل گئیں۔ اس کے شعلہ نما لباس پر جو مشرقی آسمانوں کے نیچے سکھایا گیا تھا۔ کوئی خونی دھبہ نہ تھا۔ بلکہ اس کے درج چشم کے حلقوں کے گرد اور اس کے لباس فاخرہ کے زرندوز کناروں میں دانائی شعلہ ریز تھی۔ ایک مقدس نام جس سے قوت کے ناپاک خواب لرزہ براندام تھے۔ ایک متبرک اور مقدس نام۔

جس وقت وہ گفتار سرا ہوئی اور الفاظ نطق سے چھٹ چھٹ کر روانہ ہوئے ان میں گرج بڑھتی گئی۔ اور جس طرح کڑک کے ساتھ بجلی ملزوم ہے لوگوں کی روح پاش پاش کرتی گئی۔ کرۂ خاکی کو حیران کر گئی۔ اس کے الفاظ میں یہی معانی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ نے کوئی غیض و غضب کا خنجر نہ ہلایا مگر ایک ناچیز شاعر کی بیاض اور اس کے الفاظ کے ساتھ عالم کو زیر و زبر کر دیا۔

(عباس)

جذباتِ ٹیگور

جہاں دل میں سہم نہیں اور قوتِ بازو بر بھروسہ ہے۔ جہاں علم ہر ایک کا حصہ ہے۔
جہاں مصنوعی دیواروں نے جہان کو جائے تنگ نہیں بنایا۔ جہاں الفاظ صداقت کی گہرائی سے نکلتے ہیں۔
جہاں ان تھک کوشش کے ہاتھ کمال کی طرف بڑھتے ہیں۔ جہاں ناطقہ کی صاف ندی کہنہ عادات کے ریگستان میں خشک نہیں ہو گئی۔
جہاں تو دل میں نت نئے خیالات ڈالتا اور تازہ جنبش پیدا کرتا ہے۔
اے باپ! میرے ہموطنوں کو ایسا آسمانِ آزادی بخش۔

(گیتنجلی) (جلال الدین)

عید

ہاں خوب یاد ہے جبکہ میں بندوبست سیالکوٹ میں زیر تعلیم نائب تحصیلدار تھا۔ گو عنفوان جوانی کے مراحل ابتدائی میں بمشکل قدم رکھا تھا۔ دل و دماغ کچھ ایسے خیالات پریشان میں مؤقف تھے کہ نادانستہ ان جذبات کا اظہار ہوا۔ جو آج مجھے حلاوت اندوز خلشِ دردِ پنہاں کر رہے ہیں:-

صبحِ محشر شامِ غربت میں کہیں پنہاں نہ ہو
عید کا مژدہ ندیم حسرت و ارماں نہ ہو

جانتا ہوں ہر ادا تیری ہے عد پردہ بلا
اے فلک تیرا مہ نو خنجرِ براں نہ ہو

چاند اپنا جب نہ دیکھا کیا ہلالِ عید سے
عید آئی بھی تو کیا جب عید کا ساماں نہ ہو

عید کی خوشیاں مبارک تم کو اے اہلِ وطن
تم کو کیا کوئی اگر غربت میں شاداں نہ ہو

جامہ ہائے خوش ہے مجھ کو تن کی عریانی ہی خوش
جس سے ای دستِ جنوں وحشی کا داماں نہ ہو

موتیوں کے ہار کس نے آہ پہنائے مجھے
یہ کہیں تیری شرارت دیدۂ گریاں نہ ہو

کنجِ تنہائی میں نکلیں کہہ رہی ہے بیکسی
اے تمنا یہ تصورِ عید کا مہماں نہ ہو

خنجرِ قاتل سے ملتا ہے ہلالِ عید بھی
میری صبحِ عید میں حسرت بھی ہو امید بھی

(رنگین)

لمعاتِ اثر

اس نے یوں امتحاں لیا میرا — مجھ کو بردا بنا دیا میرا
نورِ آنکھوں کا جذب کرائے اشک — خونِ دل تو نے کیا پیا میرا
ایک اُجڑا ہوا دیار رہوں میں — آگے آیا ہے سب کیا میرا
اس نے کچھ سوچ کر دمِ آخر — ہاتھ سینے پہ رکھ دیا میرا
تیرے در کا گدا انہوں کیوں نہ ہنسے — تختِ شاہی پہ بوریا میرا
کانپتے ہاتھوں میں نہیں ساغر — ایک عالم ہے ساقیا میرا
نزع میں چشمِ شوق نے آخر — راز افشا ہی کر دیا میرا
کس قدر ہیں ستم ظریف عزیز — کہ اثر نام رکھ دیا میرا

(جعفر علی خاں اثر)

غزل

کہاں وہ قتل کرتے ہیں کہاں برباد کرتے ہیں — اسیرِ زندگی کو قید سے آزاد کرتے ہیں
الٰہی میری سینے میں کلیجہ ہے کہ پتھر ہے — ہمیشہ اسپہ چھریاں تیز کیوں جلاد کرتے ہیں
پڑیگا صبر اکدن بلبلِ شیدا کے نالوں کا — چمن کی لخت دل گلچیں سدا برباد کرتے ہیں
تصدق میں کسی کے قامتِ محشر اقامت کے — چمن والے سنا ہے سرو کو آزاد کرتے ہیں
کریں جور و جفا ڈھائیں ستم توڑیں غضب بیشک — ہم انکی ہر ادا پر خونِ دل سے صاد کرتے ہیں
قفس میں نکہتِ گل کو بھی یہ آنے نہیں دیتے — تنک ظرفی کہاں تک دیکھئے صیاد کرتے ہیں
ستاتے ہیں جلاتے ہیں کھپاتے ہیں مٹاتے ہیں — جفا ایجاد کرتے ہیں ستم ایجاد کرتے ہیں
خوشی کا تو گذر مشکل ہے ناشاد دل کی محفل میں — کسی کی یاد سے ہم اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
درِ مسجد پہ مجھ کو ہچکیاں آنے لگیں فاتح — پرانے رند کو میخوار شاید یاد کرتے ہیں

(قاضی فتح محمد فاتح از کیمبل پور)

ایک پردہ نشین مسلم خاتون کے کارنامے

حالات خاندان:- مسز صغرا ہمایوں مرزا کے والد ماجد جناب حاجی ڈاکٹر صفدر علی مراد صاحب مرحوم افواج باقاعدہ سرکار آصفیہ میں سرجن کپتان تھے - ڈاکٹر صاحب کے والد مرحوم حاجی مراد آفندی علی اللہ مقامہٗ جو قوم کے ترک تھے اپنے بھائیوں سے آبائی ترکہ کے متعلق ناراض ہو کر مال و اسباب تجارتی بمبئی سے لیکر بعہد نواب نظام علی خاں مرحوم آصف جاہ ثانی ۱۲۱۴ھ میں وارد حیدرآباد ہوئے اور ایک تجارتی کوٹھی حیدرآباد میں قائم کی اور نیز ایک کارخانہ شمشیر سازی کا کھولا جس کی بلحاظ ضرورت زمانہ بہت قدر کی گئی حاجی مراد آفندی صاحب نے اپنی شادی حیدرآباد میں ایک ملک التجار ایرانی جناب مرزا خدابخش مرحوم کی صاحبزادی سے کی جو ڈاکٹر صاحب کے نانا تھے - ڈاکٹر صاحب کی ولادت باسعادت حیدرآباد میں ہوئی - ان کی شادی کپتان آغا سید علی رضا صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی - کپتان صاحب مرحوم خاص محم محلاتی تھے - محلات ایران میں ایک قصبہ ہے ان کا سلسلہ نسب سید شاہ نعمت اللہ جزاری سے ملتا ہے انکو سرسالار جنگ اول سر آغا خاں اول کی اجازت سے ہمراہ لشکر بمبئی سے حیدرآباد لائے تھے آغا سید علی رضا صاحب مرحوم کی اہلیہ یعنی مسز صغرا ہمایوں مرزا کی نانی صاحبہ کے دادا حضرت سید خلیل اللہ شاہ مرحوم تھے اور حضرت محراب شاہ سابق گورنر کرمان شاہ کی نواسی تھیں جنکی اولاد میں ہز ہائنس ہ سر آغا خاں ہیں - یہی وجہ تھی کہ کپتان آغا سید علی رضا مرحوم ہز لیٹ ہائنس حسین علی شاہ آغا خاں اول کے پاس رہتے تھے حضرت سید محراب شاہ وحضرت سید خلیل اللہ شاہ کا سلسلہ نسب مصر کی بنی فاطمہ کا خاندان مدتوں حکمراں رہا اس سے ملتا ہے

سنہ ومقام ولادت وحالات عہد طفلی وتعلیم - مسز صغرا ہمایوں مرزا بمقام حیدرآباد بماہ دسمبر ۱۸۸۴ء پیدا ہوئیں - اس زمانہ میں مثل دیگر اقطاع ہند کے حیدرآباد میں بھی تعلیم نسواں کا چرچا بہت کم تھا - تاہم یہاں ایک زنانہ مدرسہ مڈل تک کی پڑھائی کا قائم کیا جاچکا تھا - جو اب درجہ دوئم کا کالج ہوگیا ہے - جس سے تعلیم نسواں کی ترقی کا پتہ چلتا ہے اس مدرسہ میں باوجودیکہ اہتمام بلیغ ہے لیکن ان کے والدین بہت محتاط تھے ان کو مدرسہ میں داخل نہیں کیا - اور گھر ہی پر ان کی تعلیم کا انتظام واہتمام کیا گیا - زیادہ حصہ درسی اردو فارسی کتب کا اپنی والدہ معظمہ سے پڑھا - ان کی والدہ معظمہ عربی کی جید عالمہ اور فارسی کی فاضلہ تھیں فارسی ان کی مادری زبان بھی تھی - بوجہ غیر معمولی ذہانت وذکاوت کے درسیات کی تکمیل چودھویں سال کر لی اسی زمانہ میں انکی والدہ مرحومہ نے خانہ داری کا انتظام ان کے تفویض کیا - ڈاکٹر صاحب کی جنکی ماہوار آٹھ سو اور ہزار پنشن کی آمدنی تھی ہر مہینے روپیہ انکے پاس رکھواتے اور آمد و خرچ انہیں سے لکھواتے - باوجودیکہ ہزاروں کا حساب لکھنا پڑتا تھا -

لیکن حساب میں کبھی ایک پیسے کی غلطی نہیں نکلتی جسکو دیکھکر باپ کا دل شاد شاد ہو جاتا تھا - اپنے غیر معمولی خصائل و عادات کے لحاظ سے انکو کھیل کود نے کی طرف مطلق توجہ نہیں تھی - جب کبھی برادری کی اور عزیزوں کی ہم عمر لڑکیاں ان کے ہاں مہمان آتیں تو ان سے بھی کبھی نہیں کھیلتی تھیں - ان کے لکھنے پڑھنے کا ایک علیحدہ کمرہ تھا - باستثنا ان اوقات کے جبکہ درس لینے کے لئے ان کو اپنے استاد یا والدہ مرحومہ کی خدمت میں جانا پڑتا تھا ہمہ دم اسی کمرہ میں کوئی کتاب یا اخبار دیکر تنہا بیٹھی رہتیں - دیکھنے والوں کو ان کی غیر معمولی حرکات سے سخت تحیر و استعجاب ہوتا - چونکہ والدین کی بہت چہیتی تھیں ان کی شادی بہت تکلف اور دھوم دھام سے کی گئی - ڈاکٹر صاحب مرحوم بوجہ حذاقت طبی و خلق پبلک کے بہت محترم و ممتاز و ہر دلعزیز تھے - اس لئے انکی شادی کی دعوتوں میں تقریباً کل عہدہ داران ریاست اور اعلیٰ طبقہ اہالی شریک ہوئے تھے - جنگ عظیم میں جو افواج آصفیہ متحدین کی امداد کے لئے میدان جنگ میں حیدرآباد سے گئی تھیں وہ میجر محمد علی مرزا شہید کی سرکردگی میں بھیجی گئی تھی - میجر صاحب شہید اس کے کمانڈر تھے - میجر صاحب شہید مسز صغرا ہمایوں کے بڑے بھائی تھے - مسز صغرا ہمایوں مرزا کے دوسرے بھائی کپتان ریاست علی مرزا سیکنڈ ان کمانڈ امپیریل سروس ٹرپس میں باقی برادران خود کوئی انگلستان میں اور کوئی بمبئی میں اور کوئی مدراس میں بغرض تحصیل علوم گئے ہوئے ہیں - سولھویں سال مسز صغرا ہمایوں مرزا کی شادی سید ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا سے ہوئی -

ملکی اور قومی خدمات ۱۹۰۲ء - شادی کے ایک سال بعد ان کو قومی کاموں سے دلچسپی شروع ہوئی - چنانچہ ۱۹۰۲ء میں جبکہ زنانہ سوشل کی بنیاد ڈالی گئی تو پانچ معزز خواتین کے مشورہ سے جن کے ایک یورپین لیڈی اور چار مسلم خواتین تھیں ان چار میں ایک مسز صغرا ہمایوں مرزا ہیں - دوسرے لفظوں میں زنانہ سوشل کی بانیوں میں یہ بھی تھیں - یہ انجمن اب بھی قائم ہے اور یہ اس کی ممبر ہیں - آجکل اس میں یورپین عنصر بہت بڑھ گیا ہے - آنرایبل برٹش ریزیڈنٹ کی اہلیہ اس کی پریسیڈنٹ ہوا کرتی ہیں - اس کی غرض و غایت یورپین اور انڈین خواتین میں باہمی اخلاص و اتحاد پیدا کرنا ہے - ۱۹۰۲ء میں بمقام منوہر آباد ہزار دل وٹیہ کے مرفہ سے متصل ریلوے اسٹیشن ایک مہمان سرائے تعمیر کرائی جسکا نام صغرا سرائے ہے - اور ایک بڑا کنواں وہیں مسافروں کے آسائش کے لئے کھدوایا - مادہ تاریخ صغرا سرا ہمیشہ آباد رہے ۱۹۰۸ء ماہ ستمبر جبکہ محشر خیز و قیامت زا طغیانی رود موسے میں آئی تو مسز صغرا ہمایوں مرزا نے اپنی کوٹھی ہمایوں منزل میں ایک عام جلسہ معزز مسلم خواتین کا منعقد کیا اور خود ایک طویل تقریر کی وہ تقریر اسقدر پرجوش و پر اثر تھی کہ اس نے حاضرین کو رلا دیا - اس تقریر کے ذریعہ سے اپیل کی اور بے خانماں طغیانی زدہ پردہ نشین مستورات کے لئے امداد طلب کی

یہ تقریر اس وقت کے مقامی اخباروں میں چھپی تھی - اسی وقت ایک انتظامیہ کمیٹی بسا خواتین کی قائم کی انہوں نے مسز خدیو جنگ مرحومہ کو خازن منتخب کیا - اور حاضرین نے ان کو سکریٹری منتخب کیا - اس کمیٹی نے ہزاروں روپیہ چندہ فراہم کر کے پردہ نشین طغیانی زدہ مستورات کی امداد کی اس زمانہ کے اخباروں میں اس کمیٹی کی کارروائی وقتاً فوقتاً چندہ دہندگان کی اطلاع کی غرض سے شائع ہوتی رہیں اپنی نوعیت و اہمیت وطریقہ کارروائی کے لحاظ سے مسلمان مستورات کی یہ پہلی کمیٹی حیدرآباد میں قائم ہوئی تھی - اس کا تذکرہ علاوہ اخباروں کے تاریخ بہار و خزاں مصنفہ مولوی محمد حسن صاحب غلب میں سیلاب دکن میں وطرو قائیر بصراحت کیا گیا ہے سنہ ۱۹۱۲ء میں مسز صغرا ہمایوں مرزا نے انجمن خواتین اسلام قایم کی ان کی تحریک و کوشش سے ڈیڑھ سو خواتین اسمیں بحیثیت اراکین شریک ہوئی تھیں - مدرسے بھی انجمن کے تحت قائم کیے تھے اور نہایت کامیابی سے اس کو تین سال تک بحیثیت سکرٹیری (معتمد) کے اس کو چلایا - تین سال کے بعد بچند وجوہ انہوں نے استعفا دیا - گو یہ مجبور کی گئیں کہ دست بردار نہ ہوں مگر انہوں نے نہ مانا یہ انجمن ابھی قائم ہے سنہ ۱۹۱۰ء میں مسلم یونیورسٹی کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا ایک طویل تقریر کر کے حاضرین کو جوش دلایا بہت سا چندہ فراہم کیا اور خود بھی دیا - سنہ ۱۹۱۲ء چندہ لیڈیلوں لیڈیز نو تین سو سائٹی کے نام سے انجمن قائم کی جس کی وہ معتمد ہیں - سنہ ۱۹۱۲ء یادلو میر ... ایک جلسہ عام منعقد کر کے ایک ہزار سے کچھ زیادہ چندہ فراہم کر کے دو کنگ مشن کیلئے خواجہ کمال الدین صاحب کے پاس بمقام ووکنگ بھجوایا اس واقعہ کے دو سال کے بعد جب خواجہ کمال الدین صاحب حیدرآباد میں آئے تو اپنے مکان ہمایوں منزل میں ایک جلسہ منعقد کر کے خواجہ صاحب سے تقریر کرائی اور معقول مالی امداد دی جس کا اعتراف خواجہ صاحب حیدرآباد سے روانہ ہونے کے پیشتر اپنے ایک خط میں سطح پر کرتے ہیں -

"مکرمہ محترمہ - بظاہر میں یہاں سے رخصت ہوتا ہوں لیکن میرا دل تشکر و امتنان سے اس قدر معمور ہے کہ اندازہ بقدر میرا اکثر بیان ہو سکتا ہے ... ووکنگ مشن میں خاص حصہ لیا ہے جو کام آپنے شروع کیا ہے خدا کے لئے اسکو ہاتھ سے نہ جانے دیجیے -

چونکہ خواجہ کمال الدین صاحب تبلیغ اسلام کا کام کرتے ہیں - غالباً اس لئے ان کی امداد کیگئی تیار رقم

ہرگز نام اوست ... باقم ... بانی قائل ... کار با تحقیق

اسلام کا نام کافی ہے سنہ ۱۳۳۱ء میں جب جنگ بلقان چھڑی ہوئی تھی اس وقت بھی یہ اپنے مکان ہمایوں منزل میں خواتین کا جلسہ منعقد کیا - خود ایک تقریر بھی کی اس جلسہ میں علاوہ مستورات کے بعض ... ہندو لیڈیاں بھی تھیں ... [illegible] ... چندہ فراہم کرنے ... [illegible]

یہ خود بھی ترکی جانے اور زخمیوں کی نرسنگ کرنے کے لئے آمادہ تھیں لیکن روکی گئیں ایک طویل پرجوش مضمون بعنوان "کیا ہماری قوم کی آنکھیں اب بھی نہ کھلیں گی" مقامی اخبار مشیر دکن میں شائع ہوا جس کا نتیجہ و اثر یہ ہوا کہ اس مضمون کے نکلنے کے دو تین دن بعد مردوں نے انجمن ہلال احمر قائم کر کے چندہ وصول کرنا شروع کیا۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں ایک زنانہ اسکول انہی کے مشورے سے عثمانیہ مدرسہ صنعت و حرفت کے تحت میں کھولا گیا۔ اور ایک زنانہ کمیٹی جس کا کارکار قائم کی گئی۔ جس کی سکریٹری یہ منتخب کی گئیں۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں انجمن ترقی اردو نے اپنے ایک خط میں ان الفاظ میں کہا ہے۔ خاتون محترمہ۔ انجمن ترقی اردو کے مقاصد کی جو حمایت آپ نے فرمائی اس کیلئے تمام اردو داں حضرات کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ الخ ظفر الملک صاحب ایڈیٹر الناظر نے اپنے ایک خط میں اظہار تشکر اس طرح کیا ہے۔ آپ کی ہمدردی فیاضی پر دلی تشکر و امتنان ظاہر کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ کے اثر و ترغیب سے دوسری بیگمات بھی انجمن ترقی اردو کی مالی امداد پر متوجہ ہوں گی۔

سنہ ۱۹۱۶ء میں آل انڈیا لیڈیز کانفرنس جب قائم ہوئی تو خود شریک نہ ہو سکیں لیکن اپنا ایک طویل مضمون بھیجا اور سال بسال جس جس مقام میں کانفرنس مذکور کے جلسے ہوتے رہے برابر اپنا مضمون مختلف مباحث پر بھیجتی رہیں۔ اور چندہ کیفیت بھی بھیجا کیں۔ سنہ ۱۹۱۸ء بماہ مارچ بمقام بھوپال آل انڈیا لیڈیز کانفرنس سرکار عالیہ کی تحریک سے جو قائم ہوئی تو اسمیں شرکت کی اور ایک بسیط مضمون پردہ مروجہ کے متعلق پڑھا۔ سنہ ۱۹۱۸ء بماہ مئی دہلی میں ایک زنانہ انجمن قائم کی جسکی صدر نواب سردار جہاں بیگم صاحبہ والیہ ٹونک کو منتخب کیا۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں انجمن خواتین دکن قائم کی جسکی صدر کئی بار یہی منتخب کی گئیں۔ تقریباً دوسو خواتین اس کی ممبر تھیں اور تین زنانہ مدرسے اس کے تحت میں جنمیں سے دو کو سرکار بھی (رقمی) امداد دیتی ہے بہت سے عملی کام ہو رہے ہیں۔ غریبوں کو ماہوار رقم دی جاتی ہیں۔ سنہ ۱۹۲۰ء رسالہ النساء نکالا جو بعنایت ایزدی مقبول خاص و عام ہو گیا ہے۔ جسکی دلیل اشاعت میں روزافزوں ترقی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں حیدرآباد گورنمنٹ تحت ایک کمیٹی کی ممبر مقرر کی گئیں۔ سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء میں بزمانہ قحط منجانب سرکار او نریری لیڈی ریلیف افسر مقرر کی گئیں تاکہ پردہ نشین مستورات کی امداد میں مرد عہدہ دار غفلت نہ کریں۔ اپنی خدمت کے صلہ میں ایک حبہ سرکار سے نہیں لیا۔ صرف دفتری اخراجات منشی وغیرہ کی تنخواہ سرکار سے ملتی رہی۔ کمشنر صاحب نے نہایت عمدہ الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں بمقام مدراس مستورات کی انجمن قائم کی۔ سنہ ۱۹۲۲ء بماہ جون بمقام جنیوا (یورپ) جو انٹرنیشنل کانگریس آف مورل ایجوکیشن جو زیر صدارت سر فریڈرک پولاک قائم ہوئی تھی اسکی اعزازی ممبر یہ ہی بنائی گئی تھیں۔ تمام ہند میں پانچ یا چھ اشخاص مثلاً سر محمد شفیع سر جگدیش(؟) وغیرہ اراکین بنائے گئے تھے۔ منجملہ ان کے مسز صغرا ہمایوں مرزا بھی تھیں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں حیدرآباد جو لیڈیز کلب

قائم ہوئی۔ اسکی یہ ممبر منتخب ہوئیں۔ اس کلب میں زیادہ ہندو اور یورپین لیڈیز ہیں سلم ممبر صرف ایک ہی تھی۔
مضامین نگاری و تصنیف و تالیف ۔ ۱۹۰۹ء سے مختلف زنانہ رسالوں مثلاً شباب اردو خاتون تہذیب و شریف بی بی وغیرہ میں اور متعدد مختلف اخباروں میں ان کے مضامین نکالے گئے۔ اور نکل رہے ہیں۔ جنکا ایک ذخیرہ ہوگیا ہے۔ اور عنقریب انشاءاللہ کتاب کی شکل میں نکلے گا۔ ان کی تصانیف میں سب سے پہلے کتاب مشیر نسواں تصنیف ہوئی۔ جس کے متعلق مشاہیر ملک، مولانا شبلی مرحوم و مولانا حاجی مرحوم و مولوی عزیز مرزا مرحوم و سلطان العلما مرحوم و ندیم الملک مولوی محمد حق مرحوم و سید شاہ سلیمان صاحب پھلواردی جسٹس شرف اسلام مرحومین نے بہت عمدہ خیالات ظاہر کئے ہیں مخدوم و ملت رایٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی ممبر پریوی کونسل نے ان الفاظ میں اپنے بیش بہا خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ مشیر نسواں ایک ایسی کتاب ہے جو بڑے اہم مقصد کو پورا کریگی۔ عورتوں کی اصلاح کے ذریعہ مردوں کو ان کو گری ہوئی حالت سے ابھاریگی۔ یہ رائے دوسری دفعہ چھپ جانے کے بعد موصول ہوئی۔ اس لئے کتاب کے ساتھ چھپ نہ سکی۔ انشاءاللہ انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کردی جائے گی۔ اس کے بعد سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ مشیر نسواں تحریر النساء۔ سفرنامہ عراق۔ سفرنامہ یونہ مدراس و والٹیر وغیرہ۔ سیر بہار و بنگالہ۔ روزنامچہ بھوپال و دہلی وغیرہ۔ سیر بنگلور۔ سفینہ نجات (نظم) مجموعہ نصائح۔ آواز غیب۔
حالات سیر و سیاحت ۔ جس قدر نامے چھپ چکے ہیں ان سے سیر و سیاحت کے حالات پر روشنی پڑتی ہے بعض مقامات کے اسفار کے حالات طبع و شائع ابتک نہیں ہوئے ہیں۔
صلہ منجانب ملک ۔ حسب تحریک مولوی محمد عزیز مرزا سابق ہوم سکرٹری سرکار عالی ایک کمیٹی ہائی کورٹ کے ججوں گورنمنٹ سکرٹریوں وغیرہ کی قائم کی گئی۔ اس نے چندہ فراہم کرکے تقریباً تین سو روپیہ کا ایک طلائی تمغہ جرمن سے بنوا کر منگوایا۔ اور وہ تمغہ لیڈی داکر کو دیا گیا کہ مسز صغرا ہمایوں مرزا کی ادبی خدمات کے صلہ میں ان کو دیا جائے۔ چنانچہ لیڈی داکر اہلیہ سر کیوں درکر وزیر فینانس نے ایک ایٹ ہوم مرتب کرکے بہت سی مسلم و یورپین و ہندو خواتین کو مدعو کیا اور یہ تمغہ مسز صغرا ہمایوں مرزا کو دیا گیا ایک تقریر لیڈی داکر نے کی۔ مسز سروجنی نائیڈو وغیرہ نے بھی تقریریں کی تھیں۔ مسز صغرا ہمایوں مرزا نے جواب میں ایک مختصر تقریر کی تھی۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس جو بمقام جھنگ (پنجاب) بماہ مارچ قائم ہوئی تھی کارکنان کانفرنس نے مسز صغرا ہمایوں مرزا کو ان کی لٹریری خدمات کے صلہ میں تمغہ طلائی بھیجا۔ ماہ اپریل میں جبکہ بمقام باغ عامہ حیدرآباد منجانب سرکار نمائش قائم ہوئی تھی کمیٹی انتظامیہ کے ممبروں نے تمغہ طلائی انکیلئے تجویز کیا اسی سنہ و ماہ میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن نے ان کو ۔ ایم ۔ آر ۔ اے ۔ ایس ۔ منتخب کیا۔

خصائل - جھوٹ سے سخت نفرت - وعدہ ایفا کئے بغیر چین نہیں آتا - انسانی و قومی ہمدردی فطرت میں ودیعت کی گئی - مستحقین و عسرت زدہ لوگوں کی امداد بہر ممکن العمل طریقہ سے کرنیکی ہر وقت فکر - ایک لمحہ بھی بغیر مشغولیت کے رہا نہیں جاتا - ہر کام وقت مقررہ پر کرتی رہتی ہیں - جو کہتی ہیں کرکے چھوڑتی ہیں

پولیٹکس - سیاسیات سے بھی دلچسپی ہے لیکن ایسی ریاست میں رہکر اس کا شغل تقریباً ناممکن کے ہے ورنہ وہی حالت ؟ جو مسز سروجنی نائیڈو کی ہے گھربار عزیز و اقارب حتی کہ وطن حیدر آباد چھوڑنے کی نوبت آتی

(خورشید سلطانہ)

نمکدان ظرافت

(۱) **مریض** - سانس لیتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے - ڈاکٹر صاحب برائے خدا اس کا کچھ علاج کیجئے -

ڈاکٹر - "کیا سانس ؟ ابھی لو ایسی دوا دوں کا کہ یہ فوراً بند ہو جائے گا"

(۲) **استاد** - اگر تم شمال کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ تو تمہارے بائیں ہاتھ کو کیا ہوگا ؟

شاگرد - "جناب چار انگلیاں اور ایک انگوٹھا !"

(۳) **ڈاکٹر** - میری فیس دس روپیہ ہے -

مریض - "ڈاکٹر صاحب مجھ سے بھی دس ہوگئے - مجھ ہی سے تو اس محلہ میں وبا پھیلی ہے - آخر مجھے کمیشن کچھ نہ دوگے"

(۴) ایک اسٹیشن ماسٹر کو اوپر سے سخت سرزنش ہوئی مقصود یہ تھا کہ بغیر حصول ہدایت کام کیا - اس دن سے اس نے عہد کر لیا کہ بغیر حصول ہدایت کبھی کوئی کام نہ کرے گا - اس عہد کی پیروی میں اس نے ایکدن مفصلہ ذیل پیغام تار اپنے افسر کو بھیجا "شیر پلیٹ فارم میں آکر گارڈ کو چیر پھاڑ رہا ہے - ہدایت چاہتا ہوں"

(۵) **بھتیجا** - تم نے غضب کر دیا - چچا جان تم ہوٹل میں گئے اور میرے ہاں نہیں آئے - آخر وہاں کیوں گئے ؟

چچا - بیٹا میں بھوکا تھا - اور وہاں روٹی تو مل گئی - (۶) ممتاز نے اپنے دوست کو پوسٹ کارڈ لکھا آخر میں الفاظ تھے زیادہ اس لئے نہیں لکھا کہ ڈاکیا پڑھ لیگا - دوسرے دن ڈاکیا کارڈ لیکر آیا اور مکتوب الیہ کو دیکر غصہ میں کہا بولا - ممتاز جھوٹ کہتا ہے میں کبھی کسی کا کارڈ نہیں پڑھتا - (۷) انسپکٹر مدارس کی میونسپل کمشنر کے ہاں دعوت تھی کھانا کھا رہے تھے اور خوش گپیاں ہو رہی تھیں انسپکٹر نے کہا کہ آج مجھے بڑی ہنسی آئی میں نے ایک طالب العلم سے سوال کیا کہ بتاؤ گلستان کسنے لکھی ہے تو اس نے کہا جناب میں نے نہیں لکھی میونسپل کمشنر نے قہقہہ مارا اور کہا کہ انسپکٹر صاحب ضرور اسی شریر نے لکھی ہے

(زہرہ سلطانہ مسز محمد اکرم خاں)

ارہون

کہتے ہیں کہ کارپتھین کوہسار میں ایک مقام ارہون ہے - ہوگا ہماری جغرافیہ میں یہ نام نہیں ملتا ایکدفعہ ایک سیاح گھومتا گھامتا پھرتا ارہون میں جا نکلا - یہ عجیب و غریب ملک تھا اور یہاں کے باشندے خوبصورت شایستہ مہذب اور زیرک تھے انہوں نے اسکا پرجوش استقبال کیا - اور حد سے زیادہ خاطر و مدارات کی - اتفاقاً انہوں نے اسکی گھڑی دیکھ لی اور یکقلم بگڑ گئے انہوں نے زبردستی گھڑی چھین لی - سیاح کو قید کردیا اور جسطرح مجرم کو تشہیر کر کے گذرگاہ عام میں قتل کرتے ہیں - یہ گھڑی تشہیر کیگئی پھر جلاد آیا اور اسنے اسے گرز سے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا - کچھ دن کے بعد سیاح کو اس ناراضگی کی وجہ معلوم ہوگئی - اس ملک میں کسی کو گھڑی یا اس قسم کی کوئی کل رکھنے کی اجازت نہ تھی - کسی زمانہ میں یہاں کے باشندے مشہور موجد اور صناع تھے انہوں نے اپنی دانائی سے عجیب عجیب کلیں ایجاد کیں - رفتہ رفتہ انکی عقل کے زور سے ان کلوں میں جان پڑگئی - اور وہ زندہ ہوگئیں - اور اپنے ایجاد کرنیوالوں اور بنانیوالوں کے مقابلہ میں کھڑی ہوگئیں - کاریگروں اور کلوں میں خونریز لڑائی ہوئی بڑی مصیبت کے بعد انہوں نے مشینوں کو زیر کر کے برباد کردیا اور اسدن سے ارہون میں قانون ہوگیا کہ کوئی شخص نہ تو کل بنائے نہ رکھے - مغرب میں بھی ایجاد کا بازار گرم ہے ہر روز نئی کل اور نئی مشین ایجاد ہوتی ہے - خدا جانے صدی ختم ہونے سے پہلے کیا کچھ ہونیوالا ہے خوردبینوں اور دوربینوں سے یقین ہے ہم مادے کے اجزا دیکھ لینگے اور مختلف جہانوں کے مخلوق ہمیں نظر آنے لگیں گے - ممکن ہے بجلی ہماری دشمن بنکر مقابلہ کرے علم طبیعات میں ہم خصوصاً اندھا دھند کام کرتے ہیں - تجربے سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ اگر ہم ایک فعل کریں گے تو خاص نتیجہ ہوگا لیکن کیوں ایسا نتیجہ ہوگا اسکا جواب ہم نہیں دے سکتے - اشیا کے خواص ہمکو ہرگز معلوم نہیں ہم اٹکل پچو تجربہ کر کے کبھی کبھی اصلیت تک پہنچ جاتے ہیں قدرت اپنے راز ہم سے چھپاتی ہے ہم میں بہت کم ایسے ہیں جو قدرت سے استحصال بالجبر کر سکتے ہیں - ہمارا تکیہ کلام یہ ہونا چاہیے کہ ہر بات پر بیشک شک کرو مگر کسی بات کو ناقابل اعتبار نہ سمجھو -

(سبزہ بیگم)

روزۂ رمضان

آجکل مسلم گھروں میں آیا اک مہمان ہے
نام نامی جسکا یعنی روزۂ رمضان ہے

صاحب جود و کرم مقبول درگاہ خدا
تحفۂ معراج ہے انا فتحنا شان ہے

ہوتے ہیں سارے شیاطین اسکی مدت میں اسیر
دافع عصیان ہے اور رافع ایمان ہے

شہر رمضان الذی اور انزل فیہ القرآن
کہہ رہا اپنے کلام حق میں خود رحمان ہے

قلب مومن کا ہے صیقل جسم مسلم کا طبیب
سرمۂ چشم بصیرت مانع نسیان ہے

تزکیہ اس سے ہے جسم و جان روح و خون کا
ہے مسیح دین و ملت مرشد لقمان ہے

علتوں کے دور کرنے میں ید طولی ہے یہ
مخزن حکمت ہے یہ اور معدن غفران ہے

کیوں نہ شان رحمت پر اسکی ہو جائیں نثار
قوت اسلام ہے اور کعبہ ایمان ہے
جی چراتے ہیں جو اس سے بندۂ حرص و ہوا
یا درکھیں روز محشر عدل کی میزان ہے
بندگی اسکی تجھے جس نے تجھے پیدا کیا
یہ نہیں فاقہ کشی تیرا کہاں یہ دھیان ہے
من گھڑت باتیں ہیں جسکی خیال میں صوم و صلوٰۃ
قابل نفریں ہے وہ مرتد ہے وہ شیطان ہے
کیوں نہ ایسے میہماں کو دل سے ہم رکھیں عزیز
جو کہ بھیجا یہ رسول اللہ کا مہمان ہے

(مریم قاسم مدن)

کلام ناہید

نالہ کر نیکا ہو کچھ دعویٰ تو آئے عندلیب
ورنہ پھر بیٹھی ہوئی باتیں بنائے عندلیب
نغمہ ساز وفا ہیں نالہائے عندلیب
ہیں چراغ راہ الفت داغہائے عندلیب
بے سبب ہوتے نہیں ہیں نالہائے عندلیب
ہم سمجھتی ہیں کہ کیا ہے مدعائے عندلیب
نالے کر کر کے چمن میں سر نہ کھائے عندلیب
جان ہو پیاری تو کیوں گلشن میں آئے عندلیب
ارتباط حسن و عشق دہر کا خاکہ ہے یہ
گل پہ شیدا عندلیب اور گل فدائے عندلیب
اصلیت میں اور نمائش میں بھی ظاہر فرق
میرے منہ آجائے تو پھر منہ کی کھائے عندلیب
انتہائے جذب کا آخر نتیجہ یہ ہوا
گل گریباں چاک کرتے ہیں بجائے عندلیب
گل پہ پڑتی تھی نظر جو وہ بھی مرجھایا ہوا
ہائے کس سے لیں چمن میں خوں بہائے عندلیب
رخصت فصل بہاری کا زمانہ آگیا
آشیانہ باغ سے اپنا اٹھائے عندلیب
درد سے بیتاب ہو کر چیختی ہے بار بار
دل اڑا دیتی ہے رہ رہ کر صدائے عندلیب
خادم گلشن ہوں یعنی خیر خواہ باغباں
مردہ جنبان گل ہوں خاکپائے عندلیب
تیرا منہ کھلتے ہی ساری کھل گئی گلشن کے پھول
موسم گل ہے رہین نالہائے عندلیب
ایک مشت پر نہیں ہے اک جہان سوز ہے
پھونکدیں گے دیکھنا اک دن نالہائے عندلیب
محو نالہ وہ بھی ہے ہوں میں بھی سرگرم فغاں
یعنی اس عالم میں ہوں میں ہمنوائے عندلیب
خون دل کی تو نے ہر اک گل پہ چادر ڈالدی
تیرے باعث پھول بھی ہیں تنگ نائے عندلیب
حامل بار وفا اک مشت پر اے واہ وا
دل نثار عندلیب و جاں فدائے عندلیب
گل سے کیا ہے واسطہ ناہید تجھ کو دہر میں
گلشن عالم میں تو ہے آشنائے عندلیب

(ناہید - از حیدر آباد دکن)

نو ایجاد برقعہ

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صیغۂ نسواں کے سکرٹری کے انعامی اعلان پر اس کی اختراع ہوئی کانفرنس منعقدہ لکھنؤ نے بہترین برقعہ قرار دے کر ان کو انعام طلائی تمغہ دیا - ہندوستان کے دیگر صوبوں کانفرنسوں نمائش ہائے صیغۂ نسواں سے بھی بارہ طلائی و نقرئی تمغہ سند و انعامات حاصل کر چکا ہے

سولہ سال سے ہندوستان کے ہر گوشہ اور ہر طبقہ کے لوگوں میں مقبول ہے

بنگال - برقعہ بہت پسند ہوا واپس نہیں کیا جائے گا بچی کی ٹوپی جلد روانہ کریں - از جناب شمس الرحمن صاحب ملیڈر - رکھلتا بنگال

بہار - ایک برقعہ چینی ریشم جسقدر جلد ممکن ہو اور روانہ فرمائیں - جو برقعہ رنگین بھیجا ہے اسکی وضع بہت پسند ہوئی از جناب احمد سعید صاحب [illegible]

مدراس - آپ کا اشتہار اکثر نظر سے گذرتا ہے - برقعہ منگوانے سے اشتہار کے مطابق ثابت ہوا ایک برقعہ اپنا کپڑا روانہ کر کے سلوا کر لوں گا - از جناب حسن صاحب [illegible]

دکن - برقعہ بہت نہایت آرام دہ اور پردہ دار ہے دو برقعہ رنگین میرے بھائی کے گھر کیلئے روانہ کریں - از جناب محمد عبد الرحمن صاحب اسٹیشن روڈ محمد آباد

احاطہ بمبئی - آپ کی دوکان سے دو برقعہ چینی ریشم خرید کئے تھے سب نے پسند کیے ایک برقعہ اور روانہ کریں - از جناب ایم اسمٰعیل صاحب [illegible] کولابا بمبئی

پنجاب - جو برقعہ وی پی کی شرط پر منگوایا تھا بہت پسند ہوا - گھر بھیجنے پر دو برقعہ طلب کروں گا - از جناب ایم فضل الٰہی صاحب [illegible]

سی پی - میرے بھائی احمد حسن صاحب کے پاس آپ کا برقعہ دیکھا اسکی وضع پسند ہے ایک برقعہ روانہ کریں - از جناب الحاج حسین صاحب [illegible]

یوپی - برقعہ ملا واقعی برقعہ بہت آرام دہ چیز ہے ہر ایک بہن کو خریدنے کی ترغیب دوں گی ایک برقعہ میری بہن کے نام روانہ کریں - از [illegible]

آپ بھی بشرط واپسی منگوا کر خود ملاحظہ کریں - اور پردہ نشین خواتین کو معائنہ کا موقع دیں

برقعہ نو ایجاد کی وضع عام طرز کے بدنما تکلیف دہ اور ناکافی پردہ برقعہ سے مختلف ہے اسکی اختراع پردہ نشین کی ہر ایک ضرورت کو مدنظر رکھا گیا ہے - اتفاقیہ بے پردگی کا بچاؤ تازہ ہوا کی آمد کا کافی انتظام بچہ کو دودھ پلانے میں سہولت دیر تک پہنے رہنے کی تکلیف سے محفوظ مکمل پردہ دار خوبصورت آرام دہ - زمانے کے حسب حال -

وضع دو حصوں پر منقسم ہے - بالائی حصہ سر سے شروع ہو کر ہاتھ کی انگلیوں سے تین انچ نیچے رہتا ہے اس میں علیحدہ کی ہوئی ٹوپی تمام کمانی لگی ہوئی ہے - جو نقاب کو چہرہ سے بالکل الگ رکھتی ہے تاکہ چہرے پر پڑے رہنے سے دم نہ گھٹے اور باہر سے چہرہ کا خاکہ معلوم ہو سکے - زیریں حصہ مثل ڈھیلے ڈھالے کوٹ کی کندھوں سے شروع ہو کر پیر کے ٹخنہ تک رہتا ہے کوٹ کی مانند سامنے کے رخ بٹن لگے ہوئے ہیں ہر دو جانب ہاتھ باہر نکالنے کے لئے جگہ ہے سامنے کے رخ دو جیبیں ہیں -

آج ہی منگائیں - کندھوں سے پیر کے ٹخنہ تک لمبائی اور سر کے دورہ کا ناپ عنایت کریں - ہر پردہ نشین خاتون کو اس کی ضرورت ہے قیمت سفید لٹھہ [illegible] - رنگین [illegible] - ایکڑ [illegible] - چینی ریشم [illegible] - سفید کھدر [illegible] - رنگین کھدر [illegible] -

خاتون اسٹور نمبر ۱۹ (دہلی) نمبر ۲۰ لکھنؤ

جلد ۷ نمبر ۳ بابت ماہ ذیقعد ۱۳۴۱ھ مطابق جون ۱۹۲۳ء

شذرات

مقام مسرت ہے کہ ہمارے مکرم جناب خان صاحب خان قلندر علی خان صاحب ایم - اے - پنجاب ایل ایل بی ایم سرکاری وکیل حصار بزم شباب میں بحیثیت جائنٹ ایڈیٹر شامل ہوتے ہیں - امید ہے انکی شمولیت شباب اردو کے لئے باعث ترقی اور رونق ہوگی -

---

ہم خوش ہیں کہ جناب چیف ایڈیٹر صاحب کے پرانے ہم جماعت اور رفیق اور پنجاب کے مشہور نقاد اور شاعر جناب میر کرامت اللہ صاحب میر ہیرٹری بھی بزم شباب میں تشریف لے آئے اور وعدہ کرتے ہیں کہ حتی المقدور کسی بزم سے غیر حاضر نہ ہونگے - ؎

لائے اس بت کو التجا کر کے　　کفر توڑا خدا خدا کر کے

ہمارے دوست جناب شیخ دین محمد صاحب ایم اے وکیل گوجرانوالہ کا ارشاد ہے کہ مرقع شباب میں مختلف قسم کے فوٹو ہوا کریں اس لئے اسدفعہ کی تصویر کیلئے ہم اپنے معزز دوست اور معاون شباب اردو جناب خان بہادر دیوان عبدالحمید صاحب - او - بی - ای - سی - ای - ای چیف منسٹر کپورتھلہ کے ممنون احسان ہیں یہ فوٹو جناب مہاراجہ صاحب کپورتھلہ کی شہزادیکی شادی خانہ آبادی کے ایام کا ہے جسکی مدت تک اخبار دنیا میں دھوم ہی رہی جس میں دولہا اور دولہن دونوں جلوہ افروز ہیں -

---

کتابت کی غلطیاں ہر چند کہ اب "کتابت ثانیہ" ہوگئی ہیں، اسدفعہ کچھ غیر معمولی ہونے سے ضرور قابل اصلاح ہیں خصوصاً ہمارے مخلص دوست والی صاحب ہے پور کا مضمون "ہماری حسن پرستیاں" جو تین سال پہلے رسالہ "نقاد" آگرہ کیلئے لکھا گیا تھا جسکا اجرا عرض تعویق میں ہوجانے سے بہت کچھ اختصار و اصلاح کے ساتھ پھر ہم کو بھیجا گیا - اسقدر مجروح تھا کہ پڑھنے میں نہ آسکا - اس لئے مجبوراً بعض جگہ غلطیاں اور بعض جگہ جملے بلکہ سطریں تک محذوف کرنا پڑیں -

ہماری حسن پرستیاں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸	۲	تلاش خم بروئی	خوبرویوں کے دیکھتے ہی تیلاشی -	۳۹	۱۴	کیونکہ ہم خود نہیں جانتے -	یہ جملہ سطر ۱۵ کا پہلا جزو ہے
۳۹	۱۷	نادان	نادان دل	۴۰	۱۱	میلان طبع منتقل ہوئی -	میلان طبع منتقل ہوا
۴۰	۱۳	نظر آجاتی ہے	نظر آتی ہے	۴۱	۵	ہولنا کیوں	ہوسنا کیوں

ہم تو ان غلطیوں کو مبارک سمجھتے ہیں کیونکہ پھر ایسا دلچسپ شوخ جملہ جو ہمارے مکرم امیرزادہ صاحب نے ہمکو اپنے خط میں لکھا ہے میسر نہ آتا - آپ لکھتے ہیں کہ؟ "میں مدتوں اپنے تصور میں حسن کے مختلف نقشے کھینچتا رہا ہوں اس دیرینہ مشق سے بالآخر ایک ایسا دل پسند نمونہ حسن مرتب ہوگیا جس کے متصورہ خط و خال اختصاراً ایک جگہ میں نے اس مضمون میں لکھدئے تھے - آپ نے خدا جانے کیوں، ان کو محذوف کر کے مجھ پر بڑا ظلم کیا! خیر　　مصرعہ　ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

(برکت علی جائنٹ ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شبابِ اُردُو

آسیب

احسان علی ایک تعلیم یافتہ دولتمند خوبصورت آہو چشم شمشاد قامت جوان تھا - اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ خصوصیت کے ساتھ دل کش تھی - اس کی آواز میں ترنم تھا - اس کی زبان میں لبھا نیکا اثر تھا - اس کا لباس ہمیشہ فاخرہ اور فیشن کے مطابق ہوا کرتا تھا - اُس کی بیوی ناہید اُس سے بڑھ کر صاحبِ جمال تھی - جس کے لمبے لمبے سیاہ چمکدار بال ریشم کو شرماتے تھے اور جسکی مخمور نرگسی آنکھیں - بوٹا سا قد - بیضوی چہرہ - گلابی رنگ - سڈول اور شفاف دانت دیکھ کر قدرتِ خدا یاد آتی تھی - خوش قسمتی سے میاں بیوی میں وہ محبت تھی جسکی تعریف ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں مگر وہ ہماری سیاہ بخت آنکھوں کو بہت کم دکھائی دیتی ہے - ناہید اور احسان کی زندگی چاند اور سورج کا قران تھی وہ یک جان و دو قالب تھے - ایک دوسرے کو دیکھ کر زندہ تھے اور خدا کے فضل سے دولت - محبت اور تندرستی کی نعمت سے اُنہیں دن عید اور رات شبرات تھی -

صبح کا سہانا سماں تھا - نسیم سحری کے دماغ پرور اور خوشگوار جھونکے عطر پاشی کر رہے تھے درختوں کی ٹہنیاں متوالوں کیطرح جھوم رہی تھیں - حوض کا فوارہ جواہرات کا مینہ برسا رہا تھا - چھوٹے چھوٹے پرندے حوض کے پانی میں غوطہ لگا رہے اور کلیلیں کر رہے تھے اور میاں بیوی اپنی دلکشا کوٹھی کے چمن میں مصروف گلگشت تھے - کہ دفعتاً اصطبل کی طرف سے ہولناک چیخیں سنائی دیں جن سے ناہید کا رنگ

زرد ہو گیا - وہ گھبرا کر کہنے لگی پیارے تمہارے پوربئے سائیس گھسیٹو کو کچھ ہو گیا ہے - کل سے چلا رہا ہے مغلانی رسولن کہتی ہے اس کے سر پر سایہ ہے - تمام رات نہیں سویا - اس کے گھر والوں نے اُسے چارپائی سے باندھ رکھا ہے - ورنہ اس وقت تک کئی خون ہو جاتے - جو قریب آتا ہے اُسے کاٹنے دوڑتا ہے - پتھر پھینکتا ہے - دانت پیستا ہے اور سانپ کی طرح پھنکارے مارتا ہے - احسان علی نے قہقہہ مارا اور کہا کیسی بھولی ہو - جن - سایہ - بھوت - پریت - آسیب درحقیقت موہوم اور خیالی روایتیں ہیں ان کی کوئی ہستی نہیں ہے - زیادہ سے زیادہ انہیں وہم کے شعبدے کہنا چاہیے - ناہید نے منہ بنا کر کہا یہ بھی کوئی بات ہے کیا لفظ جن قرآن شریف میں نہیں آیا - میری طبیعت گھبراتی ہے - از برائے خدا پوربئے کو ہسپتال بھجوا دو - اس کی آنکھیں سخت ڈراؤنی اور بھیانک ہیں - اس کی جگہ کوئی اور سائیس رکھ لو - احسان نے بلب تبسم ریز اپنی پری جمال بیوی کی تسلی کی اور اُس سے کہا کہ تم کوٹھی میں جاؤ - میں اصطبل میں جا کر ابھی انتظام کرتا ہوں -

(۲)

جب احسان علی قدم برداشتہ پوربئے کی جائے رہائش کی طرف گیا - تو اس کی عجیب حالت تھی وہ اپنے محافظوں کی گرفت سے رہا ہو چکا تھا - آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ تھیں - منہ سے کف جاری اور پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا - بدن کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے وہ بیل کی طرح چلا رہا اور بدمستوں کی طرح شور مچا رہا تھا - اس کا لباس دھجیاں اور ناک سے خون جاری تھا - احسان کو دیکھ کر وہ دانت پیسنے لگا - اور پھر سانپ کی طرح پھنکارے مارنے لگا - یکایک اُس نے ایک جست کی اور پیشتر اس کے کہ احسان خبردار ہو وہ اس سے لپٹ کر گتھم گتھا ہو گیا - احسان بھی ایک تنومند جوان تھا لیکن اس پوربئے میں اس وقت کسی کو دیکر عفریت کی طاقت تھی - دونوں میں کشمکش ہو رہی تھی اور ناہید کوٹھی کی دور سے دیکھ رہی تھی - اس اثنا میں پوربئے نے احسان کے بازو پر اپنی تمام طاقت سے کاٹا اور دانتوں سے بوٹی توڑ لی اسوقت ناہید نے چیخ ماری ملازم چاروں طرف سے لٹھ اور لاٹھیاں لیکر دوڑے اور اسپر ٹوٹ پڑے اور معًا اس جاموش صحرائی کے سر و بدن پر لکڑیاں برسنے لگیں ہر چند اسکی حالت دگرگوں تھی مگر مار پیٹ سے بھوت بھی بھاگتا ہے - اس کا آہنی پنجہ ڈھیلا ہو گیا - دماغ اور پسلیوں پر سخت چوٹیں آئیں اس کے منہ سے خون بہنے لگا اور وہ بیہوش ہو گیا - ملازم اسے چارپائی پر ڈالکر اس کی کوٹھری میں لے گئے - یہ صبح کا واقعہ تھا - سہ پہر کو پوربئے نے خدا جانے صدمات ضربات یا بیماری یا کسی اور وجہ سے قضا کی اور شام سے پہلے پہلے اس کی خاک مرگھٹ میں اڑنے لگی -

(۳)

بازو کے زخم میں جلن اور درد تھا لیکن جب پور بیئے نے جان دی تو ورم زیادہ ہو گیا اور تکلیف بڑھ گئی پھر بخار آنے لگا اور کئی دن رہا رفتہ رفتہ زخم اچھا ہو گیا اور تپ جاتی رہی لیکن احسان کی قلب ماہیت ہو گئی رنگ زرد ہو گیا طبیعت کی شگفتگی عنقا ہو گئی ناہید کا زندہ دل ہنس مکھ خندہ پیشانی بذلہ سنج شوہر - چڑچڑا - سرکہ جبیں - وحشی مزاج - کم گو اور تنہائی پسند ہو گیا - پہلے اسے ناہید سے پل بھر جدا رہنا گوارا نہ تھا - اب وہ اس سے کوسوں بھاگتا تھا - ناہید کو جانور پالنے کا بہت شوق تھا کوٹھی کے برآمدے میں کئی قفس لٹک رہے تھے جنمیں افریقہ کے مختلف رنگ طوطے طرح طرح کی بولیاں بولتے تھے - کوٹھی کے چمن میں کئی طاؤس تھے - ایک طرف ایک جنگلہ بنا ہوا تھا جسمیں کئی ہرنیاں تھیں جن کے گلے میں زرنگار پٹے تھے - جب احسان کا زخم اچھا اور بخار دور ہوا تو ناہید نے رتجگا کیا - مزاروں پر گھی کے چراغ جلائے - سیدانیوں کو دوپٹے تقسیم کئے اور محتاجوں کو لذیذ کھانے کھلائے یہ سب کچھ ہوا - لیکن شوہر کی قلب ماہیت سے اس کے دل کا کنول کملا گیا اور وہ پریشان رہنے لگی - انہی ایام میں ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ ناہید کے جانوروں میں سے ہر صبح ایک جانور مردہ پایا جاتا تھا - ہر مردہ جانور کی گردن ٹوٹی ہوئی اور گوشت پر دانتوں کے نشان موجود ہوتے تھے - ناہید یہ حال دیکھتی تھی اور روتی تھی اس نے کئی بار خاوند سے شکایت کی مگر اس نے کچھ توجہ نہ کی - اور ایکدن کھسیانہ ہو کر کہا کہ اگر مرتے ہیں تو مرنے دو میں کیا کروں مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا - جب تمام طوطے ہلاک ہو چکے تو موروں کی باری آئی - ایک رات موروں کی جھنکار سے ناہید کی آنکھ کھل گئی - اور اس نے دیکھا کہ اس کے شوہر کی چارپائی خالی ہے وہ حیران ہوئی مگر لیٹی رہی تھوڑی دیر کے بعد احسان دبے پاؤں واپس آیا اس کے ہاتھ میں چاقو تھا - اور ہونٹوں سے خون لگا ہوا تھا - اس نے چاقو صاف کیا اور جیب میں رکھ لیا - پھر کلی کی اور چارپائی پر لیٹ کر سو گیا - دوسری رات ناہید بالارادہ بظاہر سو گئی مگر درحقیقت جاگتی رہی جب بارہ بجے تو احسان آہستہ سے چارپائی سے اٹھا اور یہ اطمینان کر کے کہ بیوی سو رہی ہے ہرنیوں کے کٹہرے کیطرف روانہ ہوا - ناہید بھی آہستہ سے اٹھی اور برآمدے میں چھپ کر دیکھنے لگی اس وقت کے نظارہ سے وہ کانپ رہی تھی - اس نے دیکھا کہ اس کے شوہر کے جسم سے دھواں نکلنے لگا - اور اس دھوئیں نے پور بیئے کی شکل اختیار کی پھر اس کا شوہر چھری لیکر ہرنیوں کے قریب گیا ایک ہرنی کو پچھاڑا اس کو ذبح کیا - اس کا گرم گرم خون پیا اور پھر بنگلہ کا دروازہ بند کر کے لوٹا - ناہید فوراً بھاگ کر اپنے پلنگ پر

سی اور بلا سر ہو گئی چند منٹ کے بعد احسان بھی واپس آیا اور کلی کر کے سو گیا -

(۴)

احسان کی حالت اب ابتر تھی - اب بورے کی طرح اس کی آنکھیں سرخ تھیں وہ لوگوں کو مارنے اور کاٹنے دوڑتا تھا - بیہودہ شور و غل کرتا - ہذیان بکتا - دانت پیستا اور سانپ کی طرح پھنکارے مارتا تھا - البتہ مرغی ذبح کر کے اس کا خون پلایا جائے تو خاموش ہو جاتا تھا - اور ناہید اس غم سے بتدریج گھل رہی تھی - اس نے تمام ہندوستان چھان مارا دور دور سے ڈاکٹر - طبیب - حکیم - وید سنیاسی بلائے مگر مرض تشخیص نہ ہوا کسی نے مالی خولیا - کسی نے جنون - کسی نے وحشت - کسی نے دیوانگی کا علاج کیا مگر بقول مومن سہ

مریض عشق پہ رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ایک دن ناہید کی ایک پرانی سہیلی ایک برقعہ پوش عورت کو جسکا نام حسین بی تھا - ہمراہ لائی اور کچھ کان میں کہا ناہید نے فوراً ڈومنیوں کو بلایا اور قوالی ہونے لگی - حسین بی نے غسل کیا - سفید لباس پہنا - عطر ملا - پھول مہکائے - لوبان جلایا اور سر کے بال کھول کر محفل میں بیٹھ گئی پھر قوالی کی تاثیر سے وہ کانپنے لگی پھر مست ہو کر سر ہلانے لگی - پہلے آہستہ آہستہ پھر زور زور سے عورتوں نے کہا کہ اسے حال آگیا ہے - تھوڑی دیر کے بعد ایک ڈومنی نے پوچھا آپ کون ہیں تو حسین بی نے جواب دیا کہ میں دادا میاں ہوں پھر اس نے پوچھا کہ مہربانی کر کے بتائیں کہ ہمارے میاں کو کیا آزار ہے حسین بی نے کچھ تامل کے بعد کہا کہ ان کے سر پہ پوربیا سوار ہے اور پھر بیہوش ہو گئی - عورتوں نے ہر چند اور سوال کئے مگر وہ کچھ نہ بولی -

(۵)

گرمی کا موسم تھا اور ناہید اپنے پیارے خاوند کو لیکر آبو کے پہاڑ پر مقیم تھی - اب وہ پہچانی نہ جاتی تھی سوکھ کر کانٹا ہو رہی تھی - اس کا کھلتا چہرہ زعفران کی طرح زرد تھا کیونکہ ڈاکٹر اور حکیم احسان کی طرف سے جواب دے چکے تھے - سب کا یہ خیال بلکہ یقین تھا کہ یہ مرض لاعلاج ہے اب دواؤں کا استعمال موقوف کر دیا گیا تھا - البتہ دعائیں ہو رہی تھیں -

آدھی رات کا وقت تھا اور حالت کرب اور اضطراب میں ناہید کروٹیں بدل رہی تھی دفعتاً وہ گھبرا کر اٹھی اور مصلے بچھا کر بیٹھ گئی - پہلے اس نے سورۂ الرحمٰن تلاوت کی پھر سجدے میں گر کر رونے لگی یکایک دریائے رحمت موجزن ہوا - اور روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی - عالم خواب میں اسے

اسے معلوم ہوا کہ ایک فقیر آیا اس نے احسان کے سرہانے کھڑے ہو کر کچھ پڑھا جس سے وہ تندرست ہوگیا - یہ دیکھ کر اس کی آنکھ کھل گئی اور اسے تسکین سی ہوگئی -

احسان کا پلنگ کوٹھی کے برآمدے میں تھا - اس پر وہی حالت طاری تھی - شور و غل کر رہا تھا - ایک کرسی پر ناہید ماتھے پر ہاتھ رکھے تصویر یاس بنی بیٹھی تھی - خادمہ مرغی کا خون ایک گلاس میں لے رہی تھی - کہ ایک فقیر ادھر سے گذرا اور شور سنکر وہاں آگیا - ناہید کو خاوند کی بیماری کی وجہ سے پردہ بھولا ہوا تھا - وہ فقیروں کی تلاش میں تھی - اس فقیر کی صورت اسے آشنا معلوم ہوئی اور پھر اسے فوراً یاد آگیا کہ یہ ہی وہ فقیر ہے جسنے خواب میں اس کے شوہر کا علاج کیا ہے - وہ فوراً اٹھی فقیر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی اور رونے لگی - فقیر نے اشارہ سے تسلی دی اپنے گرد حصار کھینچ لیا اور کچھ پڑھنے لگا - یکایک احسان کے ہر بن مو سے دھواں نکلنے لگا اور رفتہ رفتہ اس دھوئیں نے جمع ہو کر پورے کی شکل اختیار کی پھر آسمان سے ایک شعلہ اترا جس نے اس دخانی پیکر کو جلادیا یہ حال دیکھ کر ناہید بیہوش سی ہوگئی - پھر جو اس کے حواس بجا ہوئے تو فقیر غایب تھا البتہ اس کا شوہر سو رہا تھا دو گھنٹے کے بعد احسان نے آنکھ کھولی اور نگاہ محبت سے ناہید کی طرف دیکھا اور اشارے سے قریب بلایا - اب احسان کی آنکھیں جو پہلے پتھرائی ہوئی تھیں اور جن میں ہر وقت وحشت شعلہ فشاں تھی اپنی اصلی حالت پر آگئی تھیں - اور ان میں محبت کا مقدس نور جلوہ افروز تھا -

(ایڈیٹر)

صحاح ستہ

میرے پرانے دوست مولوی نثار علی صاحب پنشنر اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس پنجاب نے اپنے بڑھاپے کے وقت کو ایک ایسے ثواب کے کام میں خرچ کیا ہے جو قابل رشک ہے - مولوی صاحب نے صحاح ستہ میں سے ۹۵ حدیثیں منتخب کرکے ان کا ترجمہ اردو میں کر دیا ہے اور ہر ایک حدیث کے نیچے فوائد ضروریہ بیان کرکے اس کے مضمون کو واضح تر کر دیا ہے - طریقہ بیان دلفریب ہے -
معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اپنا کام پورا کر چکے ہیں تو ان کو خیال پیدا ہوا ہے کہ جب تک اصل متن عربی میں موجود نہوں تو ترجمہ کے مستند ہونیکا یقین دلانا آسان نہیں اس لئے انھوں نے اخیر میں تقریباً پونے

دو سو صفحوں میں احادیث کے متن لکھ دیئے ہیں۔
میری رائے ناقص میں بھی کسی مذہبی کتاب کا محض ترجمہ لکھنا درست نہیں جب تک اس کے ساتھ اصل متن نہو اور متن بھی اس کے ساتھ ہونا چاہیئے نہ کہ دور۔

کل حدیثوں کی تعداد جو مولوی صاحب نے منتخب کی ہیں ۹۹۵، ہے۔ اگر دوسرے ایڈیشن میں یہ تعداد ایک ہزار ہو جائے اور کتاب کا نام بھی "ہزار حدیث" رکھا جائے تو مناسب ہوگا اس التزام کے ساتھ کہ صحاح سے باہر قدم نہ رکھیں یہ تعداد پوری ہونی بالکل آسان ہے۔ اس کتاب کیساتھ ایک انڈکس بھی بہت مفید لگایا ہے خط اور کاغذ عمدہ ہے قیمت فقط ایک روپیہ ہے جو لاگت سے بھی شاید کچھ کم ہو۔ منجملہ اور جگہوں کے یہ کتاب دفتر تہذیب نسواں لاہور سے مل سکتی ہے۔ یہ انتخاب مولوی صاحب کا مذاق سلیم کا شاید عادل ہے کوئی ایک حدیث بھی اسمیں ایسی نہیں کہ کسی عقیدہ یا مذہب والے کو اسکے مضمون سے اختلاف ممکن ہو۔ مولوی صاحب اگر اس کتاب کا ترجمہ انگریزی میں کر دیں یا کوئی اور صاحب اس کام میں انکا ہاتھ بٹا دیں تو غیر مذہب والے بھی اس کے فوائد سے اسیقدر مستفیض ہو سکتے ہیں۔ جیسے اہل اسلام۔

(محمد حسین عارف)

رباعیاتِ عباس

گو قبر تک احباب کے میلے ہوں گے
ہمرہ نہ مگر ساتھ کے کھیلے ہوں گے
ہم دنیا میں آئے تو اکیلے آئے
جب جائیں گے یاں سے تو اکیلے ہوں گے

دو چار ہی دن یاں ہے بسیرا تیرا
خود شام پہ ہے دال سویرا تیرا
حیرت ہے تعجب ہے غضب ہے عباس
کس دعوے پہ ہم کرتے ہیں میرا تیرا

ہونا بھی تو اپنا ہے نہ ہونا عباس
ہم فانی ہیں اور عمر کھلونا عباس
کرنا ہے تو اب وقت ہے کر لو۔ کر لو
پھر بیٹھ کے کیا روئیں گے رونا عباس

منہ دیکھے کی گر ہو تو محبت کیسی
ہر شوخ پہ آئے تو طبیعت کیسی
خون ٹپکے نہ آنکھوں سے تو رونا کیسا
ہر روز نکل جائے تو حسرت کیسی

(عباس پیر کوٹی از لائل پور)

خون کے پیاسے

(گذشتہ سے پیوستہ)

ایک بابو صاحب بھی یہہ گفتگو سن رہے تھے وہ بھی لپک کر ڈاکٹر صاحب کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ صاحبان ذرا میری بھی کہانی سنئے۔ میرا ایک ٹوٹا پھوٹا مکان بھاٹی دروازہ کے اندر اونچی مسجد کے قریب واقع ہے۔ پانچ چھ سال سے اس کی بابت تجھ ہوس ٹیکس دیا کرتا تھا چین بخش جمعدار کمیٹی میرا ہمسایہ ہے ہنچے کبھی آپس میں لڑ پڑے تھے اسپر میرے ساتھ بھی اس کی بول چال بند ہو گئی۔ آج میرے پاس دفعتاً پندرہ روپیہ کا نوٹس آ پہنچا جس سے سرگرداں ہوں یہہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ اس ایزادی کا کیا سبب ہوا۔ لیکن جس بابو کے پاس جاتا ہوں وہ دوسرے کے پاس بھیجدیتا ہے اب لاچار ہو کر سکرٹری کو اطلاع کرائی ہے دو گھنٹے ہو گئے کچھ جواب نہیں آیا۔ ڈاکٹر صاحب مسکراتے ہوئے ذرا آگے بڑہے تو اسی برقع پوش بڑھیا کو کھڑا دیکھا جس کو وہ پچیس روپیہ دے چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑھیا سے کہا بائی (اماں) ہوس ٹیکس داخل کر دیا۔ بڑھیا نے جواب دیا۔ بیٹا تین روز سے برابر آتی ہوں کوئی روپیہ ہاتھ میں نہیں پکڑتا۔ لیکن جب گھر جاتی ہوں تو کمیٹی کا جمعدار آ موجود ہوتا ہے اور دو آنہ لئے بغیر نہیں ٹلتا۔ اچھی بیٹا میرے ساتھ چل کر یہہ روپیہ داخل کرا دو تا کہ ان ملعونوں سے میرا پیچھا چھوٹے۔ ڈاکٹر کمال فوراً بڑھیا کو سپرنٹنڈنٹ ٹیکس کے دفتر میں لے گئے اور وہاں شکایت کی تو تمام بابو کانوں پر ہاتھ دھر گئے کہ اس بڑھیا کی شکل ہم نے اسوقت سے پہلے کبھی نہیں دیکھی لیکن ایک ہندوستانی بیرا ہی بول اٹھا کہ خدا سے ڈرو یہہ بڑھیا تین روز سے برابر آتی ہے اس کو میں کئی دفعہ دفتر میں کھڑا دیکھ چکا ہوں ڈاکٹر صاحب نے اس بڑھیا کا ٹیکس اپنے روبرو داخل کرا کر اس کو رسید دلوا دی۔

دوسرے روز ڈاکٹر صاحب نے سکرٹری کے پاس ایک نوٹ بھیجا کہ میری یہہ تجویز ہے کہ دس روپیہ تک ہوس ٹیکس دینے والوں کا ٹیکس جن کی تعداد دس ہزار ہے اور آمدنی پندرہ ہزار ہے معاف کیا جاوے۔ آیندہ (ایجنڈا) میں باجازت صاحب پریزیڈنٹ کمیٹی شامل کیجائے دوسرے دن پنڈت کشن چند رازدان وکیل نے بھی ایک درخواست پریزیڈنٹ صاحب کے نام سکرٹری کی معرفت روانہ کی کہ تمام ایسی بیواؤں کا ہوس ٹیکس جن کے خاندانی مکان ہیں اور اُن کے گزارہ کی کوئی صورت نہیں

معاف کیا جاوے اور دوسری یہ تجویز بھی لکھا بھیجی کہ ہر ایک شخص کو اجازت دیجائے کہ وہ اپنا ہوس ٹیکس منی آرڈر کے ذریعہ سے سکریٹری پاس بھیجدیا کرے - سکریٹری نے یہ تینوں تجویزیں پریزیڈنٹ کے سامنے پیش کیں اور تینوں تجویزوں کی مخالفت کی - ڈاکٹر صاحب کی تجویز کی مخالفت اس بنا پر کہ اگر پندرہ ہزار کی رقم معاف کر دی گئی - تو آیندہ بجٹ میں کمی واقع ہوگی - جس کا پورا کرنا مشکل ہوگا - اور وکیل صاحب کی مخالفت کی یہ وجہ ظاہر کی کہ مجھے اسقدر فرصت نہیں کہ ہر ایک منی آرڈر کی رسید پر دستخط کروں میرے کام میں نہایت سخت ہرج ہوگا - اور منی آرڈر کے کھوئے جانیکا سخت اندیشہ ہے - صاحب پریزیڈنٹ نے دوسرا تینوں تجویزوں کو ایجنڈا میں داخل کرنے سے انکار کر دیا اور لکھدیا کہ آیندہ بجٹ کے وقت اگر وکیل صاحب اور ڈاکٹر صاحب ان تجویزوں کو پیش کریں گے تو میں کمیٹی کے سامنے پیش کرونگا ڈاکٹر کمال کے پاس جب یہ تحریر پہنچی وہ فورا پریزیڈنٹ صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے - اور قاعدہ دکھا کر صاحب بہادر کی تشفی کر دی کہ ان کو ایسی تجویزوں کو کمیٹی میں پیش ہونے سے روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں - صاحب پریزیڈنٹ نے ڈاکٹر صاحب کی دوسری تحریر پر حکم لکھدیا کہ سکریٹری صاحب ان تجویزوں کو ایجنڈا میں داخل کر دیں لیکن ایک نوٹ لکھ کر اس تجویز کی سخت مخالفت کی - چوتھے دن وہ تجویز کمیٹی کے سامنے پیش ہوئی - ڈاکٹر صاحب نے ایک مختصر سی تقریر میں ثابت کر دیا کہ فقط پندرہ ہزار کی رقم کے لئے دس ہزار آدمیوں کو تکلیف دینا اور دس پندرہ بابوؤں کا خرچ برداشت کرنا ایک فضول حرکت ہے - اگر کمیٹی کو آمدنی میں کمی کا خیال ہے تو شرح ٹیکس میں تھوڑی سی ایزادی کر دی جائے یا رجسٹروں کی پھر پڑتال کرالی جائے - کہ اس حیثیت کے ٹیکس دینے والے اہلکاروں کی غفلت سے چھپے ہوئے تو نہیں ہیں - یہ تجویز ایسی صاف تھی اور چونکہ محض رفاہ عام کی غرض سے کی گئی تھی - کمیٹی میں کوئی بھی اس سے انکار نہ کر سکا - آٹھ ممبروں نے ڈاکٹر صاحب کی تائید کی تین ناطرفدار رہے اور تین سرکاری ممبروں نے جن میں صاحب پریزیڈنٹ بھی تھے اس کی مخالفت کی یہ تجویز کثرت رائے سے پاس ہوگئی -

پنڈت کشن چند وکیل کی تجویزوں پر بھی صاحب پریزیڈنٹ نے مخالفت کا نوٹ لکھا تھا وہ دوسرے ایجنڈا میں درج ہوئیں پہلے دن کے تجربہ نے صاحب بہادر کو متنبہ کر دیا تھا - اس لئے تحصیلدار کی معرفت دونوں وائس پریزیڈنٹوں کو چودھری خوشی محمد اور لالہ سروپی مل کو کہلا بھیجا کہ وہ ضرور جلسہ میں حاضر ہوں اور صاحب پریزیڈنٹ

کی تائید میں اپنی رائے دیں اس روز اسسٹنٹ کمشنر بھی کمیٹی میں موجود تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے بڑھیا کے حالات کو خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا لیکن پھر بھی اُن کو پریزیڈنٹ صاحب کی کاسٹنگ ووٹ سے شکست ہوئی۔ ڈاکٹر کمال اور پنڈت کشن چند وکیل اور چھ اور ممبروں نے اپنا اختلاف رائے درج کرایا۔ وہ روئداد جب نہاربول صاحب کمشنر صاحب کے پاس پہنچی تو انہوں نے ایک نہایت مفصل نوٹ لکھ کر وہ روئداد لوکل گورنمنٹ کے پاس بھیج دی۔ اور یہ لکھا کہ یہ دونوں تجویزیں بالکل رفاہ عام کے متعلق ہیں اور ایسی تجویزوں کا پریزیڈنٹ کی کاسٹنگ ووٹ سے نامنظور ہونا گورنمنٹ سے کمی محبت کا باعث ہوگا۔ اتفاق سے ان دنوں ہیں لفٹنٹ گورنر سر فریڈرک تھے جو نہایت منصف مزاج تھے اور انگریزوں اور ہندوستانیوں کو ایک آنکھ سے دیکھنے والے تھے۔ ان کا مقولہ تھا کہ گورنمنٹ کا وقار ظلم اور سختی سے نہیں بڑھتا بلکہ انصاف اور ہمدردی سے بڑھتا ہے جسقدر رعایا کو زیادہ آرام ملیگا اسیقدر وہ گورنمنٹ سے زیادہ گرویدہ ہوگی۔ انہوں نے کمشنر صاحب کی رائے کو فوراً منظور کر لیا اور رزولیوشن کو منسوخ کر کے احکام جاری کرا دیے کہ تمام مفلس بیواؤں اور مفلس شریفوں کے گھر ٹیکس سے بری کئے جائیں اور فقط ہوس ٹیکس کے لئے نہیں بلکہ ہر ایک قسم کے محاصل کے لئے عام

حکم جاری کر دیا کہ لوگوں کو منی آرڈر کے ذریعے بھیجنے کا اختیار ہوگا۔ لوکل اخباروں نے ان تینوں رزولیوشنوں اور ان کے نتائج کے بابت نہایت زور و شور سے بحث کی۔ اس کا ماحصل ہوا کہ اہل شہر نے محاصل ادا کنندگان کی ایک ایسوسی ایشن قائم کر لی۔ اس کے بعد اکثر ممبر صاحبان بھی خواب غفلت سے بیدار ہوگئے اور صاحب ڈپٹی کمشنر بھی تاڑ گئے کہ اب کمیٹی کا وہ رنگ نہیں رہا جو ایک سال پہلے تھا آئندہ کے لئے وہ نہایت محتاط ہو گئے۔ اپنی رائے کا اظہار کرنا اور کسی امر پر ضد کرنا چھوڑ دیا لیکن حکومت کا نشہ بہت بری چیز ہے اور اہلکاری حکومت ایسی کمزور اور ہیجان خیز واقع ہوئی ہے کہ وہ ایسی جلدی پشیمان ہو جاوے چنانچہ چند دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ سکریٹری صاحب نے جو لالہ خوشوقت رائے کے داماد تھے ایک ہندو اہلکار کو موقوف کر دیا۔ لالہ خوشوقت رائے نے اس کی جگہ ایک انٹرنس پاس نوجوان کو جو ان کا رشتہ کا بھانجا ہوتا تھا مقرر کرا لیا۔ دوسری طرف اہلکاری سازشوں کا شکار بن کر ایک صاحب نے جو نئے مقرر ہو کر آئے تھے ایک مسلمان اہلکار کو موقوف کر دیا اور سیٹھ سوبر نجن کے ہاتھ میں انجن صاحب کٹ تی کا کام کرتے تھے اپنے حقیقی بھائی کو مقرر کرا لیا۔ ان دونوں موقوفیوں اور تقررات کا نتیجہ

...ہ کر دیا ہے - اور لوٹ لیا ہے -

دیوانجی - چودھری صاحب صحیح ہی تو ہے شاید آپ شبہ ظاہر فرماتے ہو - اسمیں کچھ بعید ضرور ہے - یہ چوروں کا کام نہیں ہے -

چودھری - دیوانجی چوروں ڈاکوؤں کا کام نہیں اور کس کا کام ہے - ذرا اگاڑی تک تو چلو - کیا یہ بندوبست ہے -

دیوان جی - اچھا کچھ حال تو کھولیں تو سہی جانا گیا ہے - داروغہ جی بھی ذرا اٹھ لیں - اس وقت دیکھا جائے گی - میں تو یہی کہوں گا اگر مجھ سے پوچھتے ہو یہ تو کچھ اور ہی راز ہے - راز کیا ہے عورتوں کی دوری بلا اب کون کہے کہ کسی بدمعاش نے سانٹھ گانٹھ ہوگی اور اسی کی یہ کرتوت ہے - کہیں سرشام ڈاکہ پڑتا ہے یا رہزنی ہوتی ہے - بس اس معاملہ کو یہیں تک رہنے دو جب بیان ہوں گے سب کی خدا جانے کیا گل کھلیں گے اور کیا فضیحتا ہو - عورت کا معاملہ ٹیڑھا ہوتا ہے اے چودھری صاحب جو ہوا سو ہوا اس کا خاموش ہی رہنا - گو لڑکا بیٹا نہ پھڑوائے

چودھری صاحب - دیوان جی تو یہ کر دیہ بات نہیں ہے - آپ رپٹ لکھیں اور تحقیقات کی فکر کریں - جو بات ہو گی ظاہر ہو جائے گی -

دیوان جی - خیر صاحب ہم نے تو اپنا حق ادا کر دیا - اب تم جانو اور تمہارا کام - جنبلی کا اشارہ کر کے لاؤ لو رپٹ درج ہوتی ہے - صبح صبح بوہنی -

چودھری صاحب - دیوان جی ببیسٹ بھٹادن بھی دیکھی جائے گی - رپٹ تو لکھو اور تحقیقات کا انتظام کرو - اس وقت تو کچھ نہیں ہے -

دیوان جی - نہیں نہیں یہاں ادھار نہیں چلتا - نقدہ حرمتہ - نہیں تو اچھا داروغہ جی سے رپٹ لکھوا لینا - داروغہ جی بھی جاگے جاتے ہیں - افسوس دو لٹے پٹے مستغیث تھانہ کے دروازہ پر پڑے ہیں - اور داروغہ جی بیدار ہی نہیں ہوتے - کروٹ بھی نہیں بدلتے -

لیجئے ٹن ٹن آٹھ بج رہے ہیں اور داروغہ جی حقہ مانگ رہے ہیں - جھٹ ہی لونڈا حقہ بھر کر چلا دیوانجی بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرہ میں داخل ہو گئے اور داروغہ جی سے یہ قصہ کہا - داروغہ جی سنتے ہی ہکا بکا رہ گئے - اور لگے دیوان جی کا منہ تکنے -

داروغہ جی - دیوانجی اب بتلاؤ کیا ہوگا - ویسے ہی یہ تھانہ بدنام ہے اب یہ ایک اور رہزنی (کوئی بیچ میں غضب) چلو تو سہی دیکھیں کیا اصلیت ہے -

داروغہ جی اور دیوان جی سیدھے گاڑی کے پاس گئے اور دونوں مظلوموں کو دیکھا وہاں سے دفتر میں آکر بیٹھے اور سرگوشیاں ہونے لگیں

چودھری مہتاب جو اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھامے بیٹھا تھا اس سے کہا اچھا دونوں کو دفتر میں لے آؤ پوچھیں تو نراین کیا کہتا ہے اور اسکی بی بی بھی کچھ بولتی ہے یا نہیں - دونوں مضروبوں کو چوں توں دفتر میں لاکر ڈالدیا - اب دیوان جی مہتاب چودھری سے یوں گل افشانی کرنے لگے -

دیوان جی - چودھری صاحب ان دونوں کو موقع واردات سے گاؤں تک کون پہونچا گیا ہے اس کو بتلاؤ - ہو نہو اسی سے پتہ چلے گا اسی کے پھیر میں یہہ واردات ہے -

چودھری - دیوان جی مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ کون ان کی گاڑی گاؤں تک پہونچا گیا - میں نے تو ان کو گاڑی میں گاؤں کے سواسنے پر پایا ہے -

دیوان جی - چودھری صاحب اسی کو تو میں کہتا ہوں کہ یہہ نہ رہزنی ہے نہ ڈاکہ یہہ تو کچھ اور ہی بات ہے اب کیا رپٹ لکھی جاسکے - کچھ بات بنی ہو جو لکھی جائے -

داروغہ جی - دیوانجی ابھی چودھری کو معلوم نہیں ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اور کیسے عقدے کھلینگے چودھری صاحب ذرا اپنے داماد کو تو جگاؤ - یہہ تو ذرا آنکھ کھولیں یہہ کیا فرماتے ہیں آپ کی بیٹی میں تو گویا جان ہی نہیں ہے یہہ تو کیا بتلائیگی چودھری نے نراین کو ہوشیار کیا اس نے آنکھیں کھولیں اور سب قصہ اول سے آخر تک سنایا - داروغہ جی نے موقع موقع پر جرح بھی خوب کی اب داروغہ جی بیچاری عورت کیطرف متوجہ ہوئے اس نے بھی کچھ حال بیان کیا جب داروغہ جی نے دیکھا کہ معاملہ بیچا ہے اور اب کوئی بات بن نہیں پڑتی - ابتدائی رپٹ لکھوائی اور حالی موالی اور ہوشیار ہوشیار کانسٹبلوں کو ساتھ لیکر معہ مضروبان اور چودھری مہتاب موقع پر آئے آس پاس کے گاؤں سے بھی مشتبہ اور بدمعاشوں کو جمع کیا - زمینداروں اور مکھیوں کو بھی بلایا - ان لوگوں کو بھی پکڑ بلایا جو کل کول پر یو کے ڈال رہے تھے - اب خوب گرما گرمی سے تشویش شروع ہوئی اور تحقیقات ہونے لگی - مگر ڈھاک کے وہی تین پات کیسی تحققات دو دونی چار - تین دونی چھ - چار دونی آٹھ - پہاڑے پڑھے جاتے ہیں - اور خوب ہی رنگ رلیاں ہو رہی ہیں - آخر داروغہ جی تحقیقات سے واپس آگئے اور روزنامچہ رنگ رنگا کر چلتا کیا اور ابتدائی رپٹ کی تائید کردی - ابتدائی رپٹ بھی عجب دل کش اور ہوش ربا ہے -

نراین اور ایک کاشتکار سے پانی پر کچھ جھگڑہ ہوگیا ہے نراین کے خفیف سی چوٹ

چوٹ لگ گئی ہے۔ نرائن مدعی کو چارہ جوئی عدالت کی ہدایت کی گئی۔

سبحان اللہ کیا صحیح رپٹ ہے۔ چودھری مہتاب اپنے دونوں مفرور بیلوں کو گھر لے آیا۔

اب بڈھا چودھری حیران ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ کس سے فریاد کرے۔ دیوانہ وار سر دھنتا پھرتا ہے۔ کبھی تھانہ میں جاتا ہے اور کبھی کچہری میں پھر اٹھیکا مارا آتا ہے۔ ایک دن مجسٹریٹ صاحب کے بنگلہ پر بھی جا نکلا۔ مگر غریب کی کون شنوائی کرے موقع کیسے ملے۔ احاطہ میں گھسا اور کتوں نے پھاڑا۔ اردلی نے بھنبوڑا۔ سہ

سگ و درباں چو یافتند غریب — ایں گریباں گرفت و آں دامن

ایک دن شام کو صاحب بہادر جو ہیں ہوا خوری کو نکلے بڈھے نے روکر اپنا سر پاؤں پر رکھدیا اور اپنی پھوٹی قسمت کا فیصلہ سنانے کو ہی تھا کہ صاحب بہادر نے فرمایا۔ ول کیا مانگتا ہے کچہری میں حاضر ہو۔ بڈھا چودھری سرکار ذرا میرا قصہ سُن لیجیئے اور انصاف کیجیئے اور سب بپتا اول سے آخر تک سنا دی رحمدل مجسٹریٹ کچھ پسیجا اور کہا اچھا تحقیقات ہوگا۔ دوسرے دن قاضی برکت اللہ انسپکٹر حلقہ کو مجسٹریٹ صاحب نے بلوایا اور کہا کہ قاضی صاحب اس مقدمہ کا اچھی طرح تحقیقات کرو پہلے بتلانا چاہئے کہ یہ قاضی صاحب کون ہیں۔ یہ پولس انسپکٹر ہیں۔ (میں پھر وہی پولسین) نہیں قاضی جی ضلع بھر میں ایماندار مشہور ہیں۔ مشہور ہی نہیں درحقیقت آپ پورے ایماندار ہیں۔ رشوت کیسی آپ تو کسی کا پانی بھی نہیں پیتے۔ کیا مجال جو آپ کے گھوڑے نے بھی مفت کی گھاس بھی کھائی ہو۔ سب سامان کھانے پینے کا ساتھ رہتا ہے۔ ملازم اہلکار گو آپ کی دیانتداری سے کیسے ہی نالاں کیوں نہ ہوں۔ اور بدمعاش کتنا ہی روئیں مگر رعایا آپ کے نام کی مالا جپتی ہے اور بچہ بچہ آپ کے لئے دل سے دعائیں دیتا ہے۔

القصہ قاضی جی سیدھے موقع واردات پر پہونچے ادھر ادھر کے زمیندار اور سربرآوردہ لوگوں کو جمع کر کے تحقیقات شروع کی۔ پوری سراغرسانی کے بعد کچھ کچھ پتا چلنے لگا اور صاف راز افشا ہوگیا۔ کہ اس واردات کے کون لوگ ملزم ہیں۔ شام ہوگئی سب لوگ رخصت ہوئے کچھ مشتبہ لوگوں کو روک لیا گیا۔

بیدار مغز انسپکٹر نے راتوں رات دوش کا انتظام کرلیا اور صبح ہوتے ہی بجلی کیطرح کوند کر اس گاؤں کو گھیر لیا جس میں ملزم رہتے تھے۔ اب کیا تھا ابتو چل چل پڑگئی ملزموں کے گھر کی تلاشی ہونے لگی اور سب مال مسروقہ برآمد ہوگیا۔ ایک ایک کرکے بدمعاش گرفتار ہوگیا۔

اب کیا تھا انسپکٹر صاحب ملزمان کو معہ مال تھانہ میں لائے اور نرائن اور اسکی بی بی کو ہسپتال چلتا کیا۔ جب داروغہ صاحب نے انسپکٹر صاحب کو تھانہ میں آتے دیکھا ہوش اڑ گئے اور دست دعا ہوکر بغلیں جھانکنے لگے۔ اب کیا کریں قاضی ملک الموت کی طرح سر پر سوار ہے اور سب دروازے بند ہیں۔ نہایت کامیابی سے مقدمہ کا چالان ہوا۔ ملزمان کو کوشش سے چار چار سال کی قید سخت ہوئی۔ ابھی داروغہ جی اور دیوان جی کے گلے کا پھندا نہیں کٹا معطلی سے نہیں ہے دیکھیں کس کس کی قسمت میں چکی پیسنا ہے اور کون اپنے کیفر کردار کو پہنچکر جیل میں جانے کو ہے۔ اور قاضی جی اس کارگزاری کا کیا صلہ پاتے ہیں۔

گندم از گندم بروید جو زجو
از مکافات عمل غافل مشو

(نثار از علی گڈھ)

جذباتِ ضامن

ہے لہو دل میں نہ آنکھوں میں طراوت باقی
ہائے رونے کی بھی رہ جائیگی حسرت باقی

خوں فشانی میں کمی ہونے نہ پائے اے چشم
عشق کی دل میں ہے جبتک کہ ودیعت باقی

ڈھونڈھتے جائیں گے اب دود چراغ خورشید
زلف کو رخ سے ہے جو تھی ہمیں نسبت باقی

ہم کو باور نہیں آتا کہ یہ ٹالے ٹل جائے
حشر کے روز بھی ہوگی شب فرقت باقی

کتنی فردائیں ہوئیں پر نہ قیامت آئی
ابھی کچھ بڑھنے کو ہے کیا ترا قامت باقی

شکل دکھلا دے کہاں مان نہ لے سر پہ عذاب
تیرے بیمار میں اب کچھ نہیں حالت باقی

وا اثر گوں رکھتی ہے گو گردش دوراں دل کو
تاہم اس جام میں ہے بادۂ الفت باقی

گرچہ دنیا نے بہت کر دیا ہموار ہمیں
پھر بھی ہے بال کے برابر سی کراہت باقی

نہ تمنا کا پتہ ہے نہ امیدوں کا نشاں
دل ہے وہ دشت نہیں جسمیں زراعت باقی

یہ بھی مٹ جائے کسی طرح تو جھگڑا مٹ جائے
نام کو ہم میں جو ہے بابِ شرافت باقی

دست اسراف قسم ہے تجھے حبہ نہ رہے
باپ دادا کی بہت ہے ابھی دولت باقی

پھر کل دیکھیں گے یہ آج کا دن تو ٹل جائے
کیا قیامت میں ہے ظالم کوئی مدت باقی

بول بالا اہل ورع کی نہیں معیار سخن
کہ ہے اب ماہیوں میں ساری فصاحت باقی

ہمنے کچھ جذبۂ توفیق کا دیکھا نہ اثر
اے خدا ہے ابھی ہمت سے خجالت باقی

عشق کا نام نہ لیگا جسے ہو گی کچھ عقل — چھوڑے جاتے ہیں ہم افسانۂ عبرت باقی
لذت بادۂ صافی ابھی اے شیخ نہ پوچھ — آب کوثر سے زباں کی ہے طہارت باقی
غم کاری نہیں دیوانگی اپنی ضامن — ساتھ اس سر کے ہے سودائے محبت باقی

(ضامن کنتوری)

فلسفہ اخلاق

باب ۳۹

فرائض والدین

اے انسان۔ وہ معصوم ہستی جو تیرے پیدا کرنیوالے نے تیرے سپرد کیا ہے۔ اس کی معقول حفاظت اور پرورش کر اور اسے ایسی اور اس قسم کی تعلیم و تربیت دے جس سے وہ آیندہ اپنی اور اپنی جماعت کے لئے مفید ثابت ہو اور یہ بات محض تیری ہی ذات پر منحصر ہے کہ تو اپنی اولاد کو مستوجب لعنت بنا۔ یا مستحق تعریف۔

سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہر بچہ کے میلان و رجحان طبیعت کو دیکھنا چاہیے اور اسی کی مناسبت سے اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا چاہئے مگر یہ خیال رہے کہ ہر بچہ کو حسب ذیل تعلیم و تربیت ضرور دلا۔ مثلاً اطاعت کی تعلیم دے جس کی وجہ سے اس کی زندگی خود اس کے اور تیرے لئے باعث برکت ہو جائے۔ نفس کشی کی ہدایت کر جسکی وجہ سے وہ ہمیشہ شرمندگی کی ذلت سے محفوظ رہے۔ شکر گزاری کا سبق دے۔ جس سے اس کو دنیا میں ہر قسم کے فوائد حاصل ہوں۔ سخاوت کی عادت ڈال جس سے وہ ہر دلعزیز ہو۔ اور سب لوگ اس سے سچی محبت کریں۔ پرہیزگار بنا جس کی وجہ سے تندرستی ہمیشہ اس کی معاون رہے صحیح اور جائز محبت کیطرف اس کی طبیعت کو راغب کر جس کی وجہ سے دولت اور عزت میں وہ ترقی کرتا جائے۔ نیکی کرنے میں کافی تنبیہ کر جسکی وجہ سے رفتہ رفتہ اس کی فطرت نیک ہو جائے تاکہ دنیا میں اس کو روحانی اطمینان حاصل رہے سچائی اور انصاف کی نصیحت کیا کر جسکی وجہ سے لوگ اس کی عزت کریں اور وہ اپنے ضمیر سے کبھی شرمندہ نہ ہو سکے۔ اور اس کے بعد رجحان و میلان طبیعت کے موافق اس کو

وہ تعلیم دلا جس سے وہ تنازع للبقا میں کامیاب ہو - اور ہاں اس قسم کی دینی تعلیم بھی دلا جس سے وہ مرنے کے وقت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس ناپائدار دنیا کو چھوڑ سکے -

ابتدائی عمر سے لہو و لعب کے کاموں کے بجائے اُن کاموں کی طرف رغبت پیدا کرو جو حیات میں امداد دینے والے ہوں، اور تفریح میں بھی اُن مشاغل کی طرف اس کی طبیعت کو متوجہ کر جس سے جسمانی اور روحانی نشو و نما ہوتی ہو - اس طرح کی تعلیم و تربیت سے یقین ہے کہ افعال قبیحہ سے اُسے خود بخود نفرت پیدا ہو جائے گی - کیونکہ اس وقت بچے کی طبیعت مثل اس زمین کے ہوتی ہے جس میں جو طاقتور بیج بویا جائے گا - وہی نشو و نما پا کر عمل لائے گا - ہاں یہ بات بھی سمجھ لے کہ نالائق اولادیں والدین کے نالائقی کی سند ہونے کے علاوہ ہمیشہ اپنے والدین کی شرم اور لعنت کا مستحق بنایا کرتی ہیں - اور نیک و لائق اولادیں والدین کی حقیقی راحت اور عزت کا ذریعہ ہونے کے علاوہ عالم ضعیفی میں تمام مسرتوں کا منبع بن جاتی ہیں -

باب ۴

فرائض فرزندانہ و برادرانہ

اے فرزند خدا کی تمام مخلوق کے افعال و اقوال کو غور سے دیکھ اور سُن، اور ان سے نصیحت حاصل کر - دیکھ سارس کا بچہ اپنے بازوؤں پر ضعیف والدین کو لیکر اُڑتا ہے اور ایک محفوظ مقام پر پہونچا کر اس کے لئے غذا مہیا کرتا ہے - کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ایک حیوان کو تو اپنے فرائض کا اتنا احساس ہو اور اکثر انسان جنکو اشرف المخلوقات ہونے کا دعوےٰ ہے اپنے اس اہم ترین فرض سے چشم پوشی کر کے دعوائے انسانیت کا کریں - اس لئے اے فرزند ضعیفی میں اپنے والدین کی ہر طرح کی خبر گیری کر اور جسطرح کی امداد کی ان کو ضرورت ہو خلوص اور سچائی سے دے اور ان کی کمزوری اور ناتوانی کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر ان کی دل سے عزت کیا کر - اپنے بچپن کی شوخیوں کو جو تو نے ان کے ساتھ کیا ہے یا وہ امداد جو تو نے اپنے والدین سے حاصل کیا ہے کبھی فراموش نہ کر تاکہ والدین کی اطاعت کے جذبات ہمیشہ دل میں اُٹھتے رہیں جس کی وجہ سے وہ قابل عزت ہستیاں اطمینان و یکسوئی قلب کے ساتھ اس دار الامتحان سے رخصت ہو جائیں اور تیری اولادوں کو بھی یہ باتیں اپنے فرائض بسرانہ ادا کرنے کے قابل بنا دیں -

اور اس بات کا بھی خیال رکھو کہ تیرا باپ تیرے وجود کا ذریعہ ہوا ہے اور تیری ماں نے کسقدر اذیت اور تکلیف اٹھا کر پہلے اپنے شکم میں نو مہینے تیری حفاظت و پرورش کی ہے اور اس کے بعد جب تک تو سن شعور کو نہیں پہنچا تجھ سے سچی محبت اور ہمدردی سے پیش آتی رہی ہے۔ اور تیری ہر قسم کی حفاظت اور پرورش کرتی رہی ہے۔ اس لئے میری یہہ ہدایت ہے کہ ان دونوں کی نصیحتوں کو خوب غور و توجہ سے سن ان کی سب نصیحتیں یقیناً تیرے لئے مفید ثابت ہوں گی یہہ ممکن ہے کہ بعض باتیں وہ ایسی اپنی دانست میں تیری بھلائی اور بہبودی کی بتائیں جو حقیقت میں تیرے لئے مفید نہوں۔ مگر یہہ غیر ممکن ہے کہ وہ اپنے علم اور سمجھ کے موافق تجھ کو غیر مفید و مضر کاموں کے کرنے کی ہدایت کریں۔ ہاں لے بچو یہہ بات بھی سنو کہ تم سب ایک باپ کی اولاد ہو ایک ہی ماں کا تم نے دودھ پیا ہے۔ تم سب کا گوشت و پوست اور ہڈی و خون ایک ہی ہے اس لئے اصولاً تم سب کو ایک دوسرے کے ساتھ سچی محبت اور ہمدردی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ اگر اس اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھوگے تو مسرت کی دیوی ہمیشہ تم پر کھلا کے انبساط نثار کرتی رہے گی ہاں دنیا میں اکثر اوقات تمہیں علیحدہ بھی رہنا پڑے گا تمہارے درمیان بعض ناگزیر اسباب کی وجہہ سے بدمزگی بھی پیدا ہو جائے گی۔ مگر ان سب حالتوں میں ہمیشہ اس سچے اور حقیقی محبت کے رشتہ کو کبھی فراموش نہ کرنا جو قدرت نے تمہارے درمیان قائم کر دیا ہے اور اس بات کا بھی ہمیشہ خیال رکھنا کہ کسی غیر شخص کو اپنے بھائی اور بہن پر کبھی ترجیح نہ دینا۔ اگر انقلاب زمانہ کیوجہہ سے تمہارا بھائی یا تمہاری بہن کسی وقت افلاس یا مصائب کے پنجہ ستم میں گرفتار ہو جائے تو اس کی مدد جہاں تک تمہارا امکان ہے ضرور کرنا۔ اس طرح کی امداد سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت میں اور زیادہ تقویت ہوتی جائے گی اور زندگی کی جنگ کیلئے تم سب مضبوط ہوتے جاؤ گے۔

باب ۱۴
عقلمندی اور بیوقوفی

پروردگار عالم کی جملہ نعمتوں میں عقل و فہم ہی ایک اعلےٰ نعمت ہے۔ مگر اس حکیم و قادر مطلق کی یہہ خاص حکمت ہے کہ جس ہستی کو جس نعمت کا وہ مستحق سمجھتا ہے وہی اس کو عطا کرتا ہے انسان کی یہہ سخت نادانی اور بیوقوفی ہے کہ اس کی حکمت اور قدرت سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اے انسان اس بات کا خیال رکھ کہ جب اُس مبدءِ فیض نے تیرے کاشانۂ دل کو علم و حکمت کی تجلیات سے منور کیا ہے تو تجھ کو لازم ہے کہ عقلا کی ترقی کے لئے اور جہلا کی نصیحت کے لئے ان تجلیات کا عکس ان کے شاہراہِ حیات پر ڈال۔ جو شخص صحیح العقل ہوتا ہے اس کی طبیعت میں غرور و شیخی کم پائی جاتی ہے اور اس کو ہمہ دانی کا کبھی غرور نہیں ہوتا۔ وہ اکثر مسائل میں مشکوک بنا ضروری سمجھتا ہے۔ اور اپنی غلطی معلوم کرنے پر اپنے ارادوں کو تبدیل کر دیا کرتا ہے۔ مگر ایک بیوقوف آدمی کی طبیعت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنی ہمہ دانی کے زعم کی وجہ سے کسی مسئلہ میں شک کرنا ضروری نہیں سمجھتا اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہنا ضروری فرض سمجھتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اپنی ناقص العقلی کی وجہ سے اپنے کو تمامی علوم اور تمامی مسائل کا عالم سمجھتا ہے اور سب سے زیادہ لطف کی بات یہ ہے کہ باوجود اس ہمہ دانی کے اس کے علم کی یہ کیفیت ہے کہ حقیقت میں اپنی جہالت تک سے ناواقف ہونیکا افتخار اسے حاصل رہا کرتا ہے

بیہودہ اور لغو باتوں پر فخر و مباہات کرنا خلاف عقل اور قابل نفرت بات ہے اور ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا بھی نادانی کی دلیل ہے۔ مگر عقلا کو چاہئے کہ ایسے نافہم لوگوں کی گستاخیوں کو اس وجہ سے برداشت کرلیں اور ان کے اوچھے پن کی بیہودہ گوئیوں کو صبر سے سن لیں کہ وہ قابلِ رحم ہیں۔

ہاں اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ اپنی اعلےٰ عقل و فہم پر کبھی بھروسہ نہ کرنا اور نہ کبھی اپنی دانائی اور حکمت پر فخر کرنا۔ کیونکہ انسانی عقل محدود اور انسانی حکمت کی آنکھ نابینا خلق کی گئی ہے۔ عقلمند اپنے عیوب و نقائص کو معلوم کرکے اپنے عجز کے اظہار میں کبھی دریغ نہیں کرتا اور وہ اپنی تعریف کے لئے فضول محنت نہیں برداشت کرتا۔ مگر بیوقوف آدمی بالعموم انہیں امورات کی واقفیت پر شیخی کرتا ہے۔ جن سے حقیقت میں وہ ناواقف ہوتا ہے اور ان مسائل کے جاننے کا دعوے کرتا ہے جنمیں وہ کچھ بھی دخل نہیں رکھتا۔ وہ دانائی کی راہ میں بھی نادانی کے افعال کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کو ذلت و مایوسی کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے عقلمند آدمی ہر قسم کے علوم کی کتابوں کو غور و توجہ سے دیکھ کر اپنے عیوب کی اصلاح کیا کرتا ہے اور اگر اس کو کسی وقت یہ معلوم ہو گیا کہ میرا دل صراط مستقیم سے ہٹ گیا ہے تو وہ اعلےٰ اور پاک تخیل کی مدد سے اس کو راہ راست پر لاتا ہے علوم و فنون میں ترقی کرنے سے مسرور ہوتا ہے اور جس وقت اس کے علم و فن سے دوسروں کو فائدہ پہنچنے لگتا ہے تو اس وقت وہ اپنی زندگی کے مقصد کو پورا ہوتے ہوئے

بلکہ کرب انتہا مسرور رہتا ہے۔
الغرض عقلمند آدمی نیک اوصاف کے حاصل ہونیکو اعلےٰ تریں علم سمجھتا ہے اور اکثر اوقات اپنے صحیفہ حیات کو مطالعہ کر کے وہ اصلی و سچی خوشی حاصل کیا کرتا ہے جسکے مقابلہ میں دنیا کی اور کوئی دوسری مسرت نہیں ہے۔

باب ۴۲

دولتمندی و محتاجی

اس دولتمند انسان پر پروردگار عالم کی خاص نظر رحمت اور شفقت ہے جو اپنی دولت کا صحیح اور جائز مصرف بناتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں میں نیکنام مشہور رہا کرتا ہے۔

وہ اپنی دولت کو دیکھ کر اس خیال سے خوش ہوتا ہے کہ اسے یہ محض نیکی کرنے کے لئے عطا ہوئی ہے۔ وہ اس سے غریبوں کی مدد کرتا ہے جو حقیقت میں قابل اعانت ہوتے ہیں اور ایسے کمزور اور ضعیفوں کو ایذا رسانی سے بچاتا ہے جو واجب الرحم ہوتے ہیں۔

وہ ایسے قابل اعانت لوگوں کو تلاش کرتا ہے۔ اور ان کی ضروریات کی تحقیق کرتا ہے۔ جو شور و غوغا نہیں کرتے اور بلا خیال کسی نام و نمود کے وہ ان کی مناسب امداد کرتا ہے۔

وہ قابل اور لائق انسانوں کو مالی امداد دے کر اُن کا حوصلہ بڑھاتا ہے تاکہ وہ اپنی ذہانت اور فطری قابلیت کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہونچائیں اور ان کی نیک اور اچھے ارادے اور ہر عمدہ اسکیم کو فراخ حوصلگی کے ساتھ امداد دے کر اس کی تکمیل کراتا ہے۔

وہ ایسے کام جاری کرتا ہے جس سے ملک کی دولت میں ترقی ہو۔ اور جس کی وجہ سے اسکے ملک کے مزدور کام میں مشغول رہ کر واجبی اجرت سے مستفید ہوا کریں۔

وہ ایسے علم و فن کی ترقی میں اعانت کیا کرتا ہے۔ اور اُن نئی ایجادوں کو مالی امداد دیتا ہے جو دنیا کے لئے مفید ہوتی ہیں۔

وہ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھتا ہے کہ میرے میز کے ضروریات سے جو چیز زیادہ ہے وہ قریب کے غربا کا حق ہے اور وہ ان کو ان کے واجبی حقوق سے کبھی محروم نہیں کرتا۔ اس لئے اس کے تمام جائز اور صحیح مقاصد کے تکمیل کو دنیا کی کوئی قوت حد فاصل بن کر روک نہیں سکتی اور اسکی

شک نہیں کہ اس کا اپنی اس دولت پر خوش ہونا بالکل صحیح و درست بھی ہے - مگر قابل لعنت ہر وہ شخص جو محض دولت جمع کرنے کے لئے زندہ ہے اور اس پر قبضہ رکھنے میں خوش رہا کرتا ہے جس کے روزانہ زندگی کے یہہ کام ہیں کہ غریبوں کو واجبی اجرت سے محروم کرتا ہے اور ان پر ہر قسم کے ظلم کیا کرتا ہے اور ان کی جائز محنت کا کبھی معقول معاوضہ نہیں ادا کرتا - ایسا شخص حقیقت میں مثل ایک درندے حیوان کے ہے جو اپنے بھائیوں تک کو مار کر کھا جانے میں دریغ نہیں کرتا اور ان کی بربادیوں پر ذرا بھی رحم نہیں کھاتا مختصر یہہ کہ وہ ہر طریقہ جس صورت سے بھی ہو سکے خواہ جائز ہو خواہ ناجائز خواہ کوئی تباہ ہو خواہ کوئی برباد ہو جائے اپنی دولت کے بڑھانے کی رفتار کو نہیں روکتا و یتیموں اور بیواؤں کی فریاد و گریہ وزاری پر کچھ متاثر نہیں ہوتا اور نہ ان کو دیکھنا پسند کرتا ہے مگر اس کے ساتھ یہہ بات بھی ہے کہ قدرت نے دنیا کا اسٹیج اس قسم کا بنایا ہے - جہاں پر کوئی اچھائی یا برائی پوشیدہ نہیں رہنے پاتی کیونکہ یہہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ ایسے خونخوار دولتمندوں کو غریبوں کی آہ کبھی چین سے نہیں رہنے دیتی اور بے دردی اور ظلم لعنت اور شرم کی شکل میں ان کے چہرے سے ہمیشہ نمایاں رہا کرتی ہیں ان کی روحیں گناہوں کی وجہ سے گندہ رہکر انہیں ہر وقت مضطرب اور خوف زدہ بنائے رہتی ہیں اور دل ترددات اور پریشانیاں ان ظلموں کا ہمیشہ انتقام لیا کرتی ہے جو انہوں نے دوسروں کے ساتھ کیا ہے - اور حقیقت تو یہہ ہے کہ ایسے روحانی اور دلی اذیت کے مقابلہ میں غریبی اور محتاجی کی سختیاں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں -

مگر نظر حقیقت بیں سے دیکھا جائے تو غریب خونخوار دولتمند اور فضول خرچ اُمرا سے زیادہ راحت و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں - کیونکہ یہہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ غریب آدمی نہایت اطمینان قلب کے ساتھ اپنے دسترخوان پر بیٹھکر غذا کا اصلی لطف و ذائقہ حاصل کرتا ہے - اور اس کے دسترخوان پر جھوٹے اور خوشامدی آدمیوں کا اذیت دہ گروہ نقصان پہونچانیکی فکر میں نہیں رہتا اور وہ ہر وقت ایک بڑی جماعت ملازمان کے کشمکش اور اذیت دہ دوستوں سے زچ نہیں ہوا کرتا - گو کہ وہ لذیذ اور پر رغن غذا اُمرا کے نہیں کھا سکتا - مگر اسی کے ساتھ اس کیلئے یہہ کیا کم خوشی کی بات ہے کہ وہ صدہا قسم کے امراض سے جو ایسی غذا جسم میں پیدا کرتی ہیں محفوظ رہتا ہے - اور چند لمحوں کے ذائقہ کے عیوض میں صحت ایسی نعمت سے جس کا ذائقہ ہر لمحہ اس کی جناب کو ملا کرتا ہے محروم نہیں ہوتا -

وہ اپنی صحیح اور جائز محنت کی وجہ سے تندرست رہ کر حقیقی راحت حاصل کیا کرتا ہے جو کاہل امیر کو کبھی میسر نہیں ہوسکتی - اور یہہ بات بھی اب پوشیدہ نہیں ہے کہ عیاش امرا کے کاسہ ہا سے لذیذ سے زیادہ فرحت بخش وہ نفاست سے پکائی روٹی ہوتی ہے جو بھی اشتہامیں غربا کھایا کرتے ہیں اور ہر قسم کے اعلی شراب اور مرکب پانی سے وہ تازہ اور خالص پانی مفرح اور مفید ہوتا ہے جس کو قدرت نے ہر مقام پر ضرورت سے زیادہ جاری کر رکھا ہے -

غریب آدمی اپنی خواہشات اور رضوریات کو صبر و تحمل کے امداد سے قابو میں رکھنے کی قوت پیدا کر لیتا ہے - اور قناعت کے ذریعہ سے اپنی روح کی دولت وحشمت کو بڑھا یا کرتا ہے - مگر عیاش امرا کے لئے یہہ باتیں قریب قریب ناممکن ہیں - اس لئے ایسے امرا کو جو دولت کا صحیح مصرف نہ جانتے ہوں کبھی اپنی دولت پر فخر نہ کرنا چاہئے - اور نہ غریب کو اپنی محتاجی پر مایوس ہوکر افسردہ خاطر رہنا چاہئے کیونکہ وہ منصف حقیقی جنے امیر اور غریب سب کو پیدا کیا ہے حقیقی راحت ومسرت سب کو ان کے مذاق پسند کے مطابق برابر سے تقسیم کیا کرتا ہے - یہہ دوسری بات ہے کہ ناقص العقل لوگ اس کے اس فیض کو نہ جان سکیں اور اپنی حماقت کی وجہہ سے اس کے استفادے سے محروم رہیں -

(باقی آیندہ)

(خانصاحب محمود علیخاں عرف آغا علیخاں) تعلقدار

لمعات اثر

دوست سمجھے جسے نکلا وہی دشمن اپنا
بزم دنیا سے چلے جھاڑ کے دامن اپنا

حیف اے جوش جنوں ہوش ہی اتنا باقی
کہ گریبان ہے یہہ اور یہہ دامن اپنا

خار حسرت کی کھٹک وہ بھی رہی یاد رہے
کبھی پھولوں سے بھرا رہتا تھا دامن اپنا

چٹکیاں دل میں وہ لیتا ہے عجب شوخی سے
مجھ کو دکھلا کے چنا کرتا ہے دامن اپنا

چھو گئی ہو نہ کہیں خاک مزار عاشق
وہ جھٹکتے رہے اس خوف سے دامن اپنا

ہو برا شوق کا جو ہاتھ میں رعشہ ڈالا
ہم نشیں اس نے تو کھینچا نہیں دامن اپنا

دل جلے چھیڑ کے بجلی سے کہا کرتے ہیں
ہاتھ جل جائے جو چھو لے کوئی دامن اپنا

دست وحشت میں کچھ اس قہر کی چالاکی تھی
خوف سے حشر سمیٹے ہا دامن اپنا

دیدۂ تر جو نہیں دامن تر سے اچھا
مینے غیرت سے نچوڑا نہیں دامن اپنا

لوٹا جاتا تھا گریبان کبھی دامن پہ اثر
اب گریباں کی طرف کھینچتا ہی دامن اپنا

(جعفر علی خاں اثر)

اُمید کا فرشتہ

رات کے ٹھیک بارہ بجے ہیں۔ الٰہ آباد والی اکسپرس کو چھوٹے تقریباً ایک گھنٹہ گذر ا ہے۔ میں اپنی آرزو۔ اپنی جانِ تمنا کو رخصت کئے۔ خدا حافظ کہے۔ تنہا تانگے پر بیٹھ ابھی ابھی اپنے گھر واپس آیا ہوں جدائی کے اضمحلال۔ رستے کی تکان سے اتنی قدرت تو کہاں تھی کہ گھڑی بھر بھی اطمینان سے بیٹھ کر گذرتے ہوئے روح فرسا واقعہ کو حرف بحرف دُہراتا۔ ناچار جوں توں کپڑوں کو اُتار پھینک بستر پر لیٹ رہا ...... لیٹنے کو تو لیٹ گیا مگر وہ نیند کہاں جو دل کے شورش افزا سمندر کے مد و جزر میں ایک وقتی اور مسکن سکوت کا کام کر دے۔ گھنٹوں تارے گنتے اور کروٹیں بدلنے پر دم بھر کو پلک جھپک سی گئی۔ ..... ابھی آنکھیں بند ہوئی نہ تھیں کہ ایک دنیا سے بیدار پیش نظر ہوگئی اور کسی ہانپتی آواز "وہ آگئیں"، نے مجھے پھر چونکا دیا۔ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا .... میں نے پوچھا "کہاں؟" بولا۔ "وہ کیا باہر سڑک پر کھڑی ہیں"

میں قید تکلف سے آزاد جیسا لیٹا تھا اُٹھ کر اسطرف بھاگا۔ اس کا بھی ہوش نہیں کہ وہ صورت سے بے نیاز زیبائی جس کی الہامی آواز نے مجھے دوبارہ زندگی بخشی ہے وہ بھی میرے ساتھ ہے۔ یا نہیں آخر گھر سے نکل اور گلی سے گذر سڑک پر پہنچا ...... دیکھتا کیا ہوں کہ تم مع اپنی حسن کی ساری اداؤں کی۔ اوسی سفید اور سادہ لباس سے ملبوس تانگے سے اُتریں۔ ایک ہاتھ سے تانگے کے ٹپ کو تھامے اپنے کو سنبھالے ہوئے دوسرے ہاتھ کی گود میں سے ایک گورا گورا خوبصورت سا بچہ لئے تصویر انتظار و انتشار بنی کھڑی ہو۔

میں نے پہلے تمہیں دیکھا۔ پھر میری نظر اُس دلفریب بچہ پر پڑی .... سبحان اللہ! گول سبک چہرہ کشادہ پیشانی۔ صاف رنگ۔ آنکھیں بڑی۔ چھوٹا دہانہ۔ بھورے بھورے گچھے دار بال۔ ہو بہو گود والی کا ناک نقشہ۔ گلے میں باہیں کٹا۔ جھالر دار باریک سفید کرتہ پڑا ہے۔ کھلی ہتھیلی نکالا ہاتھ بڑھا کر ماں کی گود سے ہمک ہمک کر میری گود میں آجانے کی بے سود کوشش کر رہا ہے۔ گو ابھی بولنا نہیں جانتا مگر اپنی تبسم ریز آنکھوں اور چپک چپک کر کھلنے والے ہونٹوں سے بار بار گویا ہے کہ "ابا مجھے لیلو"

مجھے اپنی نظر پر دھوکے کا شبہ ہو رہا ہے۔ میں کھویا ہوا سا آگے بڑھتا ہوں۔ پاس پہونچتے ہی بچہ بے تکلف

میری گود میں آیا تھا۔ تو بچہ تم سے تھا اور تم میری مگر میرا خیال تمہاری مخاطبت سے بے نیاز تھا میں نے تم ہی سے پوچھا "تم لوٹ کیسی آئیں"

تم نے نظریں نیچی کر لیں۔ پاؤں سے سڑک کی ریت کو کریدتے ہوئے بولیں۔ "میرا جی نہیں مانا میں لوٹ آئی" میں چپ ہو گیا .... اچھا .....

"اور اگر .... کو اس کی خبر ہو گئی تو ...."

"میں صبح کی ٹرین سے لکھنؤ ہو کر چلی جاؤں گی"۔

میں تانگے سے اسباب اتروا۔ بچہ گود میں لے۔ اور تمہارا ہاتھ پکڑ گھر آیا .... گھر کی عمارت گھر کا سامان سب کچھ بدلا سا معلوم ہوتا ہے۔ تخت پر تخت بچھے ہیں ادھر ادھر اسباب بے ترتیب بکھرا پڑا ہے۔ ہر چیز بگڑی ہوئی آراستگی اور دل کی بے سروسامانی کا ثبوت ہے۔ میں نے تم کو ایک تخت پہ بٹھلا دیا۔ تم کچھ افسردہ اور پریشان سی ہو۔ میں نے از راہ تسلی پر پوچھا "تم لوٹ کیسی آئیں!"

"ہائے کیا بتاؤں۔ تمہارے چلے آنے پر میرا دل بہت گھبرایا۔ میں نے ہزار کوشش کی مگر میری ہمت نے آگے قدم نہ بڑھنے دیے۔ اب اور کیا کہوں!" .... اور ایک لمبی ٹھنڈی سانس لیکر خاموش ہو گئیں۔

تمہارے اس مایوسیوں بھرے اور نامکمل فقرے سے میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے میں قصداً اس بچے سے کھیلنے لگا۔ میرے گدگدانے پر وہ ہنستا میری باتوں سے خوش ہوتا۔ بار بار اپنے ننھے ہاتھ کی ہتھیلی میرے منہ پر رکھ کر میرے بوسۂ محبت کا منہ چڑاتا اور مجھ سے اپنی پیار لے لینے کی سفارش کرتا۔ اس دلچسپ نظارے اور فرط التفات سے تمہارے چہرہ پر خوشی اور اطمینان کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ تم مجھے اور اسے ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی ہو۔ میں تمہاری آنکھوں میں تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کائنات کی خاموشی اور فطرت کے خندہ و تبسم کے ذریعہ اپنے دل کے سارے راز الفت افشا کرنے میں محو ہوں یکایک سہانی صبح کے خوش خرام نسیم کے ایک ٹھنڈے جھوکے نے بدسلوکی کی ...... میری آنکھ کھل گئی۔ میں اٹھ بیٹھا۔ گو دیکھتا ہوں ...... تو خالی کمرہ دیکھتا ہوں ...... تو اپنا نہ تخت کا پتہ ہے نہ تمہارا۔ وہی زمین ہے ...... وہی آسمان وہی تنہائی ہے وہی میرا سنسان گھر۔ نہ خواب ہے نہ افسانہ۔ نہ یگانہ ہے نہ کوئی بیگانہ ہے ......

اب میں تنہا بیٹھا رو رو کر خود اپنے آپ سے مستفسر ہوں۔ کہ اے میرے اللہ! آخر یہ ہے کیا ...... اور تھا کیا! ...... کیوں ...... یہ سب کیوں ...... مجھے کیوں نظر آیا! ...... یہ بھولا بچہ

کون تھا!........ اور تھا تو اُن سے کیا مطلب!.......... وہ میرے پاس یوں ہمک کر کیوں آیا!........ مجھ سے کیوں........ سمجھ میں نہیں آتا کہ

جب میری ہر تمنا کا خون ہوتا ہو - جب میری ہر آرزو پامال کیجاتی ہو - جب میری ہر التجا پر یہہ تیور ہوں ... سی کہدیا جاتا ہو - جب میرے ہر سوال کا جواب ناممکن ملے یا کیا ہو

تو

"پھر یہہ ہنگامہ مرے نزد کیا ہے؟" دیوانہ

(قدرت اللہ خاں بریلوی انسپکٹر میونسپل بورڈ)

غزل

بجلیاں کوندتی ہیں کالی گھٹا آتی ہے
وہ نہیں ہیں تو سمجھتا ہوں بلا آتی ہے

نہ دوا آتی ہے جن کو نہ دعا آتی ہے
وہ یہہ کیا جانے کہ عاشق کی قضا آتی ہے

آخری وقت ہے کچھ بیٹھ کے باتیں کرلو
ایسی حالت میں کسی کو بھی حیا آتی ہے

ہائے اس کشتۂ ہجراں کا چراغِ تربت
جس کے جلتے ہی صبا جنکے بجھا آتی ہے

مجھسا بدبخت زمانہ میں نہ ہوگا کوئی
جس سے ڈرتا ہوں وہی مجھپہ بلا آتی ہے

ہم تمہیں پیار کریں تم ہمیں بیداد کرو
جاؤ بس جاؤ یہی تم کو ادا آتی ہے

زندگی تک یہہ سب مہر و محبت تسکیں
ورنہ پھر یاد کسے بعدِ فنا آتی ہے

(تسکین قریشی - سوروَنی)

ہندو تاریخ کا ایک ورق

نولکھا ہار

راجپوتوں کی شجاعت اور تہور کے کارناموں سے ہندوستانی تواریخوں کے صفحات پُر ہیں - زندگی کا ہر ایک مرحلہ - ہر ایک منزل راجپوتوں کے لئے منظرِ دلیری تھا - معمولی سے معمولی بات پر راجپوتی رگِ حمیت پھڑک اٹھتی - خون کی ندیاں بہ جاتیں کشتوں کے پشتے لگجاتے لیکن راجپوتی آن مرے مارے بغیر پوری نہوتی - قومی آن - قومی لاج کو اگر پورا کیا تو راجپوتوں نے کیا - جہاں

پوت مرد مجسم جاہ و حشم تھے - وہاں صنفِ نازک نے بھی زندگی کی دوڑ میں کافی سے بڑھ کر حصہ لیا
راجپوت مرد زندگی کی پروا نہ کرتے تھے - اور دیوانہ وار خونی تلواروں سے کھیلتے تھے وہاں صنف
ل کا حصہ ان کو جوش دلانے میں بہت تھا - رانی جسونت سنگھ نے محض اس وجہ پر قلعہ کا دروازہ
ا دیا تھا اس کا خاوند میدانِ جنگ سے زخمی ہو کر واپس لوٹ آیا تھا - اور وہ ایک بزدل بھگوڑے کی
انی اپنے تئیں نہیں کہلانا چاہتی تھی - جہاں صنفِ نازک کے ہاں شجاعت کی ایسی قدر و منزلت
و - وہاں مردوں میں غیرت اور حمیت ہونا ضروری ہے - اگر راجپوتنی اپنے خاوند - بھائی - بیٹے
و رباپ میں بہادری دیکھنا چاہتی تھی وہاں خود بھی وہ زندگی ہتھیلی پر رکھے پھرتی تھی - زندہ
گی میں کودنا اس کا بائیں ہاتھ کا کرشمہ تھا - راجپوت صنفِ نازک کا احترام بھی پورا کرتے تھے -
ور ان کی ہر ایک جائز خواہش کا پورا کرنا راجپوتی آن تصور کرتے تھے خواہ اس خواہش کی
تکمیل میں ہزاروں دقتیں حائل کیوں نہ ہوں -

(۲)

مانڈو دیش کے راجہ کا لڑکا گنگا اشنان کو جب جانے لگا تو اس نے اپنے گھر کے ہر ایک بچے
اور استری سے ان کے لئے تحائف اور کھلونے لانے کے لئے دریافت کیا - ہر ایک نے اپنے مزاج
و خواہش کے موافق تحفہ تحائف لانے کی درخواست کی - مگر اس کی بہن نے نو لکھا ہار مانگا -
راجکمار نے ہر ایک کے لئے اس کی فرمائش کے مطابق اسباب خریدا - مگر نو لکھا ہار نہ ملا - کئی دن
بیت گئے - دیگر تحائف تو اس نے گھر بھجوا دئے - لیکن خود گھر نہ گیا اور "نو لکھا ہار" کی تلاش میں
پریشان پھرنے لگا - آخر جو ئندہ یابندہ منچلے راجپوت نے کھوج لگا ہی لیا اور معلوم ہوا - کہ وہ
مہوبا ساج کی رانی کے گلے کی زینت ہے - وہاں تک پہونچنا اور حاصل کرنا آسان کام نہ تھا -
لیکن راجپوت کے لئے اپنی بہن کی خواہش کا پورا کرنا ایک فرض تھا - جان جائے پر آن نہ جائے

(۳)

بہادر راجکمار کے پاس سوائے اپنی تلوار یا چند ساتھیوں کے کچھ اور نہ تھا - وہ ہار کو محض
اپنے دستِ سعی سے حاصل کرنا چاہتا تھا - اس لئے من چلے راجکمار نے دشمن کی طاقت کا خیال
نہ کرتے ہوئے یک لخت شہر پر دھاوا بول دیا - لیکن مہوبا والے بھی کوئی کچی گھیر نہ تھے - وہ بھی
کشتری تھے - خوب مقابلہ ہوا - مگر کہاں راجہ بھوج کہاں لنگڑا تیلی - کہاں مہوبا کی قواعد
دان فوج - اور کہاں راجکمار کا مٹھی بھر دستہ - راجکمار کے بھتیرے سردار داد شجاعت دیتے ہوئے

براہی ملک عدم ہوئے - اور باقی جو بچے وہ معہ راجکمار بھاگ نکلے -

چند دن کے بعد جب راجکمار نے ساتھیوں سے مشورہ کیا - تو ان کی رائے متضاد تھی - کوئی کہتا تھا واپس چلیں - کوئی کہتا تھا فوجوں کے ذریعہ حملہ کرنا چاہئے - لیکن راجکمار نے کہا - کہ تم میں سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ وہ اپنے وطن کو چلا جائے - مگر میرے لئے وطن کو جانا بالکل ناممکن ہے - میں اپنی بہن کو کس طرح منہ دکھاؤں گا - میں اپنے پیماں کو پورا کروں گا - میرے ساتھی اس مہم کے سر کرنے میں شہید ہو چکے ہیں - ان کے خون کا بدلہ ہاں ان کے خون کا بدلہ نہ لینا راجپوتی غیرت پر بدنما دھبہ ہوگا گھر کی استریاں کیا کہیں گی ؟ یہ کہ مانڈو راجکمار میدان میں ہار کر گھر کو بھاگ آیا -

عزیزو! تم واپس جاؤ - میں تو یا دُرِ نایاب حاصل کر کے آؤں گا - یا میدان جنگ میں لڑتا ہوا جان کھو دونگا

(۴)

مہوبا راج کی فتح آلہا اور اودل کے باپ کے طفیل ہوئی تھی - آلہا اور اودل وہ راجپوت ہستیاں ہیں جن کی شجاعت اور دلیری کے قصے ابتک صوبجات متحدہ کے بچے بچے کی زبان پر ہیں - اسی فتح کی خوشی میں مہوبا کی رانی نے وہ ہار آلہا کی ماتا کے گلے میں ڈالدیا - لیکن راجکمار مانڈو کے جاسوس گھڑی گھڑی اور پل پل کی خبر اس کو دیا کرتے تھے - کہ وہ دُرِ نایاب کہاں اور کس کے پاس ہے - راجکمار اب موقع کا منتظر رہنے لگا - ایک رات جب گھٹا ٹوپ اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا - اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں دکھائی دیتا تھا - ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی - راجپوت آہستہ آہستہ کمندوں کے ذریعہ قلعہ کے اندر داخل ہوئے - اور "نولکھا ہار" یعنی وہ دُرِ نایاب سوتی رانی کے گلے سے اُتار لیا - راجہ کو جگایا - کہیں کل یہ نہ کہہ بیٹھے - کہ چوروں کی طرح آئے اور چلے گئے - راجہ نے تلوار سنبھالی - اور قلعہ والوں کو خبردار کیا - مقابلہ ہوا - اور شاندار مقابلہ ہوا - مگر بہادر راجکمار معہ اپنے ساتھیوں کے صحیح و سلامت جس راہ سے آئے تھے واپس قلعہ سے نکل آئے - اور "نولکھا ہار" جا کر اپنی بہن کے گلے میں ڈالا - یہ راجپوتی آن تھی -

درامدیال گیرا - بی - اے - ایل - ایل - بی ،

غزل

حیران ہو دیکھ میں کیا دیکھ رہا ہوں
بندے! تری صورت میں خدا دیکھ رہا ہوں

وہ اپنی جفاؤں کا اثر دیکھ رہے ہیں
میں معنیٔ تسلیم و رضا دیکھ رہا ہوں

دزدیدہ نگاہوں سے کسے دیکھ رہے ہو
کیا بات ہے یہ آج میں کیا دیکھ رہا ہوں

ہے حسن یہی تیرے تو نمایاں اور نہ تجھے — سودا نہیں مطلب ذرا دیکھ رہا ہوں
کس حسن : قاتل ہے ادائے نگاہِ سحری کا — اُس لب پہ تبسم کی ضیا دیکھ رہا ہوں
کیوں اپنی وطن تھا - ہزیہ بات ہی کیا ہے — اب تو فقط اک قبر کی جا دیکھ رہا ہوں
مر جانے کی ڈالی ہوئی تمہید تماشا — میں نے کہا دیکھو - اس نے کہا دیکھ رہا ہوں
آنکھیں بھی ہوئیں صرف مرض اور مرض اتنک — عیسےٰ کو بامید شفا دیکھ رہا ہوں
ہوں محفل دنیا میں حفیظ اور یہی فکر — کیا پیر نے کیا بات ہے کیا دیکھ رہا ہوں

(ابو الاثر حفیظ جالندھری)

"نواب مظفر خاں سدوزئی"

جب تک مظفر گڑھ کا چھوٹا سا قصبہ صفحۂ دنیا پر موجود ہے - اس بلند حوصلہ نیک سیرت نواب کا نام صفحۂ ہستی پر قائم اور دائم ہے - یہ قصبہ اگرچہ آبادی کے لحاظ سے پنجاب کے بڑے شہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا مگر اس کی جدید طرز کی بنیاد گلی کوچوں کی وضع - گرد کی فصیل جو قلعہ نما ہے - اپنی نظیر آپ ہے - اگر ایک سرے سے شہر کو دیکھو تو دوسرا سرا نظر آتا ہے - بازار چوبرجی کی شکل کا ہے اور اپنے بانی کی جدت طرازی کا مظہر - نواب مظفر خاں سدوزئی افغانوں کا آخری نام لیوا تھا - وہ احمد شاہ ابدالی مشہور فاتح پانی پت کے خاندان سے تھا - احمد شاہ ابدالی وہ شخص ہے جس نے مرہٹوں کے اقتدار کو خاک میں ملایا - اور محمد شاہ رنگیلے کی بہن سے شادی کر کے خاندان مغلیہ سے اپنا رشتہ قائم کیا - اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے حملے سے مرہٹوں کی تمام ہندوستان زیر نگیں کرنے کی آرزو خاک میں مل گئی - نواب مظفر خاں کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے - نواب مظفر خاں - ابن شجاع خاں - ابن زاہد خاں - ابن عابد خاں - ابن شاہ حسین - ابن مغدود خاں - ابن سدو خاں - جس سے یہ خاندان سدوزئی کہلاتا ہے - احمد شاہ ابدالی - ابن محمد زماں خاں ابن دولت خاں - ابن سرمست خاں - ابن شیر خاں - ابن خواجہ خضر خاں - ابن سدو خاں -

تاریخ سے ثابت ہے - کہ مظفر خاں کا مورث اعلےٰ شاہ حسین خاں اورنگ زیب شہنشاہ دہلی کے عہد حکومت میں بمقام رنگپور ضلع مظفر گڑھ (جو ہیر رانجھا کی یادگار میں ایک تاریخی مقام ہے) اقامت گزین ہوا - اور بادشاہ سے جاگیر لی - اس کے بعد زاہد خاں جو نواب مظفر خاں کا جد امجد ہے - ملتان کا نواب مقرر ہوا یہ ۱۷۳۸ء کا واقعہ ہے - جبکہ نادر شاہ نے دہلی کو پامال کیا - مگر ہندوستان کی سلطنت محمد شاہ کو واپس دے کر - اپنی عالی حوصلگی اور بلند ہمتی کا ثبوت دیا - زاہد خاں اور اس کے فرزند رشید شجاع خاں کے

وقت سکھوں کے بھنگی گروہ نے یورش کی - اور شجاع خاں کو ملتان سے بھاگنا پڑا اور اپنے جدید بنیاد نہادہ شہر شجاع آباد میں محصور ہوا - مظفر خاں اسوقت نوجوان تھا - اور اس نے بھنگی سرداران کے ساتھ کئی معرکے کئے - مگر ملتان کی صوبہ داری واپس لینے میں کامیاب نہو سکا - یہہ وہ زمانہ تھا کہ احمد شاہ ابدالی جو کابل کا بادشاہ اور ہمقبیلہ ہونے کے سبب اس کا پشت پناہ تھا - ناسور بینی کے عارضہ سے ۱۷۷۳ء میں فوت ہوچکا تھا - اور اس کے بیٹوں میں تخت حاصل کرنے کے واسطے بہت کچھ شورش برپا تھی - نواب مظفر خاں کو کوئی صورت حصول مدعا کی نظر نہ آتی تھی - آخر زمانہ نے پلٹا کھایا - اور اس کی تحریک پر شاہ تیمور جو اپنے اولوالعزم والد احمد شاہ ابدالی کی جگہ تخت نشین ہوچکا تھا - کابل کے جھگڑوں سے فراغت پاکر ۱۷۷۹ء میں ڈیرہ غازی خاں کے راستہ سے ملتان پر حملہ آور ہوا - اور سرداران بھنگی کو ملتان سے بھگا دیا اور اپنے ہم قوم مظفر خاں کو ملتان کا نواب بنایا - یہہ ظاہر کرنا ضرور ہی ہے کہ ملتان اور گرد نواح کی رعایا مظفر خاں پر ہزار جان سے قربان تھی اور اسیوجہ سے اس کو اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل ہوگیا - مظفر خاں نے ۱۷۷۹ء سے ۱۸۱۸ء تک ملتان کی صوبہ داری کی اور اگرچہ اس عرصہ میں خالصہ افواج کے ساتھ کئی دفعہ نبرد آزما ہونا پڑا - مگر اپنی شجاعت و مردانگی سے بہادر اور جنگجو سکھوں کو ملتان میں نہ گھسنے دیا افسوس کہ اس متواتر جنگ و جدل کے سبب وہ اپنے علاقہ میں قرار واقعی طور پر زراعت و تجارت کی ترقی میں کچھ نہ کرسکا - پنڈت ہری کشن کول صاحب ایم - اے گزیٹر میں لکھتے ہیں

”اس نیکدل نواب کا زمانہ جنگ و جدل کا زمانہ تھا - مگر دریائے چناب کے داہنے کنارے جو تعلقہ رنگپور - مرادآباد - مظفر گڑھ - خان گڑھ - اور غضنفر گڑھ - کے نام سے موسوم تھے وہاں اس عالی ہمت نواب نے بہت سی نہریں احداث کیں اور زراعت کو ترقی دی - کاش اس کو دشمنوں کی سرکوبی سے فرصت ملتی - تو رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا“

نواب مظفر خاں کے ذاتی کارناموں میں مظفر گڑھ شہر کی بنیاد قابل ذکر ہے - یہہ شہر ۱۷۹۴ء میں بسایا گیا - ملتان سے جو سڑک ڈیرہ غازی خاں کو جاتی ہے - اس پر پہلے ایک دکان موسن ہٹی کے نام سے موسوم تھی - مسافر لوگ یہاں آکر تھوڑی دیر آرام کرتے تھے - نواب صاحب نے اس قطعہ اراضی کو پسند کیا اور شہر کی بنیاد رکھی - شہر کے گرد قلعہ نما فصیل تیار کی جو اب تک بدستور موجود ہے - نواب صاحب کے بھائی غضنفر خاں نے - غضنفر گڑھ بسایا - جو اس شہر سے ۱۲ میل جنوب کو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے -

نواب صاحب کی بہن خان بی بی نے خان گڑھ کا شہر اپنے نام پر بسایا - جو ۱۱ میل جنوب کو واقع ہے اور ضلع مظفر گڑھ میں ایک مشہور قصبہ ہے - یہاں کے آم ضلع بھر میں مشہور ہیں - اس شہر کی فصیل بھی

قلعہ نما ہے اور دروازوں کے بند ہوجانے سے کوئی آدمی شہر میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ضلع کے نامور نیکنام رئیس اعظم نواب سیف اللہ خاں بہادر اس شہر کے مایہ ناز ہیں جن کی تعریف میں کہا گیا ہے ؎

جو تو امیروں میں بیٹھے تو ہے امیر کبیر ۔۔۔ گر ہے خلق و تواضع میں بے نظیر فقیر

نواب مظفر خاں نے اپنے عہد حکومت میں اپنے قبیلہ کے افغانی سرداروں کو مختلف جگہ آباد کیا جنھوں نے اپنی محنت اور سعی سے بہت سے غیر مزروعہ رقبہ کو قابل کاشت بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ بندوبست گذشتہ میں ان کے اعلیٰ حقوق ملکیت و دخیلکاری کو تسلیم کیا گیا۔ سکھوں کے جور و تعدی سے یہ ملتانی افغان ڈیرہ اسمٰعیل خاں کو نقل مکان کر گئے تھے۔ مگر ۱۸۴۹ء میں سرکار انگریزی کے تسلط کے وقت واپس آئے۔ اور اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے

نواب مظفر خاں کو اپنی صوبہ داری کی اثنا میں بمقام لیہ عبدالنبی سراہی سے جو اس علاقہ کا حاکم تھا۔ لڑائی کرنی پڑی۔ تفصیل اس جنگ کی اس طرح پر ہے کہ جب آخری غازی خاں بلوچ حاکم ڈیرہ غازی خاں اپنے وزیر محمود گوجر کی سازش کا شکار ہوا۔ اور غلام شاہ کلہوڑہ حاکم سندھ نے بلوچوں کے مایۂ افتخار سردار کو جس کا خاندان ڈیرہ غازی خاں اور ضلع مظفر گڑھ کے شمالی نصف حصہ میں تین سو سال کے قریب یعنی ۱۴۷۶ء سے ۱۷۶۹ء تک حکمراں رہا۔ گرفتار کر لیا۔ اور محمود گوجر کو ڈیرہ غازی کا حاکم بنایا تو اسی انقلاب میں عبدالنبی حاکم لیہ مقرر ہوا۔ مگر وہ حد درجہ کا ظالم اور ناعاقبت اندیش تھا۔ علاوہ ازیں پانی پت کی لڑائی کے بعد یہ تمام علاقہ شاہان خراسان کے تصرف میں تھا۔ عبدالنبی نے مقررہ خراج شاہان کابل کو نہ ادا کیا۔ اسواسطے نواب مظفر خاں کے نام اس مغرور حاکم کی سرکوبی کا فرمان صادر ہوا۔ نواب محمد خاں سدوزئی۔ (جو بعد میں نواب منکیرہ اور نواب بھل بنا) نواب مظفر خاں کی جگہ ملتان میں قائم مقام صوبہ دار مقرر ہوا۔ اور نواب مظفر خاں نے بمعیت سردار سرفراز خاں بادوزئی ۱۷۹۲ء میں عبدالنبی خاں سراہی کو شکست فاش دی۔ اس کا بیٹا محمد عارف مارا گیا۔ چنانچہ شہر لیہ میں اسکا روضہ موجود ہے۔ نواب محمد خاں بہادر خیل اپنے دشمن کے مارے جانے کے بعد منکیرہ کا نواب مقرر ہوا موجو نوابان ڈیرہ اسمٰعیل خاں اسی کی اولاد میں سے ہیں۔

ذاتی اوصاف و خصائل ۔ نواب مظفر خاں ایک نہایت بہادر اور دانا حکمراں تھا۔ اگرچہ وہ اپنے قبیلہ سے بہت مراعات کرتا تھا۔ مگر تواریخ سے ثابت ہے کہ وہ اپنی ہندو رعایا پر ہر طرح مہربان تھا۔ میں نے نواب صاحب کا ایک فرمان پڑھا ہے جس میں ایک ہندو چودھری ساکن خان گڑھ نے گنگاجی کے اشنان کی اجازت طلب کی تھی۔ نواب صاحب اپنے فرمان میں لکھتے ہیں۔

"ہم آپ کو اپنی مذہبی رسم ادا کرنے اور گنگا جی کے اشنان کی بڑی خوشی سے اجازت دیتے ہیں اور پانسو روپیہ زادِ راہ عطا کرنے کے علاوہ چار اردلی سوار بطور باڈی گارڈ آپ کے ہمراہ بھیجتے ہیں۔ اور شہر کے انتظام دھڑت و دلالی کے واسطے آپ کے نوجوان فرزند کو منظور فرماتے ہیں" نواب مظفر خاں متقی و پرہیزگار مسلمان تھا۔ باوجود صوبہ داری کے بار عظیم کے حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوا اور رفاہ عام کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔

مظفر گڑھ میں اس نے مشہور تلیری باغ اور تالاب تلیری احداث کرایا۔ اول الذکر باغ شہر کی مشہور تفریح گاہ ہے۔ اب سرکار انگریزی نے یہاں بصرہ کی کھجوروں کا باغ لگایا ہے۔ مظفر گڑھ کی زمین آم اور کھجور کے واسطے نہایت موزوں ہے۔ اب یہ نخلستان ہر سال پھلتا ہے۔ اور ایک ٹیوب ویل سے آبپاشی ہوتی ہے۔ محکمہ زراعت کی طرف سے ایک "ماہر علم نباتات" مقرر ہے۔ اور باغ کا رقبہ کئی سو ایکڑ اراضی پر محیط ہے۔ نواب مظفر خاں کے والد ماجد نواب شجاع خاں نے شہر شجاع آباد بسایا۔ جو ضلع ملتان کا ایک قابل دید قصبہ ہے وہاں نوابوں کے محل اور ثمن برج وغیرہ تھے۔ جو اب سرکاری عدالتوں کا کام دیتے ہیں۔

نواب مظفر خاں پر جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ سکھوں کے متواتر حملے ہوتے رہتے تھے۔ کئی دفعہ نواب نے زرِ تاوان ادا کر کے اپنی جان چھڑائی۔ مگر آخر ۱۸۱۸ء میں سکھوں نے یورش کی۔ نواب صاحب نے اپنے پانچ بیٹوں سمیت جام شہادت نوش کیا۔ اور سکھوں نے قلعہ فتح کر کے شہر کو خوب لوٹا۔ آپ کو حضرت شیخ الاسلام غوث بہاء الدین زکریا الملقب بہ غوث بہاؤ الحق ملتانی قدس سرہ العزیز کے آستانہ متبرکہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ تربت منورہ پر یہ بے نظیر قطعہ تاریخ ثبت ہے۔

شجاع و ابن الشجاع غازی　　　امیر ملتاں زہے مظفر
بروزِ میداں بہ تیغ و بازو　　　چہ حملہ آورچوں غضنفر
چو سرخرو شد بہ سوئے جنت　　　بگفت رضواں۔ بیا مظفر
۱۲۳۳ھ

حضرت غوث رح کے روضہ کے جانب جنوب مشرق صحن میں نواب مرحوم کے فرزند نواب شاہنواز خاں کا لوح مزار اس طرح پر لوحہ کناں ہے۔

چوں شاہنواز خاں بملتاں شہید شد　　　خمدار تیغ قتل بر و ماہ عید شد
جستم چو سال شہدا آں غازی زماں　　　گفتا خرد کہ حاکم ملتاں شہید شد
۱۲۳۳ھ

(الٰہ بخش بلوچ ہیڈ ماسٹر کروڑ)

جذباتِ محمود

وہ اثر اے عشق میرے جذبِ کامل میں رہے
جس سے اک جلوہ کسی کا خانۂ دل میں رہے

چھیڑ دی زندانِ غم میں ای جنوں پھر سازِ عشق
نغمۂ جانسوز بھی شورِ سلاسل میں رہے

کھینچ لے جو تصویر آئی ہے تصور سے مرے
یا الٰہی حشر تک وہ خانۂ دل میں رہے

ہو تری لذت سینچتا جا کوئے قاتل کی زمیں
خون کی اک بوند جب تک حلقِ بسمل میں رہے

غم نے آنکھیں خشک کیں اور حلقہائے چشم تر
کیا قیامت ہے کہ دریا کھنچ کے ساحل میں رہے

میں تو جب جانوں ترا اعجازِ تخیلِ عشق
اک مرقع حسن کا کھنچ کر مرے دل میں رہے

دل کو روشن کرتی ہے تیغِ ہلالی کی چمک
یا الٰہی حشر تک یہ دستِ قاتل میں رہے

ہو گئے ناراض عقل و ہوش ہستی سے مرے
اے جنوں بے خود ہم ایسے تیری محفل میں رہے

چھوڑتے ہیں جادۂ وقت میرا ہیچ تو حواس
گو کہ برسوں ساتھ یہ الفت کی منزل میں رہے

رحم اے دورِ حوادث قابلِ عبرت ہوں میں
کچھ نشاں تو میرا باقی کوئے قاتل میں رہے

حشر میں پہچاننے کو اس کے اے شمشیرِ حسن
خون کا کچھ تو نشاں دامانِ قاتل میں رہے

شرحِ دردِ عشق اے محمود کچھ آساں نہیں
زندگی بھر کیا بتائیں کیسی مشکل میں رہے

(خانصاحب محمود علی عرف آغا علی خاں تعلقدار)

حقیقی بہادری

زمانۂ سلف میں وہ لوگ بہادر کہلاتے تھے جو عرصۂ کارزار میں جوانمردی دکھاتے تھے۔ وہ سر بکف دلاور پورے طور پر اس معزز نام کے مستحق تھے۔ کیونکہ وہ اپنے ملک کے دشمنوں کے خلاف جان توڑ کر لڑتے رہے۔ لیکن اس زمانے میں دشمن بھی دو طرح ہی کے مانے جاتے تھے۔ حملہ آور فوج یا جنگی بیڑہ۔ وہ پرانے لوگ قحط سالی اور وبا کو خدا کی طرف سے سزا یا تازیانہ خیال کرتے تھے اور ان کے عقیدے کے مطابق ان مصائب کا کوئی دفعیہ نہ تھا۔

مگر اب ہم کو معلوم ہو گیا ہے۔ کہ بیماری، مفلسی اور جہالت بھی اسی طرح انسان کے دشمن ہیں جیسے بری یا بحری غنیم۔ اور چونکہ ہم کو اس بات کا پتہ لگ گیا ہے۔ اس لئے دنیا میں ہر وقت جانفروش ہستیوں کا ایک گروہ ہمیں ایسا نظر آتا ہے۔ جنہوں نے خلقِ خدا کو ہلاکت سے بچانے کی کوشش کو اپنی

زندگی کا نصب العین بنا رکھا ہے - بہادروں کی یہہ فوج ہر وقت غنیم سے بر سر پیکار رہے - اور ہرگز صلح کا خیال دل میں نہیں لاتی - اس کے وفادار سپاہی بسا اوقات اپنی جانیں نادیدہ دشمن کی بھینٹ چڑہا چکے ہیں مگر کیا مجال جو کبھی مقابلہ سے موتہہ موڑا ہو - جب لڑے فتح پاکر ہی واپس لوٹے -

یہہ سرگذشت ان چار ڈاکٹروں کی ہے - جنھوں نے نہایت جرأت - دلیری اور جانفروشی سے کیوبا (امریکہ) میں زرد بخار کا مقابلہ کیا - اور اپنی کوشش سے ساری دُنیا کو اس کے تباہ کن اثرات سے بچا لیا - ان ناموروں کے نام میجر والٹر ایڈ - (جو ریاستہائے متحدہ امریکہ کی فوج میں ڈاکٹر تھا) جیمس کیرل - جیس لیزیر - اور آسٹانیڈز - اگرامونٹ ہیں - یہہ چاروں جوانمرد اپنے تجربات میں اور بہت سے رضاکاروں سے امداد حاصل کرتے رہے - جو اکثر ریاستہائے متحدہ کی فوج میں ملازم تھے اور ہوانا میں مقیم تھے - جب کیوبا امریکن تحفظ میں آگیا - اسوقت وہاں وہ خطرناک دشمن آڈا جمائے بیٹھا تھا - جس کا ثانی آج تک میدان جنگ میں رونما نہیں ہوا - "زرد بخار" یعنی ممالک حارہ کی ہولناک بیماری نے ہزاروں لاکھوں جانیں تباہ کر دی تھیں -

جزائر غرب الہند کی تاریخ تباہی اور موت کی ایک درد انگیز مسلسل داستان ہے - ہوانا جو کیوبا کا بحری صدر مقام ہے - سب سے زیادہ اس بلا کا شکار بنا رہا ہے - اور صدیوں تک یہہ جگہ بخار کے تباہ کن حملوں کا نشانہ بنی رہی -

اس زمانے میں کسی کو یہہ معلوم نہ تھا - کہ یہہ نامراد بیماری کہاں سے آتی ہے - یا کسطرح ایک سے دوسرے آدمی میں سرایت کرتی ہے - بعض خیال کرتے تھے - کہ کسی خفیہ طریق سے یہہ ہوا کے ذریعہ پھیلتی ہے - بعض کی رائے میں یہہ کسی تپ زدہ مریض کا جسم - بستر یا لباس وغیرہ چھونے سے لاحق ہوتی ہے - اور بہت سے لوگ یہہ کہتے تھے کہ یہہ موذی محض صفائی کا انتظام نہ رکھنے اور غلاظت کی وجہہ سے پیدا ہوتی ہے - لہذا جب کیوبا امریکہ کی سلطنت کا حصہ بنا اور ہوانا کی تکالیف کو امریکن لوگوں نے بھی پوری طرح محسوس کیا - تو ان بہادر لوگوں کے دل میں پہلا خیال جو آیا - وہ یہہ تھا کہ اس بدقسمت شہر کو بیماری کے چنگل سے چھوڑانا چاہئے - سب سے پہلی تجویز شہر کو صاف کرنے کی ٹھہری اس سے امید کی جاتی تھی کہ بخار پھر کبھی اپنا منحوس منہ نہ دکھلائے گا - لیکن باوجود اسقدر احتیاط کے بیماری پھر رونما ہوگئی - اور تعجب ہے کہ شہر کے ان حصوں میں اس کا زور زیادہ رہا - جہاں خاص کوشش سے صفائی کا انتظام کر دیا گیا تھا - اس کا نتیجہ یہہ نکلا کہ ماہرین پر یہہ بات ظاہر ہوگئی - کہ بخار کی وجہ صحیح طور پر دریافت نہیں ہوسکی اور مزید کوشش کی ضرورت ہے ان ہی ایام میں ڈاکٹر کارس فنلے - نے

لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ جونہ ڈاکٹر موصوف ہوانا میں بیس سال کا عرصہ رہ چکا تھا۔
لہذا اپنے مشاہدات کی بنا پر اس کا یقین تھا۔ کہ یہ بیماری مچھروں کے ذریعہ ایک شخص سے دوسرے شخص تک
پہنچتی ہے۔ پہلے تو کسی کو ڈاکٹر کی رائے سے اتفاق ہوا۔ کیونکہ اپنے دعوے کی تصدیق میں وہ
کوئی عملی ثبوت نہ پیش کر سکا۔ لیکن جب ریاستہائے کی حکومت نے زرد بخار کی تحقیقات کیواسطے
ایک کمیشن یا کمیٹی مقرر کی تو ثابت ہو گیا۔ کہ ڈاکٹر فنلے کی رائے کچھ وقعت رکھتی ہے۔
ڈاکٹر ریڈ اس کمیشن کا صدر تھا۔ اور ڈاکٹر کیرل (علم الجراثیم کا ماہر) کے سپرد مچھر کی تحقیقات تھی
اگرمونٹ زرد بخار کے مریضوں کا نگران۔ ان چاروں جانبازوں نے بیماری کے اسباب
اور انتشار کے متعلق تمام مروج الوقت قیاسات پر غور کیا۔ مگر تجربہ سے وہ سب غلط ثابت ہوئے
اب صرف ڈاکٹر فنلے کی رائے کو پرکھنا تھا۔ مختصراً فنلے کا خیال یہ تھا۔ کہ اس بخار کا زہر ایک مچھر کے
ذریعہ مریض سے تندرست آدمی تک پہنچتا ہے۔

چونکہ عام حیوانات پر یہ بیماری اثر نہ کرتی تھی۔ لہذا ڈاکٹروں کو یہ دقت پیش آئی۔ کہ اپنے تجارب
کیلئے ان کو ایسے آدمی درکار ہوئے۔ جو بخار سے بچے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑی ذمہ داری کا
کام ہے۔ مشورہ کے بعد انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ خواہ یہ عمل کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو۔ سوائے
اس کے اور کوئی چارہ نہیں۔ کہیں انہوں نے یہ ضرور کہا۔ کہ تجربہ کے واسطے صرف ان رضاکاروں کو
منتخب کرنا مناسب سمجھا جو خطرہ کو جانتے ہوئے اپنی رضامندی سے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اس سے زیادہ
خوبی کی بات یہ ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے خود اس خطرناک راستہ سے گذرنا قبول کیا۔

انہی ایام میں ڈاکٹر ریڈ کو امریکہ واپس جانا پڑا۔ اس کے بعد ڈاکٹر کیرل نے یہ عظیم الشان تجربہ شروع
کیا۔ اس نے تھوڑے سے مچھر لئے۔ جو اس نے اپنی تجربہ گاہ میں انڈوں سے پالے تھے۔ اور انکو
چار زرد بخار کے مریضوں کو کاٹنے دیا۔ پھر ان جراثیم والے مچھروں سے اپنے آپ کو اور بعض اور
آدمیوں کو کٹوایا۔ پھر ڈاکٹر کیرل نے اپنے آپ کو ایک ایسے مچھر سے کٹوایا جسمیں بیماری کے جراثیم
موجود تھے۔ چند ہی دن میں اُسے زرد بخار ہو گیا۔ تین دن تک اس کی جان کے لالے پڑے رہے
اس کے بعد اُسے آہستہ آہستہ آرام ہوتا گیا۔ ڈاکٹر کیرل کے غسل صحت کے پانچ دن بعد ڈاکٹر لیزیر کو
بخار ہو گیا۔ وبائی مریضوں کے خیمہ میں جانے سے پہلے اس نے مچھر کی تحقیقات کے متعلق اپنے تمام
مشاہدات اور تجربات لکھ کر ڈاکٹر کیرل کو دے دئے۔ بخار ہونے کے تین دن بعد یہ اولوالعزم
جوانمرد ایک بیوہ اور دو بچے (جن میں سے چھوٹے کو اس نے آجتک دیکھا ہی نہ تھا) چھوڑ کر۔

دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھار گیا۔ شاعر ایسے لوگوں کے متعلق ہی کہہ گیا ہے۔

"ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما"

وفات کے وقت اس کی عمر چونتیس سال کی تھی۔ اس نے اپنی پیاری زندگی عین عنفوانِ شباب میں محض اس نامراد بخار کی نذر کر دی۔ کہ خلقِ خدا کو اس موذی کے پنجہ سے نجات ملے مبارک ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی اور اس سے زیادہ مبارک ہے۔ ان کی موت کیا لیزیر مر گیا؟ ہیر

تمہیں کہتا ہے مردہ کون تم زندوں کے زندہ ہو — تمہاری خوبیاں زندہ تمہاری نیکیاں باقی

کمیشن کو اس کی وفات سے ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ جو کتبہ بالٹیمور کے۔ جانس ہاپکنز ہسپتال کے جراحی کے کمرے میں اس کی متبرک یاد ہمارے دلوں میں تازہ رکھنے کے واسطے نصب ہے۔ اس میں ذیل کے قابلِ قدر الفاظ کندہ ہیں۔

(۱) ایک سچے سپاہی سے بھی زیادہ شجاعت اور حوصلہ کے ساتھ اس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر قربان کر دیا۔ تاکہ دنیا پر یہ ظاہر کر دے۔ کہ کس طرح ایک خوفناک وبا پھیلتی ہے اور وہ کس طرح روکی جا سکتی ہے۔ پسماندہ تین ڈاکٹروں نے جب یہ ثابت کر لیا کہ ایک قسم کا مچھر زرد بخار پھیلاتا ہے۔ تو انہوں نے اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچانے کی کوشش کی۔ کہ یہ بیماری کسی اور سبب سے نہیں پھیلتی اگر وہ ایسا نہ کرتے تو عوام میں جو توہمات اس کے متعلق رائج تھے۔ زیادہ ترقی پکڑ جاتے چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ کیوبا سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک تجربہ گاہ بنائی جاوے اور وہاں کام جاری رکھا جائے۔ اپنے مرحوم دوست کی یاد میں اس مقام کا نام لیزیر کیمپ رکھا گیا۔ ممبرانِ کمیشن کیواٹر خیمے نصب کر کے انہوں نے دو مکانات بنائے جن میں سے ایک کا نام "وبائی مچھر گھر" رکھا۔ دو کمروں پر منقسم تھا اور بیچ میں ایک تار کا پردا پڑا تھا۔ ایک کمرے میں ایسے مچھر رکھے گئے۔ جو زرد بخار والے مریضوں کے خون پر پلے تھے اور دوسرا کمرہ بالکل خالی رکھا گیا۔ تجویز یہ تھی کہ ہر کمرہ میں ایسے مریض رکھے جائیں۔ جن کو کبھی بخار نہیں ہوا۔ اس کام کے لئے رضاکار طلب کئے۔

اہویو کے دو نوجوان سپاہیوں جان کسنگر اور جان مورن نے اپنی خدمات پیش کیں اور ان دونوں نے وبائی مچھر گھر میں جانا قبول کیا محض اس لئے کہ نوعِ انسان اور سائنس کو فائدہ پہنچے۔ ڈاکٹر تے ڈاکٹر ایڈ نے ان کو اچھی طرح سے خطرہ کے مہلک نتائج سے آگاہ کر دیا۔ لیکن یہ باتیں ان کے عزم راسخ کو متزلزل نہ کر سکیں۔ جب ان کے استقلال کا پورا پورا امتحان لیا گیا تو ان کو کہا گیا کہ انکو اس خدمت کا معاوضہ زرِ نقد کی صورت میں دیا جاوے گا

دونوں بہادروں نے معاوضہ لینے سے صاف انکار کیا - اور کہا کہ اگر ہم کو قربانی کا معاوضہ نقدی کی صورت میں دیا جاوے گا - تو ہم کمرہ میں جانے سے انکاری ہیں - یہہ پُر حوصلہ فقرہ سن کر ڈاکٹر ریڈ نے سر سے ٹوپی اُتار لی اور کہا "زندہ جاوید بہادرو! میں تم کو سلام کرتا ہوں"

دونوں سپاہی زرد بخار والے کمرے میں داخل ہو گئے - مہلک مچھروں نے ان کو کاٹا اور تین دن کے بعد ان کو بخار ہو گیا - جو الگ خالی کمرہ میں گئے - ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی

دوسرا مکان جس کا نام "وبائی لباس گھر" تھا - یہہ ثابت کرنے کے لئے بنایا گیا تھا کہ وہ لباس اور کپڑے جو زرد بخار والے مریضوں کے بدن سے اُتارے جاتے ہیں - بیماری پھیلانیکا باعث نہیں ہوتے - یہہ پرانا خیال تھا - کہ بیماری ان کے ذریعہ پھیلتی ہے - چونکہ یہہ غلط تھا اس لئے اس کی تردید لازمی تھی - یہہ وبائی لباس گھر چھوٹا اور گندہ تھا - جونہی کہ یہہ تجربات شروع ہوئے رضاکاروں کو اس کمرہ میں رہنے کے لئے طلب کیا گیا - جس میں زرد بخار والے مریضوں کے کپڑے کمبل اور چادریں وغیرہ بغیر دھوئے رکھی گئی تھیں -

پھر درخواستوں کی بھرمار ہوئی - ڈاکٹر رابرٹ الف کوک اور دونوں جوان سپاہی کمرہ میں داخل ہوئے اور ارادتاً میلے کپڑوں کے بکس کھولے - کپڑوں کو خوب اچھی طرح سے جھاڑ دیا تاکہ اگر جراثیم ان میں ہوں تو وہ منتشر ہو جاویں - ہر صبح میلے کپڑے بکسوں میں بند کر دئے جاتے تھے - اور رات کو پھر کھول کر کمرہ میں انہیں ادھر اُدھر پھینک دیا جاتا تھا - بیس دن تک یہہ عمل جاری رہا اس عرصہ میں یہہ جان پر کھیلنے والے بہادر انہیں بستروں پر سوتے رہے جو زرد بخار والے مریض استعمال کر چکے تھے - ان میں بیماری کی کوئی علامات ظاہر نہ ہوئیں اور قرنطینا بنا لیا گیا - کمال حوصلہ مندی - خندہ پیشانی اور قربانی نفس سے تین ہفتہ تک یہہ بہادر ایک تنگ اور غیر ہوادار کمرہ میں سوتے رہے - جس کا درجہ حرارت ۹۰ ڈگری سے بھی زیادہ تھا اور جن میں متعدی مرض والے بیماروں کے کپڑے موجود تھے -

اسطرح پر یہہ دلیرانہ کام جاری رہا اس سے بھی زیادہ خطروں کا مقابلہ کیا گیا کئی کئی دن تک آدمی زرد بخار والے مریضوں کے کپڑے پہنتے رہے ان کے بستروں پر سوتے رہے - زرد بخار والے مریضوں پر پلے ہوئے مچھروں سے کٹوایا گیا - اور کئی اور طریق سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالا گیا - یہہ سب قربانیاں کس لئے ہوئیں محض اسواسطے کہ ایک عظیم صداقت سائنس کی دیوی کی نذر کی جاوے - چنانچہ اب یہہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ ایک خاص قسم کا مچھر سٹگمویا ہے جو

سل قاتل انسان ہے - اب ہم کو یقین ہوگیا ہے کہ اسی کے ذریعہ بیماری پھیلتی ہے - جونہی یہ یتیں ہوانا والوں کو معلوم ہوئیں - انھوں نے اس موذی مچھر کو تلف کرنے کا تہیہ کر لیا بعض جگہ بانمودار ہوتی رہی مگر اب یہ قریباً نابود ہو چکی ہے اور ان علاقوں میں اس کے دوبارہ ظاہر ہونیکا حتمال نہیں رہا - ہم کو ان بہادر ڈاکٹروں کی زندگی سے سبق لینا چاہیئے اور ہر کام میں خدمت ی نوع انسان کو مقصد اصلی قرار دینا چاہیئے - مبارک ہیں وہ قومیں جن میں یہ ہستیاں پیدا ہوئیں ر مبارک ہیں وہ لوگ جو مر کر بھی زندہ جاوید رہے -

(نذیر احمد خاں - بی - ایس سی ایل ایل بی وکیل منٹگمری)

نیند

راحت افزائے جان زار ہے تو — مرہم خاطر فگار ہے تو
نکہت صبح نوبہار ہے تو — کہ نہایت ہی خوشگوار ہے تو
بسکہ دلکش ادا ملی تجھ کو — چشم عالم میں جا ملی تجھ کو !
جب پری بن کے شب کو آتی ہے — کیا عجب شعبدے دکھاتی ہے
گو حیا سے بدن چراتی ہے — سو کرشمے دکھائے جاتی ہے
تیرے ہوتے نگار پردہ نشیں! — پردے مژگاں کے مطلق اُٹھتے نہیں
کھچ سکے ہم سے کیا ترا نقشہ — کہ دکھاتی ہے نت نیا نقشہ
سارے نقشوں میں دلربا نقشہ — وہ ترے خواب ناز کا نقشہ!
نرگس نیم باز کا عالم ! — خم زلف دراز کا عالم !
خواب معصوم طفل نادان کا — جلوۂ صاف ماہ تاباں کا
نام حسرت کا ہے نہ ارماں کا — چہرہ آئینہ روح قرآں کا
تو جو سوتے میں گدگداتی ہے — مسکراہٹ لبوں پہ آتی ہے !
کہیں خواب گراں کی صورت میں — اور کہیں شکل خواب راحت میں
بزم عشرت میں کنج عسرت میں — طرب و عیش میں مصیبت میں
دل سے ہر ایک کو عزیز ہے تو — خواب نوشیں! عجیب چیز ہے تو !

(تلوک چند محروم)

شباب اردو
جون ۱۹۲۳ء

خوابِ حقیقت

آہ کس سے کہیں کہ ہم کیا تھے　　　سب یہی دیکھتے ہیں کیا ہیں ہم

بچپن ہی سے میرے پہلو میں وہ بیقرار دل تھا جسمیں اکثر جذبات اور اشکوں کی موجیں اٹھا کرتی تھیں۔ جوشِ وحشت کا رنگ صانعِ قدرت نے اسطرح کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا کہ جہاں تک میں نے سنا ہے آغوشِ مادر میں بھی مجھ کو چین کم آتا تھا۔ والدین کی شفقت بھری نظریں رلاتی تھیں۔ اور تنہائی کی خاموش گھڑیاں خصوصًا اگر تاریکی بھی ہوئی تو مسرت افزا تھیں۔ میں سنتا ہوں کہ جتنا زیادہ مجمع چاہنے والوں کا میرے گہوارہ کے گرد ہوتا تھا۔ اتنا ہی میرا غنچۂ خاطر اور زیادہ کملا جاتا تھا۔ ہاں اگر عالمِ رویا میں تنہائی کا خواب دیکھ لیا تو دل کی کلی کھل جاتی تھی اور میں اسقدر بیتاب ہو کر ہنس دیتا کہ آنکھ کھل جاتی تھی۔ عالمِ بیداری میں سوا رونے کے پاس بیٹھنے والوں نے اور کچھ نہ دیکھا ہاں سوتے میں ہنسی آجایا کرتی تھی۔ میری دایہ میری حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتی تھی لیکن اس کا بس نہ چلتا تھا کہ کس طرح مجھ کو اس جانگداز مرض سے نجات دے۔ گھنٹے گزر کر دن ہوئے اور دن گذر کر مہینے لیکن اس حالت میں تغیر نہ ہوا۔ ابتو اک کہرام بپا ہوگیا۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ جن یا پری کا سایہ ہے یا کوئی آسیب ہے۔ گنڈے تعویذ دعا درود دھونی صدقہ سب کچھ ہوا مگر حالت نہ بدلی سارے ملا سیانے تھک گئے مگر کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ پھر یہ تجویز کیا گیا کہ اس بچہ کو کوئی روگ ہے حکیم بلائے گئے دواؤں کا ڈھیر لگ گیا۔ صبح۔ دوپہر شام باری باری ہر ایک نے مجھے تختۂ مشق بنالیا لیکن نہ آنکھ کی نمی خشک ہوئی اور نہ جلتے ہوئے دل کی سوزش گھٹی بلکہ۔ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" اسی حالت میں کتم عدم سے وجود میں آئے ہوئے سال بھر سے زیادہ کی مدت پوری ہوگئی مگر حالت نہ سنبھلنا تھی نہ سنبھلی۔ چہرہ کی سرخی زردی سے مبدل ہوگئی ہڈیوں پر جو گوشت تھا وہ گھل گھل کر آنکھوں کی راہ بہہ گیا۔ درد میں لذت اور دوا میں زہر کا مزہ ملنے لگا۔ آخرکار چارہ گروں نے بھی عاجز آکر جواب دیدیا۔ یہ تو میرے والدین کے منہ پر نہ کہا کہ مرض لاعلاج ہے۔ لیکن اتنا کہکر سب رخصت ہوگئے کہ ہماری سمجھ سے مرض اور وجہ مرض بعید ہے۔ والدین نے بھی صبر کی بھاری سل اپنی چھاتی پر رکھ کر مجھ کو میری حالت اور خدا پر چھوڑ دیا۔ فطرتی شفقت سے لاپرواہ تو نہ ہوسکے لیکن اپنی قسمت کو رو کر مجھ پر رحم کی نگاہیں ڈالنے لگے۔ میری سخت جانی حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی تمام سختیاں جھیلتا رہا۔ لیکن دنیا سے پاؤں نہ سمیٹے۔ حالت بگڑتی گئی اور عمر بڑھتی گئی۔ سب کہتے تھے

کہ اس پر سے رات نہ کٹے گی لیکن مجھ کو ہمیشہ دوسری رات دنیا ہی میں نظر آتی تھی۔ افسوس کہ جس زمانہ کا حال میں بیان کر رہا ہوں اس وقت نہ مجھ کو شعور تھا۔ نہ ہوش۔ سنی ہوئی سناتا ہوں گذری ہوئی گذر گئی بھول جانیوالے دل سے دھندلی شکلیں اور مٹے ہوئے حروف بھی محو ہوگئے کاش اس وقت میں اپنے دماغ سے گذرتے ہوئے احساسات کا اندازہ کر سکتا تاکہ جذبات کی اصلی حالت سے کم از کم واقفیت تو ہوتی مگر افسوس کہ اسوقت میں معصومیت و نادانی کی جیتی جاگتی بولتی ہوئی بے زبان تصویر تھا۔ میری جسمانی کل کی کنجی ہر شخص کے پاس تھی۔ جس نے جسطرف چاہا گھما دیا۔ بغیر اس لحاظ کے کہ اس کل کے کسی اجزا میں کوئی نقص نہ پیدا ہو جائے ظاہر بین نگاہیں صرف روتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر درماں کی فکر میں مشغول ہوگئیں لیکن انہوں نے درد نامعلوم کی وجہہ دریافت کرنے میں کوشش نہ کی۔ زردی رخ کا علاج کیا مگر سبب اصلی سے غافل رہے کبھی یہہ نہ دریافت کیا کہ کونسا مکان چھوٹ جانے کا غم ہے۔ کس قید میں آنیکا اندازہ ہے۔ آنکھوں کے آگے کس پردے کے پڑ جانے سے گریہ ہے۔ جہالت تو جہالت شاید یہہ خیال آیا ہو کہ ٹھنڈی سانسوں سے زندان زیست کی چار دیواری میں رخنے پڑ جائیں گے سیل اشک سے ظاہر و باطن کی حد فاصل شکستہ ہو جائیگی۔ ضعیف اور مایوسانہ صورت دیکھ کر شاید شاہد حقیقی کو ترس آجائے۔ اور فرقت وصلت سے مبدل ہو کر غم شادی سے بدلجائے
۔ ہاتھوں کا پٹکنا اور پاؤں کا جھٹکنا شاید اسوجہہ سے ہو کہ پاکیزگی کی چادر سے کثافت کے دھبے چھوٹ جائیں۔ مادی ہیکل سے بیداری میں گریہ گلوگیر ہوتا تھا اور روحانیت کے تقرب سے عالم خواب میں حظ ملتا اور ہنسی آتی تھی۔ کوتہ بینوں نے آغوش مادر میں نہ قرار آتے ہوئے دیکھ کر اس حالت کو میری بدنصیبی سے تعبیر کیا لیکن یہہ نہ سمجھے کہ پھولوں کی پُرلطف سیج سے اٹھ کر کانٹوں کے اذیت رساں بستر پر آتے ہی فوراً کیسے قرار آسکتا تھا۔ آغوش فطرت میں جس نے روحانیت کے پھولوں کی خوشبو سونگھی ہو۔ اور کرہ تجرد کی پاکیزگی جسے احاطہ کئے ہو اس کو مادی دنیا میں آکر مادی گود میں غلاظت اور کثافت کے مابین کیسے چین آسکتا تھا۔ جس نے آزادی کے سوا قید کا نام تک نہ سنا ہو اس کو دُہری قید میں کیسے قرار آتا۔ مادی جسم کی قید اور اسیر زندان دنیا میں اسیری۔ فوراً آرام ملنا ناممکن تھا۔ ہاں رفتہ رفتہ غم کی عادت ہو جاتی تو چین اور قرار آجاتا۔ چادر عصمت گناہوں سے پُر داغ ہو چکتی اور پاکیزگی کا جامہ کثافت سے آلودہ ہو لیتا تو روحانیت مادیت سے میل کھا سکتی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ روحانیت فنا ہو کر اپنی جگہ مادیت کیلئے

ہاں کر دیتی اس کے لئے ایک زمانہ درکار تھا لیکن افسوس کہ محبت کرنیوالوں نے (جیسا کہ وہ اپنے کو سمجھتے تھے حالانکہ میرا خیال اس کے بالکل برعکس ہے) اتنی مہلت نہ دی - مادیت کی چادر سے روحانیت کو ڈھک دیا - اپنے خیال میں لوگوں نے میری جہالت علم سے بدلی آب صاف سے غسل بھی دیا - صاف کپڑے بھی پہنائے لیکن افسوس کہ ان کی ہر ادائے محبت میرے ساتھ عداوت ثابت ہوئی - جتنا اپنے خیال میں انہوں نے کثافت کو دھویا اتنا ہی میں پاکیزگی سے بہتا دور ہوتا گیا - کاش میں اپنے مرکز پر بری حالت ہی میں رہتا کہ اس اچھی حالت کی برائی سے متنفر ہوں - دریائے روحانیت کی اٹھتی ہوئی موجو! مجھ کو اپنے پانی سے اکبار پھر غسل دو - اے بحر کی ہوا کے لطیف جھونکو! میری تردامنی کو سکھا دو - اے پاکیزگی کی شفاف کرنو! میری مادیت کو دھک دو - اے آفتاب وحدت درخشاں ہو کر ذرہ نوازی کر - رحم! رحم! میں کیا تھا اور کیا ہوں

(محمد جعفر حسین - بی - اے - (لک)

بیگم پورہ (لاہور)

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

لاہور عہد قدیم سے نامور شہر چلا آتا ہے - مگر جو عظمت و شہرت اور وسعت و دولت اس کو عہد مغلیہ اور خصوصاً عروج مغلیہ کے ایام میں نصیب ہوئی ہے - اس نے اسکی اہمیت بہت بڑھا دی اکبر ۱۵۸۳ء سے ۱۵۹۸ء تک یعنی پندرہ سال کامل لاہور ہی میں رہا ہے اس کا نامور پوتا شہنشاہ شاہجہاں ۱۰۰۱ھ میں لاہور ہی میں بموجودگی اکبر پیدا ہوا - اکبر نے اور اس کی تقلید میں اس کے وزرا امرا نے لاہور میں عالی شان باغات اور فلک رفعت مکانات "بیرون شہر" تعمیر کرائے لاہور کا مشہور ہیبت افزا قلعہ اکبری دروازہ اور اکبری منڈی ابھی تک اکبر کی یادگاریں لاہور میں موجود ہیں -

لاہور میں ایک محلہ مغلپورہ خلجیوں اور تغلقوں کے زمانہ سے آباد چلا آتا تھا - یہ بستی بیرون شہر اُن لوگوں نے آباد کی تھی جو ترک وطن کر کے لاہور آ گئے تھے - اُسی زمانہ سے ابتک اس کا نام مغلپورہ مشہور چلا آتا ہے - اکبر کے زمانہ میں جو مغلوں کا عروج بختیں تھا - اس محلہ کے نصیب جاگے اور یہاں نامور درباری لوگوں نے نئے محلات اور باغ باغیچے تعمیر کرائے اسی مغلپورہ میں بعد شہنشاہ جہانگیر حضرت خواجہ خاوند محمود المشہور حضرت ایشاں نے کشمیر سے تشریف لا کر خانقاہ مسجد اور

باغ کی عمارتیں تعمیر کیں اور اسی محلہ میں ۱۰۵۲ھ میں بعہد شاہجہاں وفات پائی۔

عالمگیر کی حکومت کا آخری مگر طویل حصہ مہمات دکن میں صرف ہونے بلکہ وہیں وفات پا جانے کی وجہ سے لاہور میں گو ناظمان لاہور موجود رہتے تھے۔ اور ان کے دیوان اور وزیر اور دوربار کے سب قسم کے لوگ موجود تھے۔ مگر جو رونق بادشاہی اُمرا و وزرا کی آمد و رفت کیوجہ سے لاہور خصوصاً مغلپورہ میں رہتی تھی وہ عنقا ہوگئی۔ عالیشان حویلیوں پر سناٹا چھایا ہوا تھا اور باغوں اور خیابانوں پر اداسی و افسردگی کا عالم تھا۔

فرخ سیر اور محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں لاہور کی گورنری پر نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ فائز تھا۔ وہ چونکہ حضرت ایشاں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی اقامت روضہ حضرت ایشاں کے قرب میں پسند کی۔ اس کی بیگم کا نام حکیم جان تھا۔ اُس نے ۱۱۳۲ھ میں مغلپورہ اور اس کے ملحقہ محلہ تھل پورہ کی زمین پر خوبصورت مکانات تعمیر کرائے اور ایک باغ اور ایک خوشنما مسجد سے ان کو رونق دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مغلپورہ کی جگہ اب لوگوں کی زبان "بیگم پورہ" کے نام سے آشنا ہو رہی تھی۔

بیگم پورہ کے مکانات ایک قسم کا گورنمنٹ ہوس تھے۔ نواب عبدالصمد خاں کے زمانہ سے لیکر آخری مسلمان گورنر نواب میر معین الملک[۵۱] کے زمانہ تک بیگم پورہ کی آبادی اور رونق روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۶ء جب احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر اپنا پہلا حملہ کیا ہے اور نواب عبدالصمد خاں کے پوتے شاہنواز خاں (ابن ذکریا خاں) ناظم لاہور کو شکست دی ہے۔ تو صرف اسی مغلپورہ اور بیگم پورہ نے اہل لاہور کو احمد شاہی لوٹ سے بچایا تھا۔ تاریخ لاہور[۵۲] میں لکھا ہے "تمام فوج ایک ہی دن کی لوٹ میں اسقدر مالا مال ہو گئی تھی کہ اسکو لاہور کے لوٹنے کی مطلق خواہش نہ رہی[۵۳]"۔ علاوہ لوٹ اور غارت گری کے بیگم پورہ میں ابدالی فوج نے دردناک قتل عام بھی کیا۔

---

[۵۱] اس کے زمانہ میں سکھ غارت گروں کا بڑا زور تھا۔ اس نے ان کی واقعی گوشمالی کی سکھ اس کو میر منو کہتے تھے۔ ان کا ایک شعر نواب میر منو کے متعلق مشہور ہے۔ ؎

میر منو ساڈی داتری اُسی مُنو دے سوئے　　جیوں جیوں سانوں وڈھدا اسی دُونے ہوئے

[۵۲] مصنفہ رائے بہادر کنہیا لعل مطبوعہ ۱۸۸۴ء

[۵۳] احمد شاہ کی اسی لوٹ کے متعلق لاہور میں پنجابی ضرب المثل مشہور ہے "کھادا پیتا لاہ دا۔ رہندا احمد شاہ دا"

سہ حاکمان لاہور[1] کے زمانہ (۱۷۶۵ء لغایت ۱۷۹۹ء) میں سکھ غارت گردوں نے تین مرتبہ اس محلہ کو بے چراغ کیا۔ دُرانی و افغانی فوجوں نے مکینوں کو لوٹا تھا۔ مگر مکانوں سے سروکار نہ رکھا تھا۔ سہ حاکمان لاہور اور ان کے جانشینوں نے بچی کھچی دولت اور رہی سہی پونجی پر ہاتھ صاف کیا۔ لیکن جب رنجیت سنگھ (۱۷۹۹ء لغایت ۱۸۳۹ء) کا عہد آیا۔ تو مکانات و محلات کی دیواریں اور بنیادیں تک بِک گئیں۔ تاریخ لاہور میں لکھا ہے ناظمان لاہور کی زنانہ و مردانہ قبروں پر لاکھوں روپیہ کی عمارتیں تھیں۔ جن پر سنگ مرمر کے علاوہ اور کئی قسم کا قیمتی پتھر لگا ہوا تھا۔ رنجیت سنگھ نے تمام پتھر اُتروا لیا۔

جب ۱۸۴۹ء میں انگریزی عہد آیا۔ تو بیگم پورہ کی جو دیواریں اور بنیادیں سکھوں کی دستبرد سے بچ رہی تھیں وہ محکمہ نزول میں منتقل ہو گئیں اور نیلام ہو کر میاں محمد سلطان ٹھیکیدار کے ہاتھوں نیست و نابود ہو گئیں۔

ناظمان لاہور کا قریبًا تمام خاندان بیگم پورہ ہی میں مدفون ہے۔ نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ ناظم اول۔ اس کے دو بیٹے نواب ذکریا خاں اور نواب عبداللہ خاں[2] دونوں نے یکے بعد دیگرے بیگم پورہ ہی کو دارالحکومت بنایا۔ ان کے بعد نواب ذکریا خاں کا بیٹا نواب شاہنواز خاں بھی بیگم پورہ ہی میں رہا اور ہر ناظم نے جو اس زمانہ میں ضعف سلطنت کی وجہ سے بجائے خود پنجاب کا مستقل بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ بیگم پورہ کو بہت ترقی دی۔

۱۷۴۷ء میں شاہنواز بن ذکریا خاں کی جگہ نواب میر معین الملک خلف نواب قمر الدین خاں وزیر محمد شاہ بادشاہ لاہور کا ناظم مقرر ہوا۔ ۱۷۵۲ء میں گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے بھی بیگم پورہ کو بہت رونق دی۔

رنجیت سنگھ کے زمانہ میں اس کے ایک فوجی افسر مہان خزانہ نے اجڑے ہوئے بیگم پورہ کے گرد بہت سے درخت رکھ اور جنگل کے طور پر لگا دئے اور یہ جگہ جہاں آبادی کی چہل پہل سے کھوے سے کھوا چھلتا رہتا تھا۔ جہاں دولت کا مینہ برستا تھا اور جہاں عالیشان عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ ایک بیلہ سی نظر آنے لگی۔ مہان خزانہ نے بھوگیوال اور باغبانپورہ کے چند

---

[1] لہنا سنگھ۔ گوجر سنگھ۔ (جس کے نام پر محلہ گوجر سنگھ آباد ہے) سوبھا سنگھ۔ اور ان کی اولاد

[2] اسی نواب عبداللہ کے متعلق مشہور ہے۔ " حکومت نواب عبداللہ نہ تیلی رہی نہ چولہا " وفات ۱۱۶۶ھ قبر اس کی مقبرہ سرو والا اور بیگم پورہ کے مشرق کی طرف ہے۔

زمینداروں کو بیگم پورہ کے کھنڈرات پر آبادی و زراعت کا حکم دیا۔ چنانچہ بہت سے کھنڈرات
صاف ہو کر قابل زراعت زمین پیدا کی گئی۔ خزانہ کے بعد مہاراجہ کے حکم سے گلاب سنگھ بھونڈیہ نے
خاص بیگم پورہ میں اپنا توپ خانہ قائم کیا۔ تمام درخت وغیرہ کٹوا دئے اور اس مسجد کو جس کے
بسنتی۔ سبز اور کاسنی رنگ کے نقش و نگار دو سو سال گذر جانے اور کئی صدمات دیکھنے کے بعد
بھی خوشنما اور تر و تازہ معلوم ہوتے ہیں۔ اپنی آرام گاہ قرار دیا۔ اسوقت وہ جگہ جو پہلے مغلپورہ
اور پھر بیگم پورہ کے نام سے مشہور رہی تھی اب "چھاؤنی گلاب سنگھ بھونڈیہ" کے نام سے شہرت پذیر تھی
مسجد ابتک موجود ہے درمیانی محراب کی پیشانی پر وسط میں "افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ"
شمال کی جانب "عملو بالصلوۃ قبل الموت" اور جنوب کی سمت "عملو بالصلواۃ قبل الفوت" لکھا ہے
مسجد کا ممبر سنگ مرمر کا تھا۔ اب سنگ مرمر کی جگہ سفید چونہ نے لے لی ہے۔ مسجد کے سامنے ہی اس
باغ کے آثار بھی نظر آتے ہیں جو بیگم پورہ کی بنا کے ساتھ ہی نواب بیگم جان نے آباد کیا تھا۔

جب راجہ سنسار چند کوہستان کانگڑہ سے اسیر ہو کر لاہور آیا تو رنجیت سنگھ نے بیگم پورہ اسکی
جاگیر میں کر دیا ۱۸۷۵ بکرمی میں جسکو آج ۱۰۶ سال کا عرصہ گذرتا ہے۔ راجہ سنسار چند نے یہ گاؤں
اپنے برہمنوں کو بخش دیا۔ اس زمانہ میں اس کا مالیہ ایک سو روپیہ سالانہ تھا۔

لہنا سنگھ مجیٹھہ سکھوں کے زمانہ میں ایک نامی سردار تھا۔ اس کے بیٹے دیسہ سنگھ نے کوہستان
میں برہمنوں کو ایک سو روپیہ کا گاؤں دے کر بیگم پورہ پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اور وہ شاہی محلات
وہ عالیشان مسجد وہ پُر بہار باغ۔ بیگم پورہ کی وہ فصیل اور چار دیواری جس کے غرب رویہ
ایک وسیع بازار تھا۔ جہاں اسقدر دولت تھی کہ درانی فوجوں نے یہاں کی لوٹ کے بعد
لاہور کو لوٹنا مناسب نہ سمجھا ایک سو روپیہ کی ذلیل قیمت پر دست بدست فروخت ہوتا گیا۔

ڈیوڑھی (بیگم پورہ) کا عالیشان دروازہ اسقدر بلند ہے کہ ہاتھی معہ ہودج بڑی آسانی سے
اسمیں سے گذر سکتا ہے۔ دروازہ کے چوبی طاق جو لوہے کی کثرت سے حملۂ دشمن کے لئے
ڈھال کا کام دیتے تھے۔ سکھ شاہی زمانہ میں "بدست بچگاں" کی نذر ہو گئے۔

نواب غازی نواب عبداللہ ناظم لاہور کا پوتا جو مفلوک الحال اور سکھوں کے خوف کی وجہ سے
کہیں باہر چلا گیا تھا۔ سکھوں کے دور آخر میں لاہور آیا۔ خاص شہر میں آبا و اجداد کے کچھ مکانات
تھے کچھ عرصہ تک ان کی ہڈیاں بیچ بیچ کر گذارہ کرتا رہا جب سرکار انگریزی کا عمل دخل ہوا
تو بیگم پورہ کی ملکیت کا دعوٰے کیا۔ مگر اپنی بے زری و مفلسی کی وجہ سے کامیاب نہو سکا۔

آخر اسی حسرت میں ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں یعنی غدر ۱۸۵۷ء سے ایک سال بیشتر مر گیا۔ اب اس موقع پر مہر قادر بخش کا قبضہ ہے اور اس کا سالانہ مالیہ چار پانچ سو روپیہ کے قریب ہے مردم شماری ڈیڑھ سو آدمیوں کی ہے اور یہ سب لوگ بیگم پورہ کی ٹوٹی پھوٹی فصیل اور اس کی شکستہ عمارات کے اندر رہتے ہیں۔

بیگم پورہ اور اس کے کھنڈرات شالامار باغ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر روضہ حضرت ایشاں کے قرب میں واقع ہیں۔ یہ عمارتیں سڑک شالا باغ سے صاف نظر آتی تھیں اب پنجاب ٹکنیکل کالج کی وسیع و کثیر عمارات نے ان کو نظروں سے بہت کچھ اوجھل کر دیا ہے۔

(محمد الدین۔ فوق۔ لاہور)

اوٹی کمانڈ اور کاویری فال

(از سفر نامہ شمیم)

یکم ستمبر کو ہم اوٹی کمانڈ روانہ ہوئے۔ نیلگری ہلز اور اس کے آس پاس کا ایک سفید مٹی کا نقشہ دیکھا تھا۔ جس سے اوٹی اور اس کے آس پاس کی زمین کی بلندی موٹر اور ریل کی سڑکیں ظاہر ہوتی تھیں۔ گویا سارا علاقہ ذہن میں آ گیا تھا۔ موٹر کی سڑک اوٹی کی اور ہے۔ اور ریل کی دوسری طرف سے ہے موٹر کا راستہ نہایت خوشنما ہے۔ ساگوان اور صندل کے جنگل گھنے راستہ میں آتے ہیں۔ ایک حد تک میسور کے جنگل ہیں بعد میں انگریزی علاقہ آ جاتا ہے۔ بارش ہوتی رہی موٹر کار کو چلنے میں دقت ہوتی تھی۔ راستہ میں ایک ڈاک بنگلہ میسور راج کا ہے وہاں ہم نے چند منٹ قیام کیا۔ اور صندل کا ایک درخت جو قریب تھا۔ بغور دیکھا اس کے پتے اور لکڑی سے کوئی خوشبو نہ آتی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ جب لکڑی خشک ہوتی ہے تو خوشبو دیتی ہے چند چھڑیاں منشی جی نے لے لیں۔ اور اپنے بستر میں باندھ لیں کسی کو صندل کاٹنے کا حکم نہیں ہے اگر کوئی اسکو جلائے تو اس سے خوشبو آنے لگتی ہے۔ چور فوراً پکڑا جاتا ہے ریاست کو صندل اور ساگوان کے فروخت سے معقول آمدنی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں صندل کی لکڑی کی بہت سی اشیا بنتی ہیں جو بہت قیمت پر بکتی ہیں۔ اوٹی کے راستہ میں ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں بلا روک ٹوک سمندر کی ہوا آتی ہے اس کو ونڈی کیپ کہتے ہیں۔ شام کے وقت اوٹی پہنچے وہاں ایک بنگلہ بھون ایشر نام میں قیام ہوا۔ میری طبیعت قدرے ناساز

ہوگئی تھی۔ رات کا کھانا میں نے تو موقوف کیا۔ ملازموں نے برہمنی کھانا کھایا۔ یہاں ایک ہندو
لانگری رہتا ہے۔ جو انگریزی کھانا سیکھا ہوا ہے دوسری صبح میرے لئے علاوہ دیسی کھانے کے دو ایک
چیزیں انگریزی کھانے کے بھی برہمن لانگری نے بنائیں۔ یہہ اسٹیشن پہاڑی صحت گاہ سینی ٹوریم ہر
دو رزیڈنٹ مدراس یہاں رہتا ہے۔ کہتے ہیں آب و ہوا نہایت صحت بخش ہے۔ اوٹی کے راستہ میں دو
دریاں پائی کیرا اور بھوانی نہایت خوبصورت دیکھیں۔ دن اور رات کے ٹمپریچر میں چنداں فرق
نہیں پڑتا۔ اسکی یہہ خصوصیت ہے ہندوستان کے اور پہاڑوں میں شب و روز کے ٹمپریچر میں
زیادہ فرق ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ میں بھی یہہ تفاوت زیادہ ہوتی ہے۔ اس مختصر قیام میں
آب و ہوا کی بابت ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ اگر عام طور پر پوچھیے تو میں یہہ کہونگا کہ دارجلنگ
کے ساتھ پھل گاؤں کشمیر کا ملا کر ڈل کا ایک جزو شامل کر دیا جاوے اور سیلون کا ایک بازار
اس کے پہلو میں آباد کر دیجئے تو اوٹی کا نقشہ پہنچتا ہے۔ واقعی نہایت خوبصورت پہاڑ ہے۔ ٹیلے
پے درپے بکثرت اس کے پس و پیش موجود ہیں۔ اس لئے اس کی شکل اور پہاڑوں سے مختلف
ہے۔ اس پہاڑ کے چند میل کے اندر اندر شکار رہتا ہے۔ اور بہت سے انگریز یہاں شکار کے لئے
آتے ہیں۔ تہذیب جدید اس بے رحم شغل کے مانع نہیں۔ گرجے۔ ہوٹل۔ کوٹھیاں۔ دوکانیں
کلب۔ سرکاری باغ ویسے ہی ہیں جیسے شملہ پر۔ صرف فرق یہہ ہے کہ اُتار چڑھاؤ یہاں اتنا کم ہے
کہ تمام اوٹی کو موٹر کار سے دیکھا جا سکتا ہے چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ دو گھنٹے میں اوٹی کمانڈ ختم
ہوگیا۔ سوائے محلات کے جن کا ابھی ذکر ہوگا۔

اوٹی کی بلندی ۷۲۰۰ فٹ ہے اور ایک چوٹی ۸۷۰۰ فٹ بلند ہے اس کو ایک انگریز سلی
ون نے ۱۸۲۲ء میں دریافت کیا تھا۔ اور وہی اس کا بانی تھا اس کا پتھر کا مکان بعد میں
سرکار نے لے لیا۔ اب وہاں دفاتر سرکاری ہیں۔ ۷ برس بعد وہاں ایک گرجا بنا جو سینٹ
سٹیفنز کے نام سے اب مشہور ہے۔ ٹیپو سلطان کے سرنگا پٹم کے محل سے اس گرجے میں چھت
کی لکڑی بعض جگہ استعمال ہوئی تھی۔ ماڈرن ریویو میں عرصہ ہوا میں نے ایک قوم تو ڈا کا سب
پڑھا تھا۔ جو نیلگری پہاڑوں میں رہتے ہیں ایک ہندوستانی راگنی کا نام توڈی یا توڑی ہے چونکہ
بعض راگ اور راگنیوں کے نام شہروں کے ناموں سے بنے ہیں مجھے خیال ہوا کہ جیسے پہاڑی
جھنجھوٹی پنجاب کے پہاڑوں میں گائے جاتے ہیں۔ شاید یہاں کے باشندے کوئی راگنی توڑی
کے ہم شکل گاتے ہوں گے۔ ارٹس صاحب سے جو میرے ساتھ میری مہمانی کے لئے مامور تھے

مینے درخواست کی کہ توڑی مرد اور عورتوں کو گانے سنوائیں - انہوں نے چار عورتیں اور چار مرد
بلوائے اور انہیں گانے کے لئے کہا گیا - مرد اور عورت یہہ نہیں کہتے تھے کہ ہم گانا نہیں جانتے بلکہ وہ
ہماری دعوت گوش میں کوشاں ہوئے - دو سر سے زیادہ ان کے گلے سے نہ نکلتے تھے - ہیہو
او ہو ہو کے سوائے اور کچھ نہیں وہ ناچنے بھی لگے - اور تال وہی ہو ہوا و ہو ہو - دس منٹ کے
تضیع اوقات کے بعد ان کو رخصت کیا گیا - توڑی کی وجہ تسمیہ دریافت طلب رہ گئی -
مسٹر آرمس مسکراتے تھے کہ پنڈت صاحب بھی عجیب طرح کے خبطی ہیں -

اوٹی کمانڈ پر اگر تین بڑی ریاستوں کے والیان کے محل نہ ہوتے تو معمولی حیثیت رکھتا -
نظام حیدرآباد کا ایک محل ہے - جسکی عمارت اور فرنیچر بہت ہی معمولی ہے - نظام صاحب تو
شاید ہی کبھی آئے ہوں - کدی کدا رے کوئی اہلکار آجاتا ہے اور جلدی واپس چلا جاتا ہے
حیدرآباد کے رزیڈنٹ صاحب جب آتے ہیں تو یہاں قیام فرماتے ہیں نہ باغ میں نہ محل کے
اندر کوئی شے قابل دید ہے - اس کے قریب ایک جدید زنانہ محل بنوایا گیا تھا - اس کی عمارت
اور ساخت ایسی ناقص تھی سنا ہے کہ عدالت تک نوبت پہونچی - اور عدالت عالیہ سے ٹھیکیدار پر
ڈگری ہرجہ کی ہو گئی ہے - اب ایک انگریز جو حیدرآبادی اردو صفائی سے بولتا تھا - تعمیر پر
تعینات ہے - اس نے مجھ کو اندر سے یہہ نیا زنانہ محل دکھلایا - ٹیل جو استعمال ہوئے ہیں بیش بہا
ہیں - اور نہایت ہی عمدہ نمونے کے ہیں جب یہہ محل بارثانی تیار ہوگا تو قابل دید ہوگا بحالت
موجودہ قابل تعریف نہیں ہے - ولایت کے پھول یہاں کے باغ میں بکثرت ہیں جو اور جگہ
دیکھنے میں نہیں آئے ہیں -

اس کے بعد ہم نے مہاراجہ بڑودہ کا محل دیکھا - ٹائمز آف انڈیا میں ہمنے پڑھا تھا کہ اوٹی کا
یہہ عجائب خانہ ہے - یعنی ایسا بیش بہا فرنیچر اس میں جمع ہے کہ شاید کہیں ہندوستان میں
نہ ملے گا - شاید ہماری نگاہ کا قصور ہے ہمیں تو کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوئی - اس میں
شک نہیں کہ فرنیچر اعلے قسم کا ضرور ہے محل کی وضع قطع بھی خوشنما ہے باغ نہایت آراستگی سے
رکھا ہوا ہے - بیلوں کی تراش خراش بہت عمدہ ہے پھول بھی بہت قسم کے ہیں - ایک درخت
ایک خاص شکل کا تھا - ہمیں بہت پسند آیا یعنے ادا کیر با　　وہ ایک طرز سے تو بالکل فوارہ
معلوم ہوتا ہے - دوسری طرز بالکل مندر کی سکیر دجوٹی ، کے مشابہ ہے باغ کی ایک گل گشت
میں مہاراجہ صاحب کا کرسٹ بھی پھولوں میں نہایت خوشنما بنا ہوا ہے -

اس کے بعد ہم نے ٹیپو سر پیلیس جو اندنوں خالی تھا۔ تفصیل کے ساتھ دیکھا۔ مسٹر آرس کی عنایت سے مردانہ اور زنانہ دونوں حصے دیکھے۔ اس میں ایک کان سٹرٹ ہال (ﮯ) اعلےٰ قسم کا بنا ہوا ہے اس میں جاپانی سکرین اور ایک الماری جاپانی ساخت کی خاص طور سے ایک پارسی سوداگر نے مہاراجہ صاحب کی خدمت میں ارسال کی تھی یہ دونوں ایسے بیش قیمت اور بڑی ضخامت کے آرائشی سامان تھے جو ہم نے کہیں پہلے نہ دیکھے تھے۔ اس ہال کی سقف مطلا ہے۔ باقی سامان انگریزی اور میسور کا بنا ہوا ہے۔ جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اہلکارونکے دفاتر۔ پرائیوٹ کی کوٹھیاں۔ میہمان خانے ایسے خوشنما بنے ہوئے ہیں کہ جی چاہتا ہے یہاں سے واپس نہ جائیں۔ باغ تو نہایت بہتر مند احتیاط اور محنت باغبانی سے آراستہ ہے اس پر ہزار روپیہ صرف ہوتا ہوگا۔ گھاس کے تختے ایسے خوش سلولی اور وضعداری سے رکھے گئے ہیں۔ کہ ایر قدم دھرتے تامل ہوتا ہے کہ پائمال نہو جائیں۔ لارڈ کرزن نے لکھنؤ کوسٹی آف لانس کہا تھا۔ لکھنؤ کی گھاس ایسی دبیز ہے کہ قدم ربر کی مانند اس پر سے اُچھلتا ہے اوٹی کی گھاس کے تختے بھی کم نہیں ہاں لکھنؤ والے مخملی فرش زمرد نہیں۔ باڑ سرو کی قسم کے پودے کے کاٹی ہوئی ہے۔ ایسی مضبوط اور خوبصورت باڑ ہونی مشکل ہے۔ سرخ مٹی سڑکوں پر بچھی ہوئی ہے جس کے مہیا کرنے کی تکلیف کوئی نہیں کیونکہ وہاں کی مٹی ہی کتھے کیطرح سرخ ہے وہاں کیا سارے میسور کے علاقے اور مدراس کے بعض حصوں کی مٹی سرخ ہے محل میں ایک کتب خانہ ہے خوابگاہیں ہر ایک ضروریات اور تکلفات اور فرنیچر جدید سے مملو ہیں گوناگوں اقسام کی تصاویر آویزاں ہیں۔ اس محل کا متعلقہ رقبہ بہت ہی وسیع ہے یہ سمجھئے کہ تینوں محلوں نے اوٹی کا نصف کے قریب رقبہ روکا ہوا ہے اس پہاڑ پر یوکلپٹس کے درخت کثرت سے ہیں ان کے پتوں سے تیل نکالا جاتا ہے۔ اس کو وہاں گم ٹری بولتے ہیں۔ لکڑی ایندھن کے کام آتی ہے ایک جھیل بھی یہاں پر ہے جو نہ مربع نہ گول۔ بلکہ سانپ کی شکل بل کھاتی ہے جس طرف گھومئے یہ جھیل آپ کے ساتھ ساتھ رہتی ہے اور نظارہ کو دوبالا کرتی ہے بازار دیگر پہاڑونکا سا ہے کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں اسی پہاڑ پر امپیریل ایگرادت رہتا ہے اندنوں مسٹر شاستری اس عہدہ پر ہوتا تھا ان کا کام کتبوں کے پڑھنے کا ہے جہاں جہاں سے برآمد ہوں۔ وہ ان کے پاس ترجمہ اور رفوٹو کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ ان کے پاس ایک کتب خانہ بھی ہے یہ صاحب شمالی ہند کی ابجد کے واقف نہیں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کوئی اسسٹنٹ

شمالی ہند کا باشندہ بھی اپنے دفتر میں رکھیں جو آپ کو امداد دے - انہوں نے اس مشورہ کو پسند فرمایا - ایک بات کا ہم کو شبہ تھا وہ ان سے حل کرنے کے لئے ذکر کیا یعنی یہہ کہ شاہ اشوک کے بعض کتبوں میں جو پتھروں اور لاٹوں پر کندہ ہیں ان کے حروف خلاف ہندی قاعدہ کے دہنے سے بائیں کو جاتے ہیں اور بعض جگہ وہ ہندی طریق سے بائیں سے دہنے کو چلتے ہیں - انہوں نے صرف یہہ فرمایا کہ جس جس ملک میں جو طریق رائج تھا - وہ مقامی تاریخ ان کتبوں میں استعمال کیا گیا ہے انہوں نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس امر پر زیادہ غور کریں گے - اس سرسری جواب سے میری تسلی نہیں ہوئی پر ہم نے ان سے درخواست کی کہ آپ ایک مضمون پبلک میں دیں جس میں یورپین مصنفوں کی رائے کی تردید کر کے ثابت کریں کہ دیوناگری حروف برہمیا - ارمیکا یا فونیشین - حروف سے نہیں نکلے بلکہ خود یہہ تینوں ابجد کے حروف ہندی ابجد سے نکلے ہیں۔ ان کی رائے تو میرے اپنے خیال کے مطابق تھی کہ یورپین محقق راستی پر نہیں - امید ہے وہ اب زیادہ توجہ فرماویں گے - اوٹی کمانڈ پہنچنے سے پہلے ہم سومناتھ پور کے مندر کی بعض شکلیں تصویروں میں قابل اعتراض مورتیں دیکھ چکے تھے - ہم نے پروفیسر صاحب سے سوال پیش کیا کہ ان کا اصلی مذہبی مقصد کیا ہے وہ حیران ہوئے کہ اس مندر میں بھی ایسی مورتیں ہیں - انہوں نے اس کا فوٹو منگوایا جو ان کے دفتر میں موجود تھا - اور میں نے ان کو دکھلائے وہ کوئی وجہہ سردست بیان نہ کر سکے میں نے اپنا خیال پیش کیا - انہوں نے اس کو تسلی بخش تصور نہ فرمایا - سوچ میں پڑ گئے فرمانے لگے کہ اس بارہ میں وہ مطالعہ کو وسیع کریں گے اور بعد ازاں مجھے مطلع فرمائیں گے اس کے بعد انہوں نے چند تحریریں دکھلائیں جن کے وہ نقش لے چکے تھے - اور جن کے ترجمہ وہ کر رہے تھے ایک رسالہ بھی جو ان کی زیر ایڈیٹری نکلتا ہے انہوں نے مجھے دکھلایا - متفرق گفتگو کے بعد ایک دوسرے کی ملاقات کو اتفاق حسنہ سمجھ کر میں نے ان سے تپاک سے ہاتھ ملایا اور رخصت ہوا - میں تو ان سے ملکر نہایت ہی خوش ہوا - اور شاید وہ بھی -

رات کو کھانا کھایا جو نیم برہمنی نیم انگریزی تھا - بیہر داٹر کی عادت پڑ گئی تھی وہ ناگوار نہ تھا - اور ترکاریوں وغیرہ میں ایسی پتیاں وہاں کے لوگ ڈالتے ہیں جن سے ان کو خوشبودار کر دیتے ہیں ان کے نام کر بیون اور رکتم بری ہے - ہمارے ملک میں یہہ نہیں ہوتیں اس کی خوشبو کی کیفیت احاطہ بیان سے باہر ہے - قوت سامعہ بھی اس کو محسوس کرتی ہے - بہت کچھ خوشبو کا عادت سے تعلق ہے - حق تو یہہ ہے - میں تو ان کی بہت تعریف کرنے کو تیار نہیں ہوں - القصہ اوٹی قابل دید

مقام ہے - اوٹی سے واپس ہوئے - اور تیسرے پہر واپس میسور پہونچے - مرزا صاحب نے ایک ڈنر نیرے لئے تجویز کی ہوئی تھی جس پر انہوں نے مجھ سے ملانے کے لئے ڈاکٹر سیل اور چند پروفیسر اور دوست بلائے تھے - ان کا اشتیاق تھا کہ کھانے پر بات چیت ہوگی کسی نہ کسی مسئلہ پر بحث ہوگی - اور ارتباط باہمی بڑھیگا - میں اتنا تھکا ہوا تھا اور معدہ بھی ناراض ہو گیا تھا - میری عدم شمولیت کے وجوہات کافی سمجھ کر مرزا صاحب نے میری معذرت قبول فرمائی انہیں بھی افسوس رہا اور مجھے اس سے زیادہ - بامرمجبوری میں نے اپنے تئیں اس علمی صحبت سے محروم کیا - بعد میں معلوم ہوا کہ کھانے پر بہت دلچسپ مکالمے ہوتے رہے اور میری غیر حاضری کو محسوس کیا گیا - مرزا جی کی احسانو نکر انبار بہت بوجھل ہوتے جاتے ہیں -

اب ہم بنگلور کو تیار رہیں - بیرہ ملازم کو اسباب کے ہمراہ ریل میں روانہ کیا گیا - ٹیلیفون پہلے کر دیا گیا تھا - ہم اب کی دفعہ موٹر میں بہت اچھی ملی پر راستہ پر دو رویہ سایہ دار پیپل اور رجامن کے درختوں سے ایسا خوشنما بنا ہوا ہے - گویا ایک روش معلوم ہوتا تھا خنکی خاصی تھی - بنگلور پہونچنے سے قبل ہم کو شیو سمندرم دیکھنا تھا - اس کا راستہ شاہی سڑک سے علیحدہ کٹتا ہے -

یہ نام کاوری فال کا ہے - کاویری فال جیسا نظارہ ہماری نظر سے پہلے نہ گذرا تھا - چند سال ہوئے دارجلنگ کے سفر میں ہم نے کئی آبشار دیکھے تھے گروہ قریب سے گرتے ہیں - کاویری فال تین دھاروں میں بہت بلندی سے گرتا ہے - پانی روئی کے گالے یا برف کی مانند گرتا ہے - اور نہایت خوشنما پھار پیدا کرتا ہے - جیسی ہم نے بندیر دیکھی تھی - بلکہ اس سے بھی زیادہ خوشنما تھی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دھواں اٹھ رہا ہے اور پانی اپنے ہی ساتھ کشتی کر رہا ہے اس کے قریب چند میل پر ایک اور ویسا ہی فال ہے اس کے قریب ایک مسلمان فقیر کا چھوٹا سا مقبرہ بھی ہے - کہتے ہیں کہ اس فال پر اس کی برکت ہے - کاویری بل کھا کر ایک پہاڑی کے گرد چکر کھا کر چلتا ہے اس پہاڑی پر رنگا سوامی کا مندر ہے راستہ دشوار گذار تھا وہاں ہم نہ جاسکے

کاویری فال

ہم نے کتابوں میں آبشاروں کا حال پڑھا تھا - تصویریں بھی انکی دیکھی تھیں لیکن قسمت کی یاوری نے ہمیں ایک فال دکھلا دیا سبحان اللہ کیا نظارہ ہے ! ! دریا کاوری پہاڑ پر سے تین دھاریں بنکر بلندی سے گرتا ہے پانی نیچے پہونچکر دھواں سا ہو جاتا ہے اور ایک پھار جسے انگریزیں

سیر سے کہتے ہیں پیدا ہوتی ہے - پہاڑ کی صورت ہاتھی کے مستک کی طرح معلوم ہوتی ہے اگر تشبیہہ سے اس کی صحیح حالت بیان کی جاسکتی ہے تو یہ سمجھیے کہ چار یا پانچ ہاتھیوں کی شکلیں جوڑ دی جاویں - اور بجائے ان کی سونڈوں کے ندیاں جاری کردیں تو کاویری فال کا نقشہ ذہن میں آسکتا ہے - واہ نیچر تیرے کام بھی عجیب ہیں - میری ایک غزل کا شعر ہے - ایک ویراگ کا ہے

بجز اک موج خوں رکھا ہی کیا ہے لالہ زار میں دھرا کیا ہے بجز افغان مسلسل آبشار و نیں

جب یہ شعر موزوں ہوا تھا ہم نے آبشار دیکھے ہی نہ تھے - جس فال کا ہم ذکر کر رہے ہیں اگر ہم پہلے دیکھ چکے ہوتے تو ہرگز یہ مضمون نہ باندھا جاتا - آبشار نیچر کا وہ منظر ہے جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ پہاڑ کی رکاوٹ پانی کو کس طرح سے بے اختیار کرتی ہے اور وہ بیچارہ کس طرح ریزہ ہوتا ہے اور کس کشمکش سے مخلصی حاصل کرتا ہے اور سانپ کی مانند بل کھاتا ہوا نکلجاتا ہے - پھر ہمنے بجلی کا کارخانہ دیکھا - ایک ہندو انجنیر انچارج ہے اس نے ہم کو سارا کارخانہ دکھلایا اس کارخانہ کا نام سر شیشی ورآیر کے نام پر ہے جو ایک وقت یہاں دیوان رہچکے ہیں اور میسور کی ترقی کے بانی اور گویا ریاست کے نفس ناطقہ تھے ان کی یادگار میں ان کا بت بھی بنایا گیا ہے جو لارڈ کرزن کی تحریک سے بنا تھا - حتی کہ انہوں نے جیب خاص سے چندہ بھی معقول دیا تھا - پہلے یہ بجلی گھر طاقت میں کم تھا - مانگ بڑھتی جاتی ہے - بنگلور میسور - کولا پور وغیرہ شہروں میں زیادہ روشنی کی ضرورت تھی - اب یہ کارخانہ بڑھایا جارہا ہے - عمارت بھی نئی بن رہی ہے نئے انجن بھی آگئے ہیں - وہ ندی کی سطح کے بازیت نقب کئے گئے ہیں - انجن کیا - الامان - دیکھ کر خوف معلوم ہوتا ہے اگر کوئی پھٹے تو قہر الٰہی نازل ہوجائے - انجنیر صاحب نے ہمیں ایک ٹرالی پر سوار کیا جن سے وہ اوپر نیچے جاتے تھے - رسیوں سے نیچے اترتے تھے - ۶۰۰ فٹ ہم کو نیچے جانا تھا - سلامی اترائی کی اتنی تیزی کی روح قبض ہونے لگے - منشی جی اور ہم بہت گھبرائے انجنیر صاحب اور مسٹر آرمرکی تسلی دینے پر بہار احوصلہ بڑھا - خدا خدا کر کے ہم ایکدم نیچے پہونچ گئے - شکر کیا کہ حادثہ نہ ہوا - انجن جنکا اوپر ذکر ہوا - ٹربائن کے ذریعہ بجلی پیدا کرتے ہیں - بجلی کا ذخیرہ ایک مکان میں جمع کیا جاتا ہے جہاں سے مختلف مقامات پر بھیجی جاتی ہے - نیچے جانے کو انجن کی سطح تک پانی کی سیڑھیوں سے اترتے ہیں ڈ ایسے بنے ہوئے تھے کہ مجھی ہاتھ پکڑ کر اترنا پڑا - شاید اگر یہ امداد نہ ملتی تو گرنے کا اندیشہ تھا - انجنیر صاحب امریکہ اور یورپ کے تعلیم یافتہ ہیں - اور تن واحد ذمہ داری اور ہنرمندی سے کام سرانجام دیرہے ہیں - گرم کافی جو میرے ہمراہ تھی نوش کی گئی - حقہ کی دو چلمیں اڑائیں اور یہاں سے

حفت ہوئے۔ بنگلور کی سڑک سے یہہ کارخانہ ۲۸ میل ایک دوسری سڑک پر ہے وہ سڑک طے ہوئی اور بنگلور کی بقیہ سڑک طے ہوئی اور باتیں چیتیں کرتے ہوئے وقت کٹ گیا۔ راستے میں کئی چھوٹے قصبے آئے۔ بعض مسلمانوں کی بستیاں بھی آئیں کہیں کہیں کوئی مندر کوئی مسجد نظر پڑی ایک قصبہ کے قریب ایک مقبرہ اور درگاہ بھی دیکھے۔ ان دنوں محرم کے دن تھے۔ چیتوں اور شیروں کے سوانگ بھی دیکھے ہمارا تمباکو ختم ہونیوالا ہے۔ دیکھئے بنگلور میں ملتا بھی ہے کہ نہیں۔ آرس صاحب نے راستہ میں ایک جگہ دکھائی جہاں شیر کا شکار کیا جاتا ہے۔ اسکی ترکیب یہہ ہے کہ ایک بکرا درخت سے باندھ دیا جاتا ہے شیر اسے دور سے سونگھ کر اس کے کھانے کے لئے آتا ہے۔ شکاری تاک میں رہتے ہیں۔ جھپٹ بندوق سے شیر کا نشانہ کرتے ہیں۔ واہ رے حضرت انسان کیا کیا فریب کرتا ہے۔ اس تعلی کے لئے کہ میں شیر افگن ہوگیا یہہ فخر دیکھئے کہ خود بندوق لیکر پاس کھڑے ہوتے ہیں۔ سامنے شیر مردہ کو لٹا دیتے ہیں عکسی تصویر کھچواتے ہیں اور اخباروں میں چھپواتے ہیں ڈرائنگ روم میں اپنی بہادری کا ثبوت رکھتے ہیں۔ شاباش! نفس امارہ کو تو نہ مارا اگر بقول ذوق۔۔ ۔۔۔ شیر نر مارا تو کیا مارا۔

(تسنیم)

سر ولیم جونز

شباب اردو کے پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں۔ بعض اصحاب اپنے نام کے ساتھ۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ لکھ کر اسے طرۂ کلاہ فخر سمجھتے ہیں مگر ایسے بہت کم ہیں جنکو یہہ معلوم ہوگا کہ یہہ حروف تہجی صنعت توشیخ میں کیا تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگر یہہ کسی خاص سوسائٹی کا نام ہے تو وہ کب بنی۔ کیسے بنی۔ کس نے بنائی۔ اور کیوں بنائی۔

بہرحال ان سب باتوں کا جواب مندرجہ بالا عنوان کے ذیل میں آجائے گا۔ اور پڑھنے والے خود بخود سمجھ جائیں گے۔ اس بنگال رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے بانی مبانی جماعت مستشرقین کے وہ نام آور بہادر تھے جنھوں نے اور تو اور لارڈ میکالے کے اسی خیال کو کہ اہل مشرق میں بہت کم عقل ہے۔ اسیطرح غلط ثابت کرکے دکھایا تھا جسطرح ارسطو کی فلاسفی کو لارڈ بیکن نے اور جسنے خود اپنی ذات کی نسبت اپنی ہی ایک نظم میں لکھا ہے۔

"مجھے بنجر سی بنجر زمین بھی دے کے دیکھ لو میں ایک مالی اور کاشتکار کی سی محنت شاقہ کام میں لا کے

دکھلادوں گا وہی زمین کیسی زرخیز - بارآور - اور مفید قطعہ ہے"

یہ وہی شخص ہے جس نے ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ہسٹنگز کے عہد میں بنگال کے مشہور و معروف ہوا خواہان علم و فضل کی ایک کمیٹی بنائی اور اس کا نام رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے نام پر تھوڑے تغیر کے ساتھ تجویز کیا - یہ وہی علم دوست بزرگ تھے جو انگریزی کے علاوہ ایک درجن ایشیائی زبانیں مادری زبان کی طرح جانتے تھے - مشرقی انیس زبانوں میں خاصی مہارت رکھتے تھے اور تین ایک اور زبانوں میں شد بد کر سکتے تھے -

ولیم جونز کی پیدائش ۱۷۴۶ء میں بمقام لندن ہوئی - مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے نہ اس کے کسی سوانح نگار نے اور نہ ان کے قریبی رشتہ دار کے قلم کشیدہ وقائع زندگی میں ان کے بچپن کے حالات مفصل دئے ہیں - البتہ ایک صاحب نے برٹش انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے -

جونز نے ہیرو سکول میں تعلیم پائی تھی ۱۷۵۵ء میں اسکی ران پر ایسی سخت چوٹ آئی جس نے اسے برس بھر بستر سے اٹھنے نہ دیا"

لارڈ ٹین موتھ لکھتے ہیں ولیم کا حافظہ بلا کا تھا اور اس کے ثبوت میں لکھتے ہیں -

"مدرسہ کے طلبا نے شکسپیر کے کسی ڈرامے کو عملی طور پر دکھلانا چاہا - ٹم پیسٹ (طوفان) کی ٹھہری سب کے ہاتھ پاؤں مارنے پر بھی جب کوئی نسخہ نہ ملا تو میرے شیر نے حافظہ سے کام لیکے سارے کا سارا ڈرامہ لکھ کے رکھ دیا" پھر جب ڈراما دکھلایا گیا تو (بقول مسٹر چامرس) ایک استاد نے خاتمہ پر کہا - مجھے جونز کے حافظہ پر رشک ہے - یہ اسی کا ادنے کرشمہ ہے جو ہمارے لڑکوں نے ٹم پیسٹ عملی طور پر کر کے دکھلا دیا - ورنہ ہم ٹمپیسٹ سے محروم رہتے"

"دوسرے بزرگ ڈاکٹر بن برنٹ نے جونز کی قابلیت خداداد کو مدنظر رکھ کر کہا - یہ نوجوان ہمارے مدرسہ کا فخر ہوگا"

۱۷۶۴ء میں ولیم مدرسہ کا کورس پورا کر کے اکسفورڈ یونیورسٹی کالج میں داخل ہوا تعلیمی کورس کے ساتھ ساتھ بچپن کے دوست مشرقی تعلیم کے شوق کو بھی ترقی دی یونیورسٹی کورس پورا کرنے کے بعد جب لندن واپس ہوا تو ایک شامی مرزا کو بھی ساتھ ہی لے لیا - چنانچہ انہیں کے فیضان صحبت کے باعث ۱۷۶۵ء میں وہ لارڈ الٹھارپ کا اتالیق ہوا - پھر ڈاکٹر لوتھ (   ) کی یونانی نظموں کی شرح کے تتبع پر ایک مجموعہ میں کچھ ایشیائی نظموں کو انگریزی لباس پہنا کے دکھلا دیا کہ بادہ شیراز کے سرمست "گلگشت مصلے" کے شیدائی حافظ اور فارسی کے پیغمبران سخن کے ہاں کس قسم کے

جواہرات ڈھیروں موجود ہیں - انہی دنوں شاہ ڈنمارک میر کی غرض سے لندن پہنچے - ان کے ساتھ مرزا مہدی کی لکھی ہوئی نادر شاہ کی سوانح عمری کا مسودہ تھا جو ان کی خاطر سے ولیم جونز نے انگریزی میں ترجمہ کر دیا - اس کے بعد ولیم جونز نے ایک دن کہا "لوگوں نے بیرسٹری یا وکالت کو بدنام کر رکھا ہے اگر بغور دیکھا جائے تو یہی وہ پیشہ ہے جس سے حاکم کی قلم کے نیچے سے ملزم نکال لیا جا سکتا ہے جو نہ کچھ ادہر سے بھی حصہ لیا جائے" بعد ازاں ۱۹ ستمبر ۱۷۷۰ء کو اپنے ہی کالج کی قانونی جماعت میں شامل ہو گیا اور ۱۷۷۴ء کے سرکاری گزٹ نے جب اس کی بیرسٹری کا اعلان کیا - ایک اخبار نے لکھا - اسے کوئی معمولی سا وکیل نہ سمجھنا یہ اپنے فلسفہ اور قانونی قابلیت کے باعث آفتاب و مہتاب کی طرح چمکنے والا ہے - اور پھر ایسا ہی ہوا - انہیں دنوں مشرقی نظموں کا ایک مجموعہ نکالا - جس میں اعلیٰ پایہ کے دو مضمون تھے - جو بعد میں اسے رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کا ممبر بنانے میں مابہ الامتیاز ہو ۱۷۷۶ء میں کمشنر محکمہ دیوالہ جات ہوا جس سے سرکاری ملازمت کے سلسلہ کا آغاز سمجھو - انہی دنوں فرصت کے وقت یونانی سیکھی اور تھوڑے ہی عرصہ میں یونان کے مشہور مقرر - آئی - سی - ایس کی تقریروں کے مجموعہ کا انگریزی ترجمہ شائع کیا - کچھ دنوں پارلیمنٹ کا انتخاب تھا - بعض آدمیوں نے اس کی نامزدگی کی کوشش کی - مگر جونز نے اپنی ایک نظم موسومہ آزادی (بزبان اوطانی) میں صاف لکھ دیا - معاف فرمائیے "ہر کار سے و ہر مرد سے"

۱۷۸۰ء میں لندن کے ایک خونخوار باغیوں کے سرغنہ کی ایما سے ایک کتاب لکھ کے واضح کر دیا - "قانون کی مدد سے بغاوتیں کیسے فرو ہو سکتی ہیں" دوسری برس آپ کی توجہ عربی کی طرف ہوئی سبعہ معلقہ کا لفظی بامحاورہ ترجمہ شائع کیا اور دیباچہ میں عرب کے علم ادب کے متعلق لکھا -

"عربوں کی طرز معاشرت کا اثر ان کی نظموں سے ملتا ہے - جا بجا ایسی تلمیحیں اور اشارے ہیں جس سے بے اختیار دل تڑپ اٹھتا ہے - جہاں کہیں استعارہ آگیا ہے سونے پر سہاگہ کا کام دے گیا ہے - فضا کے منظر خیموں کی راتیں - چاند کی بھینی بھینی روشنی - دھوپ کا مقابلہ تمازت آفتاب کا رنگ - رزم و بزم کے نظارے - درختوں کے سایہ میں تازہ دم ہونا - پر لطف ہے - سبزہ زار - نہروں کی موجزنی - اور ملائک فریب دنیا کی حوروں کی دید و دید عرب کا مایۂ ناز ہے - گو یہ ملک کبھی کسی نے فتح نہیں کیا پھر بھی ان کے ہاں کی رزمیہ نظمیں نہایت ہی پر لطف ہیں"

۱۷۸۲ء کے پارلیمنٹ الیکشن کے موقعہ پر ایک شہری اور قصباتی امیر کے مکالمہ میں اصول حکمت کو بحث فیہ

قرار دے کے ان سوسائٹیوں کی پوری طرفداری کی جو ہوس آف کامنز میں نمایندگی کا برابر حصہ لیا چاہتے تھے ۔ ۱۸۶۳ء میں ولیم ناہوتے ہی کالکتہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور تھوڑے دن بعد مس ای ایم شیلی سے شادی کی ۔ اس نے اپنا پروگرام اس طریق سے بنایا کہ فرصت کے وقت بہت سی زبانیں سیکھ لیں جنمیں سنسکرت خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ تھوڑے مطالعہ کے بعد ایک مجموعہ میں چند ایک سنسکرت کی نظموں کا ترجمہ نکالا جنمیں اندر ۔ کام دیو ۔ سرسی لکشمی کے علاوہ کالیداس کے مشہور ڈرامہ سکنتلا کا پورا ترجمہ اور کمار سنبھو کا وہ حصہ نہایت ہی دل کش ہے ۔" جس میں اوما کا شنکر جی سے ناراض ہوکر چلے جانیکا حال مذکور ہے ۔" اسی سلسلہ میں کالیداس کے ایک اور ڈرامے لوتسم ہارا کی نسبت لکھا ہے ۔ " سراپا مرصع قریب الفہم دقیاس ۔ پوری رنگا میزی کا نمونہ ہے ۔" ویدوں کے بارے میں لکھا ہے " ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں جراحی ۔ طبابت ۔ راگ ۔ ناچ ۔ تیر اندازی معرکہ آرائی ۔ اور فن تعمیر کا خاص شوق تھا ۔" زبانوں کی نسبت کہتے ہیں ۔" سنسکرت ایسی حیرت افزا اکمل زبان نہ یونانی ہے نہ لاطینی ۔ عربی ۔ صاف ۔ مضبوط اور دل کش ہے عربی نے فارسی کو اور فارسی نے ترکی کو اظہار خیالات میں جذبات کی مجسم تصویر بنا دیا ہے ۔" شنکر آچاریہ کی کتاب " بھاشیہ " کے بارے میں لکھا ہے ۔" ویدانت سوتر میں یہہ ایک ایسی بے بدل تصنیف ہے جس کی تعریف میں جتنا کچھ بھی کہا جائے تھوڑا ہے ۔"

افسوس ! ۲۷ اپریل ۱۷۹۴ء کے دن مستشرقوم کا یہہ ہیرا دل سوزش جگر سے ہمیشہ کے لئے سو گیا ۔ اور قبل اس کے کہ یہہ مضمون ختم کیا جائے اس کی وہ رائے دہرائی جاتی ہے جو مرحوم نے لارڈ میکالے کے جواب میں ایک یونانی حکیم کے حوالہ سے کہی تھی یعنی ۔" ہندوستان کے باشندے دنیا بھر سے زیادہ عقلمند اور اخلاقی تعلیم میں سب سے اعلےٰ پایہ کے ہیں ۔"

(سراپا تقصیر حقیر میر)

نوحہ

بہن شبنم کے خط نے مجھے پریشان کر دیا ۔ محترمہ زینت کبریٰ ڈاکٹر محمد عبدالکریم خاں کی وفات میرے لئے اور بزم شباب اردو کے لئے باعث قلق اور اضطراب ہے ۔ موت کی آندھی نے ایک اور شمع امید گل کر دی ۔ آپ میرے رسالہ کی مضمون نگار تھیں ۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور بعارضہ تپ دق یکم رمضان ۱۳۴۱ھ صبح کے چھ بجے داخل جنت ہوئیں ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ذیل کا نوحہ اور قطعہ وفات میرے بزرگ جناب مولوی سید وحیدالدین صاحب سلیم

پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے فکر کا نتیجہ ہے۔

(خورشید سلطانہ)

گر لطیفہ دنیا سے نہ جاتی کوئی دن اور　　دنیا کو بہار اپنی دکھاتی کوئی دن اور
ہر نظم میں اس کی تھا نمایاں نغمہ رنگیں　　نغمہ رنگیں وہ سناتی کوئی دن اور
ہر نثر سے اس کی تھی عیاں شان ادب کی　　اعزاز ادب کا وہ بڑھاتی کوئی دن اور
رونق تھی عجب اس کے سبب گھر کے چمن میں　　جنگل میں وہ چھاؤنی چھاتی کوئی دن اور
سر چھائی بہن پر وہ دل و جاں سے فدا تھی　　الفت کا سبق ان کو پڑھاتی کوئی دن اور
ماں باپ نہ سیر اسکی محبت سے ہوئے تھے　　دنیا کی ہوا کاش وہ کھاتی کوئی دن اور
گیا اس کے سبب گھر میں خوشی چھائی ہوئی تھی　　باعث مسرت کی وہ آتی کوئی دن اور
زہری کو وہ پژمردہ نہ کرتی ابھی اے کاش　　شبنم کو نہ اسطرح رلاتی کوئی دن اور
صبیحی کو اندھیرا نظر آتا ہے مکاں میں　　منہ اپنا نہ وہ کاش چھپاتی کوئی دن اور
دل اس کا اچٹتا نہ ابھی کاش وطن سے　　جنت کی فضا اسکو نہ بھاتی کوئی دن اور
تھی ستیدہ کی موت نہ کچھ حشر سے کمتر　　اے کاش نہ یہ حشر وہ ڈھاتی کوئی دن اور
یہ سچ ہے کہ دنیا یہ سب ایذا سے بھری ہے　　اے کاش وہ ایذا یہ اٹھاتی کوئی دن اور
گھرداری کا تھا اس کو سلیقہ مگر اے کاش　　بہنوں کو سلیقہ وہ سکھاتی کوئی دن اور
غم ستیدہ کا تازہ کیا مرنے نے اس کی　　اس غم کو نہ وہ یاد دلاتی کوئی دن اور
ماں باپ کی آنکھوں میں تھا نور اسی سبب سے　　ماں باپ سے آنکھیں نہ چراتی کوئی دن اور
اب صبیحی و زہری کے دلوں میں ہوا اندھیرا　　دل ان کے نہ وہ کاش بجھاتی کوئی دن اور
کہتے ہیں حسنا جلد گئی باغ جہاں سے　　اے کاش وہ رنگ اپنا جماتی کوئی دن اور
ہوتے تھے عزیز اس کی محبت سے مسخر　　منتر وہ عزیزوں پہ چلاتی کوئی دن اور
گھر بھر میں تجلی ہی تجلی تھی - اگر وہ　　منہ اپنا نہ مدفن میں چھپاتی کوئی دن اور
کیوں جا کے ابھی سے وہ تہ خاک سمائی　　آنکھوں میں عزیزوں کی سماتی کوئی دن اور
دنیا سے نہ مٹتا کبھی پھر نام حسنا کا　　نقش اپنا دلوں پہ جو بٹھاتی کوئی دن اور
پر موت نے کیا جلد دیا میٹ وہ جوہر　　اے کاش یہ جوہر نہ مٹاتی کوئی دن اور
رہتی ادبیات میں وہ زندہ جاوید　　گر موت کے پنجے میں نہ جاتی کوئی دن اور

قطعہ وفات

طیبہ کش حنا تخلص بود — نامرادانہ رفت از دنیا
سال ترحیل عیسوی گفتم — شدہ غائب برنگ رنگِ حنا
۱۹۲۳ء

(سید حمیدالدین سلیم)

ایک سینہ میں دو دل

"ہٹو۔ میرے پاس سے جاؤ۔ مجھے زیادہ نہ ستاؤ۔ میں ایک نہ مانوں گی۔" دبھرائی ہوئی آوازمیں "آہ میری زندگی تباہ ہوگئی۔ میں زندہ درگور ہوگئی۔" یہ دل ہلا دینے والے جملے ایک نازک اندام اور پری جمال نازنین کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ اور آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ جوشِ اضطراب نے سینے والوں کو بیتاب کر دیا۔ "پیاری حسینہ میرے حال پر رحم کرو میں اب زندہ نہیں رہ سکتا" کہتے ہوئے ایک نوجوان اس کی الفت سے نکل کر چار قدم آگے بڑھا۔ "دیکھو محسن خدا کے لئے مجھے نہ ستاؤ میں اپنی زندگی سے بیزار بیٹھی ہوں میرا محبت نام نہ لو۔ نہ میں کسی کی پیاری۔ نہ میرا کوئی پیارا۔" حسینہ یہ کہکر آرام کرسی پر جو اس کے قریب پڑی ہوئی تھی لیٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ محسن اسکی تسلی کے لئے اس کے پاس جا بیٹھا حسینہ نے کہا "آپ میری جان لئے بغیر نہ چھوڑیں گے"۔ محسن نے دلجوئی کرتے ہوئے حسینہ کے آنسو پونچھے مگر وہ برسات تھمتی ہی نہ تھی۔ آخر مجبور ہوکر کہنے لگا۔ خدا کے لئے کچھ تو کہو زبردستی خفگی۔ بے وجہ آہ و زاری بے سبب رو ٹھنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر وہاں سوائے رونے کے اور کوئی جواب نہ تھا......

محسن اسوقت متفکر بیٹھا ہوا ہے۔ خیالات کے وسیع سمندر میں غوطے لگا رہا ہے۔ آخر وہ اسطرح اپنے دل سے باتیں کرنے لگا۔ "پیاری حسینہ کا رونا بے وجہ نہیں ہے خدا خیر کرے۔ اگر اسے معلوم ہوگیا۔ تو غضب ہی ہو جائے گا۔ اور پھر بقیب دشمناں پیاری حسینہ کا زندہ رہنا معلوم۔ افسوس میں نے اس کو بیحد صدمہ پہونچایا ہے۔ میں ضرور اس کا قصوروار ہوں وہ مجھ سے از حد محبت رکھتی ہے۔ کیا یہ اس محبت کا بدلہ ہے" اس نے حسینہ کی طرف دیکھا تو روتے روتے سوگئی تھی۔ محسن نے گھبرا کر نبض دیکھنے کی غرض سے نازک ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ حسینہ کی آنکھ کھل گئی اور محسن کی صورت دیکھ کر کہنے لگی "ہائے سونے بھی نہیں دیتے"

محسن "خدا کے واسطے کہو تمہاری کیا حالت ہے مزاج کیسا ہے"۔ حسینہ (آہ سرد کھینچ کر) بہت اچھا ہے

محسن - آخر یہ رونا دھونا کیسا - یہ خفگی کس بات کی - حسینہ اپنی قسمت کو روتی ہوں میں کسی سے خفا نہیں ہوں - میرا ہے ہی کون جس پر میں خفا ہوں - محسن پیاری حسینہ تم میرے دل کی مالک ہو - میں تمہارے بغیر ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا - یہ بدگمانی خدا کے لئے دل سے نکال ڈالو - آخر اسکی وجہ کیا ہے کہ تم مجھ سے اس قدر روٹھی ہوئی ہو - حسینہ اللہ رے بھولا پن - محسن حقیقت میں میں کچھ نہیں جانتا - اب محسن کسی کی آہٹ سنکر رک گیا - اتنے میں خادمہ نے آکر کہا حضور گاڑی تیار ہے - محسن (گھڑی دیکھ کر) او ہو دس بج گئے ہیں - حسینہ ہاں جلد جائیے کسی کی یاد ستاتی ہوگی - محسن - (دل میں) ہائے اس کو خوب معلوم ہے - (حسینہ سے) کس کی یاد؟ حسینہ اپنے دل سے پوچھیے - محسن یہ تمہارا خیال خام ہے - میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم اپنے خیال میں کہاں تک صحیح ہو - اس کا نتیجہ سوائے رنج و غم کے کچھ نہیں - حسینہ شاید میری قسمت میں یہی لکھا ہو - (تیوری پر بل ڈال کر) جائیے صاحب جائیے وقت ہو چکا ہے - محسن "افسوس پھر وہی بدگمانی میں تو اسوقت ہائی کورٹ جا رہا ہوں - آج ایک اہم مقدمہ کا فیصلہ ہونیوالا ہے" - حسینہ "خدا آپ کو کامیاب کرے" محسن "پیاری حسینہ - میں تمہیں بیقرار نہیں دیکھ سکتا - لو خدا حافظ"

(۲)

محسن ایک خوبصورت نوجوان تھا - اس کی بڑی بڑی آنکھیں - گول چہرہ اونچی ناک - گندمی رنگ، اور سنہری بال انگریزی وضع کی چھوٹی چھوٹی مونچھیں - تمام چیزیں بحالت مجموعی ایک رعنائی پیدا کر رہی تھیں - وہ انگریزی فیشن کی دلکش تمثیل تھا - وہ نہایت خلیق - حلیم - متین اور بہترین اخلاق کا انسان تھا - اتفاقات دیکھئے کہ میاں محسن نے دنیا میں قدم رکھا - ہوش سنبھالا تو محبت اور الفت نے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا - حسینہ محسن کی چچا زاد بہن تھی - یہ دونوں بچپن ہی سے بوجہ قرابت قریبہ ایک ہی مکان میں رہتے تھے - حسینہ کے خداداد حسن نے محسن کے دل کو حالت طفلی میں ہی تسخیر کر لیا تھا - غرض گل و بلبل کا معاملہ تھا - یہی وجہ تھی کہ محسن تین دفعہ میٹرکیولیشن میں فیل ہوتا رہا - محسن کو اپنی پیاری دلربا حسینہ کے حاصل کرنے میں بڑی دقتیں پیش آئیں - اور حسینہ بھی ان مصائب سے نہ بچ سکی جب محسن نے انٹرنس پاس اور کالج کی زندگی کے پہلے سال میں قدم رکھا - تو محسن و حسینہ کے آفتاب اقبال نے ابر ادبار سے منہ نکالا - تقدیر نے دونوں کی کوششوں کو بار آور اور کامیاب کیا - آخر وہ مبارک دن آگیا کہ دونوں نے پر حسرت دل کے ارمان نکالے - اب دونوں اطمینان اور آسائش سے لطف زندگی حاصل کرنے لگے - [illegible] کا عقد ہو گیا -

محسن۔ ایف۔ اے میں داخل ہوگیا۔ کالج کا داخلہ انقلاب کا پہلا زینہ تھا۔ جس کالج اور کلاس میں محسن تھا اسی میں ایک ایرانی نژاد لیڈی آکر شریک ہوئی۔ جو حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھی۔ اتفاق سے دونوں کی نشست جماعت میں یکجا تھی۔ محسن کو فیروزہ سے۔ اور فیروزہ کو محسن سے اسقدر محبت تھی کہ ایک دوسرے کی صورت دیکھے بغیر چین نہ پڑتا تھا۔ دونوں نے جب اسے پاس کیا تو اسوقت ان دونوں کے تعلقات اس درجہ مستحکم ہوچکے تھے کہ بن دیکھے زندگی دشوار تھی۔ فیروزہ نے تو بی۔ اے پاس کرکے سلسلۂ تعلیم بند کر دیا مگر محسن وکالت کے لئے پڑھتا رہا۔ وکیل ہونے کے بعد محسن کی وکالت تو خوب چمکی مگر اب اس کی آسائش میں بہت بڑا خلل پڑ گیا۔ اس کو چین نہ تھا ہروقت متفکر رہتا۔ کیونکہ دو بیویوں کی پاسداری ایک سخت اور اہم کام ہوگیا۔ "ایک دل اور دو دلبر تھے" حسینہ کو فیروزہ کی خبر تھی۔ نہ فیروزہ کو حسینہ کی مگر [illegible] نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا حسینہ خلاف عادت آج جلد سو گئی۔ محسن نے آوازیں دیں مگر حسینہ گہری نیند میں تھی اٹھانا خلاف مصلحت سمجھ کر محسن اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔

(۳)

حسینہ سوکر کا نٹا ہو گئی۔ اس کا گلاب سا چہرہ اسقدر کمہلا گیا کہ محسن بیقرار رہنے لگا۔ حسینہ اعلیٰ قابلیت کے علاوہ بڑی سمجھدار لڑکی تھی۔ اس کی شادی کو پانچ سال کا عرصہ ہوگیا تھا۔ مگر بظاہر محسن سے اب تک کوئی بے مہری ظاہر نہیں ہوئی تھی اب اس کے جسقدر گمان اور شبہات فیروزہ کے متعلق تھے۔ ان کو واقعات نے کچھ ایسا مضبوط کر دیا کہ وہ مبدل بہ یقین ہو گئے۔ ایک دن حسینہ کی آنکھ علی الصباح کھل گئی چونکہ انہی واقعات کی بھیانک تصویر اس کی آنکھوں میں پھر رہی تھی یک لخت اس کا ذہن اس طرف منتقل ہوگیا اور وہ اسطرح اپنے دل سے باتیں کرنے لگی۔ آہ دنیا میں کوئی قابل اعتبار نہیں مجھے محسن سے ایسی امید نہ تھی۔ بیشک محسن کو مجھ سے اُنس ہے مگر فیروزہ سے محبت رکھنا کیا معنی؟ مجھے فیروزہ سے کوئی گلہ نہیں۔ شکوہ ہے تو دغا باز محسن سے۔ ممکن ہے کہ میری طرح بھولی بھالی فیروزہ کو بھی دھوکا دیا ہوگا۔ خیر پیارے محسن خدا تجھے خوش رکھے یاد رکھ یہ ناپاک ہستی تیری زندگی کی مونس نہیں ہوسکتی۔ پیارے محسن مجھ کو تجھ سے بیحد محبت ہے۔ اور اسی محبت کے ہاتھوں میں مجبور رہوں ...... آفتاب بلند ہوگیا محسن حسینہ کو سوتا جان کر کسی کام میں مشغول تھا۔ حسینہ باہر جاکر منہ ہاتھ دھونے لگی۔ اتنے میں ایک خادمہ چھوٹا سا کارڈ ہاتھ میں لئے کہ محسن کے کمرے کو جارہی تھی۔ حسینہ نے اس کو دیکھ کر پکارا اور کارڈ لیکر پڑھا۔ جسپر خوبصورت سنہری حروف میں۔

(مسٹر محسن بے لے) لکھا ہوا تھا - اتنا پڑھنا تھا کہ حسینہ کی حالت تغیر ہو گئی - مارے ﷲ ہٹ کے سنسنی ہونے لگی دل کو تھام کر کمرے میں جا لیٹی - محسن کو ان باتوں کی مطلق خبر نہ تھی وہ کارڈ پڑھ کر پھرتی سے باہر چلا گیا حسینہ کا اس وقت برا حال تھا اس کو - اس کی خبر نہ تھی کہ فیروزہ بھی محسن کی شریک زندگی ہو گئی ہے وہ کسی چیز کے لینے کو جانا چاہتی تھی مگر ضعف اس قدر تھا کہ اس کو اٹھنے نہ دیتا تھا - ایک دفعہ اٹھی مگر پھر گر پڑی خادمہ یہ کیفیت دیکھ رہی تھی اس نے دوڑ کر محسن کو کہا سرکار غضب ہو گیا بیگم صاحبہ بیہوش ہو گئیں محسن گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور بہت سے کمرے طے کر کے جب حسینہ کے کمرے میں پہنچنے کو ایک کمرہ رہ گیا - دل ہلا دینے والے فیر کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی ایک دھما کا سا ہوا - محسن عالم پریشانی میں حسینہ کے کمرے میں آیا - حسینہ کے ہاتھ میں پستول تھا - اور کھڑی ہوئی چکرا رہی تھی - گویا اب گرا چاہتی ہے اس کے سینہ سے خون کا فوارہ سارے کمرے اور خود محسن کو رنگین کر رہا تھا محسن نے سنا وہ کہہ رہی تھی "پیارے محسن خود کو سنبھالے رکھنا میرے مرنے کا کچھ رنج و غم نہ کرنا - پیارے محسن مجھ بدنصیب کی یاد... آجائے .... تو .... محسن ......"

اب حسینہ دم توڑ رہی تھی - اس دلخراش نظارے نے محسن کے دل و دماغ پر بڑا اثر کیا وہ بھی چکرانے لگا - مظلوم حسینہ کی بیکس لاش کو زمین پر ڈال دیا - ریوالور کو کھولا تو چار کارتوس باقی تھے - بند کر کے کہنے لگا "آہ حسینہ آخر تو نے وہی کیا جسکا مجھے اندیشہ تھا - خیر کچھ پرواہ نہیں پانچ دس منٹ کا فرق ہو گا - آہ اے دنیا والو تمہارے لئے یہ عبرتناک نظارہ ہے دیکھو اور اس سے سبق حاصل کرو کہ دل میں دو دلبروں کی سمائی محال ہے اب محسن کھڑا کھڑا چکرا رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے "آہ پیاری حسینہ تو دنیا سے چل دی اور کوئی دم میں میں بھی آنیوالا ہوں - مگر آہ اے فیروزہ - بھولی فیروزہ تیرا کیا حشر ہو گا - اور تو کیونکر زندہ رہے گی - کسی طرف سے آواز آئی - ہاں - ہاں - میں بھی تمہارے ساتھ ہوں - اب محسن کا دم ٹوٹ رہا ہے فیروزہ کمرہ میں داخل ہو چکی ہے اور یہ حسرتناک سین اس کے سامنے ہے بے اختیار اس کی چیخ نکل گئی وہ بولی "آہ پیارے محسن کیا تو نے اسی منحوس دن کے لئے مجھ سے محبت کی تھی اب میں کس لئے زندہ رہوں فیروزہ محسن کی لاش پر گر گئی - اور سنبھل کر اٹھی - اس نے پستول اٹھا لیا - پھر کیا تھا گولی سینے سے پار ہو گئی -

تین رہ نوردان وادی محبت منزل فنا تک پہنچ گئے - ؎

ہم معتقد دعوئے باطل نہیں ہوتے سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

(رضیہ فیروز الدین)

دوشیزہ کی بددعا

ہتیس سال گذرے کہ سلطنت چین کے لوگ ہن یون کے نام سے کانپتے تھے یہ خونخوار قزاق تھا - اس کا باپ ایک امیر سوداگر تھا - اس نے ہرچند چاہا کہ یہ تعلیم یافتہ ہو کر نام پیدا کرے مگر اسکی قسمت میں علم نہ تھا - طالب علمی کے زمانہ میں یہ مدرسہ سے بھاگ کر اپنا وقت بیسواؤں کی مجلس اور شراب خانوں میں صرف کرتا تھا - باپ کے مرتے ہی یہ پھیل کھیلا - تمام جائداد برباد کر دی آخر جب محتاج ہو گیا - تو پولس کی جنگی کشتی میں سپاہی بن گیا - یہاں اس نے اچھا کام کیا - مگر قواعد کی پابندی اس کے لئے جان کا عذاب تھی - یہ نوکری کو غلامی سمجھتا تھا - ایکدن اسے جوش آگیا - کشتی کے ناخدا کو قتل کر ڈالا - کشتی کے سب بادبان پھاڑ کر پھینک دئے - دو اور سپاہیوں کو مروا دیا اور بقیہ آدمیوں کو ہمراہ لیکر بحری قزاق بن گیا - رفتہ رفتہ تمام چور اور ڈاکو اس کے جھنڈے تلے آگئے اور سب نے اس کو اپنا سردار بنا لیا - حکام کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے ایک جنگی جہاز مسلح کر کے اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا لیکن اس نے حکمت عملی سے سرکاری ملازموں کو گانٹھ لیا - جہاز کے دھوئیں اڑا دئے اور دریا کا خود مختار تند خو حکمراں ہو گیا -

ایکدن شام کے وقت ہن یون اپنی دلکش جائے رہائش میں جو بادشاہوں کے قابل تھی بیٹھا ہوا پی رہا تھا جب وہ پے در پے چار چلمیں اڑا چکا تو اس نے گھنٹی بجائی اور اس کا بوڑھا مصاحب چو حاضر ہوا - اور آتے ہی اس نے اس فرعون کو تین بار سجدہ کیا - ہن یون نے لال لال دیدے پھاڑ کر کہا - چو - تمہیں معلوم ہے کہ آج شام کو چاول تناول فرما کر ہمیں دیہات کیطرف جانا ہے اور خراج وصول کرنا ہے - چو نے عاجزی سے جواب دیا کہ میرے آقا گرد و نواح کے دیہات میں جو کچھ زر و نقد تھا وہ ہم بٹور چکے ہیں - ہن یون نے گرج کر کہا خاموش او گھوڑے کے بچے مجھے نقدی یا جواہرات یا شراب کی ضرورت نہیں ہے - پھر اس نے صندوقچی سے ایک سنہری مجلد کتاب نکالی جو لاجوردی رنگ سے لکھی ہوئی تھی اور اسمیں سے چند اشعار پڑھے جنکا مضمون یہ تھا کہ مردوں کیلئے موسیقی اور نفیس طعام مال و زر - جنگ و جدل بہت موزوں ہے لیکن ان سب سے بہتر شئے ان کے لئے عورت ہے یہ سنکر بوڑھے چو نے پھر تین سجدے کئے اور چلا گیا -

ایک ہفتہ کے بعد قزاقوں نے آس پاس کے دیہات میں چھاپا مارا اور کئی خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں چھین کر

کیلئے اور کسی سے اتنا نہ ہو سکا کہ انکو روکتا۔ اب ہن یون عیش پرست ہو گیا اور رفتہ رفتہ نے اسے سست اور کاہل بنا دیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ مردانگی جس سے سب اسکے ماتحت اس سے دبتے تھے جاتی رہی۔ اگرچہ اسکی قید میں کئی کنیزیں حسین و نوجوان اپنی اپنی جگہ بے نظیر تھیں لیکن ہن سلطان کی انسے انکی طبیعت اب انسے سیر ہو چکی تھی اور وہ کسی نئی عورت کا متلاشی تھا۔ آخر اسے بتایا گیا کہ ایک گاؤں میں وہاں کے پٹیل کی ایک لڑکی ہے جسکا نام ہوئی یاد ہے اور وہ اسقدر خوبصورت ہے کہ حور و صورت کی حیا تک کو شرماتی ہے وہ پڑھی لکھی ہے۔ اسکے حسن و جمال کی شہرت پیکن تک پہنچ چکی ہے جہاں کے ایک سردار سے اسکی نسبت ہو گئی ہے وہ ہر وقت زہر کی شیشی جیب میں رکھتی ہے اگر آپ ادھر کا رخ کریں تو وہ جان پر کھیل جائے۔ ہن یون نے قہقہہ مارا اور مرکب منگانے لگا۔ وہ تمام عمر شہوانی تمناؤں کا غلام رہا تھا اور اسکا بیدار دل شیطانی منصوبوں کا جال بن رہا تھا۔

اونگ اپنی دختر کے ساتھ چاول کھا رہا تھا کہ ایک پیادہ آیا اور خبر لایا کہ ابھی ابھی ایک عالی افسر سرخ بادبان والی سرکاری کشتی سے اترا ہے اور وہ آپ کو اور گاؤں کے تمام معزز باشندوں کو بلاتا ہے۔ اونگ نے فوراً درباری لباس پہنا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وہاں گیا جہاں ایک دراز قد فربہ جسم جوان پولیس کی وردی میں اس کا منتظر تھا۔ اس نے نہایت گرمجوشی سے انکا استقبال کیا اور کہا کہ شہنشاہ کو اطلاع ملی ہے کہ ملعون ہن یون تمہارے درپے آزار ہے وہ ہوئی یاد کو اٹھا لیجا کر اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے مجھے تمہاری مدد کے لئے مامور کیا گیا ہے تم اور ہوئی یاد مع خاص خاص متعلقین کے میری کشتی پر چلو۔ جسوقت اس نابکار کو خبر لگی فوراً آئیگا اور ہم اسے ہاتھوں ہاتھ گرفتار کر لیں گے اسکے ظلم اب حد سے گذر چکے ہیں۔ اونگ نے اس مشورے کو پسند کیا۔ اسی دن سورج ڈوبنے کے بعد اونگ اپنی بیٹی اور تین قریبی رشتہ داروں کے ہمراہ دریا کیطرف روانہ ہوا جہاں ایک چھوٹی ناؤ ان کے لئے تیار رکھی تھی اور کچھ فاصلہ پر سرخ بادبان والی بڑی کشتی موجود تھی۔ راہ میں ہوئی یاد کا کلیجہ دھڑکتا تھا۔ اسے سردی محسوس ہو رہی تھی اور اس کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ اونگ نے کہا بیٹی ڈرو نہیں میں ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں گا ہوئی یاد نے دل کڑا کر کے کہا ابا میں نہیں ڈرتی جسوقت اس ڈاکو کا سر تن سے جدا ہوگا۔ تو تمام ملک میں میرے گیت گائے جائیں گے۔ یہ قافلہ بخیریت چھوٹی ناؤ میں سوار ہو کر بڑی کشتی کیطرف روانہ ہوا جب سب نے اس بڑی جہازنما کشتی میں قدم رکھا تو چند سیاہ پوش ان پر ٹوٹ پڑے اور ہوئی یاد کے سوا سب کو تکا بوٹی کر ڈالا۔ ہوئی یاد نے چیخ ماری اور بیہوش ہو گئی۔

جب ہوئی یاد کو ہوش آیا تو وہ ایک عالیشان کمرے میں تھی جو شاہی ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ خوش پوش کنیزیں اسکے پلنگ کے گرد مؤدب کھڑی تھیں اس کا لباس اطلس کا تھا اس کے گلے میں بیش بہا موتیوں کا ہار تھا اور اس کے

سنہری کمر بند میں ... پہنے ہوئے تھے - تھوڑی دیر کے بعد ہن یو اول چھیلا بنا ہوا وہاں آیا اس کے ہاتھ میں تیغ دو دم تھی اسے دیکھکر ہوتی یادو کا خون خشک ہو گیا - ظالم نے غرور مجسم بنکر ہوتی یادو کیطرف دیکھا اور کہا اے دریائی رانی تجھے خاوند کے گھر آنا مبارک ہو تیرے خاوند کے نام سے بادشاہ تھراتے ہیں تو بڑی خوش نصیب ہے پھر ہن یو نے دستک دی اور ایک پردے کے پیچھے سے چند عورتیں ساز لیکر نمودار ہوئیں اور محفل رقص و سرود گرم ہوئی آخر کار وہ وقت آیا کہ دلہن ملک کی رسم کے بموجب اپنے شوہر کو چائے کا پیالہ دے اور چائے پلائے سو پیالہ خود [illegible] - ہوتی یادو سنگ مرمر کی سرد مورت کی طرح چائے کا پیالہ لیکر اٹھی اس وقت اسکی یادو آنکھوں میں آگ چمک رہی تھی - وہ بجلی کیطرح کوندی اور بولی کہ اے موت کے دربار کے سا دیوتاؤ کہاں ہو - آؤ اور اس ہن یو کو تباہ کردو - میری بد دعا سن لو اور اسے منظور کرو کہ یہ بدبخت ذلیل ہو لوگ اس سے نفرت کریں - اسکا غرور مٹجائے - یہ نادار ہوکر محتاج ہو - یہ زخمی ہو - اور جس دریا میں یہ مگر اور گھڑیال کیطرح طوفان برپا کرتا رہا ہے وہ ہی دریا اسے فنا کردے - یہ کہا اس نے وہ تلوار جو ہن یو کے قریب پڑی تھی جست کرکے اٹھالی اور اپنے ہاتھ سے وہیں ڈھیر ہوکر رہگئی - یہ حال دیکھکر ہن یو بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا - اسے معلوم تھا کہ چینی روایات کے بموجب اگر دشمن خودکشی کے وقت بد دعا دے تو وہ ضرور پوری ہوتی ہے -

اس واقعہ کے تین گھنٹوں میں شاہی جنگی جہاز بیچ آب پر نمودار ہوئے اور قزاق کے جہاز کو مثل نگین گھیر لیا - ہن یو کی شجاعت کافور ہو چکی تھی - مدہوشی کے باعث اسکا ہاتھ کانپتا تھا اور اسکی تمام ہمت [illegible] تھی - مختصر مقابلہ کے بعد قزاقوں کا جہاز شعلہ جوالہ بن گیا - بہت سے جل گئے اور چند جنمیں ہن یو بھی تھا پانی میں کود پڑے - اسوقت ایک شاہی سپاہی اسکو پہچانا اور وار کیا جس سے اس کے تختے اور گھٹنے پر کاری زخم آیا وہ بڑی مشکل سے کنارہ تک پہنچا - اور جنگل کی جھاڑی میں رات تباہ داخل ہوا - دو دن کے بعد بھوکا پیاسا لنگڑاتا ہوا یہ ایک گاؤں میں پہنچا اور وہاں سے گداگری کرتا دوسرے گاؤں میں گیا - اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے - پاؤں پر آبلے تھے اور زخموں سے پیپ بہہ رہی تھی گاؤں میں جا کر یہ پوچھتا تھا کہ یہ دریا سے کتنے میل ہے - اسیطرح یہ ایک گاؤں میں گیا جو دریا سے ... میل کے فاصلہ پر تھا - یہاں اسکی جان میں جان آئی کہ اب دریا سے محفوظ ہے - کیونکہ ہوتی یادو کی بد دعا تھی کہ اسے دریا فنا کرے - مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ دریا نے رخ گردانی کی اور دو دن کے بعد اس گاؤں میں سیلاب آیا جس سے جل تھل ایک ہوگیا لوگ گھبرا کر بھاگ گئے - لیکن ہن یو کو اس کے زخموں نے ہلنے نہ دیا - دیکھتے دیکھتے پانی پہلے گھٹنوں تک پھر کمر تک پھر گردن تک آگیا - اور آخر کار یہ قزاق ناگفتہ بہ حالت میں براہ دریا داخل جہنم ہوا -

(خورشید سلطانہ)

خوبصورتی کی حفاظت

خوبصورتی صنف نازک کے لئے زیور ہے۔ صورت کے ساتھ اگر سیرت بھی ہو تو سبحان اللہ کسی نے کہا ہے

صورت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا ۔۔۔ سرخ و سپید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

خوبصورتی قائم رکھنے کے دو طریقے ہیں ایک بیرونی ایک اندرونی پہلے میں بیرونی علاج بتاتی ہوں۔ دانتوں سے ہونٹ چبانا۔ ناک بھنویں چڑھانا۔ تیوری پر بل ڈالنا۔ خوبصورتی کیلئے مضر ہے۔ یاد رہے کہ کوئلوں کی آگ کے بہت قریب بیٹھنے یا گیس کے دھوئیں کے پاس رہنے یا دھوپ میں دیر تک کھڑا رہنے سے چہروں کی نازک جلد بدرنگ اور سخت ہو جاتی ہے۔ دیسی صابن یا ارزاں صابن سے منہ دھونا رنگ اور چہرے کی ملائمی کے لئے زہر ہے۔ غازہ۔ گلگونہ۔ سپیدہ۔ آخر کار خوبصورتی کو بگاڑ دیتے ہیں۔ مٹھائی کا کثرت کے ساتھ استعمال معدے کے لئے اور معدے کی خرابی سے چہرے کے لئے اور دانتوں کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ خوبصورتی قائم رکھنے کے لئے تازہ ہوا اور معمولی ورزش یعنی پاپیادہ چلنا پھرنا لازمی ہے۔ دن میں تھوڑی دیر کے لئے لمبے لمبے سانس لینے کی عادت بہت مفید ہے اندرونی علاج خوش مزاجی ہے یہ خوبصورتی کے لئے شاہ راہ ہے۔ غصہ خوبصورتی کو بگاڑ دیتا ہے کمینہ پن۔ حسد۔ بغض۔ کینہ۔ ناراضگی۔ اس کی دیوار کے لئے دیمک سے کم نہیں جو غصہ کو نزدیک نہیں آنے دیتیں جو اپنے دل کو شاد رکھتے ہیں جو ہر وقت بشاش رہتے ہیں جو دل پر غم نہیں لگاتے۔ وہ سالہا سال خوبصورت رہتے ہیں ورنہ غم غصہ حسد اور کینہ سے رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ چہرہ پر وحشت برسنے لگتی ہے۔ دانت دکھنے لگتے ہیں۔ قبل از وقت گر جاتے ہیں۔ آنکھوں میں گکرے اور منہ پر جھائیاں و جھریاں پڑ جاتی ہیں اور سر کے بال جھڑ جاتے ہیں۔ ہر وقت کے جلنے کڑھنے سے با اوقات دق کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔

(سبزہ بیگم)

امید اور یاس کا سین

اس سرخ کیواڑوں والے کمرے کی طرف سب چلے جا رہے ہیں قریب قریب سب ہی پریشان ہیں ضرور کچھ بات ہے۔ آہ یہاں ایک ادھیڑ عمر کا مریض بستر علالت پر پڑا کروٹیں بدل رہا ہے۔ یہ سب اس کے اعزہ ہیں۔ ابتو اچھی خاصی دھوپ نکل آئی ہے۔ ایک نوجوان جو شاید مریض کا بیٹا ہے ڈاکٹر کو

لئے سرہانے کئے چلا آتا ہے اور امید و بیم کا دریا اس کے دل میں موجیں لے رہا ہے - سنو تو ڈاکٹر صاحب کیا فرماتے ہیں - کہ میں بسر و چشم ان کے علاج کو تیار ہوں میں اپنی عقل کے بموجب علاج کر دوں گا مگر زندگی اب ان کو عطا کرنا خدا کے اختیار میں ہے - آہ یہ سنکر سب کے اوسان خطا ہو گئے - ہائے کوئی ان کے دلوں سے پوچھے - ایک آٹھ نو سال کی لڑکی سے ایک عورت کہتی ہے کہ بچی صبر کر - ہائے افسوس اس نے تو اپنے باپ کو بھی نہ دیکھا خدا اس کے چچا کی جان بخشی کردے تو کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کا ایک سرپرست پہلے ہی موت کے پنجوں میں گرفتار ہو چکا ہے - افسوس ان سب کا کیا حال ہو گیا - یکا یک مریض کو ہوش آگیا - وہ تندرستوں کی طرح باتیں کر رہا ہے مگر دیکھتے دیکھتے اس کی حالت بگڑ گئی آہ یہ سنبھالا تھا - اس کا رنگ زرد ہو گیا - آنکھیں پتھرا گئیں ناک کا بانسہ پھر گیا اور مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا - انا للہ و انا الیہ راجعون -

(اہلیہ ظہیر الدین خاں - شیرپور)

عجیب مجاورنی

میں یوروشلم کا ذکر کرتی ہوں - وہاں میں نے عجیب و غریب بڑھیا دیکھی - یہ یوروشلم کے باغ کے مزار کی محافظ تھی - بیس سال سے نگہبان تھی - اس نے زمانہ دیکھا تھا اس نے مجھے عجیب عجیب باتیں سنائیں - اور تاریخی واقعات بتائے - اُسے گذرا ہوا زمانہ خوب یاد تھا - اس کا عقیدہ روز حشر کے متعلق پختہ تھا - اُسے یقین تھا کہ قیامت آنیوالی ہے - خداوند یسوع مسیح کے دوبارہ ظہور کا اسے یقین واثق تھا - اس نے مجھے یقین دلایا کہ باغ میں جو مزار ہے وہ خداوند کی اصلی آرامگاہ ہے ایک بات سے مجھے سخت حیرت ہوئی اس عورت نے مجھے کہا کہ وہ اب چند دن کی مہمان ہے - اس کو موت کا پیغام آنیوالا ہے - اور وہ جلد مر جائے گی - میں نے اس کے دل سے یہ خیال ہٹانا چاہا - مگر مجھے ناکامی ہوئی - آخر جس دن میری اور اس کی گفتگو ہوئی اس سے دو تین ہفتوں کے بعد اس کی نعش باغ کے چاہ سے جس سے اس کو بڑا اُنس تھا - برآمد ہوئی - کیا ہمارے فلاسفر اسے اتفاق کہیں گے ؟

(مس مارتھا)

مردوں کی چٹان

(گذشتہ سے پیوستہ)

جن لوگوں کو کبھی کسی قسم کے خطرات پیش آ چکے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی شدید خوف و ہراس کے وقت کسی امید کا یکایک بندھ کر ٹوٹ جانا کیسا روح فرسا صدمہ ہوا کرتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ وہی شئے جس سے ایسی نازک اور ہیبت کے موقع پر کسی قسم کی ڈھارس بندھنے کا یقین ہو۔ بدقسمتی سے بجائے خود ایک جدید خطرہ اور ایک تازہ خوف کا پیش خیمہ بن جائے۔ اعجاز ساحل کے خاموش خطرہ سے جبکو کہ صرف ایک ٹوپی اپنی زبان بیزبانی سے مشتہر کر رہی تھی۔ ڈر کر بھاگا تھا۔ اور ایک انسانی پیکر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی بہت کچھ ڈھارس بندھ چکی تھی۔ مگر سوئے اتفاق سے اس انسانی پیکر کی اجنبیت نے جو اس کے لباس اس کے اعضا کی حرکت۔ اس کی پریشانی۔ اور اس کی وضع قطع سے نہایت اچھی طرح ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا اور وہ اس انسانی پیکر کو اسی خطرہ کی زندہ تصویر سمجھنے لگا۔ جس خطرہ کی دھندلی سی شہادت اُسے اس ایک ٹوپی سے مل چکی تھی جو اس تمام گھبراہٹ اور پریشانی کی علت العلل تھی۔

دو خطروں میں گھر جانے کے بعد انسان فطرتاً جس گو مگو اور جس کی کشمکش میں پھنس جایا کرتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اعجاز کے پیچھے وہ خطرہ تھا۔ جو باوجود دیکہ اپنی جگہ پر قائم تھا۔ مگر اعجاز کے لئے ضرورت سے زیادہ موثر ثابت ہو چکا تھا۔ اعجاز کے آگے وہ خطرہ تھا جس کا اثر اگرچہ اعجاز پر اب تک ایسی کامیابی سے نہیں پڑا تھا۔ جیسا کہ ٹوپی کا تاہم متحرک تھا۔ اور ستم ظریفی یہ کہ اعجاز ہی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور یہ وہ خطرناک موقعہ تھا۔ جہاں بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ اعجاز اس وقت نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا پیکر بیکر مجسم بنا ہوا تھا۔ وہ کبھی گھبرا کر پیچھے کی طرف بھاگ جانا چاہتا تھا مگر ٹوپی کا خیال آتے ہی اس کے پاؤں اسکے جواب دیدیتے تھے۔ اور وہ ٹھہرا اُٹھتا تھا۔ وہ کبھی آگے کی طرف بھاگنا چاہتا تھا مگر ہر لمحہ قریب تر ہو جانیوالا خطرہ اسے پھر اپنی جگہ قائم کر دیتا تھا۔ اور وہ پھر وہیں ٹھٹک کر رہجاتا تھا۔ انتہائی یاس میں اکثر یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ انسان جس حالت میں ہوتا ہے اسی میں منجمد ہو جاتا ہے اور اگرچہ بظاہر اس کے ہوش و حواس میں کسی قسم کا نقص نہیں پایا جاتا۔ تاہم وہ اپنی خودی سے کوسوں دور ہوتا ہے بارہا دیکھا گیا ہے کہ کسی اچانک صدمہ اور یکایک واقع ہو جانیوالے حادثہ کا اثر لوگوں پر اس طرح بھی پڑا ہے کہ وہ اگر کھڑے تھے تو اسیطرح گھنٹوں کھڑے رہے۔ اگر بیٹھے تھے

تو پہروں ایک حالت میں بیٹھے رہے۔ اور دوسرے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ ان پر صدمہ کا کوئی اثر ہی نہیں پڑا ہے۔ اور وہ اس واقعہ سے قطعاً بے تعلق ہیں۔ لیکن جب رنج و غم۔ صدمہ اور مصیبت کا یہ جوش و خروش کم ہوجاتا ہے۔ اور وہ معمولی انسانوں کی طرح اس سے اثر لینے لگتے ہیں۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اکبر ان کے دل و دماغ اس واقعہ سے کتنے موثر تھے۔

اعجاز کے اس طرح اچانک دو خطروں میں پھنس جانے کا بھی یہی اثر اس پر مرتب ہوا۔ اور جب کوئی مفر اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اور یاس نے اس کے دل و دماغ پر اچھی طرح تسلط کر لیا تو اس پر ایک قسم کی بیخودی سی طاری ہوگئی اور وہ جہاں کا تہاں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ (باقی آئندہ)

(حمید الدین احمد رعنا)

روحانیات

(ذیل کا مضمون آنریبل مسٹر بھوپیندر ناتھ باسو ممبر انڈیا کونسل لندن نے اپنے ایک بنگالی دوست کو لندن سے لکھ کر بھیجا ہے) آپ نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ روحانیات کے متعلق جو تجارب مجھے یہاں حاصل ہوئے میں آپ کو تحریر کروں تاکہ آپ انہیں اپنے اخبار میں شائع کردیں آپ کی اس درخواست کو قبول کرنے میں مجھے پہلے کسیقدر تامل ہوا مگر اب مجھے یقین ہے کہ ان تجارب کا قلمبند کرنا ناظرین اخبار کیلئے مفید ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ پچھلے سال مجھے کسقدر سخت صدمات ہوئے میرا بڑا لڑکا جو ایک نہایت ہونہار نوجوان تھا مر گیا اس کے انتقال کے چند ہفتے بعد میرا سب سے چھوٹا لڑکا جو تین سال سے میرے ساتھ یہاں ولایت میں رہتا تھا۔ اور جس کی رفاقت و ہمدردی کی وجہ سے مجھ جیسا پیر فرتوت اتنی دور پردیس میں اپنے عزیز و اقارب کی جدائی برداشت کرنے کے قابل ہوگیا تھا۔ وہ بھی مجھ کو داغ مفارقت دے کر چل بسا ان پیہم صدمات سے میں نہایت دل شکستہ تھا۔ جب آپکے بھائی بابو موتی لال گھوس سرگ باشی نے اپنے بستر مرگ سے مجھ کو تعزیت نامہ لکھا اور اس میں یہ مخلصانہ مشورہ دیا کہ علم روحانیات کے متعلق کتابیں پڑھنے سے میرے غمزدہ دل کو بہت تسکین ہوگی۔ کیونکہ ان کتابوں کو پڑھکر معلوم ہوگا کہ موت درحقیقت ایسی جدائی پیدا کرنیوالی چیز نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ پھر آپ کے بھائی نے بمزید عنایت متعدد کتابیں علم روحانیات کے متعلق مجھے مستعار دیں۔ جنکو میں نے بالاستعجاب پڑھا۔ اس کے بعد چند کتابیں میں نے خود خرید کر پڑھیں۔ اب کی دفعہ انگلستان پہونچکر میں نے اپنے ایک دوست سے ایسے چند ماہرین روحانیات سے

تعارف کرانے کی خواہش کی - جبیر چالاکی اور دھوکہ دہی کا شبہ بھی نہ ہو سکے اس دوست نے مجھ کرنل کا وسلے سے ملایا جو ہندوستانی فوج سے پنشن لیکر اب محلہ ہمسٹہ میں لندن میں رہتے ہیں کرنل صاحب نے ایک خاتون مسز جانسن سے ۸ ر اکتوبر کے لئے قرار داد کرکے مجھے اطلاع دی۔

میں اس روز پونے چار بجے شام کو اپنی دوست مسز این - سی - سین کو ہمراہ لیکر کرنل صاحب کے مکان پر پہنچ گیا - انہوں نے مسز جانسن سے ہمارا تعارف کرایا - جو ایک درمیانی عمر کی خندہ شگفتہ عورت ہے - پھر ہم سب یعنی مسز جانسن کرنل صاحب مسٹر سین اور میں ایک ملاقات کے کمرہ میں داخل ہوئے جس کے دروازے بند کر لئے گئے اور دروازوں کے پردے بھی کھینچکر بند کردئے گئے یہانتک کہ اس کمرہ میں بالکل اندھیرا ہو گیا - ہم لوگ کرسیوں پر ایک حلقہ بناکر قریب قریب بیٹھے اسطرح کہ مسز جانسن میری کرسی کے بائیں طرف اور میرے دوست مسٹر سین دہنی جانب اور کرنل صاحب میرے مقابل بیٹھے - گراموفون کے بگلوں سے زرا بڑا ایک بگل ہمارے مقابل لاکر رکھا گیا اور مسز جانسن نے کہا کہ اگر مطلوب روح اس کمرہ میں آگئی تو یہہ بگل کمرہ میں حرکت کرے گا - اور ہمارے جسم کو چھوے گا - جب بگل ہمارے جسم کے کسی حصہ کو لگے تو ہمیں فوراً تو ہمیں فوراً شکریہ ادا کرنا چاہیئے - کیونکہ اس کے یہہ معنی ہوں گے کہ ہم نے جس روح کو بلایا تھا اس نے اس کمرے میں آنے کی تکلیف گوارا کی - پھر مسز جانسن نے یہہ بھی کہا کہ مجھے ہمیشہ کامیابی نہیں ہوتی بلکہ شروع شروع میں اکثر روحیں طلب کرنے سے نہیں آتیں اس لئے ممکن ہے کہ آج ناکامی ہو - مسز جانسن نے یہہ بھی کہا کہ اکثر روحیں راگ کی شایق ہوتی ہیں اس لئے اگر ہم سب ملکر گانے لگیں تو غالباً اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے - یہہ کہکر مسز جانسن نے کچھ گیت گانے شروع کئے جس میں ہم سب نے ان کی شرکت کی - ۱۵ منٹ کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ بگل کمرے میں حرکت کر رہا ہے - پھر بگل آکر ہمارے جسم کے مختلف حصوں کو لگا - اور راگ کر زمین پر گر پڑا - پھر ہم نے ایک آواز سنی جو مسز جانسن سے مخاطب تھی - یہہ ایک مرے ہوئے لڑکے کی روح تھی جو لنکا شر کا رہنے والا تھا - اور جو موسیقی کا بڑا شایق تھا - اس کی روح اکثر مسز جانسن کے پاس آیا کرتی تھی اور آج اس نے اپنی کھڑی لنکا شر کی بولی میں مسز جانسن سے خوب باتیں کیں - تھوڑی دیر کے بعد مسز جانسن نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارے پیچھے ایک قد آور نوجوان جسکی عمر قریب تیس سال کے ہوگی کھڑا دیکھتی ہوں - اور اس لڑکے کی روح نے مجھے بتلایا ہے کہ یہہ روح تمہارے لڑکے کی ہے - میں نے ابتک مسز جانسن سے یا کرنل صاحب سے یہہ اطلاع نہیں کی تھی کہ میرا لڑکا مرچکا ہے نہ یہہ کہا تھا کہ اس کی عمر مرتے وقت تیس سال کی تھی مسز جانسن نے

کہا کہ تمہارے لڑکے کی روح تم سے باتیں کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس کی طاقت اسمیں نہیں ہے میں نے دریافت
کیا کہ اس کا مزاج کیسا ہے تو اس کے جواب میں بگل پر ہاتھ مارنے کی تین آوازیں آئی جسکے معنی مسز
جانسن نے یہ بتائے کہ اس کی طبیعت اچھی ہے۔ مسز جانسن نے یہ بھی کہا کہ تمہارا لڑکا تمہاری طرف سے
بہت فکرمند معلوم ہوتا ہے۔ پھر مسز جانسن نے مجھ سے کہا کہ ایک اور روح میرے پاس کھڑی ہوئی
ہے جو ایک بڈھے اور گنجے سر کے آدمی کی ہے اس وقت میں نہیں سمجھا کہ یہ کس کی روح تھی اسی روز اس
جلسہ میں اور کوئی بات ایسی نہیں ہوئی۔ جو میری دلچسپی کا باعث ہوتی۔ پھر مسز جانسن نے
میرے دوست مسٹر سین سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے نزدیک ایک پستہ قد شخص سر سے پگڑی
باندھے اور گلے میں ٹکا ہوا کوٹ پہنے کھڑا ہے۔ مسٹر سین سمجھ نہیں سکے کہ وہ کس شخص کی روح تھی
مسز جانسن نے پھر مسٹر سین سے کہا کہ تمہاری کرسی کے نزدیک ایک عورت ایک خاص قسم کا لباس
معہ نقاب پہنے کھڑی ہے۔ اور ایک نوجوان آدمی اس کے ساتھ ہے اور وہ دونوں تمہاری ماں
اور بھائی ہیں اور تمہاری ماں تم سے گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔ پھر ہم نے بگل میں کچھ آواز سنی مگر وہ
اسقدر صاف نہ تھی کہ ہماری سمجھ میں آسکے پھر مسز جانسن نے مسٹر سین سے پوچھا کہ تمہیں کوئی ایسا
گیت یاد ہے جو تمہاری ماں کو مرغوب تھا۔ اگر ہو تو اسے گانا شروع کرو وہ گانے میں تمہاری شرکت
کرے گی۔ تھوڑی دیر پہلے مسز جانسن نے مجھ سے بھی ایسی ہی فرمائش کی تھی مگر آپ جانتے ہیں
کہ ہمارے لڑکے اپنے بزرگوں کے سامنے گایا نہیں کرتے۔ اس لئے مجھے کوئی ایسا گیت یاد نہ تھا کہ
مسز جانسن کی فرمائش پوری کر سکتا۔ مگر میرے دوست مسٹر سین نے ایک بنگالی مذہبی بھجن گانا
شروع کیا جو انہوں نے کہا کہ میری ماں روز صبح گایا کرتی تھی۔ ہم کو بڑا تعجب ہوا جب مسٹر سین کی
آواز کے ساتھ ساتھ ایک اور آواز اس گیت کو دہراتی ہوئی سنائی دی۔ مگر افسوس ہے کہ اس دوسری
آواز کے الفاظ صاف سمجھ میں نہیں آتے تھے اس جلسہ میں اور کوئی نئی بات ظاہر نہیں ہوئی اور ایک
گھنٹہ میں یہ اجلاس ختم ہو گیا۔ اور ہم سب اٹھ کر چلے آئے۔

اس اجلاس کا اثر میرے دل پر اچھا نہیں ہوا۔ کیونکہ میری خواہش یہ تھی کہ اپنے لڑکے کی
روح سے مفصل بات چیت کرنے کا مجھے موقعہ ملے۔ اور یہ میسر نہ ہوا۔

کچھ عرصہ کے بعد مسز کوپر سے میرا تعارف ہوا۔ یہ بھی روحوں کو بلا کر ان سے گفتگو کرا دیتی ہیں
اجلاس کا ایک دن مقرر کر کے میں قریب ڈھائی بجے دن کے ان کے مکان پر پہنچا۔ ملاقات کے کمرہ
میں دو کرسیاں اور چھوٹی میز پر ایک باجہ رکھا تھا۔ کرسیوں پر میں اور مسز کوپر بیٹھ گئے اب دروازے

بند کر دیے گئے اور کمرہ میں اندھیرا کر دیا گیا۔ میرا بایاں ہاتھ باجہ کے دستہ پر تھا جسکو میں نے کوک دیا
تھوڑی دیر میں مسز کوپر نے کہا کہ ایک ہندوستانی لڑکی کی روح باجہ میں آگئی ہے اور میں نے
ایک سریلی آواز بگل میں سے نکلتی سنی اور بگل میرے جسم سے جا بجا مس کرتا ہوا بھی معلوم ہوا۔ الفاظ
جو میں نے بگل میں سُنے وہ بہت دھیمی آواز میں تھے۔ مگر سب سمجھ میں آ گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بگل میں سے آواز آئی کہ تمہارے بھائی کی روح آگئی ہے پھر ایک اور روح کی آواز
آئی جس نے مجھے بھائی کہکر مخاطب کیا۔ میں نے جواب میں دریافت کیا کہ مجھے کیونکر یقین آئے کہ تم میرے
بھائی کی روح ہو۔ جواب میں یہ آواز آئی کہ ہم تاج گنج دیکھنے ساتھ گئے تھے میں نے جواب دیا۔ کہ
میں نے تاج گنج آگرہ کی سیر دوسروں کے ساتھ بھی کی ہے۔ پھر بگل میں سے آواز آئی اور اس
بیماری کا نام لیا گیا جس میں میرے بھائی نے انتقال کیا تھا۔ یہ بالکل صحیح تھا پھر یہ آواز آئی کہ میں بہت
اطمینان سے مرا اور اب بہت خوش ہوں۔ یہ سب گفتگو انگریزی میں ہوئی پھر یہ آواز آئی کہ مجھو تم سے
مل کر بہت خوشی ہوئی پھر یہ کہ میں اور رشتہ داروں سے مل چکا ہوں اور ہم سب بہت خوش ہیں۔
آخر میں یہ فقرہ تھا کہ میری زوجہ کو سمندر پار میرا سلام لکھنا۔ (میری بیوہ بھاوج میرے بال بچوں کے
ساتھ ہندوستان میں رہتی ہیں) بالآخر میں نے اس روح سے پوچھا کہ میرے بھائی کا کیا نام تھا۔
جواب میں کئی دفعہ اندرا کا نام صاف سنائی دیا۔ پھر آواز آئی کہ ہتندرا۔ مگر یہ دونوں نام غلط تھے
میرے بھائی کا اصلی نام اوپندرا تھا۔ اس کے بعد روح نے کہا کہ اب پھر ملاقات ہوگی اور یہ کہکر
اجلاس ختم کر دیا۔ نہ تو مسز جانسن اور نہ مسز کوپر نہ کسی اور شخص کو انگلستان میں اسکا علم تھا کہ میرے
بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور نہ کسی کو یہ معلوم تھا کہ کس بیماری میں انہوں نے انتقال کیا ان کو مرے
ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور جب میں اس پچھلے اجلاس میں شریک ہوا تو مجھے کوئی خیال اپنے
بھائی کا نہ تھا۔ میرا دل اس تازہ صدمہ سے بھرا ہوا تھا۔ جو میرے چھوٹے لڑکے کی جوان موت سے
میرے دل کو حال میں پہونچا تھا۔ اور میں اسکی روح سے ہمکلامی کا مشتاق تھا۔ باوجود اس کے
میرے لڑکے کی روح اس اجلاس میں نہ آئی اور میں مایوس ہو کر گھر واپس آیا۔

شیبانی از شملہ

غزل

آفرینش سے ہے ذوقِ خانہ بربادی مجھے ہو گیا تختِ سلیماں جوشِ آزادی مجھے

کچھ نظر آتا نہیں ہے ماسوائے روئے دوست
یعنی وحشت میں ہے ہر ویرانہ آبادی مجھے

شکر ہے الفت نے آخر تو اثر پیدا کیا
ہنس رہے ہیں وہ سمجھ کر اپنا فریادی مجھے

میں بھی ہوں بیخود ازل سے روح بھی بیہوش ہے
پردے پردے میں کسی نے شکل دکھلا دی مجھے

عرش پر پہنچا دماغ اس نغمۂ زنجیر سے
ہو گیا زنداں میں حاصل لطف آزادی مجھے

کونسی خلوت میں جاؤں چھوڑ کر کنج لحد
ذرہ ذرہ میں نظر آتی ہے آبادی مجھے

نغمۂ عبرت ہے اے محتاج ساز عیش میں
آہ صف ماتم ہے گویا محفل شادی مجھے

(پورن سنگھ محتاج)

محبت والوں کی موت

(مجنوں کی موت) مرگ مجنوں سے عقل گم ہے میر — (میر) کیا دوانے نے موت پائی ہے

(میر کی موت) الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا — (میر) دیکھا! اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

(غالب کی موت) ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے — (غالب) وہ ہر اک بات پہ کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے — (") حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

(مومن کی موت) یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں — (مومن) ترے عہد شباب نے مارا

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی — (") خبر ہے لاش پہ اس بیوفا کے آنے کی

(داغ کی موت) بخشدو اس بت سفاک کو اے داور حشر — (داغ) خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعوے کیسا

(مضطر کی موت) مصیبت اور لمبی زندگانی — (مضطر) بزرگوں کی دعا نے مار ڈالا

(نیاز کی موت) دیوانہ تھا نیاز اک سنتے ہیں مر گیا وہ — (نیاز) گزرا تھا کل ادھر بھی تم کو خیال ہوگا

(خلش کی موت) خدا کا حکم مگر اک کام سے رنج ہوا — (خلش) تمہارے عہد میں مری قضا کے دن آئے

(عاشق کی موت) یہ سب جھوٹ ہے دلرباؤں نے مارا — (عاشق) ہمیں تو ہماری وفاؤں نے مارا

(ولی کی موت) دیکھے بغیر تم کو جیتا بھلا ولی — (ولی) تم گئے ادھر وہ ادھر مر گیا

تیر نظر سے پہلے ہی مجروح تھا ولی — (") مر گیا آخر وہ جب تم نے خبر ہی نہ لی

(ولی احمد خاں - جیلپو)

نو ایجاد برقعہ

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صیغۂ نسواں کے سکرٹری کے انعامی اعلان پر اس کی اختراع ہوئی کانفرنس منعقدہ لکھنؤ نے بہترین برقعہ قرار دے کر ان کو انعام طلائی تمغہ دیا۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں کا نفرنس و نمائش ہائے صیغۂ نسواں سے بھی بارہ طلائی و نقرئی تمغہ سند و انعامات حاصل کر چکا ہے

سولہ سال سے ہندوستان کے ہر گوشہ اور ہر طبقہ کے لوگوں میں مقبول ہے

بنگال ۔ برقعہ بہت پسند ہوا واپس نہیں کیا جائیگا بچہ کی ٹوپی جلد روانہ کریں۔ از جناب شمس الرحمن صاحب پلیڈر رکھلنا بنگال۔

بہار ۔ ایک برقعہ چینی ریشم جسقدر جلد ممکن ہو اور روانہ فرمائیں جو برقعہ رنگین بھیجا ہے اس کی وضع بہت پسند ہوئی انتخاب از محمد یعقوب صاحب ایڈیٹر بہت سوتی

مدراس ۔ آپکا اشتہار اکثر نظر سے گذرتا تھا۔ برقعہ منگوانے سے اشتہار کے مطابق ثابت ہوا ایک برقعہ اپنا آرڈر دے کر کے طلب کرا دونگا۔ از جناب حسن صاحب رئیس حسین میسور

دکن ۔ برقعہ بہت ہی آرام دہ اور پردہ دار ہے دو برقعہ رنگین میرے بھائی کے گھر کے لئے روانہ کریں۔ از جناب محمد عبدالرحمن صاحب اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن

احاطہ بمبئی ۔ آپ کی دوکان سے دو برقعہ چینی ریشم خرید کئے تھے سب نے پسند کئے ایک برقعہ اور روانہ کریں از جناب ایم اسمعیل صاحب پوسٹ بکس نمبر ۵ کولابا بمبئی

پنجاب ۔ جو برقعہ واپسی کی شرط پر منگایا تھا بہت پسند ہوا۔ گھر پہنچنے پر دو برقعہ طلب کرونگا۔ از جناب ایم فضل خاں صاحب نمبر ۲۲۳ لال کرتی لاہور

سی پی ۔ میرے بھائی احمد حسن صاحب کے پاس آپ کا برقعہ دیکھا اسکی وضع پسند ہے ایک اور برقعہ روانہ کریں از جناب ایس محمد حسین صاحب جی آئی پی ریلوے مئو

یوپی ۔ برقعہ ملا واقعی یہ برقعہ بہت آرام دہ چیز ہے ہر ایک بہن کو خریدنے کی ترغیب دونگی ایک تو میری بہن کے نام روانہ کریں از جناب سید عبدالمجید صاحب الہ آباد

آپ بھی بشرط واپسی منگوا کر خود ملاحظہ کریں اور پردہ نشین خواتین کو معائنہ کا موقعہ دیں

برقعہ نو ایجاد کی وضع عام طرز کے بدنما تکلیف دہ اور ناکافی پردہ برقعہ سے مختلف ہے اسکی اختراع پردہ نشین کی ہر ایک ضرورت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اتفاقیہ بے پردگی کا بچاؤ تازہ ہوا کی آمد کا کافی انتظام بچہ کو دودھ پلانے میں سہولت دیر تک پہنے رہنے کی تکلیف سے محفوظ و مکمل پردہ دار خوبصورت آرام دہ زمانے کے حسب حال۔

وضع دو حصوں پر منقسم ہے۔ بالائی حصہ سر سے شروع ہو کر ہاتھ کی انگلیوں سے تین انچ نیچے رہتا ہے اسمیں ہماری ایجاد کردہ ٹوپی نما کمانی لگی ہوئی ہے جو نقاب کو چہرہ سے بالکل الگ رکھتی ہے تاکہ چہرہ پر پڑے رہنے سے دم نہ گھٹے اور باہر سے چہرہ کا خاکہ نہ معلوم ہو سکے زیریں حصہ مثل ڈھیلے ڈھالے کوٹ کے کندھے سے شروع ہو کر پیر کے ٹخنہ تک رہتا ہے کوٹ کی طرح سامنے رخ بٹن لگے ہوئے ہیں۔ ہر دو جانب ہاتھ باہر نکالنے کے لئے جگہ ہے سامنے کے رخ دو جیبیں ہیں۔

آج ہی منگائیں کندھے سے لیکر پیر کے ٹخنہ تک لمبان اور سر کے دور کا ناپ روانہ کریں ہر پردہ نشین خاتون کو اسکی ضرورت ہے قیمت سفید لٹھہ [illegible] ۔ رنگین [illegible] ۔ الپکہ [illegible] چینی ریشم [illegible] سفید کھدر [illegible] رنگین کھدر [illegible]

خاتون اسٹور نمبر ۱۹ دہلی نمبر ۲ لکھنؤ

استانی کی ضرورت

ضلع اٹک کی ایک ریاست میں ایک ایسی استانی کی ضرورت ہے جو ذیل کے اوصاف سے متصف ہو کم از کم انگریزی میں مڈل پاس ہو موسیقی میں دخل ہو - یعنی ہارمونیم وغیرہ بخوبی جانتی ہو دستکار ہو مذہب کا کوئی خاص لحاظ نہیں ہے لیکن مسلمان کو نسبتاً ترجیح ہے تنخواہ کا تصفیہ خط و کتابت سے ہو سکتا ہے - درخواستیں بنام خورشید سلطانہ اسسٹنٹ ایڈیٹر شباب اردو آنا چاہئیں -

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۱۵

یا اللہ

شباب اردو

ایڈیٹر

خان احمد حسین خاں ایل ایل بی اے ممبر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ممبر رائل آرٹس سوسائٹی لنڈن

آنریری ایڈیٹر

خان بہادر شیخ عبد القادر بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا۔ ہائی کورٹ لاہور

جائنٹ ایڈیٹر

خان صاحب قلندر علی خاں بی اے ایم ای ایل ایل۔ ایم۔ وکیل ہائی کورٹ

ملک برکت علی۔ ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ ایم۔ بی۔ وکیل

پروفیسر غلام عباس خاں۔ ایم۔ اے

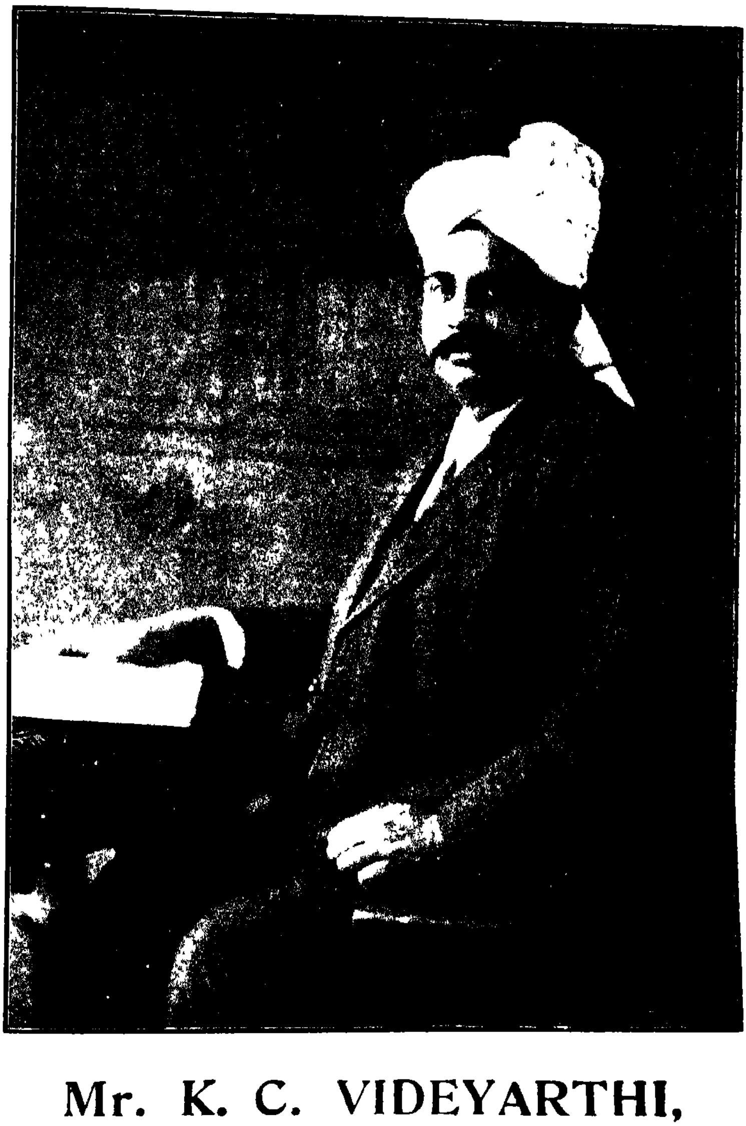
ابو الاثر حفیظ جالندھری

اسسٹنٹ ایڈیٹر حصہ نسواں

خورشید سلطانہ بنت احمد حسین خاں

پبلشر خان نظیر احمد خاں

SHABAB-I-URDU.



Mr. K. C. VIDEYARTHI,

MANAGER, B. I. C.

جلد ۷ نمبر ۱ بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۲۳ء

شذرات

ہمارے دوست منشی محمد دین صاحب فوق ایڈیٹر کشمیری کا نام محتاج تعارف نہیں آپ کئی کتابوں کے مصنف اور مؤلف اور کہنہ مشق ادیب ہیں انہیں پنجاب کا مورخ کہنا چاہیئے ہم آپ کے مشکور ہیں کہ وہ اپنی تاریخی معلومات سے شباب کو مالا مال کر رہے ہیں -

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے معزز کرم فرما مصنف صحاح ستہ کا نام بجائے نیاز علی کے گذشتہ اشاعت میں نثار علی چھپ گیا اس کتاب پر ہمارے بزرگ جناب علامہ خان بہادر پیرزادہ محمد حسین صاحب ریٹائرڈ سشن جج تنقید فرما چکے ہیں اگرچہ اس کتاب کا دیدار آج تک نصیب نہیں ہوا مگر اہل کرام اس کی بے حد تعریف کر رہے ہیں بیان ہو رہا ہے کہ یہ کتاب نہایت دلکش اور ہر طرح سے قابل امتیاز و قدر ہے اور مصنف سے جو ریٹائرڈ اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس لیسروز میں مقیم ہیں دستیاب ہو سکتی ہے -

اس دفعہ شباب اردو کی پکچر گیلری میں ہمارے معزز اور ممتاز کرم فرما مسٹر کے - سی - ودیارتھی کی تصویر ضیا پاش ہے مسٹر ودیارتھی کا نام تمام ہندوستان میں مشہور ہے آپ کو لوگ آنریبل مسٹر ہرکشن لعل صاحب وزیر زراعت پنجاب کا لفٹیننٹ کہتے ہیں - ہمارا اروے سخن انہیں مسٹر ہرکشن لعل سے ہے جو ہندوستان میں پرنس مرچنٹ ہیں اور جن کے زرخیز دماغ کا نتیجہ ہندوستان کی مشہور و معروف بھارت انشورنس کمپنی کئی بنک اور کارخانے ہیں - مسٹر ودیارتھی ایران میں کچھ عرصہ رہے اور ایران اور کوئٹہ میں نمایاں خدمات کیں - سال ۱۹۰۹ء میں پنجاب کی عظیم الشان نمائش میں یہ موجودہ وزیر زراعت کے جنرل اسسٹنٹ تھے - نمائش کی کامیابی کا سہرا آپ کے سر رہا اور کمیٹی نے آپ کی کارگذاری کی داد تمغہ کی صورت میں دی - بھارت انشورنس کمپنی کا معراج آپ کا مرہون منت ہے جس کی آمدنی سالانہ آپ کے حسن لیاقت سے گیارہ لاکھ سے زائد ہے - اور جو اپنے موکلوں کے ورثا کو ۳۵ لاکھ سے زیادہ روپیہ ادا کر چکی - دنیائے کاروبار میں آپ کا دماغ نہایت زرخیز واقع ہوا ہے آپ لاہور کی الکٹرک سپلائی کمپنی - کاٹن فلور ملز اور پنجاب سپلنگ اینڈ سنتنزی کے ڈائرکٹر بھی ہیں - اور اس سے پہلے سنچری فلور ملز شکارپور - بھونیدرہ فلور ملز بھٹنڈہ - پنجاب کاٹن پریس کمپنی لمیٹڈ لاہور کے ڈائرکٹر رہ چکے ہیں اور پنجاب ہندو یوجوول جمیل ریلیف فنڈ کے وائس چیرمین عرصہ تک رہے ہیں - شباب اردو سے آپ کو بے حد دلچسپی ہے -

(برکت علی ایم اے جائنٹ ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شباب اردو

چلمہ

اب میرے بال روئی کے گالے ہیں۔ اُسوقت کوّے کے پروں کی طرح سیاہ تھے۔ اب جھریوں نے میرا چہرہ اُلّو کردیا ہے۔ اسوقت سفید ساٹن کو شرماتا تھا۔ اب میری آنکھیں چندھیائی ہوئی ہیں اسوقت ان میں بجلیاں کوندتی تھیں۔ اب میں بولتی ہوں تو کہتے ہیں مینڈک کی طرح ٹرّاتی ہے اسوقت میری من بھری آواز میں جادو تھا۔ میں گاتی تھی اور سننے والے بیہوش ہوجاتے تھے اب میں خانہ بدوش ہوں اس وقت میرا عالیشان مکان ٹکسالی دروازہ کے اندر برلبِ رہگذر تھا۔

شام کا وقت تھا اور میں گا رہی تھی۔ پکھاوج موجود تھے۔ دفعتاً ایک جوان بابوؤں کے لباس میں آیا۔ اس کا قد لمبا تھا۔ مونچھیں بہت گھنی اور لمبی لمبی تھیں۔ داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آنکھیں سرخ تھیں اور وضع قطع شکل وصورت سے بڑا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ آیا اور گانے کی فرمائش کی۔ وہ بڑی دیر تک میرا گانا سنتا رہا اور ناچ دیکھتا رہا۔ جب قلعہ کے گھڑیال نے بارہ بجائے تو وہ رخصت ہوا۔ دوسرے دن وہ پھر آیا اور آدھی رات تک گانا سنتا رہا۔ اب یہ اس کا معمول ہوگیا۔ ہر روز بلاناغہ آتا تھا۔ اور بارہ بجے چلا جاتا تھا۔ جب تک وہ رہتا تھا میری طبیعت بحال رہتی تھی۔ وہ جاتا تھا اور میں اداس ہوجاتی

تھی۔ اسیطرح ایک مہینہ گذر گیا۔ تکلف جاتا رہا۔ یگانگت بڑھ گئی اور وہ دن کو بھی آنے جانے لگا۔ اب میں چاہتی تھی کہ میرے ہاں کوئی نہ آئے اگر آئے تو وہ بابو ہی آئے۔

دو مہینے گذر گئے شام کا وقت تھا میں اور بابو جی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ہارمونیم بجا رہی تھی اور گا رہی تھی۔ بھاوج غیر حاضر تھے اب میں انہیں کبھی کبھی بلاتی تھی۔ کسی نے ڈیوڑھی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں سمجھی کوئی راگ کی دیوی کا پجاری ہوگا۔ مجھے اوروں کا آنا ناگوار تھا۔ میں بدمزہ ہوئی۔ دربان نے دروازہ کھولا بابو جی غیر ملنے والے نہ تھے ہر روز شام کو جب گانا شروع ہوتا تھا تو گانا سننے والے آتے جاتے تھے اور وہ برابر محفل میں بیٹھے رہتے تھے انہیں بدنامی کا ڈر نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ بڑے دولتمند ہیں اور دولتمند کبھی کسی کی پرواہ نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے مایہ میں بڑی طاقت ہے سب اس کے آگے سر جھکا لیتے ہیں۔ اسدن کھٹکا سنکر وہ خلاف معمول دوسرے کمرے میں چلے گئے اور میں نے پردہ اٹھا کر دیکھا۔ یہ کوئی گانا سننے والا یا راگ کا شیدا نہ تھا۔ جو میرے کمرے میں داخل ہوا یہ ایک اجنبی عورت تھی۔ یہ جوان تھی۔ یہ حسین تھی۔ اس نے بیگماتی لباس پہنا تھا۔ اس کا رنگ اسوقت زرد تھا۔ اور اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ گویا کہیں سے دوڑتی ہوئی آئی ہے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ بہن تم کون ہو۔ اس نے میری بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ برقعہ اتار کر ایک طرف رکھ دیا قالین پر بیٹھ گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹ پھڑک رہے تھے اور وہ بولنے کے لئے لاحاصل کوشش کر رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولی کہ کیا میرا خاوند یہاں ہے۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(۲)

میرے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ میں ڈر گئی۔ میں کانپنے لگی اور بیساختہ میرے منہ سے نکلا۔
"خاوند؟ کس کا خاوند؟"

وہ عورت بولی کہ ہاں میرا خاوند بابو ———" میں نے ہکلاتی ہوئی آواز میں کہا کہ میں انہیں نہیں جانتی وہ یہاں نہیں ہیں!

ایک لمحہ گذر گیا اس اجنبی عورت نے کئی بار رومال سے آنکھیں پونچھیں اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیری میں البتہ اس کے روبرو مجرم کی طرح کھڑی تھی اور بیتاب تھی۔ میرا کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا آخر وہ بولی اور مسکرا کر کہا کہ تم کہتی ہو کہ بابو جی یہاں نہیں ہیں؟ میں نے کہا کہ بہن مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ تم کس کا ذکر کر رہی ہو۔ اسپر اسے غصہ آگیا اور تلخ ہو کر بولی تو خوفناک ڈائن ہے۔ تو سنگدل چڑیل ہے

تو ان عورتوں میں سے ہے جو کلیجے نکال لیا کرتی ہیں او ظالم بتا میرا خاوند کہاں ہے۔ یہ سنکر ہر چند میرے ہونٹوں پر لاکھا اور میرے رخساروں پر گلگونہ تھا۔ ہونٹ اور گال زرد ہو گئے وہ پھر بولی" اچھا نہیں بتاتی تو نہ بتا۔ مجھے اس بات کی پروا نہیں ہے لیکن میں تجھے یہ کہتی ہوں کہ اس نے سرکاری روپیہ صرف کیا ہے اور پولیس اسے غبن کے الزام میں گرفتار کیا چاہتی ہے"۔ یہ کہکر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ادھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے سخت اضطراب ہے۔ وہ سیماب کی طرح بیقرار تھی۔ میں اس کیطرف دیکھ رہی اور ڈر سے کانپ رہی تھی۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے ٹھہر گئی اور رونے لگی روتے روتے اس کی گگی بندھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر بولی" سن آج وہ گرفتار ہو جائے گا۔ اس کی تلاش ہو رہی ہے تو نے اسے اس نوبت کو پہنچایا ہے۔ ظالم میں جانتی ہوں کہ میں بے کس ہوں لیکن خدا میری اور میرے بچوں کی مدد کرے گا وہ مجھے میرے آنسوؤں کا عوض دے گا۔ وہ جانتا ہے کہ کتنے عرصہ سے مجھے نیند نہیں آتی" یہ کہکر وہ ہاتھ ملنے لگی اور پھر رونے لگی۔ میرا دل بھی بھر آیا۔ میرے آنسو جاری ہو گئے۔ اور رو رو کر میں نے کہا میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ میرے ہاں کئی گانا سننے آتے ہیں۔ میں کسیکو بلانے نہیں جاتی

(۳)

اس اجنبی عورت نے آشفتہ ہو کر کہا کیوں باتیں بنا رہی ہے۔ جھوٹ تیرا گلا بھی نہیں گھونٹتا اور جو اوچھل دل میں خیال کر کہ اگر وہ قید ہو گیا تو میرا اور اس کے بچوں کا کیا حال ہو گا۔ ہمیں کوئی پرورش کرنیوالا نہیں ہے اور مجھے محنت کی عادت نہیں ہے۔ دیکھ ہمیں برباد نہ کر۔ خدا کے لئے جسے تو نہیں مانتی ہم پہ رحم کر۔ ہماری آہ نہ لے۔ اسوقت تین ہزار روپیہ خزانہ سے گھٹتا ہے۔ اگر یہ روپیہ صبح تک پورا نہ ہوا تو اولتی کا پانی مگری پہنچیگا۔ ہائے پھر اس کی اور اس کے ساتھ میری اور بچوں کی خیر نہیں اس نے یہ روپیہ تجھے ضرور دیا ہو گا۔ مجھے یہ روپیہ واپس دیدے۔ میں نے حیران ہو کر کہا بیگم تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں ایمان سے کہتی ہوں اس نے مجھے اسقدر روپیہ نہیں دیا وہ صرف گانا سننے آتا تھا اور مشکل سے دو سو روپے مجھے دئے ہوں گے۔ یہ روپے مجھ سے بیشک لیلو۔ یہ کہا اور میں نے صندوقچی کھول کر دو سو روپے کے نوٹ اس اجنبی عورت کے آگے رکھدے۔ اس نے نوٹ اٹھا لئے ان کو شمار کیا۔ اور زرد ہو کر کہا" یہ مجھے کیا دے رہی ہے اس سے کیا بنتا ہے۔ ظالم میں خیرات نہیں مانگتی۔ میں وہ روپیہ مانگتی ہوں جو تو نے ناز اور نخروں سے میرے شوہر سے چھینا ہے اور جو ہمیشہ شیطان کی خواصیں شریف زادیوں کو نیچا دکھا کر اور ان کے سر تاج چھین کر لوٹتی رہتی ہیں"۔ ان باتوں سے مجھے بھی غصہ آگیا۔ میں نے تنک کر کہا کہ بیگم زبان سنبھال کر بولو میں سچ کہتی ہوں کہ اس عرصہ میں دو سو روپے ہی اس نے

مجھے نہیں دئے۔ نقد ڈیڑھ سو روپے دئے ہوں گے البتہ مٹھائی کبھی کبھی آتی رہی ہے۔ اجنبی عورت نے مسکرا کر کہا۔ مٹھائی مٹھائی کیوں نہو میرے بچے سوکھی روٹی کو ترسیں اور تم مٹھائی چکھو۔ ہائے اللہ اب میں کیا کروں اگر تین ہزار روپے کا انتظام نہ ہوگا تو میرا خاوند قید ہو جائے گا۔ اور ہم تباہ ہو جائیں گے۔ آہ میں کیا کروں گی۔ آہ میرے معصوم بچے کیا کریں گے" اتنا کہا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مجھ سے اس کا رونا دیکھا نہ گیا۔ میں نے نرم زبان سے کہا بیگم میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میں نے تمہارے خاوند کو نہیں لوٹا۔ میں رقاصہ ہوں۔ گانا اور ناچنا میرا پیشہ ہے۔ اگر کوئی ہمارے گھر آئے تو ہم اسے نکال نہیں سکتے میرے پاس اسوقت یہ ہی دو سو روپے تھے جو میں نے دیدئے۔ بیگم مجھے نہ ستاؤ مجھ پر اعتبار کرو۔

(۴)

وہ اجنبی عورت تھوڑی دیر تک خاموش میرا منہ دیکھتی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے قدموں پر گر پڑی اس نے میرے پاؤں پر سر رکھدیا اور بلک بلک کر آنسو بہانے لگی وہ رو رہی تھی اور بھرائی ہوئی آواز سے یہ ہی کہتی جاتی تھی۔ تم نے میرے خاوند کو ضرور لوٹا ہے اگر نقد روپے تمہارے پاس نہیں ہیں تو زیور بہتیرا ہے مجھے زیور دیدو تاکہ میں اس کی جان بچاؤں۔ خدا جانے مجھے اسوقت کیا ہو گیا میں نے گلے کا گلوبند ہاتھوں کے کڑے۔ ماتھے کا چاند۔ پاؤں کے طلائی توڑے۔ کانوں کے دُر۔ کئی قسم کی انگوٹھیاں غرض جتنا زیور میرے پاس تھا اور جو مالیت میں کسیطرح تین ہزار سے کم نہ تھا اس عورت کے حوالہ کر دیا۔ اور کہا یہ ہی میری تمام جائداد ہے۔ یہ لو اور میری جان بخشو۔ اب میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ تم کہتی ہو کہ تم اسکی عورت ہو جائز عورت ہو۔ آئندہ اس کی یا اں اپنے بابو کی خبرداری کرو۔ تاکہ تم کو چھوڑ کر کہیں نہ جائے۔

اس عورت نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے زیور اٹھائے انہیں غور سے دیکھا پرکھا اور پھر نوٹوں کے ساتھ رومال میں باندھ لیا اور جدھر سے آئی تھی خاموش ادھر چلی گئی جاتے ہوئے اسنے لوٹ کر بھی میری طرف نہ دیکھا۔

یہاں میں تھی اس کے ساتھ کے کمرے میں بابو جی تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پردہ اٹھا اور بابو جی میرے پاس آئے ان کا رنگ سرخ تھا۔ ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور سرخ آنکھیں اس وقت بیر بہوٹی یا خون کبوتر کو شرما رہی تھیں۔

میں غصہ میں بھری ہوئی تھی۔ میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ بابو جی میں نے تم کو کب لوٹا ہے

اور کب تم نے مجھے کچھ دیا ہے - اس نے میرے سوالوں کا کچھ جواب نہ دیا غصہ سے اپنا سر جھٹکا اور کہا اے خدا میری بیوی اور ایک رقاصہ کے پاؤں پر سر رکھے - میں نے پھر کہا با بوجی میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے ایمان سے کہو تم نے مجھے کیا دیا ہے اس نے پھر میرے سوال کی پرواہ نہ کی اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہا میں نہایت ملعون اور قابل نفرت انسان ہوں - ایسی خاندانی عورت بازاری عورت کے آگے ہاتھ جوڑے آہ میرے گناہ ناقابل معافی ہیں او لکاتہ دور ہو میری آنکھوں کے سامنے سے میری بیوی اور تیرے سامنے سر جھکائے - ہٹ جا - دفع ہو جا - پرے ہو - مجھے اپنی شکل نہ دکھا - یہہ کہکر اسنے مجھے دھکا دیا اور بکتا جھکتا چلا گیا - میں قالین پر گر پڑی اگرچہ بظاہر مجھے چوٹ نہ لگی مگر میرا دل چکنا چور ہو گیا اسوقت مجھے اپنا زیور جو میں نے جوش میں آکر اس اجنبی عورت کو دیدیا تھا - یاد آیا اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی -

(ایڈیٹر)

فنا و بقا

(غیر مسلسل)

بسکہ گریہ روز پیدائش سے تھا رازِ حیات　　عمر بھر مضرابِ غم چھیڑا کیا سازِ حیات
امتحاں گاہِ وفائے عشق ہے بزم جہاں　　پردۂ حسن ازل ہے پردۂ رازِ حیات
باعثِ لطف و مسرت خامشیِ زندگی　　وجہِ آلام و مصائب حسن آوازِ حیات
الفت دنیا ہے وجہ عالم آرائیِ دل　　عالم آرائیِ دل ہے فتنہ پردازِ حیات
زندگی میں مر کے رہجانا ہے شانِ زندگی　　اور اس مرنے سے جی اٹھنا ہے اعجازِ حیات

گو حیات بعد موت اک عالم تصویر ہے
خواب ہستی کی مگر یہ ہو بہو تعبیر ہے

فی الحقیقت موت لاتی ہے پیام زندگی　　ورنہ اپنی زندگی ہے صرف نامِ زندگی
روح کی آزادیاں جب بڑھ گئیں روز ازل　　کر دیا قانون قدرت نے غلامِ زندگی
دل ہے کیا؟ اک ساقی میخانہ روحِ رواں　　دل کی ہر دھڑکن ہے کیا؟ اک دورِ جامِ زندگی

مطمئن معمورۂ عالم میں ہم ہوں کس طرح — غم تو ہم سے لے رہا ہے انتقامِ زندگی
وہ پشیمانِ بقا ہیں ہم کر لو یہ ہی بھلی — موت ہی آئے ہمیں اب لیجئے نامِ زندگی

ہم ہوئے جس دن سے پیدا موت پر ایمان ہے
زندگی گویا فنا ہونے کا اک سامان ہے

خوب اپنے دل نشیں کر لیجئے ستارانِ زیست — رنج ہی سہنا پڑیگا گر کیا ارمانِ زیست
زیست کے ارماں کا مقصد موت پر مرنے سے ہے — موت پر مرنا ہی گویا منزلِ عرفانِ زیست
رمز کل من علیہا فان ہے برہانِ فنا — آیۃ من امر ربی وعدہ و پیمانِ زیست
ہو اگر عشقِ حقیقی پھر فنا کا ذکر کیا — جسم چھوڑے بھی تو چھٹ سکتا نہیں دامانِ زیست

گر حیاتِ جاوداں خواہی ز دنیا دور باش
وز مئے عشقِ حقیقی روز و شب مخمور باش

(تسکین قریشی دسوروی)

آہ! وہ نظریں!!

(۱) وہ ابرو تھے یا خنجر - مژگاں تھیں یا نشتر - آنکھیں تھیں یا زہر ہلاہل کے ساغر - نظریں تھیں یا چھریاں -

(۲) انہیں وہ کاٹ کہ ان کی آن میں ہزاروں کو گھائل - لاکھوں کو بسمل - اور کروڑوں کو شہید کر کے بستر خاک پر لٹا دیتی تھیں ان کا کاٹا پانی تک نہ مانگتا تھا -

(۳) ابروؤں کو جنبش ہوئی - مژگاں جھلملائیں - پلکوں کی چلمنیں ذرا سرکیں اور نور کی شعاعوں نے آفتابِ چشم یک کر شہیدِ ناز کو چاروں طرف سے گھیر لیا وہ بیچارہ اُن نظروں کا دیوانہ - اُن نگاہوں کا مستانہ - رہا رتی کا سودائی ایک جھلک کا تمنائی - جلوۂ نور کی تاب نہ لا سکا اور آہ وہ نظریں کہتا ہوا - خرّ و صعقاً -

(۴) وہ ابرو کی کمان - دل اسیر قربان - وہ نظروں کے تیر لاثانی اور بے نظیر جسکو دیکھو ان نظروں کا دیوانہ جس سے پوچھو اُن نگاہوں کا شیدائی - دلبر درد لب پر آہ - (۵) کہاں ہیں وہ نظریں جو بیقرار دلکو تسکین اور بیتاب قلب کو تسلی دیا کرتی تھیں - کدھر ہیں وہ نگاہیں جو طبع بیزار کو تشفی دیکر اطمینان بخشتی تھیں کہاں گیا وہ چھیل چھبیلا بانکا البیلا - جو کن انکھیوں سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیتا تھا جسکی ترچھی نگاہیں جنبش ابرو سے نیم بسمل کو ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیتی تھیں -

(محمد شاہ ولی یمنی - بی - اے)

خون کے پیاسے

(گذشتہ سے پیوستہ)

پنڈت کشن چند وکیل نے نہایت سخت الفاظ میں صاحب ڈپٹی کمشنر کے اس ریمارک کی کہ اپیلوں کی منظوری کا نتیجہ انتظام کے لئے سخت مضر ثابت ہوگا۔ مخالفت کی اور بڑے شد و مد سے یہ کہا کہ اگر غلط کارروائی کرنے والے افسروں کی اسقدر رعایت منظور ہے تو گورنمنٹ کی منظوری سے یہ قواعد کیوں بنائے گئے ہیں اور کمیٹی کو اپیل سننے کا اختیار دیا گیا ہے اگر ہمیں اختیار دیا گیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم خوب چھان بین کریں کہ موقوفی کا حکم صحیح ہے یا غلط۔ صاحب ڈپٹی کمشنر کو اختیار ہے کہ آئندہ وہ اس قاعدہ کی ترمیم کرالیں اور صاف صاف یہ قاعدہ بنا دیا جاوے کہ فلاں فلاں افسروں کا اپیل کمیٹی میں نہ ہوگا۔ اگر ایسا قاعدہ بنجاوے گا تو نہ تو کوئی کمیٹی کی ذمہ داری رہے گی اور نہ اس کو دخل دینے کی کچھ ضرورت ہوگی۔ یہ تقریر سنکر کمیٹی کے پانچ چھ ممبر یک زبان ہو کر بول اٹھے کہ ہمارا یہ فرض ہے دیکھیں کہ ان اہلکاروں کا کچھ قصور ہے یا نہیں ہمیں ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ انتظام بگڑتا ہے یا سنورتا ہے اگر موقوفی کا حکم غلط دیا گیا ہے تو منسوخ ہونا چاہئے اگر ہم اسیطرح دخل دیں گے تو آئندہ یہ افسر خود نہایت احتیاط سے کام کریں گے اور اغلباً آئندہ ہمیں ان معاملات میں دخل دینے کا موقع ہی نہ ملے تو کچھ تعجب نہیں۔ صاحب ڈپٹی کمشنر جو اب تک سر جھکائے بیٹھے تھے۔ ممبران کمیٹی کی یہ آزادی دیکھ کر نہایت ناراض ہوگئے اور انہوں نے مغلوب الغضب ہو کر ہندو اور مسلمان ممبروں پر تعصب مذہبی اور جنبہ داری کا الزام کھلم کھلا طور پر لگایا ہے یہ سنکر ممبر اور بھی زیادہ برافروختہ ہوئے۔ بلکہ انگریز ممبران نے کوشش کی کہ صاحب ڈپٹی کمشنر کے اس ریمارک کی کوئی ایسی توجیہ بیان کریں جس سے مترشح ہو کہ صاحب بہادر کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے جو ممبران نے سمجھا ہے مگر صاحب ڈپٹی کمشنر نے سر ہلایا اور کہا بیشک۔ ڈاکٹر سول سرجن صاحب نے بھی جو ایک دیرینہ تجربہ کار افسر تھے صاحب ڈپٹی کمشنر کے ریمارک کی زہر آلودہ تاثیر کو کم کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی کامیاب نہ ہوسکے آخر ووٹ لئے گئے۔ سولہ ممبران اس روز حاضر تھے دس نے ووٹ دیا کہ دونو اپیل منظور کئے جاویں۔ دو ممبر ـــــ نے دونوں وائس پریزیڈنٹ غیر جانبدار رہے لالہ سروپ لعل اور چودھری خوشی محمد نے افیم کی پینک کے اثر میں دونوں طرف ہاتھ اٹھا دیا اور صاحب سول سرجن اور اسسٹنٹ کمشنر نے اپیل کی منظوری کے خلاف ووٹ دیا لیکن اپیل کی نامنظوری کیلئے

فقط دو ووٹ ہوئے صاحب پریزیڈنٹ نے بیچ دتا ئی بہت کھایا لیکن ان کو کہنا پڑا کہ اپیل منظور ہو گئے اس فیصلہ نے تمام شہر میں ایک طرح کی سنسنی اور احساس پیدا کر دیا۔

باب ۲۷

دوسری کمیٹی میں صاحب ڈپٹی کمشنر نے ایک تجویز پیش کی کہ سکریٹری صاحب کو کوٹھی کا کرایہ سو روپیہ ماہوار علاوہ تنخواہ کے ملنا چاہیئے ڈاکٹر کمال نے اسکی مخالفت اس بنا پر کی کہ سکریٹری صاحب ایگریمنٹ کی رو سے ملازم ہوئے ہیں۔ اس لئے کسی مکان یا کرایہ کے مستحق نہیں۔ پنڈت کشمیندر راز دان نے بھی مخالفت کی نتیجہ یہہ ہوا کہ صاحب ڈپٹی کمشنر کی حمایت اور سکریٹری صاحب کے ذاتی رسوخ کے باوجود وہ تجویز نامنظور ہو گئی۔ صاحب ڈپٹی کمشنر مغلوب الغضب ہو کر کسی بہانہ سے اٹھ کر چلے گئے اور راجہ صاحب انکی جگہ صدر جلسہ تھے۔

چونکہ صاحب ڈپٹی کمشنر موجود نہ تھے اس لئے کمیٹی کے ختم ہونے پر ہر ایک ممبر کمال کی طرف جھک پڑا انکے معاونوں نے نہایت محبت سے ہاتھ دبایا اور ان کے مخالفوں نے بھی اعتراف کیا کہ ان کو دو سال کمیٹی کے ممبر ہونے کا مزا ان ہر دو جلسوں میں آیا۔

نتیجہ یہہ ہوا کہ عام کمیٹی کا رنگ دفعتاً بدل گیا اہلکاروں کی سازشیں دھیمی پڑ گئیں۔ سکریٹری اور دیگر عہدہ دار احتیاط سے کام کرنے لگے اور پھر کسی اہلکار کی موقوفی کی ضرورت ہوئی تو نہایت بوجھ اور چھان بین کے بعد حکم دیا۔ صاحب پریزیڈنٹ نے اس کے بعد کسی اپیل پر نوٹ نہیں لکھا صرف واقعات لکھ کر چھوڑ دیتے تھے۔

سلف گورنمنٹ ایکٹ کے پاس ہونے کے بعد یہ پہلی کمیٹی تھی لیکن دو سال کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ زندہ ہے۔ یہہ دیکھ کر شہر والوں کی رگ غیر بھی بیداری کی برقی طاقت نے اثر پیدا کیا۔ اور انہوں نے جمع ہو کر ریٹ پیرز ایسوسی ایشن یعنی محاصل ادا کنندگان کی انجمن قائم کی اور اس نے اپنے دوسرے اجلاس میں یہہ رزولیوشن پاس کیا کہ آیندہ پریزیڈنٹ ڈپٹی کمشنر نہ ہوا کریں۔ یہہ رزولیوشن اس انجمن نے گورنمنٹ کی خدمت میں روانہ کیا۔ سر فریڈرک نے ڈپٹی کمشنروں اور کمشنروں سے رائے طلب کی تھا رین صاحب کمشنر اور ان ڈپٹی کمشنروں نے جو کام کرنے سے عاری تھے۔ اس رزولیوشن کی تائید کی اور باقی ڈپٹی کمشنروں نے اس کی مخالفت میں خوب زور لگایا سر فریڈرک نے بھی اس کی تائید میں لکھا لیکن وائسرائے کی کونسل میں ایک ممبر کی کثرت رائے سے وہ تجویز قبل از وقت قرار دی گئی۔ لیکن پھر بھی سر فریڈرک نے بصیغہ راز ڈپٹی کمشنروں کے نام احکام جاری کر دئے کہ جہانتک ہو سکے وہ کمیٹی کے معاملات میں ذاتی وجوہات پر دخل نہ دیا کریں جب تک سر فریڈرک رہے اس کی تعمیل ہوئی لیکن ان کے رخصت ہوتے

ہی وہ ہدایتیں نسیاً منسیاً ہوگئیں۔

اس کے بعد ایک سال اور ڈاکٹر کمال نے کمیٹی میں نہایت زور شور سے کام کیا اور متعدد اصلاحات کیں قواعد میں جو سختیاں تھیں ان کو دور کیا۔ مگر اہلکاروں کی رشوت خواری میں کچھ قابل لحاظ فرق نہ پڑا۔ لالہ خوشوقت رائے بابو بلند اقبال اور لالہ پالی رام کے وہی دور دورے رہے لیکن ان کے استبداد میں بہت سی کمی پڑ گئی۔

اب وہ زمانہ آگیا کہ کمیٹی کی سہ سالہ مدت ختم ہوگئی ڈاکٹر کمال کو نامزدگی کی امید تو کیا ہو سکتی تھی۔ کیونکہ کرنل سمال میں نے نامزدگی کے تھوڑی ہی دنوں بعد لالہ سردیپ مل سے یہ کہا تھا کہ میں نے اپنی زندگی میں یہ دوسری غلطی کی کہ ڈاکٹر صاحب کو ممبر نامزد کیا لالہ سردیپ مل نے دریافت کیا کہ حضور پہلی غلطی کیا ہوئی انکو نسبہ تھا کہ انکی تقرری بطور آنریری مجسٹریٹی نہ ہو کرنیل صاحب نے مسکرا کر کہا کہ لالہ صاحب پہلی غلطی میں آپ پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔

اتفاق سے کرنیل صاحب پنشن پر چلے گئے تھے۔ اور ان کی جگہ ایک نہایت معتدل اور منصف مزاج سویلین مسٹر رابرٹ ڈپٹی کمشنر ہو کر آئے انہوں نے ڈاکٹر کمال کا کمیٹی کا کارنامہ تمام سن لیا تھا اور اس لئے ڈاکٹر صاحب کو چٹھی لکھی کہ اگر کمیٹی میں آپ کام کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو بھی سال آئندہ کے لئے نامزد کردوں ڈاکٹر صاحب نے شکرگزاری میں ایک لمبی چٹھی لکھی لیکن نامزد ہونے سے اصولاً انکار کر دیا۔ اور انتخاب کا ممبر ہونا بہتر سمجھا شہر میں ان کی کارگزاری کا چرچا عام تھا کچھ وارڈوں کی طرف سے ان کے پاس درخواستیں آئیں کہ آپ ہماری طرف سے کھڑے ہوں ڈاکٹر صاحب نے انارکلی کے وارڈ کو منتخب کیا لیکن اس وارڈ سے میعاد کے اندر ایک اور درخواست گزر گئی یہ درخواست رائے بہادر لالہ گوبند داس سابق اکسٹرا جوڈیشل اسسٹنٹ کمشنر کی تھی ان کو لالہ خوشوقت رائے اور بابو بلند اقبال نے سازش کر کے کھڑا کیا تھا۔ ان دونوں نے یہ دیکھ کر کہ کثرت رائے ڈاکٹر صاحب کے حق میں ہوگی یہ اہلکارانہ پیچ کھیلا کہ رائے بہادر کی درخواست میں تین تجویز کنندے وہی لکھ دیئے جو ڈاکٹر صاحب کے کاغذ میں درج تھے اپنے تجویز کنندوں کی تعداد بڑھا دی اور ڈاکٹر صاحب کی تعداد بڑھ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے قاعدہ کے بموجب وہ تین تجویز کنندے کالعدم سمجھے گئے تو ڈاکٹر صاحب کے تجویز کنندے سیکڑوں کی تعداد بہت کم رہ گئی اور وہ درخواست قابل اعتراض ہو گئی۔ لالہ خوشوقت رائے نے سکریٹری سے کہہ کر ایک نوٹ لکھوا دیا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر کو اگرچہ نہایت افسوس ہوا لیکن وہ کیا کر سکتے تھے ان کو یہ حکم لکھنا پڑا کہ ڈاکٹر صاحب کی درست طور سے تجویز نہیں ہوئی اس لئے ان کا انتخاب نہیں ہو سکتا چونکہ اور کوئی امیدوار نہ تھا اس لئے رائے بہادر بدون پھٹکری لگے بغیر خود بخود ممبر بن گئے۔

صاحبزادہ [illegible] نے پھر بھی یہ التفات کی کہ اگر وہ
ڈاکٹر صاحب کو جا کر بلا کر کہا کہ آپ اگر چاہیں
تو اب بھی ممبر بن سکتے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کی
غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ انکار کے بعد اقبال کریں
لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس روز سے صاحبزادہ
کمشنر کی نظر میں ڈاکٹر کمال کی وقعت دو چند
ہو گئی - صاحبزادہ کمشنر کو معلوم ہو گیا کہ اس
ہندوستان میں ایک ایسا ڈاکٹر موجود ہے جس کی اہل
ہند میں سخت کمی ہوتی ہے اور وہ دونوں نہایت
گہرے دوست بن گئے جس سے ڈاکٹر صاحب کو
آئندہ [illegible] رفاہ کے کاموں میں بہت بڑی
مدد ملی - شہر والوں کو یہ خبر سنکر نہایت قلق ہوا
اور انہوں نے فوراً ریٹ پیرز ایسوسی ایشن کا
جلسہ کر کے ڈاکٹر کمال کو اپنا صدر منتخب کیا - اور
اسطرح کمیٹی کی کارروائی پر ڈاکٹر صاحب کا اثر
غیر مستقیم طور پر ویسا ہی رہا - کمیٹی کے سربرآوردہ
ممبر ہر ایک اہم معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے تھے
اور ان کے مشورہ اور ایسوسی ایشن کے رزولیوشنوں
کے مطابق اپنی رائے دیتے تھے

اس کے بعد کانگریس والوں نے پھر ڈاکٹر صاحب کو
پھانسنے کی کوشش کی - ان کو یاد دلایا کہ اب آپ
وعدہ پورا کریں اور پولیٹیکل معاملات کی بابت اپنی
جو رائے قائم کی ہو ایک عام جلسہ میں اسکا اظہار کریں
اس عرصہ میں ڈاکٹر صاحب نے پولیٹیکل معاملات پر
اپنی پختہ رائے قائم کر لی تھی - لیکن وہ چاہتے تھے
کہ میں ان کا اظہار ایک عام جلسہ میں کروں - اور
اس سے پہلے کسی پر ظاہر نہ ہو سکے کہ ان کی کیا
رائے ہے - تین سال کے عرصہ میں ان کے دو دوستوں
نے جو کانگریس کے حامی تھے - یہ معلوم کرنے کی
بہت کوشش کی کہ ڈاکٹر صاحب کی ان معاملات
میں کیا رائے ہے لیکن ڈاکٹر صاحب ہمیشہ [illegible]
سے بچ گئے اور ایسے خوبصورتی سے ٹال دیتے تھے
کہ وہ ناراض بھی نہ ہوتے تھے اور اپنا راز دل
بھی ظاہر نہ کرتے تھے - چنانچہ بار [illegible] میں ان کے
دو بڑے دوست تھے ایک تو پنڈت کشن چند جو
کانگریس کے بڑے حامی تھے اور ایک مولوی میراں
بخش جو کانگریس کے بڑے سخت مخالف تھے - مگر
دونوں کو باوجود دوستی اور ہر وقت کی ملاقات
اور بات چیت کے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ڈاکٹر صاحب
کے اصلی سیاسی عقائد کیا ہیں -

اس عرصہ میں کانگریس کا ایک جلسہ لاہور میں بھی
ہوا اسمیں ڈاکٹر صاحب ہر ایک جلسہ میں حاضر
رہے - اور تمام تقریریں انہوں نے لفظ بلفظ نہایت
غور سے سنیں اور ہندوستان کے ہر ایک خطہ سے
جتنے بڑے بڑے کانگریس والے لاہور میں آئے
ان سب سے ملاقات کی ان کو کھانے پر بلایا اور
ان کے مافی الضمیر کو اچھی طرح کھود کھود کر نکالا -
[illegible] جی سے خاص کر ایک دفعہ بمبئی ملنے گئے ایک
ہفتہ تک ان کے مہمان رہے اور اس عرصہ میں
اکثر اوقات ان سے محض پولیٹیکل معاملات میں

گفتگو رہی لیکن کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ڈاکٹر صاحب کی کیا رائے ہے۔ تصویر کا دوسرا پہلو دیکھنے کیلئے ہندوستان کے انگریزوں سے بھی اکثر ملتے رہتے تھے اور دانستہ ان سے ان کی سیاسی عقائد کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ پنڈت گشنچند اور مولوی میران بخش سے گھنٹوں پولٹیکل گفتگو کرتے تھے۔ اور ان سے ہر ایک کا زاویہ نظر معلوم کرنا چاہتے تھے۔ پنڈت گشنچند سے جب گفتگو کرتے تھے تو مسلمان نقطہ نظر سے جواب دیتے تھے اور جب مولوی میران بخش سے بحث کرتے تھے۔ تو ہندو نقطہ نظر سے جواب دیتے تھے لیکن ان دونوں کو کہدیا تھا کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میری رائے یہی ہے جسکی تائید اور تردید میں میں ایسی گفتگو کر رہا ہوں۔ ان کے ان دونوں دوستوں کو یقین تھا کہ وہ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں ان کے دل میں بھی وہی ہے۔ یعنی ابھی انہوں نے سیاسی معاملات میں اپنی رائے قائم نہیں کی۔

ہر اتوار کو اپنے گاؤں میں یا اپنی برادری کے کسی اور گاؤں میں چلے جاتے تھے۔ زمینداروں میں بے تکلف بیٹھکر ان کے ساتھ پنجابی میں گفتگو کرتے۔ اور ان کے رسومات و اخراجات وغیرہ کے معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور وہاں سے نوٹ لکھ کر لاتے تھے۔

اور ان کو حفاظت سے رکھتے تھے۔ ستمبر کی تعطیلات میں ہمیشہ شملہ چلے جایا کرتے تھے۔ اور وہاں بڑے بڑے عہدہ داروں سے گفتگو کرتے اور ان کا عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہندو مسلمانوں کے تعلقات کو وہ اپنے نزدیک ہندوستان کے مستقبل میں نہایت اہم عنصر خیال کرتے تھے۔ اور اس لئے اپنے ہندو دوستوں سے ان کا مافی الضمیر معلوم کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا خصوصاً فرقہ آریہ سماج اور سوامی دیانند جی کے پیروؤں کے لیڈروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ملتے تھے۔ آریہ سماج کی بابت ان کا خیال تھا کہ یہ تمام تحریک اصل میں مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے اور اس لئے اس کو اسی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ایک روز فروری کے مہینہ میں ایک پوسٹر انارکلی اور شہر میں جا بجا لگا ہوا پایا گیا۔ جو پنڈت گشنچند ممرازداں وکیل اور مولوی میران بخش وکیل نے جاری کیا تھا۔ کہ ۱۵ر فروری کو شام کے چھ بجے ڈاکٹر محمد کمال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لا پولٹیکل معاملات پر ایک لکچر وزیر خاں کی بارہ دری میں دینگے۔ ہر طبقہ اور ہر مذہب و ہر جماعت کے لوگوں سے امید ہے کہ وہ جلسہ میں حاضر ہو کر ڈاکٹر صاحب کے خیالات سننے سے محظوظ ہوں گے۔ (باقی)

مرحوموں کے نشان

قدیم باغات لاہور

(۱) باغ قلیج خاں اندجانی۔

داراشکوہ کی روح پُرفتوح پر پھولوں کی بارش کرنی چاہئے کہ وہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیا میں کہیں کہیں لاہور کے بعض پرانے محلوں۔ باغوں اور مکانوں کا بھی سرسری طور سے ذکر کر گیا ہے۔

میں کہ بزرگوں کی ہڈیوں کی حفاظت اور ان کے کارناموں کی اشاعت کو ذریعہ نجات اُخروی اور عمارات قدیمہ (موجود و معدوم) کی سیر اور ان کے ذکر کو ذریعہ عبرت و بصیرت تصور کرتا ہوں۔ ان ٹکڑوں کو جس دست برد زمان سے ملتے ہیں۔ کاغذی کچکول میں جمع کرکے پھر اس انداز سے سجانے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ اہل دل اصحاب کی روح کو غذائے تازہ کا کام دے سکیں۔

سکینۃ الاولیا میں بعض ایسے پرانے محلات و باغات اور مکانات کا ذکر ہے۔ جو داراشکوہ کے زمانہ میں لاہور کی زیب و زینت تھے۔ مگر آج جن کا کوئی مٹا ہوا نشان بھی باقی نہیں ہے جس سے ہم یہ اندازہ ہی لگا سکیں کہ وہ فلک نما عمارتیں جنہوں نے لاہور کو عروس البلاد بنا رکھا تھا۔ کہاں واقع تھیں وہ عالیشان باغات جو اپنی تروتازگی اور کثرت اثمار و اشجار کے لحاظ سے رشک صد کشمیر اور تختہ گلزار جنت تھے۔ کس جگہ احداث تھے۔

انہی باغات میں جن کا آج لوگ نام بھی نہیں جانتے ایک باغ نواب قلیج خاں اندجانی کا تھا۔ جس کے اندر نہ صرف زنانہ و مردانہ خوبصورت اور فرح بخش بنگلے تھے بلکہ جس کے فوارے حوض اور جس کے خیابان اور جس کی روشیں ہر ناظر کا دامن دل اس لئے کھینچتی تھیں کہ اس کا چپہ چپہ "جا اینجاست" کا مصداق تھا داراشکوہ لکھتا ہے مرزا کامران نے اپنے باغ کے لئے جو نہر بنائی ہے۔ یہ باغ اس کے جنوب میں واقع ہے اس باغ کے اندر جو عمارت ہے اور جو آجکل خستہ حالت میں ہے۔ حضرت میاں میر دن کو کبھی کبھی یہاں آ نکلتے تھے۔ اور یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

مرزا کامران کے لاہور میں دو باغ تھے۔ ایک باغ کا نام نولکھا باغ تھا۔ جس کے نام پر لاہور میں اب نولکھا محال قائم ہے اور اسمیں ریلوے سٹیشن۔ سلطان پورہ۔ مصری شاہ۔ فیض باغ اور بعض اور علاقے شامل ہیں۔ دوسرا باغ اس کی بارہ دری برلب دریا کی حدود میں تھا۔ چونکہ لاہور کے بہت سے شاہی

باغات اُس زمانہ میں تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ جب دریائے راوی نے اپنا رخ "بند عالمگیری" کی وجہ سے شاہدرہ اور اس کے مضافات کی طرف بدلا ہے اس لئے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ بعض دیگر باغات کی طرح یہ باغ بھی مرزا کامران کی بارہ دری کے کہیں آس پاس واقع ہوگا اور عہد عالمگیری یا محمد شاہی دور میں جب دریا شہر لاہور سے بہت فاصلہ پر ہوگیا تھا دریا بُرد ہوگیا ہوگا۔

قلیچ خاں کے کچھ حالات مآثر الامرا کی تیسری جلد سے لکھتا ہوں۔ پڑھو اور غور کرو کہ ایسے جلیل القدر امیر نے کس شان و شکوہ اور کس شوق و دل بستگی سے باغ کی تعمیر کی ہوگی جہاں سنگ مرمر اور سنگ سیاہ و سنگ ابری کا مینہ برس رہا ہوگا۔ کیا کچھ لاگت نہ آئی ہوگی۔

فتح کشمیر (سنہ ۹۹۴ھ و ۱۵۸۶ء) کے بعد جب اکبر نے راجہ بھگوانداس اور راجہ ٹوڈرمل کو آگرہ سے کشمیر کے انتظام و انصرام کے لئے روانہ کیا ہے تو نواب قلیچ خاں کو بھی ان کے ساتھ کیا۔ جب یہ پارٹی لاہور پہنچی تو بادشاہ نے بعض مہمات ملکی کے سرانجام کے لئے قلیچ خاں کو لاہور ہی میں ٹھہرا لیا۔ جہاں گورنر لاہور کی حیثیت سے کچھ عرصہ تک وہ کام کرتا رہا۔

اکبر کے تینتیسویں سال جلوس میں وہ گجرات دکن کی صوبیداری کے منصب پر تھا۔

سنہ ۱۰۰۰ھ میں شاہزادہ سلطان دانیال کو جب الہ آباد کی گورنری ملی تو قلیچ خاں جو شاہزادہ کا خسر اور بادشاہ کا سمدھی تھا۔ اکبر کے حکم سے اس کا اتالیق مقرر ہوا۔ سال جلوس چہل و ششم سنہ ۱۰۱۰ھ میں قلیچ خاں کو پھر پنجاب کی حکومت ملی۔ اور لاہور اس کا صدر مقام قرار پایا۔ جہانگیر کے زمانہ سنہ ۱۰۱۶ھ سال دوم جلوس میں وہ پھر پنجاب آیا اور چھٹے سال جلوس تک لاہور ہی میں رہا۔

صاحب صلاح و تقویٰ تھا۔ باوجود گورنر پنجاب ہونے کے طالبان علم کو خود درس علوم دیتا تھا۔ اس نے لاہور میں ایک دار العلوم بھی اپنے ذاتی خرچ سے بنایا تھا جس میں فقہ اور حدیث و تفسیر کی تعلیم دی جاتی تھی اسکی کوشش سے پنجاب کے مختلف اقطاع میں علوم شرعیہ کی بہت کچھ اشاعت ہوئی۔

قلیچ خاں شاعر بھی تھا اور اُلفتی تخلص کرتا تھا۔ یہ رباعی اس کی یادگار ہے۔ ؎

عاشق ہوس وصال در سر دارد — صوفی زر سقے ز خرقہ در بر دارد
من بندۂ آں کسم کہ فارغ ز ہمہ — دائم دل گرم و دیدۂ تر دارد

اندجاں ایران کے کسی قبیلہ یا شہر کا نام ہے اسی لئے اس کو اندجانی کہتے تھے اس کے بیٹوں میں مرزا سیف اللہ اور مرزا حسین قلیچ بڑے مشہور اور نامی امیر گذرے ہیں۔ اسی قلیچ خاں اندجانی ناظم لاہور کی مدح میں دربار جہانگیری کے نامور شاعر طالب نے ایک رات میں ۴۰ بیت کا قصیدہ لکھا تھا

چنانچہ وہ اپنی روانی طبع پر ناز کرتا ہوا لکھتا ہے۔ ؎

منم کہ نیست چو من شاعرے ز اہل سخن
منم کہ نیست چو من قائلے ز اہل کلام
گواہ ایں دو سہ معنی ہمیں قصیدہ بس است
کہ یافت از سر شب تا سپیدہ دم اتمام

(محمد الدین فوق لاہور)

کلام اثر

جلوۂ حسن سے معمور ہی کاشانۂ دل
ایک عالم ہے پرستار صنم خانۂ دل
مدعا تھا وہی جس کو میں وسیلہ سمجھا
کوئی مجھ سا بھی نہو عشق میں بیگانۂ دل
بک گیا ہاتھ یہ اس کے جو خریدار ہوا
ہر دو عالم کسے تم دیتے ہو بیعانۂ دل
یاد ایام کہ جب شوق کا یہ عالم تھا
اپنے ہی دل سی کہا کرتے تھے افسانۂ دل
یہ شرف کم نہیں ای آدم خاکی تیرا
اُس نے اپنے لئے تعمیر کیا خانۂ دل
اک نگاہ غلط انداز میں کچھ سے کچھ تھا
ایسا اجڑا کہ نہ آباد ہوا خانۂ دل
حسن خود پیش کرے ایک چھلکتا ساغر
مئے الفت سے جو لبریز ہو پیمانۂ دل
ٹوٹے شیشے کی بھلا قدر کرے کیا کوئی
اے اثر کیوں لئے پھرتے ہو یہ پیمانۂ دل

(مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی)

میر اقبال

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

تمہیں معلوم ہے تم جانتے ہو کچھ خبر ہے کچھ اثر ہے تم پر۔ تمہاری طبیعت پر۔ تمہارے دل پر کہ مجھ پر اسوقت کیا گذر رہی ہے۔ میں کیا کر رہا ہوں۔ کس حال میں ہوں۔ کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں کچھ عرض کروں۔ اس تڑپنے والے۔ اس بیقرار۔ اس بیچین۔ اس مضطرب۔ اس بسمل دل کا کیا حال ہے۔ اگر بار خاطر نہو۔ کچھ گناہ نہو۔ میں قصور وار نہ ٹھیروں۔ تم خفا نہو جاؤ۔ تو کچھ عرض کروں۔ اس میں شک نہیں کہ اسطرح بیباکانہ۔ گستاخانہ۔ دلیرانہ۔ عرض معروض الحاح و التجا کرنا سوء ادب بد تمیزی میں شامل ہے۔ لیکن کیا کروں ہائے کیسے کہوں کس طرح بتلاؤں کہ میرا کیا حال ہے یہ دن

اور رات جنہیں سوچ اپنی آڑی ترچھی کرنوں سے چاند اپنی نگاہوں کے تاروں سے میرے دل میں چھریاں بھونکا کرتے ہیں۔ "مجھے گھایل کیا کرتے ہیں" مجھ پر کیسے گذرتے ہیں۔

آپ خفا ہونا۔ آپ ہرگز کبیدہ نہ ہونا آپ مجھے بالکل دیوانہ سمجھنا۔ کہنے دو۔ للتہ کہنے دو۔ دیکھو اس بخار کو جو دھواں بن کر آنکھوں پر چھا جانا اور پانی بن کر برسنا چاہتا ہے۔ برس لینے دو۔ ورنہ سمجھ لو کہ یہ خاموشی زبان بن کر چیخیگی۔ چلائیگی۔ خود بدنام ہوگی۔ اور کسی کے گورے ماتھے پر رسوائی کا داغ بنکر چمکیگی۔ مجھ سے تو اب ضبط نہیں ہوتا۔ کہتا ہوں تم سنو یا نہ سنو۔

ایک دل کے چھن جانے سے۔ ایک رفیق کے جدا ہو جانے سے ایک ساتھی کے بچھڑ جانے سے ایک غمگسار کے علیحدہ ہو جانے سے تو کسی کی ایسی حالت نہیں ہو جایا کرتی۔ اس کے دن رات ایسے نہیں گذرا کرتے۔ اسپر یہ مصیبت نہیں آیا کرتی۔ اس پر یہ ستم نہیں ٹوٹا کرتا۔ اس سے آسمان اس طرح بیزار نہیں ہو جایا کرتا۔ اس کے واسطے زمین اسقدر سخت نہیں ہو جاتی۔ آہ کیسے کہوں کہ یہ بغلی گھونسہ یہ مار آستیں یہ جہان آرزو۔ یہ آتش پارہ بیچین ہے۔ مضطر ہے۔ بیقرار ہے۔ اشکبار ہے۔ اور اس کے ساتھ میں اور میری ہستی کی تمام کائنات لرزہ براندام ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ ایک گوشت کا لوتھڑا قوی اور زبردست اعضاء کا اسپرنگ ہو سکتا ہے۔ کیا یہ درست ہے کہ ایک انجن ایک معمولی سی کل کے بل پر چل سکتا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک عالم کی بقا کا انحصار ایک ادنے سے ذرہ پر ہو۔ ہاں ہاں سچ ہے اور بالکل سچ ہے۔ آہ پیارے تمہیں کیسے یقین دلاؤں۔ کیسے بتاؤں۔ کیسے کہوں کہ میرے جسم کے کل پرزے ایک اسپرنگ کے نہونے سے منتشر ہو رہے ہیں۔ میرے سینہ کی سوزش۔ میرے جگر کی تڑپ میرے دماغ کی بے ترتیبی۔ میرے حواس کی پریشانی تمہاری ترچھی نظروں سے۔ تمہاری جنبش ابرو۔ تمہاری شوخ نگاہی اور تمہاری اداؤں کی دلفریبی سے ساز باز کر کے تمہاری متوالی نشیلی رسیلی میگوں مخمور آنکھوں سے کمک حاصل کی ہے اور آہ مجھ دنیا سے کھو دیا ہے۔

آہ خدا کے لئے زیادہ نہ ستاؤ۔ آجاؤ۔ خدا کے لئے آجاؤ۔ وعدہ کرتا ہوں سچے دل سے۔ عہد کرتا ہوں پکے دل سے فقط تمہاری پرستش کروں گا۔ تمہیں اپنے سامنے بٹھاؤں گا تمہاری زیبا صورت کو تکا کرونگا اور اپنی بے ثبات ہستی کو تمہارے وجود مستقل میں کچھ اس طرح ختم کر دوں گا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ زبان حال سے یوں اٹھے گا کہ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

سید معز الدین احمد

فیل خاں

فیل خاں اسم با مسمیٰ ہیں۔ پلا بچھڑا پیدا ہوئے تھے۔ ولادت کے وقت وزن چھ سیر تھا۔ اور آٹھ سال کی عمر میں بفضل خدا ایک من پندرہ سیر تلے۔ بھوک اسقدر لگتی تھی۔ کہ گہری نیند میں کھانا طلب کرتے تھے ہمجولی آپ کو موٹلا اور ہاتھی کا بچہ کہتے تھے اور محلہ کے اکثر شریر لڑکے فیل خاں کو دیکھ کر پکارتے تھے کہ بھئی ان کو چلنے کے لئے ٹھیلا لا دو۔

چودہ کا سن اور دو من دس سیر وزن سخت قریح اور مضبوط لکڑی کا پنگوڑا جو دو انچ موٹی تنھلی سے بندھا تھا۔ آپ کے نامعقول وزن کی تاب نہ لا سکا اور آپ کو فرش کے حوالہ کر دیا۔ ایک روز ایک صاحب فیل خاں کو گھر پر ملنے کے لئے آئے۔ آپ بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ دروازہ کے دونوں طرف پردے ہٹا کر چار فٹ کی دراڑ بنی تاکہ آپ کا ، فٹ اونچا قد اور بارہ فٹ گولائی کا دھڑ نظر آئے

فیل خاں ایک روز کسی تماشہ میں حاضر تھے اور ایک ننھی سی لڑکی اپنے باپ کے ساتھ آئی۔ خاں صاحب کو دیکھ کر دور ہی سے چلانے لگی۔ "ابا جان وہ ہیں جنھوں نے ہماری چارپائی توڑی تھی"

ایکدفعہ فیل خاں کسی ہوٹل میں کھانا کھانے گئے۔ دو روپیہ کی خوراک اور آٹھ روپیہ کرسیوں کی مرمت کا بل آیا۔ خانصاحب ایک بار موٹر گاڑی پر سوار ہونے لگے۔ پائدان نے دغا کی۔ آپ کا سر گاڑی میں اور دھڑ واللہ اعلم۔ خطرہ کے مقام میں آپ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ سرکس میں جانیکا اتفاق ہوا۔ تو جہاں آپ بیٹھے تھے۔ پاس ہی ایک بندر کا پنجرہ تھا۔ دروازہ کھلا تھا۔ بندر باہر نکل آیا سب لوگ ڈر کر بھاگے مگر فیل خاں اندھے بت کی مانند اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ بندر نے ایک ہاتھ آپ کی کمر کے گرد اور دوسرا گلے میں ڈال کر کچھ کان میں کہا اور لوٹ گیا۔

پیدل چلنا آپ کو بہت پسند ہے۔ سڑک کی ایک جانب سے دوسری جانب جا رہے تھے کہ آگے سے یکایک ایک موٹر گاڑی آ گئی۔ معمول کے مطابق آنکھیں بند کر کے وہیں بیٹھ گئے۔ موٹر سے ٹکر لگی تو ڈرائیور نیچے اترا۔ اس زندہ ڈھیر کو دیکھکر بیدر د واپس گاڑی میں چلا گیا اور اپنے پرزوں کو جانچنے لگا

سیڑھیوں پر اترتے وقت اپنا رخ بدل لیتے ہیں سیدھے منہ چلیں تو ناک منہ کی صفائی ہو جائے الٹے پاؤں اترنے میں ایک آدھ سیڑھی چھلانگ جاتے ہیں اور پھر بغیر محنت نیچے اتر آتے ہیں۔

کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ گیند روکنے کو جسم سد سکندری ہے۔ ایکبار کھیلتے میں زور سے بلا مارا اور دوسری جانب کو دوڑے۔ پیشتر ازینکہ آپ پہنچیں۔ گیند وہاں موجود تھا۔

سنا ہے کہ جب ہوائی جہاز الہ آباد میں آئے تھے ۔ نیل خاں صاحب نے درخواست کی کہ میں ہوا کی سیر کرنا چاہتا ہوں ۔ جب جہاز والوں کو آپ کا وزن معلوم ہوا تو انہوں نے افسوس کے ساتھ انکار کیا ریل گاڑی آپ کے لئے سب سے محفوظ سواری ہے ایکبار نہ معلوم کیوں ریل گاڑی اسٹیشن سے کچھ دور رک گئی سب مسافر آنکھیں پھاڑ پھاڑ آپ کی طرف دیکھنے لگے ۔ دہلی میں چند آدمیوں کے ہمراہ نیل خاں ایک بالاخانے میں رہتے تھے کمرے کی ایک ہی چھوٹی سی کھڑکی تھی ۔ اچانک مکان کو آگ لگ گئی اور سب کھڑکی میں سے کود گئے ۔ آپ نے تقلید کی تو آدھا دھڑ باہر اور آدھا اندر کچھ لوگ آگے کو کھینچیں اور کچھ پیچھے کو دھکیلیں ۔ مگر خاں صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے ۔ خدا کا شکر کہ آگ جلد بجھ گئی ۔ آپ کو کھڑکی سمیت دیوار میں سے نکالا اور اس شکنجہ چوب کو توڑ کر رہائی دی آپ اکثر فخریہ کہتے ہیں کہ میں نے سب کچھ توڑا ہے ۔ مگر شریعت کے دس احکام نہیں توڑے ۔

اگر خاں صاحب برا نہ مانیں تو ہم آپ کو علیگڈھ نمائش کے لئے دعوت دیتے ہیں :-

(ماخوذ) (جلال الدین بی اے (علیگ)

نہ معلوم تم کہاں ہو

میری نگاہیں تم کو پردۂ شب میں تلاش کرتی ہیں ۔ جذبات کی کشش نے نقاب صبح اٹھتا ہے چاروں طرف نورانی روشنی پھیل جاتی ہے آئینۂ شفق میں مجھے تمہارے رخساروں کا پرتو منعکس نظر آتا ہے ۔ میں خیال کرتی ہوں کہ تم آتے ہو ۔ مگر تھوڑی دیر بعد میرا یہ خیال شک میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔ جبکہ میں دیکھتی ہوں کہ آفتاب کی درخشاں کرنیں جلوہ ریز ہیں لیکن نہ معلوم تم کہاں ہو؟

رات کے وقت چھوٹے چھوٹے ستارے فرش آسمان پر چلکتے ہیں میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے فروکش ہونے کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے ۔ کہکشاں روش سیمیں کی طرح بچھی ہوئی ہے میں سمجھتی ہوں کہ تم اس راستے آؤ گے ۔ یکایک میری بیچین نگاہیں مشرق کی سمت متوجہ ہو جاتی ہیں اور ایک بقعہ نور محیط نظر ہو جاتا ہے ۔ میں سوچتی ہوں کہ تم آرہے ہو لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند نکل رہا ہے ۔ .... نہ معلوم تم کہاں ہو؟

خزاں کا دور دورہ ختم ہوتے ہی موسم بہار کا عمل شروع ہوتا ہے۔ زمین پر سبز مخملی فرش بچھا ہوا ہے عروسانِ چمن اپنی دھانی پوشاکوں میں ملبوس ہیں۔ بادِ نسیم عطر پاشی کرتی ہے۔ کلیاں مسکراتی ہیں بلبلیں رقص کرتی ہیں۔ پرندے خوشی میں نغمہ زن ہوتے ہیں۔ پھول اس عالم کو دیکھ کر کھلے جاتے ہیں مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ تم آتے ہو۔ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک تمہارا انتظار کرتی ہوں۔ لیکن آہ! تم نہیں آتے .... نہ معلوم تم کہاں ہو۔

ساون کا مہینہ آتا ہے۔ پانی برستا ہے۔ کبھی موسلا دھار ہے۔ کبھی ہلکی ہلکی پھوار ہے۔ سکھیاں جھولے ڈالے جھول رہی ہیں۔ میں ان کی صورت تکتی ہوں اور خاموش ہو جاتی ہوں۔ جب وہ گاتی ہیں تو میں آہیں بھرتی ہوں۔ ہم سنوں کا ایک ہجوم ہلکی رنگین پوشاکیں زیب تن کئے مصروف گلگشت ہے۔ کچھ ہیں کہ کشتیوں میں بیٹھی ہوئی سیر دریا میں محو ہیں ان کے پیتم ان کے ہمراہ ہیں میں تمہارے تصور میں ڈوبی جاتی ہوں۔ تمہاری یاد میں مستغرق ہوں اور اپنی تنہائی کا احساس کر کے بیتاب ہو جاتی ہوں .... نہ معلوم تم کہاں ہو۔

گرمی کا موسم شروع ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے۔ چشمے شفاف پانی کے رواں ہیں۔ مچھلیاں پانی میں تیر رہی ہیں۔ جھیل کا پانی موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ چاندنی رات ہے کچھ نازنین خوش فعلیاں کر رہی ہیں پانی کو بار بار اچھالتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ردائے سیمیں پر موتیوں کا نچھاور ہو رہا ہے ان کے محبوب ان کے ساتھ ہیں وہ بے محابا خندہ زن ہیں۔ میں ان کو دیکھتی ہوں تو میری آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں .... نہ معلوم تم کہاں ہو۔

میں لبِ ساحل کھڑی ہوں۔ تلاشِ معاش میں بحری پرندے ہوا میں معلق ہیں۔ سامنے دور تک سفید بالو ہی بالو نظر آتا ہے۔ آفتاب کی ابتدائی کرنوں سے ذرات ماہتاب بنکر چمک رہے ہیں نسیم سحری چل رہی ہے۔ اس کی خفیف جنبش طبیعت میں جولانی پیدا کرتی ہے ہلکی خنکی دل میں گداز پیدا کرتی ہے سمندر میں خفیف تموج ہے جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔ مسافر چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھکر کنارے پر اترتے ہیں ان کے ملنے والے ان سے بغلگیر ہوتے ہیں۔ ان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ میری متجسس نگاہیں تمہاری تلاش میں تھک جاتی ہیں... نہ معلوم تم کہاں ہو

(صدیق حسن اسرائیلی)

جون رسکن

جون رسکن فروری ۱۸۱۹ء میں بہ مقام لندن پیدا ہوا - اس کا باپ جو اسکاٹلینڈ کا ایک بادہ فروش تھا - ادبی اور علمی مذاق رکھتا تھا - رسکن کو ایک مقامی اسکول کا معلم خانگی طور پر پڑھایا کرتا تھا وہ ہمیشہ سفر میں والدین کے ساتھ رہا تجربے اور مشاہدے کا عادی ہو گیا - ابھی اس کی عمر سولہ سال کی تھی کہ اس نے ایک صناع جے - ایم - ڈبلیو ٹرنر کی تعریف میں ایک مضمون لکھا -

رسکن نے اپنا بچپن اپنی ماں کے زیر سایہ بسر کیا تھا - وہ اسے گھر سے بہت کم نکلنے دیتی تھی تالاب یا جنگل کی طرف کیا مجال کہ جا سکے - ایک گاڑی ایک گیند اور چند اینٹیں اس کے کھلونے تھے - نتیجہ یہ ہوا کہ مربع کی شکل کھینچنا - قالینوں کے رنگوں کا موازنہ کرنا اور پیش نظر مکان کی اینٹوں کو گننا رسکن کے خوشگوار مشاغل بن گئے - اسی طرح باغ میں اس کا وقت پودوں کے نشو و نما کے غور میں صرف ہوا کرتا تھا - اس کی آخری تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا دماغ غور کن اور دقیقہ شناس تھا اور اس قسم کی تعلیم و تربیت کا مرہون منت -

رسکن کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی دوسری خصوصیت جس سے اس کی تصنیفات کا ہر صفحہ اثر گیر معلوم ہوتا ہے - بائبل کی روزانہ تلاوت تھی - ہر روز صبح کو ناشتہ کے بعد بائبل کے دو تین باب ماں بیٹا مل کر پڑھا کرتے تھے - اس طرح اسکو بائبل کا علم ہو گیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات کی تائید میں بائبل سے ہمیشہ مدد لیتا رہا -

شام کے وقت رسکن کا باپ اس کی ماں کو کتابیں پڑھ کر سنایا کرتا تھا - رفتہ رفتہ رسکن کو مطالعہ کا شوق ہو گیا اس نے سکاٹ کے ناول - شکسپیر کے ڈرامے پوپ کا ہومر پڑھے - یہ سکاٹ اور ہومر ہی کی کتابوں کے مطالعہ کا اثر تھا کہ رسکن نے بادشاہوں سے محبت کرنا سیکھا اور یہ بھی سیکھا کہ حقیقی بادشاہوں کو عوام الناس سے زیادہ کام کرنا چاہیئے اور کم صلہ لینا چاہیئے -

رسکن نے اپنے والدین کے ساتھ فرانس - اٹلی - اور سوئٹزرلینڈ کا سفر کیا - ۱۸۳۳ء کے سفر کو (جو اس کا پہلا سفر تھا) وہ اپنی زندگی کا وہ نقطہ سمجھتا ہے جہاں سے اس کی زندگی نے ایک نیا رخ اختیار کیا - اسوقت رسکن کی عمر صرف چودہ سال کی تھی - چند دن کے بعد اس خانگی تعلیم کے علاوہ مختلف ادیب علما اس کو لاطینی - یونانی - اور علم ریاضی کی تعلیم دینے لگے اور وہ کیمبرول کے اسکول میں بھی داخل ہو گیا -

رسکن کے خانگی مشاغل سے اس کی دلچسپیوں کا حال معلوم ہوتا ہے - نقاشی اور مصوری سے

اسے بڑی دلچسپی تھی۔

۱۸۳۶ء میں رسکن اوکسفورڈ گیا اور وہاں کے کلیسا میں رہنے لگا۔ ۱۸۴۰ء ہی میں اس کو ڈگری مل جاتی لیکن امتحان کے کچھ دنوں قبل کچھ تو زیادتی محنت اور کچھ اڈیلی ڈومیک کی محبت میں ناکامی نے اسے بیمار کر دیا۔ صحت بگڑ گئی اور وہ اعزازی ڈگری حاصل نہ کر سکا۔ موسم خزاں میں ڈاکٹر نے اس کو تبدیلی آب و ہوا کی اصلاح دی اور رسکن نے فلارنس۔ روم۔ اور وینس کی سیر کی اس کا اس زمانہ کا روزنامچہ شاہد ہے کہ وہ اندنوں بہت ملول محزون اور مایوس تھا۔ آخر پہاڑ و نکے نظاروں سے اس کی روح کو اطمینان حاصل ہوا اور اس نے لکھا کہ "میری زندگی پھر دوبارہ شروع ہوئی اور بہترین شکل میں شروع ہوئی"۔ جون ۱۸۴۱ء میں وہ واپس آیا اور اوکسفورڈ سے ۱۸۴۲ء میں اسے ڈگری مل گئی۔ انہی ایام میں اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں "تعمیر کے سات چراغ" "وینس کے پتھر" "مصوران حال" بہت مشہور ہیں۔

۱۸۴۸ء میں رسکن کی شادی مس یوفیمیا گرے سے ہوئی لیکن ۱۸۵۴ء میں یہ رشتہ منقطع ہو گیا۔ اب رسکن نے نقاد صنعت کی حیثیت سے اپنی علمی زندگی شروع کی اور ساتھ ہی اس نے اصلاح تمدن میں حصہ لینا شروع کیا۔ جس کے باعث کچھ لوگ تو اس کے مداح ہوئے اور اکثر لوگ اس سے متنفر ہو گئے۔ وینس کی تواریخ و تعمیرات کے مطالعہ کے دوران میں وینس کی ترقیول اور اس کے باشندوں کی انجمنوں اور ان کے اخلاق کے باریک تعلق پر نظر ڈالتے ہوئے اس کو مزدوروں کی حالت کے مطالعہ کی سوجھی اور اس کو یہ جاننے کی تلاش ہوئی کہ زمانہ جدید صنعت و حرفت کے میدان میں زمانہ قدیم سے پیچھے کیوں ہے مدرسہ مزدوران میں وہ نقاشی کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ جہاں ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۸ء تک اس نے مزدوروں کی حالت کا عینی مشاہدہ کیا ان کی "مشکلات و ممکنات" سے اس کو آگاہی ہو گئی ۱۸۵۷ء میں بمقام مانچسٹر اس نے صنعت کے سیاسی اقتصاد پر تقریر کی اور اس بات پر زور دیا کہ حکومت کو اس کا ذمہ دار ہونا چاہئیے کہ ہر شخص کو وہی کام ملے جس کا وہ سب سے زیادہ لائق و سزاوار ہے۔ ماہرین تجارت کے آرام کا سامان کرے اور کارخانوں کے قیام میں اس کا خیال رہے کہ وہاں نفیس ترین سامان استعمال کئے جائیں اور مال ارزاں تیار ہو اور یہ بھی مدنظر رہے کہ مزدور بھی کافی فائدہ اٹھا سکیں۔ الغرض اب اس کی توجہ حالات تجارت کی طرف بہت زیادہ مبذول ہو گئی۔ رسکن اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ زندگی سے بڑھکر کوئی دولت نہیں جس ملک میں سب سے زیادہ تعداد میں شریف و خوشحال انسان بستے ہیں وہ ملک سب سے زیادہ دولتمند ہے

وہ اپنی اس قسم کی تحریروں کو بہت مفید سمجھتا تھا۔لیکن عام طور پر لوگوں نے اس کے خیالات کی مخالفت کی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ مخالفت عوام کی بنا پر مدیر اخبار نے اس کی چوتھی تحریر کو چھاپنے سے انکار کردیا۔نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس کے دماغ میں منصوبوں کا ایک تلاطم واقع ہوگیا۔اور قدرتی طور پر اس کے تحریری مشاغل بہت کم ہوگئے۔

۱۸۶۴ء میں اس کے باپ نے وفات پائی۔اسی سال بمقام مانچسٹر اس نے "بادشاہوں کے خزانے" اور "رانیوں کے باغ" پر تقریریں کی۔اس کی ۱۸۶۶ء کی تصنیفات یہ ہیں:"قوانین فلسفہ خاک"، "خود روزیتون کا تاج"، "وقت اور مد وجزر"۔ ۱۸۶۹ء میں اس نے "زندگی کا بھید اور اس کی صنعت" پر تقریر کی۔اندنوں گرچہ تمدنی واقتصادی مضامین میں اس کا وقت زیادہ صرف ہوتا تھا لیکن ادبی اور سائنٹیفک مضامین بھی اکثر لکھتا رہا۔۱۸۷۰ء میں وہ اوکسفورڈ کالج میں ادب کا پروفیسر ہوگیا۔یہاں بھی اس زندگی ادبی اور علمی مشاغل کے لئے وقف رہی۔کالج میں بھی اس کو ملک کی زراعت کی بہبودی کا برابر خیال رہا۔اسی بنا پر وہ مزدوروں کیلئے ایک رسالہ نکالتا تھا جسمیں زراعتی مضامین ہوتے تھے اور اس طرح اس نے اپنے ملک کی زراعت کو بہت ترقی دی۔

۱۸۷۵ء میں اس کی اہلیہ روز کا انتقال ہوگیا۔رسکن کو اس سے بڑی محبت تھی۔اور اس لئے اس کے مرنے کا رسکن کو بیحد صدمہ ہوا۔لیکن سوائے اپنے خاص احباب کے اس نے اپنے غم کا اظہار اور کسی پر ہونے دیا۔

آخر کار وہ گھڑی آگئی جب رسکن کو اپنی مسلسل محنت کا خمیازہ اٹھانا پڑا۔۱۸۷۸ء میں رسکن ایک دماغی مرض میں مبتلا ہوا۔اور چند ہی سال کے اندر اندر اس کے مشاغل علمی کا خاتمہ ہوگیا۔با ایںہمہ اس نے اب بھی بہت بڑا کام کیا۔مصوری۔تعمیرات۔ادب۔سائنس۔معیشت و مذہب پر اس نے کئی کتابیں لکھیں۔۱۸۷۹ء میں وہ پروفیسری سے کنارہ کش ہوگیا۔لیکن ۱۸۸۳ء میں وہ پھر اپنی جگہ پر بحال ہوگیا۔اب ایسے فرائض کی انجام دہی اس کے لئے بہت دشوار ہوگئی تھی۔اس لئے ۱۸۸۵ء سے ۱۸۸۹ء تک کا زمانہ جو اس کے لئے "دماغی طوفان" کا زمانہ تھا۔اس نے اپنی زندگی اور اپنے والدین اور دوستوں کی زندگی کی تصویر کھینچنے میں صرف کیا۔رسکن کی اس تصنیف سے اس کی اصلی شخصیت کا بہت زیادہ حال معلوم ہوتا ہے۔

زندگی کا آخری سال رسکن نے خاموشی میں بسر کیا۔بولنا چھوڑ دیا۔ضعیفی میں بھی اس کو وہی

چیزیں خوش کرتی تھیں۔ جو عالم طفولیت میں اس کی مسرت کا باعث تھیں۔ یعنی ٹرنر کی تصویریں اور پہاڑیوں کا دلکش نظارہ۔

۲۰ جنوری ۱۹۰۰ء کو ٹھیک غروب آفتاب کے بعد رسکن کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

(رضی احمد مولانگری)

کلامِ یاس

نتیجہ کچھ بھی ہو لیکن ہم اپنا کام کرتے ہیں
سویرے ہی سے دور اندیش فکر شام کرتے ہیں

چلیں کیوں دور کرنا دان خم ایسی ٹھوکریں کھا کر
بلند و پست عالم کو عبث بدنام کرتے ہیں

بجھائے کون اب دل کی لگی شوق شہادت میں
ہم اپنے ہاتھ سے لبریز اپنا جام کرتے ہیں

یہ کس کے سر رہیگا خون ناحق بے گناہوں کا
وفاداروں کی ضد سے آپ قتل عام کرتے ہیں

تمہارا واسطے کعبہ تو کیا ہے دل بھی حاضر ہے
مسلماں بھی کہیں پروائے ننگ و نام کرتے ہیں

جہنم میں بھی جلنے کیلئے حاضر ہیں پروانے
کہیں اہل ہوس اندیشۂ انجام کرتے ہیں

ہزاروں مر کے زندہ ہو چلے کوئے تمنا میں
ہم ایسے سخت جاں اس خاک کو بدنام کرتے ہیں

دل ویراں نہیں اک محشرستان تخیل ہے
اسی زنداں میں ہم سیر ہجوم عام کرتے ہیں

مبارک ہو مصور کو تری تصویر کا سودا
کہیں اہل نظر ایسے خیال خام کرتے ہیں

نہیں دیکھا ہے لیکن غائبانہ لاگ ہے دل کو
جبھی تو لوگ تیرا ذکر صبح و شام کرتے ہیں

دل وحشی بغیر ان کے نہ بہلا ہے نہ بہلیگا
یہ کس دیوانے کی خدمت وہ میرے نام کرتے ہیں

نگاہوں سے گرایا یاس کو کمبخت اسی دل نے
اسی دل کی بدولت لوگ کیا کیا کام کرتے ہیں

(ابو المعانی مرزا یاس)

تاج محل آگرہ

تاج کو تمام جہان جانتا ہے درحقیقت یہ عمارت تمام عمارتوں کی سرتاج ہے۔ یوں تو اور بھی بہت سے عجائبات اور اعلےٰ سے اعلےٰ عمارات دنیا میں موجود ہیں مگر تاج کے سامنے سب ٹھیک پیاں ہیں

ایک روسی لیڈی لکھتی ہے کہ اگر میری قبر اس کے اندر بنائی جانے کی منظوری مجھے دی جائے تو میں ابھی اپنا گلا کاٹ کر مرنے کو تیار ہوں۔ ایک امریکن سیاح نے لکھا ہے کہ یہ انسانی ہاتھ سے نہیں بنایا گیا بلکہ فرشتوں نے اسے آسمان سے لا کر زمین پر رکھ دیا ہے۔

ایک یوروپین سیاح لکھتا ہے۔ کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کی ساخت کی۔ اس کی اندرونی و بیرونی پچیکاری کی اور اس کے گنبد اور میناروں کی مناسبت کی۔ اس کی صناعی۔ اس کی کاریگری کس کس چیز کی تعریف کروں۔ کچھ توصیف ہو نہیں سکتی۔

سر ڈبلو کین ممبر پارلیمنٹ انگلستان اپنے سفرنامہ موسومہ پکچرسک انڈیا میں ایک آٹھ صفحہ کی نظم انگریزی میں۔ اس کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

"ذیل کے اقتباس سے اس عالی شان عمارت کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل عرف تاج بی بی اہلیہ شاہ جہاں بادشاہ غازی۔ بنت نواب آصف خاں وزیر راچوں وقت نزع در رسید۔ شہنشاہ را نزد خود خوانده در عین عالم گریہ وزاری فرمود کہ شاہا در ایام مجبوسی وغیرہ تا ایں دم ہمدرد شما ماندم۔ الحال کہ ایزد تعالیٰ پادشاہی نصیب شما کردہ فرمانروائی جہاں بخشید۔ ما بحسرت انتقال مے کنیم۔ بنا براں دو وصیت ماست۔ امید کہ ہر دو قبول شود۔ خدیو جہاں اقبال نمودہ استفسار کردند بیگم صاحب فرمودند کہ حق تعالیٰ شمارا چہار پسر و چہار دختر عطا کردہ حاجت نکاح دیگر نیست دوم دیگر آں کہ بہر تن من چناں مقبرہ بسازید۔ کہ از من یادگارے بماند۔

اعلیٰحضرت ہر دو وصیت را بدل و جاں قبول فرمودند۔ وہماں وقت بیگم صاحب از دار فنا بدار البقا رخت اقامت بربستند و با حوران جنت الفردوس در پیوستند۔ تاریخ بیگم صاحب ؎

زیں جہاں رفت چو ممتاز محل   در جنت بر خش حور کشاد
بہر تاریخ ملائک گفتند   جائے ممتاز محل جنت باد

یہ واقعہ شہر برہانپور کا ہے۔ چنانچہ نعش ایک صندوق میں بہ طور امانت باغ برہانپور زین آباد میں رکھی گئی۔ بعد ازاں آگرہ میں لا کر اس جگہ بطور امانت دفن کی گئی۔ جو باغ تاج میں داخل ہونے پر روضہ کے متصل بائیں جانب ایک احاطہ بنا دیا گیا ہے۔ اور ایک دروازہ محرابی داخلہ کے لئے مگر اندر سوائے ہری گھاس کے اور کچھ نہیں غرضکہ آگرہ آ کر اور دریائے جمنا کے کنارے مناسب جگہ تجویز کر کے باغ اور روضہ کی بنا ڈالی۔ ہر ایک استاد زمانہ نقشہ نویس طرح طرح کے نقشہ بنا کر پیش کرتے تھے۔ مگر شاہجہاں بادشاہ کی پسند خاطر نہ ہوتے آخر ایک نقشہ پسند شاہ ہوا۔ اس کے بموجب نہایت خوبصورت ایک چوبی روضہ بنایا گیا اور اس میں تبدیلی

روضہ کے بموجب مختلف اور عجیب غریب پتھروں سے کہ بہت سے فی زمانہ نایاب ہیں۔ وہ روضہ بےمثل لاثانی بنا۔ جو بقول غلام امام شہید مصنف بہار بےخزاں۔ دیدہ کی آنکھوں نے نہ آج تک دیکھا۔ اور نہ شنیدہ کے کانوں نے آج تک سنا۔

تفصیل سنگہائے عجیب و غریب کہ در روضہ منورہ صرف شدہ سنگ مرمر۔ سنگ غوری۔ سنگ موسی سنگ یشب۔ سنگ سرخ۔ سنگ خاذ زہر۔ سنگ ابری۔ سنگ خارا۔ سنگ عجوبہ۔ سنگ بلور۔ سنگ کھٹو سنگ لاجورد۔ سنگ سلیمانی۔ سنگ لسنیہ۔ سنگ بالسی۔ سنگ گلابی۔ سنگ یمنی۔ سنگ یاقوت۔ سنگ زمرد سنگ ہیرا۔ سنگ نیلم۔ سنگ ماق۔ سنگ فیروزہ۔ سنگ گوالیار۔ سنگ چمک۔ سنگ مقناطیس۔ سنگ تانبڑہ۔ سنگ تیونیہ۔ سنگ مرمر کشمیری۔ سنگ عیسے۔

یہ پتھر تو وہ ہیں جو عمارت میں کرسی سے چوٹی تک کام میں آئے ہیں۔ زیادہ تر سنگ مرمر۔ جو جے پور کے علاقہ سے برابر آتا رہا۔ اب ہم ناظرین کو وہ پتھر بتاتے ہیں جو اس وقت تقریباً نایاب اگر نہیں تو کمیاب ہونے میں تو شک نہیں۔ جو روضہ کی پچیکاری کے کام میں صرف ہوئے ہیں۔ گویا زیور پر جڑاؤ کام کیا ہے:۔

عقیق از شہر بغداد آمدہ۔ یمنی از شہر یمن آمدہ۔ فیروزہ از تبت کلاں آمدہ۔ لاجورد از لنکا آمدہ سنگ عجوبہ از سورت آمدہ۔ سنگ موسے ازجبل پور آمدہ۔ سنگ کھٹو از جیسلمیر آمدہ۔ سنگ رخام از مکرانہ۔ سنگ سرخ از سیندجار۔ مونگہ از دریائے شور۔ سلیمانی از دکن۔ غوری از کھمباچ۔ لسنیہ از دریائے نیل۔ تانبڑہ از دریائے گنگ۔ سنگ نخود از سلیگڈھ۔ سنگ خاذ زہر از کوہ کمایوں۔ طلائی نہ معلوم از کجا آمدہ۔

لکھا ہے کہ بیس ہزار آدمی جو کہ آج کل ایک تحصیل کی آبادی ہے۔ اسپر روزانہ کام کرتے تھی اور سب ماہوار تنخواہ پاتے رہے۔ اس کے لئے شاہجہاں بادشاہ کا تاکیدی حکم تھا کہ تنخواہ سب کو ماہوار ملا کرے۔ اسوقت کے لحاظ سے روپیہ کی بہت قدر تھی۔ مگر جنس ارزاں تھی۔ سترہ برس تک ماہوار تنخواہ بیس ہزار آدمی کی۔ کارے دارد۔ چنانچہ خاص خاص میر عمارت اور افسر اعلےٰ جن کے اہتمام سے روضہ تیار ہوا۔ ان کے نام مع تنخواہ ماہوار درج ذیل ہیں:۔

(۱) استاد عیسے نادر العصر نقشہ نویس۔ ایکہزار ماہوار۔ (۲) امانت خاں طغریٰ نویس ساکن شیراز۔ ایکہزار ماہوار
(۳) محمد حنیف کار فرمائے معماران ساکن اکبرآباد۔ " (۴) محمد شریف .... پانچسو ماہوار
(۵) اسمٰعیل خاں گنبد ساز۔ پانچسو ماہوار۔ (۶) محمد خاں خوشنویس ساکن بغداد ...... ایکہزار ماہوار

(۷) موہن لال پچیکار ...... پانچسو ماہوار　(۸) منوہر سنگھ پچیکار .... پانچسو ماہوار
(۹) منوں لال 〃　تین سو اسی　(۱۰) کاظم خاں کلس ساز .... دوسو ماہوار

باقی ڈیڑھ سو دو سو اسی - ساٹھ - پچاس - غرضکہ ادنے مزدور چار روپے سے کم کا نہ تھا - جو اسوقت کے چالیس سے کم نہیں - اسی کتاب سے ایک نقشہ روضہ متحدہ اور اس کے ملحقہ عمارات کے اخراجات مجموعی کا ہدیہ ناظرین کرتے ہیں - اس لاگت میں واضح ہو کہ پتھر کی قیمت شامل نہیں اور نہ بار برداری کا خرچہ صرف راج و مزدوروں کی مزدوری اور تنخواہ شامل ہے -

حساب صرف روضہ منورہ بمعرفت خزانچی اودھر داس از دفتر خانہ روضہ دادہ نوشتہ شد -

خاص عمارت روضہ منورہ - ستانوے لاکھ پچپن ہزار تین سو چھبیس پونے پانچ آنے -

مسجد معہ حوض در صحن مسجد - آٹھ لاکھ پچیس ہزار آٹھ سو اکیس سات آنے -

ہر چہار مینار روضہ منورہ - اکیاون لاکھ ستر ہزار چھ سو چھہتر روپیہ -

تعویذ حضرت شاہجہاں بادشاہ - انیس ہزار نو سو چورانوے روپیہ -

تعویذ ممتاز محل ارجمند بانو بیگم پینتالیس ہزار چھ سو بائیس روپیہ -

تعویذ بالا 〃　چھپن ہزار ایک سو باون روپیہ -

تعویذ بالا بادشاہ غازی - اکیس ہزار چار سو بیاسی -

یک جفت کواڑ سنگ یشب معہ جواہرات پچیکاری برائے دروازہ مجرہ جالی - ویک جفت نقرہ وطلائی برائے تہ خانہ ہردو - چون ہزار چھ سو چھیاسی روپیہ چودہ آنہ -

جالی سنگ مرمر معہ پچیکاری گرد تعویذہا - اڑسٹھ ہزار آٹھ سو پچپن روپیہ -

کواڑہائے برنجیں برائے مینارہائے روضہ در ہر یک مینار سہ سہ جفت جملہ دوازدہ ویک جفت در زینہ - پچیس ہزار تین سو سینتیس روپیہ -

تسبیح خانہ معہ حوض در صحن آٹھ لاکھ چون ہزار چھ سو پچیس روپیہ چھ آنہ -

دروازہ کلاں کز در باغ داخل میشوند - اٹھائیس ہزار ایک سو بتیس روپیہ

اس کے علاوہ دو طرفہ برج جو برائے نشست متصل مسجد و تسبیح خانہ برلب دریا واقع ہیں - نیز مکانات جو مسجد سے مسلسل دروازہ کلاں تک کے چلے گئے ہیں - اور دروازہ کلاں سے نہر فوارہا و حوض تا روضہ یہ علاوہ ہیں - خود روضہ میں بتیس جوڑیاں سنگ مرمر کی پوری ایک ٹکڑے کی معہ پچیکاری کے لگی تھیں - جو سورج مل جاٹ راجہ بھرتپور سنہ ۱۷۶۱ء میں لے گیا - یہ وہی

زمانہ ناگفتہ بہ ہے۔ یعنی سنہ ۱۷۶۰ء سے سنہ ۱۸۰۲ء تک کا جس میں شاہ عالم ثانی اندھا کیا گیا ہے اور دہلی مرہٹوں اور جاٹوں کی لوٹ کے لئے شکارگاہ ہو رہی ہے۔ (دیکھو شباب اردو نومبر سنہ ۱۹۲۲ء) غرضکہ روضہ مع حوض و باغ و دیوار و بازار بیرون باغ ہر طرح سے مکمل ہو گیا۔ میر عمارت نے عرضی گذرانی۔ خود بدولت ملاحظہ کے لئے تشریف لائے۔ روضہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اشکوں کا نذرانہ بیگم مرحومہ کی روح کو پیش کیا۔ اور بعد میں چند برجستہ شعر دل پر ایک خاص اثر ہونے اور روضہ کی عمدگی کے باعث بےساختہ کہے۔ جو ہدیۂ ناظرین ہیں اور دراصل کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق۔ ؎

زہے مرقدِ پاکِ بلقیسِ عہد　　کہ بانوئے آفاق را گشتہ مہد
منور مقامے چو باغِ بہشت　　معطر چو فردوس عنبر سرشت
بہ جنبش زفانِ معنبر بخور　　بجاروب مژگاں درش رفتہ حور
ہوا پر نگار است دیوار و در　　ہوا تازہ و تر ز آبِ گہر
بریں بقعۂ پاک والا مقام　　ترشح کناں ابرِ رحمت مدام
اجابت کند از پئے ہم قبول　　قبول است اینجا عبادت قبول
سراسر مقیمانِ ایں آستاں　　بمہماں نوازی مثل در جہاں
ہوائے گرت ہست از سر بیا　　کہ بے فیض نگذشت زیں در صبا
شگفتہ گلِ مغفرت باغ باغ　　ز بوئے گلش بوستاں تر دماغ
نخندد گل اینجا اگر در نقاب　　نبارد مگر ابرِ رحمت سحاب
اگر مجرم آرد بر ایں در پناہ　　شود ہمچو مغفور پاک از گناہ
تبسم بود غنچہ اش را ہوس　　نسیمش نخیزد بہ تحریکِ خس
ہوائش ز عفت حجاب آفریں　　نسیمش ز غنچہ است خلوت گزیں
نگیرد کسے ہر کس آنجا پناہ　　برایں روضہ وقف است عفو الٰہ
اگر عاصی آرد بریں روضہ رو　　کند نامۂ خویش را شست و شو
دریں بارگاہِ فلک احتجاب　　زردوزیسہ داراں یکے آفتاب
فلک رزق خود از درش چشم داشت　　کہ مہ شام میگیرد و مہر چاشت
خداوند روزی رسانِ حیات　　بریں در کند چشم ہمچو برات

بقائش ازیں سایۂ سر نداشت — قضا صورتِ ایں بنا را نگاشت
نمود ایں عمارت بنا روزگار — کہ ظاہر شود قدرتِ کردگار
اساسش بود چوں زمیں پائدار — چوں ایمانِ صاحبدلاں استوار
چو در محکمیہاش پرداختند — برائے بقا مائنے ساختند
چو دستِ بقا ایں بنا رنگ ریخت — خرابی ز وحشت بہ صحرا گریخت

شاہجہاں بادشاہ غازی کے اپنے متذکرہ بالا اشعار اس مضمون کی علت غائی تھے - اور نیز روضہ کے بنانے والوں کے نام اور پتھر کے اقسام کے نام ورنہ کس کا مقدور ہے کہ روضہ کی تعریف مکمل و مشرح کر سکے جبکہ بڑے بڑے سیاح جہاں اس کی تعریف میں قاصر ہیں۔ مضمون ختم کرنے سے قبل ایک نکتہ اور بیان کر دوں وہ یہ کہ وصیت کو تو شاہ جہاں مرحوم نے یوں پورا کیا - دوسری وصیت کو بھی اسی طرح پورا کیا - یعنی بعد بیگم کے دوسری شادی نہ کی - مگر بیگم کو تقدیر کی کیا خبر کہ تیرا ہی فرزند اورنگ زیب ایسا ہو گا کہ جو سگے بھائیوں کو اور بھتیجوں کو قتل کریگا اور خود شاہجہاں بادشاہ کو بھی ۸ سال قید رکھے گا - حتی کہ قید میں باپ مرے گا - ناظرین اگر آپ تاج دیکھنے گئے ہوں گے تو دیکھا ہو گا - کہ دریا کے دوسری طرف بالکل روضہ کے مقابل تک کرسی قائم ہے - جس کو دریا بھی توڑ نہیں سکا کیونکہ وہ بھی بہت مستحکم تھی - وہ روضہ سنگ موسی کا بادشاہ نے اپنے لئے بنوایا تھا - یعنی اُدھر سیاہ اِدھر سفید اور دونوں کے درمیان جمنا پر ایک سنگین پل بنتا مگر اس روضہ کی تکمیل کے بعد اورنگ زیب کی خانہ جنگی کے باعث خود ہی نظر بند ہو گئے اور روضہ کی تکمیل کر رہ گئی - چنانچہ مرنے کے وقت وصیت کی کہ میرا روضہ جس کی مینے بنا ڈالی ہے پورا کیا جائے مگر اورنگ زیب مقبرہ کیا بنواتا - یہ کہکر کہ چونکہ میرے باپ کو میری ماں سے بیحد محبت تھی - میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد وہ ایک دوسرے سے دور رہیں - اس لئے تاج محل میں بیگم کے پہلو میں بادشاہ کی قبر بنوادی - یہی وجہ ہے کہ روضہ کے دروازۂ کلاں سے جو باغ کے داخلہ کا دروازہ ہے - بالکل بیچوں بیچ بیگم کی قبر ایک سیدھ میں ہے اور بادشاہ کے بائیں جانب - کیونکہ شاہ جہاں نے یہ مقبرہ بیگم کے لئے مخصوص کیا تھا - اسی لئے بیگم کی قبر ٹھیک درمیان میں پڑتی ہے -

اگر بادشاہ کو بھی اپنی قبر اس میں بنوانی ہوتی تو بیگم مرحومہ کی قبر بیچوں بیچ نہ ہوتی - اُس وقت کا تاج محل کیا اور کیسا ہو گا - جبکہ تمام دروازے سنگ مرمر اور سنگ یشب اور طلائی اور نقرئی کواڑوں سے

مزین اور موتیوں کی بیش قیمت چادر بیگم کی قبر پر بطور قبر پوش کے رکھی ہوگی۔ یہہ موتیوں کی چادر فرخ سیر کے زمانے میں اُتر گئی۔ سالانہ عرس پر (قوالی نہیں) کئی ہزار حافظ قاری جمع ہوکر کئی ہزار قرآن ایک دن میں ختم کرتے تھے۔ اور بعدہٗ قسم قسم کے کھانے اور فواکہات صحن روضہ میں کھلائے جاتے تھے۔ اور بعدہ فقرا اور مساکین کو بہت کچھ نقد ملتا تھا۔ غرضکہ سالانہ ایک لاکھ کا صرفہ شاہ جہاں کے وقت میں تھا۔ اور جب بادشاہ دورے پر ہوں تو ستر ہزار کا اور زینت زیب نے اپنے زمانے میں شاہجہاں کے مرنے کے اول سال پہلا عرس تو البتہ ۵۳ ہزار میں کیا بعدہ معمولی رکھا۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ آج وہ معمولی بھی نہ رہا۔ مگر ہاں ہزارہا سیاح دور دراز ملکوں سے آتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو تحسین کے پھول تو مزار پر چڑھا جاتے ہیں۔ سچ ہے۔ ؎

چشم عبرت بیں کشا و حال شاہاں را نگر تا چساں از گردش گردون گردان شد خراب
پردہ داری میکند بر قصر کسریٰ عنکبوت بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

(سید انور علی - نقوی)

یہہ کون ہے

(۱) دیکھنا یہہ کون ہے۔ ضرور کوئی حسین دوشیزہ ہے۔ کیسے اٹھلاتی۔ لجاتی۔ مسکراتی۔ آرہی ہے اس کا معطر لباس دھانی ہے۔ یہہ آئی اور دماغ مہک گئے۔ جہاں قدم دھرتی ہے وہاں کا شانی مخمل کا فرش بچھ جاتا ہے۔ جہاں پاؤں رکھتی ہے وہاں پھول کھلجاتے ہیں۔ سر پر پھولوں کا سہرا ہے۔ اس کے سانس میں جادو ہے جس کی تاثیر سے برف کے پہاڑ پگھل گئے۔ پرندوں نے اسے دیکھا ہے۔ اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے وہ شاخوں پر بیٹھے ہوئے گیت گا رہے ہیں۔ اور آشیانوں کے لئے تنکے چن رہے ہیں۔ اس کی بدولت ان کے نشیمن آباد ہوگئے۔ سہیلیو سکھیو تم نے اس موہنی سوہنی کو دیکھا تھا۔ یہہ کون ہے؟

(۲) یہہ جنوب کی طرف سے کون آرہی ہے۔ لباس تو دیکھو ہلکے رنگ کا کسقدر باریک ہے اور سانس کسقدر گرم اور خشک ہے۔ وہ سایہ دار درختوں کے جھنڈ ستانے کے لئے ڈھونڈ رہی ہے اُسے صاف ستھرے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے درکار ہیں تاکہ غسل سے تکان دور ہو۔ مگر۔ تالاب۔ چشمے ندیاں۔ نالے۔ اس کی شکل سے بیزار ہیں۔ اس کے آتے ہی وہ خشک ہوگئیں۔ پیاس کی شدت سے

اس کے ہونٹ سوکھ رہے ہیں - اسے بیروں سے ذوق ہے اور پانی کی جگہ وہ پھل اور میوے لاتی ہے اور اس کا عرق پیتی ہے - اسے دیکھ کر بھوسہ فروش خوش ہوگئے - اور گلہ بانوں نے مقراض سنبھال لی - اب وہ بھیڑوں کی پشم کتر رہے ہیں - وہ آگئی ہے مجھے اجازت دو کہ میں سورج نکلنے سے پہلے شبنم کے موتی چننے باہر جاؤں اور غروب آفتاب کے بعد ہوا خوری کے لئے نکلوں

سہیلیو سکھیو بتاؤ یہ کون ہے ؟

(۳) ہائیں یہ کون ہے جو خراماں خراماں آرہا ہے - اس کے منہ سے عرق انگور کی بو آرہی ہے کنپٹیوں تک چھلکے جم رہے ہیں سر کے بال گر رہے ہیں - تمام بال چھن گئے - آدھے بھی نہیں رہے اس کا رنگ کبھی سیاہ ہوگا - اب تو سفیدی مائل ہے - وہ آیا ہے اور درختوں سے پھل جھاڑ رہا ہے سنو وہ چلا رہا ہے - ہاں شکاریوں کو بلاتا ہے - لو بندوقیں سر ہونے لگیں - غریب تیتر کانپ رہے ہیں - چکور تڑپ رہے ہیں - اس کا خون بوندلیوں کی طرح زمین پر گر رہا ہے - ہائے وہ شکاریوں کے قدموں پر گر کر پھڑکنے لگے - اور سرد ہوگئے -

سکھیو سہیلیو کہو تو سہی یہ کون ہے ؟

(۴) یہ شمال سے کون آیا اس کا لباس گرم ہے - یہ پوستین پہنے ہوئے ہے - یہ لحاف اور توشک رضائی اور مرزئی ڈھونڈ رہا ہے - گنجا تو نہیں ہے - مگر سر پر بال دکھائی نہیں دیتے - داڑھی ہے مگر اسمیں بال نہیں ہیں - اولے اور ژالے ہیں - تو یہ اسے آگ کی انگیٹھیاں کسقدر مرغوب ہیں برفانی نعلین پہن کر برف پر دوڑنا بہت پسند کرتا ہے - یہ سانس لیتا ہے تو برف پڑنے لگتی ہے - اس لئے پھول اس سے بہت ڈرتے ہیں - اور فوراً روپوش ہو جاتے ہیں - جس شئے کو ہاتھ لگاتا ہے وہ شل ہو جاتی ہے -

سکھیو سہیلیو بتاؤ تو سہی یہ کون ہے ؟

(زبیدہ بیگم)

آخرین تمنا

تیری ایک جنبش مژگاں اور سیکڑوں تیر میرے سینہ کے پار - تیری ایک حرکت ابرو اور میں قتل - اور اب چند لمحوں میں میری روح ایک حسین پھول کی خوشبو کی طرح جسم سے نکل کر عالم بالا

میں متحرک ہو جائے گی۔ "رخصت اے مرجع تمنا رخصت" آسمان پر روحیں میرا انتظار کر رہی ہیں کشتگان یاس بازو پھیلائے ہوئے ہیں فرشتے نرم آواز سے پکار رہے ہیں۔ "آ اے محبت کے پرستار آ"۔ حوریں بازو ہلا ہلا کر کہہ رہی ہیں۔ "آ اے قتیل یاس آ۔ اے وفا کے دیوتا آ" مگر میری آرزو ہے کہ "بعد فنا" میری روح ان کی بزم میں شامل نہ ہو۔ کیونکہ وہاں بھی مجھے تیری دوری کا خیال چین نہ لینے دے گا۔ کاش میری روح جسم سے جدا ہو کر کسی پوشیدہ مقام میں چلی جائے! مقدس روحیں میرے انتظار سے تھک کر اپنے بازو سمیٹ لیں! محبت کے دیوتا مایوس ہو کر اپنی اپنی آغوش سکیڑ لیں اور یقین کر لیں کہ میری مضطرب روح کے حصہ میں "بعد فنا" بھی طمانیت نہیں × × × × × × × ×

جب صبح کے وقت تو اپنے سیمیں بازو پھیلا کر کامنی کے پھول چنے تو میں "نکہت گل" بن کر کسی پھول میں نہاں ہو جاؤں تو جب وہ توڑے اس کی خوشبو شامہ نوازی کرے تو بے اختیار کہے۔ "اس پھول میں کتنی بھینی خوشبو ہے"

(۲) جب صبح کو تو تنگمٹ پر جاتے ہوئے ایک نگاہ تاسف سے میری قتل گاہ کو دیکھے تو میں ایک "رنگیں پھول" بن کر وہاں پڑا جاؤں تو دوڑ کر مجھے اٹھا لے اپنے دامن میں رکھ لے۔ اور پھر ایک کانٹے میں پرو کر "کاکل پیچاں" کی زمینت بنا لے!

(۳) جب تو چمپئی ساڑی پہن کر پھولوں کی ٹوکری ہاتھ میں لئے سہیلیوں کے جھرمٹ میں اشنان کو جائے تو میں "موج مضطر" بن کر کشتیوں سے اٹکھیلیاں کرتا ہوا کنارے پر آؤں تیرے پاؤں کو بوسہ دوں تو بے اختیار پاؤں کھینچ لے اس وقت میں طفلی کا "معصوم تبسم" بن کر تیرے گلابی لبوں پر کھیلوں۔

(۴) جب رات کو تو اپنی عنبریں زلفیں شانوں پر بکھیر کر کمرے سے باہر آئے اور "صحن چمن" میں چاندنی سے لطف اندوز ہو تو میں ہوا کا "شوخ جھونکا" بن کر تیرے گھنیرے اور دراز گیسو پیشانی پر منتشر کر دوں تو میری شرارت پر مسکرائے بال درست کرے اور میں غائب ہو جاؤں..... جب تو چہل قدمی سے تھک کر سبزہ پر لیٹ جائے تو میں دوبارہ ہوا کا "خوشگوار جھونکا" بن کر تیرے پاؤں دباؤں تو میری خدمت پر خوش ہو اور آنکھیں بند کر کے نیند کا انتظار کرنے لگے۔

جب کبھی تو میری یاد سے بے چین ہو کر تنہائی کے بالاخانہ پر جا کر ٹہلے تو میں "آہ سرد" بن کر تیرے ہونٹوں سے باہر آ جاؤں تو مجھے بھول جانے کی کوشش کرے مگر میں ایک "گرم آنسو" بن کر تیری

نرگسی آنکھوں سے شبنم کے قطرہ کی طرح۔ تیرے آنچل میں گر پڑوں۔

برسات کی ایک دلفریب شام کو جب تو ہارمونیم لیکر باغ میں جا بیٹھے ننھی ننھی بوندیاں آسمان سے ٹپکیں۔ صبا کے جھونکے تیری زلفوں کی بلائیں لیں تو اپنی مخملیں گداز انگلیاں ہارمونیم پر متحرک کرے تو میں ایک نغمۂ "دل نشیں" بن کر ہارمونیم کے پردوں سے اٹھ کر تیری سامعہ نوازی کروں تو اپنی شیریں موسیقی مجھ میں ضم کرے اور ہم دونوں مل کر یہ راگ الاپیں۔ محبت روح کی غذا ہے" محبت پر دنیا کا انحصار ہے"۔

(جہاں آرا بیگم عرف بلقیس خاتون از الہ آباد)

غزل

عدو بھی پرسش بیمار کو ہو کر حزیں آیا
نہ حال زار بسمل کا تمہیں لیکن یقیں آیا

تڑپ کر لوٹ کر شب کاٹ تو دی نیم بسمل نے
مگر سوز جگر سے چین اک پل بھی نہیں آیا

صفیر لیث ہوا فتنہ بپا محفل ہوئی بسمل
قیامت آگئی کوئی چڑھائے آستیں آیا

چلا اس دلستاں رفتار سے وہ سرو نورستہ
قدم لینے کو اس کے فتنۂ محشر وہیں آیا

حسینان جہاں مدہوش ہو ہو کر گرے نہاں
جھکائے چشم میگوں جب کبھی وہ حور عیں آیا

(سپہر آرا عرف رابعہ خاتون۔ پنہاں از الہ آباد)

شامتِ اعمال

تعلو غریب آدمی کا لڑکا تھا۔ یہ کابلی چنے ابال کر بیچا کرتا تھا۔ تمام دن گلیوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ لیلو سلونے مزیدار۔ چٹ پٹے چنے اس کا تکیہ کلام تھا۔ اگر چنے تمام نہ بکیں تو دوسرے دن بھی باسی چنے گرم کرکے نمک مرچ مصالحہ اور چٹنی کی مدد سے تازہ [illegible] کرکے [illegible] گذارہ کرتا تھا۔ اس کے گاڑھے کے کپڑوں سے سخت بدبو آتی تھی۔ رفتہ رفتہ اس نے کچھ روپے جمع کر کے اور انہیں سود پر چلایا ابتدا میں شہر کے قمار باز اسامی بنائے۔ صبح انہیں اس وعدے سے شام کو ایک کے جگہ دو لوں گا۔ قرض دیتا تھا۔ اور شام کو بڑی سختی سے قرضہ وصول کرلیتا تھا۔ بارہا مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی تھی مگر یہ بلا کی طرح گلے کا ہار ہو کر قضا کی طرح بیچھے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتا اور قرضہ وصول کئے بغیر نہ ٹلتا تھا۔ چند دن کے بعد اس نے جواریوں کو قرضہ دینا بند کردیا۔ اور شہر کے کنجڑے۔ قصاب تیلی

اور تھوانچہ فروش جال میں پھنسا لئے - اور خوب ہی ہاتھ رنگے - ان کے بعد رئیس زادے - اور محکمہ ریل کے یورشین گارڈ آنے جانے لگے اب اس کا یہ دستور ہو گیا کہ دس دیکر سو کا تمسک لکھانے لگا - ایسوں کی رسی دراز ہوتی ہے مالا مال ہو گیا - اور ساہوکاری چھوڑ کر ٹھیکیدار بن بیٹھا - پہلے لعلو تھا اب لعل دین ہو گیا -

اتفاق سے اسے ایک مختار مل گیا جو ایک ہی کایاں تھا - راہ چلتے کی آنکھ سے کاجل چراتا تھا - اور شرارت میں آتش کا پرکالہ تھا - اس نے اس کے کاروبار کو خوب ہی رونق دی شیخوپورہ کے قریب ایک جنگل تھا - جہاں کثرت سے شکاری آتے تھے - اس جنگل میں چرند اور پرند کثرت سے تھے - یہاں لعل دین نے ایک قطعہ اراضی کوڑیوں کے مول لیکر یورپی شکاریوں کے آرام کے لئے بنگلہ بنوایا - اور وہاں ایک خانساماں مقرر کیا جو مہمانوں کی حد سے زیادہ خاطر تواضع کرتا تھا - اس بنگلہ میں نفیس شراب موسمی پھل اور کھانے پینے کی چیزیں ہر وقت موجود رہا کرتی تھیں - بڑے بڑے عہدہ دار یہاں آکر ٹھہرتے تھے شکار کھیلتے تھے - اور لعل دین کے مشکور ہو کر واپس جاتے تھے - چند دن میں اس کی ڈپٹی کمشنر پھر کمشنر اور آخر کار لفٹننٹ گورنر تک رسائی ہو گئی اور لعل دین - میاں لعل دین میونسپل کمشنر ہو گئے اور دن رات آنریری مجسٹریٹی کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے جوئندہ یابندہ آخر ان کی مراد بر آئی ڈپٹی کمشنر اور کمشنر کی مہربانی سے شہر کے حاکم بھی بن گئے زمانہ شناس کے لئے یہ کوئی بڑی بات تھی آنریری مجسٹریٹی کیا شے ہے - انسان سر بن سکتا ہے - اب میاں لعل دین غرور کے گھوڑے پر سوار رہنے لگے اگر کوئی سلام کرے تو صرف سر ہلا دیتے تھے ہاتھ اٹھانا کسر شان تھا - غریبوں اور محتاجوں کو ایک پیسہ دینا موت تھا - البتہ دکھاوے کے لئے یا حکام کو خوش کرنے کے لئے اشرفیاں کوڑیوں کیطرح لٹاتے تھے -

ایکدن ایک طالبعلم ان کے مکان پر آیا - اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا - میاں صاحب کڑک کر بولے کہ بولو کیا کام ہے ہم کو کچہری جانا ہے - آج ہمارا اجلاس ہے ہمارا وقت بہت قیمتی ہے غریب طالبعلم کانپ گیا - اور کہنے لگا حضور مجھے علم کا شوق ہے لیکن مفلس ہوں اگر حضور مجھے آٹھ روپیہ ماہوار وظیفہ دیں تو میرا کام ہو جائے گا - اور آپ کو ثواب ہوگا - میاں صاحب نے نیلے پیلے ہو کر کہا جاؤ دور ہو جاؤ ہماری آنکھوں کے سامنے سے ہمارے پاس آٹھ کوڑیاں بھی نہیں ہیں - غریب طالبعلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ دل شکستہ ہو کر چلا گیا - اس اثنا میں صاحب ضلع کا چپراسی آیا کہ حضور نے دس بجے یاد کیا ہے - ڈپٹی کمشنر بہادر کا پیغام سنکر میاں صاحب گھبرا گئے فوراً ساڑھے نو بجے ہی گھر سے تیار ہو کر ڈیوڑھی میں جا بیٹھے برآمدے میں اور بھی کئی سلامی موجود تھے ٹھیک دس بجے صاحب بہادر اپنے

دفتر کے کمرے میں تشریف لائے اور سب سے پہلے میاں صاحب کو طلب فرمایا اور عزت سے بٹھا کر کہا کہ میاں صاحب آپ مجسٹریٹ تو ہو گئے ہیں اب آپ کو خطاب حاصل کرنا چاہئے۔ ہم گزٹ میں آپ کے نام کے ساتھ نواب دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ لیکن خطاب تب ملتا ہے اگر کوئی شخص فیاضی دکھائے آپ میموریل فنڈ میں اپنی عزت کے موافق چندہ دیں۔ آپ کیا دیں گے؟ میاں صاحب نے عرض کی میری جان تک حاضر ہے میں سوچ کر کل اطلاع دوں گا۔ اس رات میاں صاحب کو نیند نہ آئی۔ انہیں نوابی کے سپنے آتے رہے صبح اٹھے۔ اور سوچ سوچ کر دو ہزار کا چیک صاحب بہادر کے پاس بھیجدیا۔ وہاں سے معمولی جواب معہ شکریہ آگیا۔

(۲)

سہ پہر کا وقت تھا اور میاں لعل دین میونسپل کمشنر و آنریری مجسٹریٹ۔ دیوانخانہ میں بیٹھے ہوئے سوچ رہے تھے۔ کہ دیکھا چاہئے کب نوابی کی عزت نصیب ہوتی ہے کہ ایک غریب درویش دربان کی عدم موجودگی میں اندر آگیا۔ اس کا بلا اطلاع آنا انہیں سخت ناگوار گذرا۔ آگ بھبوکا ہو گئے اور مداخلت بیجا کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ میں سید گیلانی ہوں۔ میری لڑکی کی شادی ہے اور میں نادار اس کار خیر کے لئے بنام خدا کچھ عطا ہو جائے۔ میاں صاحب پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ برس پڑے ملازم کو آواز دی اور حکم دیا کہ اس فقیر کو دھکے دیکر نکال دو۔ درویش نے آہ سرد بھر کر کہا کہ اے فرعون خدا سے ڈر اگر خیرات کی توفیق نہیں ہے تو ظلم نہ کر خدا کا حکم ہے "واما السائل فلا تنہر"۔ اور تو مجھے دھکے دیتا اور پٹواتا ہے۔ دیکھنا یہ دنیاوی جاہ و جلال جس پر تو مغرور ہے کافور کی طرح اڑ جائے گا۔ عنقریب خدا کا عذاب تجھ پر نازل ہوا چاہتا ہے۔ میاں لعل دین آنریری مجسٹریٹ یہ گستاخی کہاں برداشت کر سکتے تھے ہنٹر لیکر اٹھے اور غریب سید کو خوب پیٹا وہ روتا اور کوستا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد انہوں نے دربان کو خوب ہی ڈانٹا۔ کہ کیوں ایک کنگلے کو اندر آنے دیا۔ خدا کی شان سید کی بد دعا نے فوراً ہی اثر دکھایا۔ دوسرے دن صاحب ضلع نے انہیں پھر بلایا۔ پہلے بہت تپاک سے پیش آیا کرتے تھے اس دفعہ کشیدہ خاطر دکھائی دئے۔ ہاتھ بھی نہ ملایا اور کہا میاں صاحب دو ہزار روپیہ چندہ دیکر آپ نواب نہیں ہو سکتے میاں صاحب گھبرا گئے اور کہا حضور میں آٹھ ہزار اور بہت جلد بھیجدوں گا۔ کہا دس ہزار کافی ہوں گے۔ صاحب نے مسکرا کر کہا۔ "او مبارک" میاں صاحب گھر آئے تو بدمزہ تھے۔ اتفاق سے اسوقت اطلاع آئی کہ بنک نے جس میں آپ کا بچاس ہزار روپیہ نقد تھا۔ دیوالہ بول دیا۔ اس خبر وحشت اثر سے ان پر بجلی گر گئی۔ بازار سرد تھا۔ سامنے

وعدہ کرائے تھے - ایک دوکان آٹھ ہزار کو روپیہ سیکڑہ سود پر گروی کرکے فوراً روپے مہیا کئے اور امپیریل بنک میں بھیجدئے - اسدن سے ان کا کام بگڑنے لگا - کئی ٹھیکوں میں خسارہ ہوا - نیا اگزیکٹو انجینیر جو نہایت ایماندار تھا بگڑ گیا اور دشمن ہوگیا - چھ ماہ کے بعد وہ دن آیا جس کا آپ کو بڑا انتظار تھا آپ نے گزٹ منگایا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے کھولا - انہیں امید تھی کہ سی - ایس - آئی - یا نواب کا خطاب عطا ہوگا - مگر خانصاحب کی فہرست میں بھی سب سے آخر آپ کا نام تھا - رنگ زرد ہوگیا - فوراً دوڑے ہوئے صاحب بہادر کے بنگلہ پر گئے - وہ اسباب باندھ رہے تھے - وہ لمبی رخصت لیکر فرلو پر جا رہے تھے - انھوں نے تسلی دی کہ پھر تلافی ہو جائے گی - مگر تلافی کیسی ان کے جانشین نے ٹکا سا جواب دیدیا اور کہا کہ کاغذات میں کوئی اس قسم کا وعدہ نہیں ہے - میاں صاحب کا روپیہ بنک میں ڈوب چکا تھا - ٹھیکے بگڑ چکے تھے مصیبت تنہا نہیں آئی - بزازہٹے میں چند دوکانیں تھیں ان کو آگ لگ گئی اور قرض جو ان کے سر پر تھا پہاڑ بن گیا - آخر مایوسی - ناکامی اور رغم و الم تپ محرقہ بنکر آئے - اور جان لیکر گئے -

(خورشید سلطانہ)

"مسدس آئینہ حرم"

ذیل کی پردرد اور پر زور نظم خاندان تیموریاں کی قابل فخر و ناز ہستی - یعنی محترمہ - ز - خ - ش - صاحبہ مرحومہ (غفر اللہ لہا) کے قیمتی افکار کا نتیجہ ہے - جو کہ انہوں نے حقوق نسواں کی حمایت میں لکھی ہے - اس کا ایک ایک لفظ پر درد اور نصائح سے لبریز ہے - شاعرہ مرحومہ نے اپنے تخیل کو اشعار کی صورت میں صفحہ قرطاس پر مزین کرکے حقوق نسواں کا کماحقہ فرض ادا کیا ہے - مرحومہ بہت بڑی قابل اور مشہور شاعرہ تھیں - جن کے نام نامی سے بہت کم اصحاب ناواقف ہوں گے - ان کی علمی قابلیت پر بڑے بڑے اہل علم عش عش کرتے ہیں - مگر افسوس کہ اس فخر نسواں - آہ ہند کی تاریک خاک کو اپنے درخشاں اقوال سے منور کرنیوالی نامی گرامی شاعرہ کی زندگی نے وفا نہ کی - اور قبل از وقت علمی دنیا کو اس کے وجود سے محروم کردیا - یعنی عین عالم شباب میں سال گذشتہ ہم لوگوں کو داغ مفارقت دے گئیں -

گو کہ وہ نہیں ہیں مگر ان کی لا انتہا قابلیت اور گراں بہا نصائح ان کے نام کو تا قیامت زندہ رکھیں گے - اور اینام صدیوں میں نورجہاں اور زیب النساء کی طرح ان کا نام بھی اوراق تاریخ ہند میں نہایت آب و تاب سے چمکیگا -

"زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل" "گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند" مرحومہ کا ایک ایک قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور بالخصوص یہ نصیحت آمیز نظم جو کہ میں ناظرین شباب کی خدمت میں پیش کر رہی ہوں۔ امید کہ اصحاب اس سے مستفید ہوں گے اور عندالمطالعہ اس پاک و معصوم روح کو فاتحہ سے ثواب بخشیں گے۔

(م - ب - ش)

میں نے مانا کہ خموشی ہے بیاں سے بہتر لب پیوستہ لبِ شہد فشاں سے بہتر
صبر شیون سے، شکیبائی فغاں سے بہتر دل ہی اسرار کے رہنے کو زباں سے بہتر
پر ہر ایک شے کیلئے حد ہی معین لوگو ضابطہ درد ہو کبتک جگر زن لوگو

مہد سے تا بلحد ظلم اٹھائے صدیوں تیر پر تیر دلِ خستہ نے کھائے صدیوں
چپکے چپکے گہر اشک لٹائے صدیوں قصص حسرتِ دل دل کو سنائے صدیوں
صنف غالب میں گر اس صبر و سکوں کا شمہ سعی و تفتیش سے مل جائے تو میرا ذمہ

عُجب و پندار و تکبر ہی جو واں پنبہ بگوش مہر لب یاں بھی ہی یا بندیٔ اوضاع کا جوش
نہیں جوں مرغ سحر سمع خراش اپنا خروش شمع ساں شب کو ہیں گریاں لیے سحر کو خاموش
"وہ ہیں شاداں کہ فن ظلم میں جو ماہر ہیں تو ہم" "ہم ہیں نازاں کہ طبیعت پہ جو قادر ہیں تو ہم"

بھائیو! آہ رہے سینہ میں مدفوں کب تک دل ہی دل میں گلۂ طالع واژوں کبتک
آستیں ہی میں نہاں دیدۂ پُرخوں کب تک غم کو پوشیدہ رکھے خاطر محزوں کبتک
حال دل کیوں نہ کہیں؟ منہ میں زباں رکھتی ہیں ہم بھی پہلو میں دل اور جسم میں جاں رکھتی ہیں

دل کو ارماں کہ زنِ ہند کا کچھ حال لکھوں طبع حیراں کہ میں الفاظ کہاں سے لاؤں
میں پریشاں کہ لتیاں نکرے بخت زبوں ہاں کہی بات پہ آتی ہی کہوں یا نہ کہیں
آگیا لب پہ مگر ذوق تکلم سے سخن منہ پہ آئی بھی کہیں رکتی ہی؟ ای مشفق من

کیا کہوں کیسے الم دیدہ و ناشاد ہیں ہم خستہ جور ہیں ہم کشتہ بیداد ہیں ہم
تختۂ مشق سناں بازیٔ صیاد ہیں ہم آدمی کا ہیکلہ ہیں پیکر فولاد ہیں ہم
ہائی یہ ظلم کہ بے جرم چلائیں خنجر اس پہ یہ حکم کہ فریاد نہ آئے لب پر

ہم کو کیا علم کہ کیا شے ہے مزا دنیا کا نہ یہ معلوم - خوشی نام ہے کس چڑیا کا
آہ بے جرم ہمیں صنف قوی نے تاکا تختۂ مشق بنایا ستم بے جا کا
آج انساں کے فضائل سے ہیں دونوں محروم اک ہی تفسیر جہول[1] ایک ہی تفسیر ظلوم

[1] انہ کان ظلوما جہولا ۵ درحقیقت انسان بڑا ہی ظالم - بڑا ہی نادان ہے - (الآیہ)

پائے بندی ہے ہر اک شخص کو سرمایۂ ننگ
اک زن شرق ہے بیدادکش قید فرنگ
رہتے ہیں وسعت دنیا میں سدا جان سے تنگ
ہم ہیں او در قفس میں ہیں فاصلۂ صد فرسنگ
زندگی ہے کہ مصیبت کا اک افسانہ ہے
دل محزوں ہے کہ حسرت کا سیہ خانہ ہے

بار ہیں دہر پہ ناخواستہ مہماں کی طرح
مہر گرما کی طرح برف زمستاں کی طرح
وحشی و جاہل و بے علم ہیں حیواں کی طرح
دائم الحبس ہیں ہم قاتل انساں کی طرح
بےحس و بےحرکت بےبس و سرافگندہ
بچہ در دست جواں - مردہ بدست زندہ

اس سے تشبیہ نہ دو بےبسی نسواں کو
رخصت سیر چراگاہ ہے جب حیواں کو
ہے قفس میں بھی یہ سکھ بلبل خوش الحاں کو
یاد کر سکتی ہے رو رو کے گل خنداں کو
نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

آتش ظلم سے دنیا ہوئی دوزخ ہم پر
پھونک ڈالا تپ دق بن کے غموں نے اکثر
بے اجل مرتے ہیں تہ خانے کے اندر گھٹ کر
ہیں جو تنگی میں منافق کی لحد سے بدتر
ڈاکٹر کہتے ہیں "در کھولو ہوا آنے دو"
سنگدل کہتے ہیں "ہرگز نہیں مرجانے دو"

حرف عزت سے نہیں کان ہمارے آگاہ
سرنوشت رخ نسواں میں ہے ذلت کی نگاہ
کہتے ہیں "اپنی تفوق کا ہے قرآن گواہ"
مصحف رب پہ یہ بہتان - عیاذاً باللہ
کون یہ کہہ کے بنے کشتنی و قابل دار
ترجمہ کیجے نہ قوام[1] کا آقا سرکار

اور اگر چون و چرا کا کوئی کر بیٹھے گناہ
ترشا ترشایا جواب اس کو یہ موجود ہے آہ
"فتنہ پرداز - ریاکار - فریبی - گمراہ
آپ بھی طالب عزت ہوئیں "سبحان اللہ"
ہوگیا آہ اسی بے ادبی سے رسوا
فرقۂ فاطمہ رضؓ و عائشہ رضؓ صدیقہ

خود بھلے بنتے ہیں اوروں کو برا کہتے ہیں
"ناقص العقل" ہمیں یہ عقلا کہتے ہیں
پردغا کہتے ہیں بے مہر و وفا کہتے ہیں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں
کوتوالوں سے لڑیں چور - ستم ہے کہ نہیں
یہ تماشا سبب غصہ و غم ہے کہ نہیں

(م - ب - ش)　　(باقی دارد)

سلہ[1] الرجال قوامون علی النساء (الآیہ)

ٹیگور کے فسانے

گھر آنا

پھٹیک چکرورتی اپنے گاؤں کے لڑکوں کا سرغنہ تھا۔ اُسے نئی شرارت سوجھی دریا کے کنارے کیچڑ میں ایک بھاری بلی پڑی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اسے تراش کر کشتی کا مستول بنایا جائے اس نے لڑکوں سے کہا کہ آؤ سب ملکر اسے یہاں سے ہٹا کر کہیں اور پھینک آئیں تاکہ جب اس کا مالک یہاں آئے اور اسے یہاں نہ پائے تو حیران اور خفا ہو۔ اور ہم تماشہ دیکھیں۔ سب نے اس تجویز کو پسند کیا۔

لیکن ابھی سب نے ملکر بلی کو ہاتھ بھی نہ لگایا تھا۔ کہ مکھن جو پھٹیک کا چھوٹا بھائی تھا وہاں آگیا اور خاموش سب کے سامنے اس لکڑی پر بیٹھ گیا۔ سب لڑکے گھبرا سے گئے ایک نے آہستہ سے اسے دھکا دیا اور کہا کہ یہاں سے اُٹھ مگر مکھن نے کچھ پرواہ نہ کی وہ ایک نوجوان فیلسوف کی طرح کھیلوں کی بیہودگی پر غور کر رہا تھا۔ پھٹیک کو غصہ آگیا۔ اس نے چلا کر کہا "مکھن اگر تو یہاں سے نہ اٹھیگا تو میں تجھے پیٹوں گا" مکھن جہاں تھا وہاں سے اٹھ کر اور اچھی جگہ اسی لکڑی پر بیٹھ گیا۔

پھٹیک کو اگر اُسے اپنا رعب قائم رکھنے کا خیال ہوتا تو ضرور اسوقت مار کٹائی ہوتی لیکن اس کا حوصلہ نہ پڑا۔ اُسنے اپنے دماغ سے اور ہی بات نکالی تاکہ اس کا بھائی بھی نیچا دیکھے۔ اور ساتھ ہی اس کے دوستوں کو بھی لطف آجائے۔ اس نے حکم دیا کہ یارو اس بلی کو معہ مکھن لُڑھکانا شروع کرو مکھن نے یہ حکم سنا مگر اس کی خود داری نے اجازت نہ دی کہ اس لکڑی سے اُٹھے۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ شہرت قایم رکھنے میں خطرہ ہے تمام لڑکے اس بلی سے چمٹ گئے اور زور لگانے لگے پھر سب نے آواز دی کہ ایک دو۔ تین جا۔ ادھر جا کا لفظ ان کے منہ سے نکلا۔ اُدھر مکھن معہ اپنی شہرت اور فلسفہ وغیرہ کے لکڑی کے ساتھ لڑھک گیا۔ تمام لڑکوں نے جوش مسرت میں گلا پھاڑنا شروع کیا۔ لیکن پھٹیک ڈر گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اب کیا ہوگا۔ مکھن زمین سے اندھی قسمت کی طرح ہمہ تن شور شر بن کر اٹھا وہ پھٹیک کی طرف جھپٹا اس کا منہ نوچا۔ اُسے مکے اور لاتیں ماریں اور روتا دھوتا گھر کی طرف دوڑا۔ اس ڈراما کا پہلا ایکٹ ختم ہوا۔

پھٹیک نے اپنا موتہہ پونچھا اور کسی غرق شدہ کشتی کے تختہ پر جو دریا کے کنارے پہ آیا تھا بیٹھ گیا۔ اسوقت وہ دانتوں سے گھاس چبا رہا تھا۔ اس وقت ایک کشتی کنارے سے آلگی۔

اور اس میں سے ایک ادھیڑ انسان جس کا سر سفید اور مونچھیں سیاہ تھیں کنارے پر اترا - اس نے دیکھا کہ ایک لڑکا وہاں بیکار بیٹھا ہے اور اس کے قریب گیا اور پوچھا کہ چکرورتی کہاں رہتے ہیں پھٹیک گھاس برابر چباتا رہا صرف اتنا کہا کہ وہاں رہتے ہیں - مگر اس فقرے سے مکان کا نشان کب مل سکتا تھا - اجنبی نے دوبارہ سوال کیا تو اس نے کروٹ بدلی اور کہا کہ جہاں ہے جاکر ڈھونڈ لو اور پھر گھاس چبانے میں مشغول ہوگیا -

اس اثنا میں ایک نوکر گھر سے آیا اور کہنے لگا میاں چلو اماں بلا رہی ہیں - پھٹیک نے کہا میں نہیں جاتا لیکن خادم حکم کا بندہ تھا وہ اُسے پکڑ کر زبردستی لیچلا ہرچند پھٹیک نے خفا ہوکر جدوجہد کی اور لاتیں چلائیں مگر وہ اسے گھر لے ہی گیا -

جب گھر پہنچا اور ماں نے دیکھا تو وہ خفا ہوکر بولی تونے پھر مکھن کو ٹھونکا ہے پھٹیک نے گرم ہوکر جواب دیا ہرگز نہیں تم سے کس نے کہا ہے؟ ماں نے گرج کر جواب دیا کہ جھوٹ کیوں بکتا ہے - یہہ تیرا کام ہے - پھٹیک مقابل اٹھا کہ میں جو تم سے کہتا ہوں کہ یہہ غلط بات ہے بیشک مکھن سے پوچھ لو مکھن نے اسوقت اپنے سابقہ بیان پر قائم رہنا مناسب سمجھا اور کہا ہاں اماں مجھے پھٹیک نے مارا ہے -

پھٹیک کے صبر کا پیالہ لبریز تھا وہ اس ناانصافی کو برداشت نہ کرسکا وہ مکھن پر لوٹ پڑا اپے در پے مکے مارے اور کہا او جھوٹے آگے نہیں مارا تو اب مارتا ہوں - ماں قدرتاً مکھن کی طرف دوڑی وہ پھٹیک کو تھپڑ مارنے اور گھسیٹنے لگی اور جب پھٹیک نے اسے بھی دھکا دیا تو وہ چلا کر بولی بدمعاش اب تو اپنی ماں پر بھی ہاتھ اٹھانے لگا ہے -

عین اس نازک وقت وہ ہی اجنبی وہاں آگیا جس کا سر سفید تھا - اور اس نے پوچھا کہ کیا بات ہے پھٹیک محجوب اور شرمندہ ہوگیا -

جب اس کی ماں نے لوٹ کر اجنبی کی طرف دیکھا تو اس کا غصہ حیرت سے بدل گیا - اس نے فوراً بڑے بھائی کو پہچان لیا - اور کہا آؤ دادا تم کہاں - یہہ کہا اور اس نے بھائی کے قدم لئے -

بہن کی شادی کے بعد بھائی کلکتے چلا گیا تھا - وہیں کاروبار کرتا تھا - وہیں شادی کرلی تھی اس کی عدم موجودگی میں مکھن کی ماں بیوہ ہوگئی تھی اب وہ کلکتہ واپس آکر بہن سے ملنے آیا تھا - وہ مکان تلاش کرتا ہوا وہاں آپہنچا -

بہن بھائی کے آنے سے نہال ہوگئی - چند دن نہایت مسرت میں گذر گئے - بھائی نے کہا کہ بچوں کی تعلیم کا کیا انتظام ہے - بہن نے کہا کہ بڑا لڑکا تو عذاب جان ہے - کاہل ہے - نافرمان ہے - تندخو ہے

اور مکھن مخنتی ہے۔ غریب مزاج ہے۔ خالص سونا ہے۔ بشمبر نے کہا بہن پھٹیک مجھے دیدو میں اسے کلکتہ اپنے ساتھ لیجاؤں گا۔ پڑھاؤں لکھاؤں گا اور خبرگیری کروں گا۔ بہن بندہ تھی اس نے اس تجویز کو پسند کیا اور پھٹیک تو باغ باغ ہوگیا۔

ماں نے شکر کیا کہ خلاصی ہوئی۔ وہ پھٹیک سے ڈرتی تھی کیونکہ بھائیوں کی آپس میں نہ بنتی تھی اور اسے اندیشہ تھا کہ کہیں بڑا بھائی چھوٹے کو دریا میں غرق نہ کردے یا اس کا سر نہ توڑ دے یا کسی خطرے میں نہ ڈال دے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ بڑا بیٹا اس جدائی پر خوش ہے تو وہ دلگیر بھی ہوگئی۔

جب سب انتظام ہوگیا تو پھٹیک بار بار پوچھنے لگا ماموں کب چلو گے۔ آخر میں دن رات جاگتا رہا اور دن گھڑیاں گن گن کر گذارا۔ روانگی کے وقت اس نے اپنا بڑا لنگر۔ مچھلیاں پکڑنے کی چھڑی اور سنگ مرمر کے تمام گولے مکھن کو دے ڈالے۔ اس وقت اس کا دل بھائی کی طرف سے بالکل صاف تھا۔

جب وہ کلکتہ میں ماموں کے گھر گیا تو ممانی اُسے دیکھ کر خوش نہ ہوئی اس نے کہا کہ یہ دردسر کہاں سے آگیا کیا میرے تین بچے پرورش کے لئے کم تھے بشمبر ایک چودہ سال کا لڑکا گھر میں لے آیا ہے بڑا ناعاقبت اندیش ہے۔

ہماری دنیا کے کاروبار میں ایک چودہ سال کے لڑکے سے بڑھ کر کوئی شے مکروہ نہیں ہے۔ وہ نہ تو مفید ہے نہ سامان آرائش وہ ہمیشہ دخل درمعقولات ہوتا ہے۔ اس کو بچہ کیطرح کوئی پیار نہیں کرتا اگر وہ بچوں کی طرح باتیں کرے تو اسے کہتے ہیں دودھ پیتا ہے اگر وہ بڑوں کی تقلید کرے تو کہتے ہیں گستاخ ہے اس کی ہر گفتگو ناپسند کی جاتی ہے۔ اس کی عمر کا وہ حصہ دلکش نہیں ہوتا کیونکہ وہ دن بدن بڑھتا ہے۔ اس کے کپڑے اس کے جسم پر تنگ ہوجاتے ہیں اس کی آواز کرخت ہوجاتی ہے اس کے نقش بھدے اور بدنما ہوجاتے ہیں لوگ چھوٹے بچوں کو قابل معافی سمجھتے ہیں لیکن چودہ سال کے لڑکے کی حرکات سے درگذر نا ممکن ہے اس سلوک کا اثر لڑکے پر پڑتا ہے وہ جب بزرگوں کے روبرو ہوتا ہے۔ تو ضرورت سے بڑھ کر چالاک بنجاتا ہے یا اسقدر شرمگیں کہ بات نہیں ہوسکتی لیکن یہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ جب اس عمر کا لڑکا چاہتا ہے کہ اس کی قدر ہو۔ اس سے محبت کی جائے اس وقت جو اس سے الفت کرے وہ اس کا غلام ہو جاتا ہے۔ خرابی یہ ہے کہ اسے کوئی علانیہ محبت نہیں کرسکتا۔ کہتے ہیں کہ اس سے لڑکا بدراہ ہوجاتا ہے۔ غرض اس عمر میں لڑکا گھر کیلئے

اور گالیوں کی وجہ سے ایک آوارہ کتا بن جاتا ہے جو اپنے مالک سے جدا ہوکر دربدر کے دھکے کھاتا ہے چودہ سال کے لڑکے کے لئے اپنے ماں باپ کا گھر جنت سے کم نہیں اور اجنبیوں کے درمیان رہنا اس کے لئے عذاب دوزخ کے برابر ہے -

پھٹیک کی زندگی ماموں کے گھر میں تلخ تھی - بڑی بوڑھی عورتیں نفرت کرتیں اور ہر موقعہ پہ ذلیل کرتی تھیں - جب کبھی ممانی اسے کوئی کام بتاتی تھی تو وہ خوش ہوکر حد سے زیادہ پرجوش ہوکر اسے خوش کرنا چاہتا تھا - مگر کام بگڑ جاتا تھا اور وہ ناراض ہوکر کہتی تھی تو احمق ہے جا اپنا سبق یاد کر ماموں کے گھر میں اس کے لئے سانس لینا دشوار تھا - اس کے پھیپھڑے باہر کی تازہ ہوا کے لئے بیقرار تھے - مگر وہاں کھلے میدان کہاں - کلکتہ میں جہاں وہ رہتا تھا چاروں طرف اونچے اونچے مکان تھے اب دن رات اسے اپنے گاؤں کی جہاں وہ کنکوے اڑاتا تھا - ساحل دریا کی جہاں وہ دن بھر کھلا پھرتا اور گایا کرتا تھا - گاؤں کے تالاب کی جہاں وہ پیرا کرتا تھا - اپنے دوستوں کی جو اس سے کھیلتے تھے اور اپنا سردار سمجھتے تھے اور زبردست والدہ کی جو اس سے رنجیدہ رہتی تھی یاد آیا کرتی تھیں اور وہ چاہتا تھا کہ کسیطرح بھی ہو گھر جاؤں غرض یہ محبت کا متلاشی - بیقرار - شرمیلا - کمزور دل - دبلا پتلا - جاہل بدشکل لڑکا بہت مضطرب رہتا تھا - اپنی جماعت میں وہ سب سے پیچھے تھا وہ چونکہ پڑھائی میں بہت کمزور تھا - ہمیشہ معلم اسے سزا دیتے رہتے تھے - پھٹیک بڑے صبر سے یہ تکلیف برداشت کرتا تھا - دوسرے طالب علم کھیل کود میں مشغول ہوتے تھے اور یہ کھڑکی میں اداس ہوکر ان کا منہ تکتا تھا - ایکدن اس نے جرأت کرکے ماموں سے پوچھا "ماموں میں گھر کو جاؤنگا" ماموں نے جواب دیا "صبر کرو تعطیلوں میں جاؤ گے"

مگر تعطیلیں ماہ نومبر میں تھیں ابھی بہت دور تھیں - ایکدن اس کی کتاب گم ہوگئی - وہ کتاب کی مدد سے بھی جماعت میں نہ چل سکتا تھا - اب تو گیا گذرا ہوگیا - استاد ہر روز بید سے اس کی خبر لیتا تھا اس کی حالت اسقدر ردی ہوگئی کہ اس کے ماموں زاد بھائی بھی اس سے بیزار ہوگئے اور اس سے بدسلوکی اور تمسخر سے پیش آنے لگے - آخر اس سے رہا نہ گیا وہ ممانی کے پاس گیا اور کہا مجھے کتاب لے دو - اس نے تنگ آکر جواب دیا او نکمے بھلا گاؤں کے گنوار میں بال بچے والی ہوں میری توفیق یہ نہیں ہے کہ ہر مہینے پانچ بار تجھے کتابیں لیدوں -

اس رات جب پھٹیک مدرسہ سے واپس آرہا تھا تو اسے سردی لگنے لگی اور درد سے سر پھٹنے لگا وہ ڈرا کہ اگر بخار ہوگیا تو ممانی سخت ناراض ہوگی -

صبح وہ گھر سے غائب تھا۔ بڑی تلاش کی گئی نہ ملا۔ بارش شدت سے ہو رہی تھی جو لوگ اس کی تلاش میں گئے بھیگ کر ناکام واپس آئے۔ آخر بشمبر بابو نے پولیس میں رپورٹ دی دوسرے دن ایک پولیس کا چھکڑا بشمبر بابو کے مکان کے آگے آکر ٹھیرا ابھی مینھ موسلادھار برس رہا تھا۔ دو سپاہی پھٹیک کو اٹھا کر بشمبر کے روبرو لائے بیچارہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ آنکھیں بخار کی وجہ سے سرخ تھیں اور تمام جسم مٹی سے بھرا ہوا تھا۔ کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ بشمبر اسے اندر لیگیا اس کی بیوی بولی یہ لڑکا ہمیں سخت تکلیف دے رہا ہے۔ اسے اس کی ماں کے پاس بھیجدو پھٹیک نے سنا اور رو رو کر کہنے لگا ماموں میں گھر جا رہا تھا۔ پولیس والے مجھے پھر گھسیٹ لائے ہیں۔ بخار بہت تیز ہو گیا اور لڑکا ہذیاں بکنے لگا۔ آخر ڈاکٹر بلایا گیا۔ لڑکے نے آنکھیں کھولیں اور پھٹی ہوئی نگاہوں سے چھت کی طرف دیکھا اور کہا ماموں کیا تعطیلیں ہو گئیں۔ میں گھر جاؤں بشمبر نے اپنے آنسو پونچھے بھانجہ کا گرم اور دبلا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور تمام رات اس کے پاس بیٹھا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ پھر بولا اماں مجھے نہ مارو میں سچ کہہ رہا ہوں۔ صبح تھوڑی دیر کے لئے لڑکے کو ہوش آگیا اس نے بستر سے ادھر ادھر غور سے دیکھا۔ جیسے کسی کا انتظار ہے آخر مایوسی کی حالت میں تکیہ پر سر رکھدیا اور ٹھنڈا سانس بھرا۔ بشمبر اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس نے جھک کر کہا بیٹا میں نے تیری ماں کو بلایا ہے۔ تمام دن گذر گیا اور ڈاکٹر نے کہا کہ لڑکے کی حالت بہت نازک ہے۔ پھٹیک چلا کر بولا۔ نشان دیکھو۔ نشان دیکھو چار میل آگئے۔ وہ گاؤں میں دریا کے کنارے ملاحوں کو اس طرح کہتے سنا کرتا تھا۔ اب وہ ایسے سمندر میں جس کا تھل بیڑا نہیں ہے شاکول لئے کھڑا تھا اور نشان دیکھ رہا تھا۔

شام کے قریب پھٹیک کی ماں بگولے کی طرح اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر واویلا کرنے لگی وہ ماہی بے آب کی طرح زمین پر لوٹ رہی تھی بشمبر نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن وہ بیٹے کی چارپائی سے لپٹ گئی اور کہنے لگی میرے کلیجے کے ٹکڑے میرے بچے! پھٹیک کی بیتابی میں فرق آگیا۔ اس پر کچھ خاموشی سی طاری ہو گئی اب وہ آگے کی طرح ہاتھ پاؤں نہ مارتا تھا۔ اس کے منہ سے اتنا نکلا۔ "آہ"، ماں نے پھر چلا کر کہا میرے کلیجے کے ٹکڑے میرے بچے! پھٹیک نے آہستہ سے سر پھیرا اور بغیر کسی کو دیکھے کہا "اماں تعطیلیں ہو گئیں"

(ترجمہ) (سبزہ بیگم)

جذباتِ محمود

روشن نہ داغِ دل کسی امداد سے ہوا
فرقت کی شب ہوا تو تری یاد سے ہوا

اندوہ بھی دن تھے کہ تھا جوشِ انبساط
یا محوِ غم میں آپ کی بیداد سے ہوا

کاشانۂ حیات کا سامانِ انبساط
ممکن نہ دہر میں دلِ ناشاد سے ہوا

جس دردِ دل سے مجھ کو ملی لذتِ حیات
اس کا قیام دل میں تری یاد سے ہوا

بیمارِ غم کی موت کا افسانہ کیا کہوں
جو کچھ ہوا وہ آپ کی بیداد سے ہوا

بھڑکی وہ آگ دل میں تپِ ہجر سے کہ پھر
شعلہ نہ اس کا کم مری فریاد سے ہوا

راحت رساں زمانے کی تھی بعض شے مگر
میں خوش کبھی نہ اس دلِ ناشاد سے ہوا

اے عشق منزلِ غم و اندوہ سے جنوں
رہبر حیات کا تری امداد سے ہوا

لکھے تھے واقعاتِ محبت جو قلب میں
اظہار ان کا عشق کی روداد سے ہوا

محمود اسی فصل میں جلسہ یہ بے نظیر
سب کچھ اثر کی کوشش و امداد سے ہوا

(محمود علی عرف آغا علی خاں تعلقدار)

ارضِ زیتون و تین - دمشق حیفا میل - سیرِ زمینِ فلسطین

میں کل اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا "جذباتِ جوش" کا مطالعہ کر رہا تھا - اور ان کے حسنِ کلام و خوبیٔ مقال کی غائبانہ داد دے رہا تھا - کہ یکایک میری نظر ان کے ایک شعر پر پڑی جس کا مصرعۂ ثانی یہ ہے -

مصرع - مرنے کو اور جائے پنجاب میل پر - اس مصرعہ کو پڑھتے ہی مجھے دمشق میل جس سے میری سیر میں آنکھیں متواتر چھ ماہ تک سمخ کے اسٹیشن پر لطف اندوز ہوتی رہی ہیں - یاد آگئی سمخ اس ریلوے لائن کا صحرائے عرب کی حدود پر پہلا اسٹیشن اور فوجی مرکز ہے - یہ ایک فلاحین کا قریہ ہے - یہ قریہ درۂ یارمک کے دہانے پر واقع ہے - یہی وہ تاریخی درہ ہے جس میں سے فاتحین ملکِ فلسطین یکے بعد دیگرے داخلہ کرتے رہے - اس درہ کے اُس طرف اُم قیس کا قریہ ہے جو کہ قیس عامری کی ننھال بتلایا جاتا ہے - درہ کے اس طرف انگریزی عملداری ہے اور اس طرف فرنسادی اقتدار ہے -

سمخ سے ایک میل کے فاصلہ پر دریائے یردن جھیل طبریا سے نکل کر بہتا ہے - یہ دریا مغربی ایشیا کی گنگا ہے - نصرانیوں کے نزدیک بڑا مقدس مانا جاتا ہے اس کا پانی بوتلوں میں بھر کر امریکہ اور آلمانیہ کے شہروں تک جاتا ہے بپتسمہ کے کام آتا ہے - قربان گاہوں پر چھڑکا جاتا ہے یہ قریہ جھیل طبریہ کے لبوں پر واقع ہے

(۲)

دمشق حیفا سیل جس کو عرب اپنی زبان میں سوریا - فلسطین - ریلوے کہتے ہیں اپنے نو خیز وحسن افروز مسافروں سے بھری ہوئی اور نور طب و لطافت اندوز میوؤں سے لدی ہوئی - کوہ لبنان کی بلندیوں سے اتر کر جبل دروز کے جوف وعقب میں گھومتی ہوئی - درہ یارمک سے گذر کر - مرخبا الا یردن - میں داخل ہو کر وار دمحطہ سمخ ہوتی ہے - اس کا دیو ریا انجن ساختہ جرمن ہے اس کی گاڑیاں دست بلجیک کی صنعت کاریاں ہیں - کسی طلیانی مہندس نے سفر حجاز کی سہولیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سکۃ الحدیدیہ کو حکومت ترکی کے حکم سے بچھایا تھا - جنگ عظیم کے بعد سے اس کا رد کچھ بدلا ہوا ہے - سمخ تک یہ میل صرف دو یا تین گاڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے - یہاں سے اس کا اسٹاک زیادہ کر دیا جاتا ہے - وقت نزول قطارہ (گاڑی) خواجا - (خواجہ یعنی نصرانی اسٹیشن ماسٹر جس کے سفید کوٹ پر عربی عبرانی اور انگریزی میں ناظر محطہ لکھا ہوا ہوتا ہے - اپنے سفید سفید ہاتھوں میں سبز و سرخ جھنڈیاں ہلاتا ہوا اور نشبکل انجن سگار مصری کا منہ سے دھواں اڑاتا ہوا اپنے کمرہ سے اس کے استقبال کے لئے دو ویدہ باہر آتا ہے - علاوہ اسٹیشن ماسٹر صاحب کے مدیر الرقہ والبرید یعنی (پوسٹ و ٹیلگراف ماسٹر) امیر القراقول (افسر تھانہ پولیس) مختار القریہ - (سول گورنر موضع) و ضباطُ العساکر الہند - حصول نظارہ وانجام دہی فرائض منصبی کی غرض سے آموجود ہوتے ہیں - خوانچہ فروشوں میں سے ایک شخص سلطان عبد الحمید کے وقت کا جو کلیمونیڈ قازوزہ فروش ہے - قازوزہ مع الثلج لیکر آجاتا ہے - مسافران مقامی بھی اپنے دور و نزدیک کے قریہ جات سے عربی گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر بعض بذریعہ کارہ وعجلہ - حیفا - بیت المقدس کے جانیکے لئے آجاتے ہیں - اسٹیشن جھیل طبریا سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے -

جہاں سے اس کا پانی مانند قوارہ کے چمکتا ہے اور کیوں نہ چمکے - جبکہ یہ میل جنت شام سے آتی ہو اس کی سواریاں بھی خجالت دہ حور و غلماں ہوتی ہیں ان جنتی مسافروں کے ہاتھوں میں ایک آدھ تھیلا ضرور ہوتی ہے - جسمیں جنت کا میوہ تفاح یا عنب حسب موسم پڑا ہوا ہوتا ہے -

(۳)

میں یہاں صرف ایک شامی حور کا فوٹو دکھاتا ہوں جو کہ دمشق سے قاہرہ کو جا رہی تھی۔ یہ خاتون تو اسٹیشن سمخ پر اپنی گارڈ ن کے برآمدے میں کھڑی ہوئی کھڑکی سے اسٹیشن اور اس کے ملحقات کا نظارہ کر رہی تھی اس کا جسم سیاہ الپکہ کے برقعہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ اندر سے سبز قمیص جس کا کپڑا بہت ہی نفیس تھا۔ دکھلائی دے رہی تھی۔ مسافرت کی ہوا اس کے بالوں کے سنہری گچھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ابھی تک ناکام تھی۔ اس کا سفید رنگ کا نقاب ہوا سے جلد جلد ہل رہا تھا۔ جس کے ہلنے کے باعث اس کی نورانی گردن نظر آ جاتی تھی۔ نقاب بہت ہی باریک اور بیحد سفید تھا۔ اور نازک ناک کی نوک سے گذرتا ہوا ہر دو سرخ سرخ رخساروں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہوا حسن کے کانوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا ذقن بلوری کے نیچے ایک ٹائی کی شکل میں ختم ہو گیا تھا۔ واللہ جتنی دل آویزی اس نقاب میں دیکھی وہ نہ کسی حسن میں اور نہ کسی کتاب حسن میں دیکھی اس حور کی کشادہ آنکھیں اور کمان ابرو تھے۔ کانوں میں ایک ایک عربی وضع کا بالا بلکہ ہیں حلقہ ہلال کھونگا۔ آویزاں تھا۔ گردن کے گرد ایک مختصر جڑاؤ ہار تھا۔ گویا دریائے گلوئے حسن کا نکھار تھا اس کا رنگ شعلہ کو مات کرتا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ حنا بستہ تھے۔ جن کو دیکھ کر عشاق کے دل خستہ تھے۔ نازک نازک انگلیوں میں نیلم و یاقوت کی ایک ایک مرصع انگشتری جس کو دیکھ کر زہرۂ فلک بھی اس کی مشتری ہو جائے۔ پہنے ہوئے تھی۔ اس کی کلائی اور کہنیوں کی سفیدی اسقدر تھی کہ جزیرۂ مرمر کی پریاں ایک دفع مر کر دوبارہ پیدا ہوں تو بھی کلیتی ہی رہجائیں۔ اس کے ساتھ اس کا ایک نوخیز نوکر تھا۔ جس کو وہ یا ولدی کہکر پکار رہی تھی۔ اور اشارہ کر رہی تھی کہ "هنا اوکانده هتّ لا لمایا والثلج بتجیلا۔ القطار راح برّوح"۔ وہ سامنے لوکانده ہے پانی اور برف لاؤ۔ جلدی ٹرین جانیوالی ہے۔

(۴)

میں نے بھی سمخ سے حیفا تک اس میل ٹرین میں سفر کیا ہے۔ اسکی رفتار پنجاب میل کی سی ہے یہ میل مرجہ الیردن سے گذرتی ہوئی۔ یردن کو عبور کرتی ہوئی کبھی کسی مرغزار میں آجاتی ہے کبھی کسی دامن کوہ میں جا نکلتی ہے۔ بحر بحیرۂ سفید کے اسقدر متصل ہو جاتی ہے کہ مسافروں کو سمندر کے کنارے چلنے کا لطف حاصل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ حیفا کے بندرگاہ سے گذرتی ہوئی ہوٹلوں اور پلوں کے نیچے سے ہوتی ہوئی۔ کنار بحر کے ساتھ ساتھ بہتی ہوئی شہر اور بحر کے نظارے دکھلاتی ہوئی

حیفا کے اسٹیشن پر جا ٹھیرتی ہے - اس تمام لائن میں سوریاست کے اسٹیشن ہاسے کو چھوڑ کر یہ اسٹیشن تمام دیگر مقامات سے بہت خوبصورت ہے - دامن کوہ ولب بحر واقع ہے اسٹیشن کے برآمدہ کے ساتھ کھجوروں کے درخت جو کہ عربستان کی نشانی ہیں - اس انداز سے لگائے ہوئے ہیں کہ اسٹیشن نخلستان معلوم ہوتا ہے - بک سٹال پر یہاں ایک یہودیہ ہے - لوکانڈۃ المحطہ کا مالک بھی ایک یہودی ہے - جس نے عرب قہوجی ملازم رکھے ہیں - ان ملکوں میں مسافر خانوں کا رواج نہیں کیونکہ مسافران انہی لوکانڈوں میں انتظار ٹرین کے لئے بیٹھے رہتے ہیں - صرف ایک فنجان قہوہ ان کو پینا پڑتی ہے - جس کے دام پانچ پیسے بحساب اس ملک کے ہوتے ہیں - وہاں کا نصف پیاستر - (یعنی نصف پیاستر) اتنی ہی قیمت کا ہوتا ہے - مسافر بلا کسی دنگے فساد کے نہایت آرام سے کرسیوں میں بیٹھے ہوئے خوش گپیاں لگاتے رہتے ہیں - برخلاف ہمارے ملک کے کہ یہاں ریل تو ریل پیل کے لئے ہے ہی مسافر خانہ میں بھی فوجداریاں ہوتی رہتی ہیں

ان مسافر پناہ لوکانڈوں میں بوٹ پالش والے چھوکرے اخبار بیچنے والے لڑکے جن کو مقامی بک سٹال بھیجتے رہتے تھے مجمع مسافرین کو بیکار نہیں بیٹھنے دیتے برخلاف انڈیا کے کہ اول تو مسافر خانوں میں سوائے پوری کچوری والوں کے کوئی اور خوانچہ فروش نہ ہوگا - یا جس مسافر خانہ میں زیادہ بھیڑ ہوگی وہاں ایک کان میلیئے صاحب تشریف لے آویں گے آپ کی قدیمانہ وضع سر پر کھڑکی دار پگڑی جس میں آلات کتنا ورزی گوش جن کو دیکھ کر اہل خرد و ہوش کے ہوش پراں ہوں - آویزاں کئے ہوئے تمام حاضرین موقعہ کی توجہ منعطف کر لیگی / - آپ کی صدا دکان کی پیل، انجن کی سیٹی کی طرح گونجیگی اور جب تک کہ کان اس آواز سے بہرے نہ ہو جائیں اور کان کریدنی ان کو نہ کریدے آپ کا وجود ذیجود وہاں سے ہرگز حرکت نہیں کرے گا - مصرع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(سید رضا حسین لدھیانا)

غزل

پروں میں طاقت پرواز ہی کہاں صیاد — کہ جان بلبل بیکس ہے پر فشاں صیاد
ستا ستا! امرے دل کو قفس میں ظالم!!! — سنا سنا! مجھے پھولوں کی داستاں صیاد!!!
قفس سے کیجیو برباد آشیاں کی طرح — کسی جگہ تو رہے کچھ مرا نشاں صیاد

چمن میں فصل بہاری کی آمد آمد ہے — عجب نہیں کہ نکل جائے تن سے جان صیاد
یہ بیخودی ہے کہ اب تک خبر نہیں مجھ کو — کہ میں کہاں ہوں کہاں ہے قفس کہاں صیاد
اسیر زلف ہوں مضطر اسیر دام نہیں — میں جس چمن میں ہوں اُس کا ہے باغباں صیاد

(محمد حسین اسمٰعیل جی مضطر - از بمبئی)

"دیوان ساون مل"

مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب کے ارکان سلطنت میں دیوان ساون مل کا نام خصوصیت سے مشہور ہے - باپ کا نام اوتسناک رائے - ذات کھتری - ساکن اکال گڑھ - تعلیم معمولی تھی - مگر حساب کتاب میں خوب ماہر - یہ کوئی خاندانی رئیس نہ تھے - مگر قدرت نے ان کو عالی ہمت اور وسیع نظر بنایا تھا - یہ پہلے گورنر ملتان کے پاس بطور ایک محاسب کے ملازم ہوئے - مگر مہاراجہ کی مردم شناس نگاہ نے فوراً تاڑ لیا - کہ یہ شخص صرف منشی گری کے واسطے پیدا نہیں ہوا - بھائی مدن ہزاری گورنر ملتان کی ماتحتکاری میں ساون مل نے اپنی طبیعت کے خوب جوہر دکھائے ۱۸۲۲ء میں مہاراجہ نے علاقہ مظفر گڑھ - مراد آباد - غضنفر گڑھ - انہیں مستاجری پر دے دیئے - ساون مل نے اپنے حسن سلوک اور انتظامی قابلیت سے رعایا برایا کا دل تسخیر کر لیا - مقررہ روپیہ ٹھیک وقت پر ادا کیا اور مہاراجہ کو اپنی قابلیت و دیانت داری سے اسقدر خوش کیا کہ ملتان - جھنگ - مظفر گڑھ - اور ڈیرہ غازیخاں سب ان کے قبضہ اقتدار میں آگئے - اور ۱۸۲۹ء میں وہ ملتان کے گورنر اور صوبہ دار بن گئے -

سلطنت دہلی کی کمزوری سے پنجاب کی حالت ناگفتہ بہ تھی - کبھی مرہٹوں کا نقارہ بجتا تھا - اور کبھی کابل کے حملہ آوروں سے کشت و خون کا بازار گرم ہوجاتا تھا - ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملے سے دریائے سندھ کے مغرب کا علاقہ شاہان خراسان کے قبضہ تصرف میں آچکا تھا - احمد شاہ ابدالی کے پانچ حملوں سے امن و اماں کا خاتمہ ہوچکا تھا - اور اگرچہ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی فیصلہ کن جنگ سے مرہٹوں کا زور نکل گیا اور انہیں تمام ہندوستان کی سلطنت کرنی نصیب نہ ہوئی مگر پنجاب میں انتظام کی کوئی صورت نہ تھی - شاہ ابدالی نے پنجاب اپنے بیٹے تیمور شاہ کو جاگیر میں دیا - مگر سکھوں کی روز افزوں قوت سے درانی بادشاہ کا اقتدار بہت عرصہ تک نہ رہا -

تیمور شاہ ابن احمد شاہ درانی کے مرنے پر اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی - کبھی شاہ زماں کبھی شاہ شجاع کبھی شاہ محمود ایوان بادشاہی کو زینت بخشتا - مگر بارک زئی قبیلے کی مخالفت سے خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں - پس مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پنجاب میں دائرۂ اقتدار وسیع کرنے میں کچھ مزاحمت نہ ہوئی - اس جنگ و جدل کے زمانہ میں لوگوں کو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی - اور مغربی حصہ پنجاب میں تو طوفان بے تمیزی برپا تھا - نہریں بند ہوچکی تھیں - دریائی طغیانی سے شہر تباہ ہوچکے تھے - کاشتکار کام چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف تھے - اب جو ساون مل نے مہاراجہ کی طرف سے ملتان کی صوبہ داری کی عنان ہاتھ میں لی - تو اس نے اپنا پہلا فرض یہ سمجھا کہ زراعت کو ترقی دی جاوے - اور اس کی ترقی بدون مستقل امن و امان اور حوصلہ افزائی کاشتکاران کے کسی صورت ممکن نہ تھی - دیوان ساون مل جانتا تھا - کہ وہ صوبہ داری میں کامیاب نہیں ہوسکتا - جب تک وہ [illegible] کو کئی لاکھ روپیہ سالانہ نہ ادا کرے اس نے پرانی نہروں کی صفائی اور جدید نہروں کے احداث میں بڑی کوشش کی اور جیسا کہ گزیٹر ضلع ڈیرہ غازی خاں اور ضلع مظفر گڑھ میں لکھا ہے - اس کی حکومت تمام سابقہ حکام سے رعایا کے حق میں نہایت اچھی ثابت ہوئی - حکام کے دور میں موجودہ متمدن [illegible] میں بھی رعایا کو تکلیف ہوتی ہے - مگر ساون کا دورہ ماہ ساون کی یاد تازہ کرتا تھا - اس کی عدالت کسانوں میں آج تک ضرب المثل ہے مقدمات کے فیصل کرنے میں نہ یہ حالت تھی - کہ عدالت کے تباہ کن اخراجات سے مدعی و مدعا علیہ خستہ حال ہوجائیں اور نہ فیصلۂ مقدمات میں کئی سالوں کا انتظار کرنا پڑتا - سادہ کاغذ پر عرضداشت لی جاتی تھی - اگر معاملہ معمولی ہوتا - تو کاردار موقعہ پر ہی فیصلہ کردیتا - اگر کسی تفتیش و تحقیقات کی ضرورت ہوتی - تو پیشی مل جاتی تھی - مگر کیا مجال کہ مقررہ تاریخ پر فیصلہ نہ ہوجائے - یا دیوان مقام مقررہ پر موجود نہ ہو -

"ساون مل کی خصوصیات"

دیوان ساون مل نے کاشتکاروں پر وہ تمام محصول ٹیکس جو ہر علاقہ کے حاکم [illegible] نے قائم کیے ہوئے تھے رکھے تھے مثلاً پرنی[1] - کنہری[2] - جھجری[3] - متھے پاڑ[4] - گھوڑا[5] - ٹکا[6] - بالکلیہ موقوف کردئیے لیکن بعض مقامات پر جہاں محصول کا [illegible]

---

[1] پرنی ایک ٹیکس کا نام ہے - پرنی پرقان کو کہتے ہیں - کاشتکاروں پر یہ ٹیکس بمنزلہ بیماری یرقان کے تھا - [2] [illegible] جاری ہوا - مراد یہ ہے کہ حاکم علاقہ کا ٹیکس تھا - [3] یہ ٹیکس اب بھی بعض جگہ ہے - خرمن سے ایک [illegible] [4] یہ ٹیکس بطور ظلم کے تھا کہ لوگوں نے اس کا نام متھے پاڑ رکھ دیا - [5] کاردار یا حاکم وقت کے گھوڑے [illegible] لیا جاتا تھا - [6] یہ ٹیکس ہر آدمی سے لیا جاتا تھا [illegible] - بلوچ)

(۲) دیوان نے ہر ضلع میں نہروں کی صفائی اور درستی میں پوری سعی کی۔ ضلع مظفرگڑھ میں مندرجہ ذیل نہریں اور راجباہے اس کی یادگار ہیں - (۱) کرم واہ جو ضلع جوکیک کے علاقہ سے آکر رنگ پور کو آباد کرتا ہے - (۲) کنیش واہ - جس کا اصلی نام غوث واہ تھا - مگر دیوان کے وقت میں اس کی درستی ہو کر نام بھی تبدیل کیا گیا - اس کی شاخ کڑیہ جھوبل نے دیوان کی عملداری میں احداث کرائی -
(۳) علی واہ - ترکھاں والا - جو علی کھلی واہ کی شاخیں ہیں - (۴) ناگنی جو نالہ کرڑ کی ایک شاخ ہے -
(۵) راجو جو کمھن کی شاخ ہے - (۶) حمزہ جو سردار واہ کی براینچ ہے - (۷) من واہ جو گلی کی شاخ ہے - وغیرہ وغیرہ

(۳) دیوان ساون مل نے اس ضلع مظفرگڑھ میں نو آباد کار آباد کئے - چنانچہ پنجاب سے بہت سے لبانہ سکھ آکر آباد ہوئے اور یہ عجیب بات ہے کہ ملتان ڈیرہ جات سے یہاں ان کی تعداد زیادہ ہے -

(۴) دیوان کا دورہ رعایا کے واسطے ابر نیساں سے کم نہ تھا - گویا ساون کا آنا بمنزلہ ماہ ساون کے تھا - جیسے برسات گرمی کو دور اور غنچہ دل کو شگفتہ کرتی ہے -

(۵) دیوان میں ایک اولوالعزم حاکم کی طرح - ایفاے عہد اور تالیف قلوب کی صفات حسنہ موجود تھیں اور ان ہر دو امور سے اس نے رعایا کے دل میں گھر کر لیا تھا -

(۶) کاشتکاروں کے لئے تخم ریزی کے ایام میں تخم قرضہ اور کھیتی کا انتظام کاردار کرتے تھے - کاردار کا فرض تھا - کہ اگر کوئی کسان اپنی اراضی کا تردد خود نہ کرسکتا - تو اس کی اراضی دیگر کاشتکار کو مستاجری پر دی جاتی -

(۷) دیوان کسی مقدمہ قتل - ڈکیتی - استحصال بالجبر میں ہمیشہ گاؤں کے جملہ معززین و پنچایت کی موجودگی میں واقعات مقدمہ سنتا اور اسے معاملہ کی اصلیت دریافت کرنے میں سہولت ہو جاتی - اسکی عدالت بالکل زمیندارانہ طرز کی تھی - خون کے مقدمات میں اگر مستغیث خون بہا پر راضی نہ ہوتا - تو قاتل اس کے حوالہ کر دیا جاتا - تاکہ وہ دل جمعی سے اپنا انتقام لے سکے -

(۸) مالگذاری کے دو طریقے رائج تھے - تھل کے علاقہ میں مقررہ رقم فی چاہ وصول کی جاتی - درحالیکہ مقدار کاشت مقرر پیمانہ سے تجاوز نہ ہو - دوسری صورت میں زائد رقبہ کی کاشت پر چہارم حصہ یا کم جنس محصول لیا جاتا - چاہی نہری - علاقہ میں جنسی بٹائی کا رواج تھا - کبھی ربع اور کبھی سدس کا طریقہ جاری تھا - جہاں سرکاری محصول معیار پیداوار سے کمتر خیال کیا جاتا - اس کی کمی دیگر حبوب سے پوری کی جاتی - دیوان کی انصاف پسندی اور معدلت پژوہی کی بہت سی حکایتیں زبان زد خلائق ہیں - منجملہ

ان کے یہ حکایت خصوصیت سے مشہور ہے - کہ ایک دفعہ اس کے کسی بیٹے نے کسی کاشتکار کے کھیت پر اپنے ہاتھی چھوڑ دیئے اور اس کا کھیت پامال کرا دیا - دیوان نے اپنے بیٹے کو دھوپ میں کھڑا دیا - اور خوب سزا دی اگر چور کو ساون مل کی دہائی دی جاتی تو وہ مال مسروقہ چھوڑ کر بھاگ جاتا - دیوان کی زندگی بالکل سیدھی سادی تھی - وہ علے الصباح ۵ بجے جاگ اٹھتا - اور پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر دفتر کچہری کا کام کرتا - اور پھر ۲ بجے سے شام تک مختلف امور طے کرتا - اس کے ایک آئین یا دستور العمل کا ہم بجنسہ ترجمہ کر دیتے ہیں - یہ سرکلر ہر کاردار کے نام تھا - اور اس سے اس کے طرز حکومت کا پتہ مل سکتا ہے

ہدایات بنام کارداران

(۱) رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرو - زراعت و فلاحت کے کام میں ترقی دو مالیہ کی وصولی نہایت دیانت داری ہوشیاری اور چستی سے کرو - ہر سال اور ہر فصل پر مالیہ اور پیداوار اراضی سال سابق سے زیادہ اور افزوں ہو -

(۲) اپنے تعلقہ کی حفاظت اور امن و اماں کے ذمہ دار رہو - چوری چکاری اور کسی طرح کی شرارت نہ ہونے پائے - جب کسی کی چوری ہو جائے تو تمہارا پہلا فرض یہ ہے کہ اس کی حق رسی کرا دو - چور کی تلاش کرو - اور اسے گرفتار کر لو - دو ماہ کے بعد مجرموں کی ایک فہرست ہمارے ہاں مناسب احکام کے واسطے بھیجو - (۳) بموجب اقساط ذیل ریونیو یعنی مالیہ کی ادائگی ہونی چاہیئے -

خریف - (قسط اول - ۱۵ اسُنگیر) (قسط دوم - ۱۵ پوہ) (قسط سوم - ۱۵ ماگھ)

ربیع - (قسط اول - ۱۵ - جیٹھ) (قسط دوم - ۱۵ - ہاڑ) (قسط سوم - ۱۵ ساون)

(۴) یکم ہاڑ کو نرخ اجناس کی ایک فہرست مرتب کر کے ہمارے دفتر میں بھیجو - جس پر پنچایت اور معززین کے دستخط ہوں - (۵) ہر سال ماہ بھادوں میں ہمارے دفتر میں حاضر ہو کر اپنے مالیہ اور مطالبہ کا حساب بیباق کرو - (۶) نہروں کی صفائی - درستی اور کھدائی کا پورا بندوبست کرو - تاکہ کاشتکاروں کو دقت پیش نہ آئے - اور نہ وقت گذر جائے - (۷) جب تم فصل کی بٹائی یا پڑتال کو جایا کرو - تو محرر - دبیر - (مودی) اور پیچ کے کاغذات میں یکسانیت - (۸) سپاہیوں کی تنخواہ اپنے ہاتھ سے تقسیم کرو - تنخواہ بموجب سکیل مقررہ دی جائے - اور جو رقوم ان کے ذمہ واجب الطلب ہیں - وہ وضع کر لو -

(۹) آئین بالا کے مطابق عمل کرو - فقط اپنی تنخواہ پر گذارہ کرو - استحصال بالجبر اور لالچ نہ کرو - اپنی مہر کو

بھی رشوت یا لالچ کے پھیر میں نہ آنے دو - اگر کوئی ناجائز کارروائی ہمارے نوٹس میں آئی تو تم اس کے ذمہ دار ہو - چونکہ نذرانہ شکرانہ کا رواج عرصہ سے چلا آتا تھا - اسواسطے اگر کاردار کو نذرانہ نہ دیا جاتا - تو وہ سرکار میں جمع کرا دیتا - برداشت وفصل کے موقع پر خیرات و میرات کے بہانے ایک ٹیکس وصول کیا جاتا اس میں شک نہیں کہ برہمنوں اور مساکین کو خیرات بھی دیجاتی تھی - مگر اس مد کا بیت سارو پیہ بچت ہو کر سرکاری خزانہ میں جمع ہوجاتا - دیوان ساون مل ۲۹ ستمبر ۱۸۴۴ء کو انتقال کر گیا - لیکن اس کی حکومت کی اب تک کسان لوگ تعریف کرتے ہیں -

(الہ بخش خاں بلوچ)

جگنو

منتظر تیرے لئے جگنو مری آغوش ہے   میں تو پروانہ ہوں تو ہے شمع اور خاموش ہے
ہر کلی کوچہ ہے تیری روشنی سے فیضیاب   لعل ہے کس کان کا تو کس کے زیب گوش ہے
قمقمے روشن ہیں گویا ہر شجر ہر برگ پر   تیرے جلووں سے منور دشت کی آغوش ہے
یا کوئی ایک پروانہ کو ہے تسخیر دی   محو نظارہ ہیں آنکھیں اور زباں خاموش ہے
بہشت گلشن میں چھٹی ہیں کیسی آتشبازیاں   ایک چنگاری ہوا پر ہے کہ دوش دوش ہے
حسن کا اور عشق کا باہم مرقع کھچ گیا   خود ہی پروانہ ہے خود ہی شمع نور آغوش ہے
ایک جگنو ہے کہ جس سے ہے زمانہ مضطرب   ایک صحرا ہے جو رعب حسن سے خاموش ہے

(انیس مجتبی صحرا زبیری - مارہروی)

شیرۂ شیراز

مصحف روے رسول اللہ شد قرآن ما   راہ زلف عنبرینش شد رہ ایمان ما
پرتو انوار جمالش عالم امکان ما   ہست شمع طور سینا جلوۂ جانان ما
رہن زناریاں صد خرقہ و صد جان ما   یک نگاہے ناز کافر قیمت ایمان ما
پس بگردانہ قضا را این دل آزار جو   باز مشکل میشود ہر مشکل آسان ما
دیدۂ خونبار را بنگر کہ گلکاری چہ کرد   رشک گلشن ہست ہر گل ز گل دامان ما
طور شاہد است آنکس کو تماشہ میکند   خود تماشہ میشود از جلوۂ جانان ما

ہمنشین ما نشود دیوانۂ صحرا نورد ... دشت ہا پیدا شوند از خانۂ ویران ما
چوں تواں کردن شکایت پیش داور روز حشر ... روئے قاتل خود بپوشد جنبش دامان ما
یادگارے ہست در صحرا پئے پس ماندگاں ... بر سر خارِ مغیلاں پُرزۂ دامان ما
در ہمیں قید محبت قید شد پیغمبرے ... مصر ہست افسانہ خوانِ طالع زندان ما
انتظارِ آمدِ محشر خرامے میکند ... بے کفن افتادہ در دل میتِ ارمان ما
تو چہ دانی اے وصی گنجائشِ قیدِ جنوں ... تنگ صحرا میشود از وسعتِ زندان ما

(وصی حسن)

بال ہٹ

کہا کرتے ہیں تین قسم کے ہٹ۔ راج ہٹ۔ تریا ہٹ اور بال ہٹ۔ مگر یہہ آخری قسم کا ہٹ جنگے بھلے آدمی کو حیران کر دیتا ہے۔ اکبر اور بیربر کا وہ لطیفہ جس میں بیربر بچہ بنا تھا اور اکبر باپ۔ ہٹ یہہ تھی ایک ہاتھی معہ عماری کے ایک بچے کی دودھ پینے والی [illegible] بند کیا جائے۔ دوسری بڑی مثال سری کشن جی کے بالے پن کی ہے جو انہوں نے چاند کو دیکھ [illegible] ان کی ماتا جسودھا جی کتنا ہی ہاتھ پاؤں مارچکیں اور وہ راست پر نہ آئے۔ روئے۔ بلکے۔ مچلے۔ اور اپنی ہٹ پر تلے رہے۔ آخر وہ ایک تھال میں پانی بھر کے لائی اور بیٹے سے کہا "لو جی وہ چاند کھلونا" مگر انہوں نے ایک لات مار کر سارا پانی گرا کر کہا "یہہ اور وہ اور وہ اصلی یہہ نقلی۔ اس میں زمین آسمان کا فرق"۔ ویدانتی ایک گہری نظر سے اس کشن کہتا کو دیکھ کر کہتا ہے۔ "کشن جی کا بچپن ہی سے یہی خیال تھا۔ کہ لوگوں میں صداقت کی محبت پھیلے اور اسی خیال سے انہوں نے شروع ہی میں اس کی تعلیم دی" راقم نے اسی بال ہٹ کے مضمون کو مدنظر رکھ کے ذیل کی نظم لکھی ہے۔ جس میں وہی نظارہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ پیارے ناظرین نظم کے پڑھنے سے پہلے آپ یہہ ملحوظ رکھ لیں ایک ہٹ پر اڑا ہوا بچہ کس جوش میں کہہ رہا ہے۔

لوں گا لوں گا یہی لونگا اور نہیں کچھ لینے کا ... اک ننھا پورنماشی کے دن کہتا تھا۔ چلا چلا
ماتا اس کو سمجھاتی تھی۔ پرچاتی تھی بہلاتی تھی ... چپ ہونے میں نہیں آتا تھا روئیکا ایسا تار بندھا
کتنا ہی گود میں لیتی تھی چمچی پچی جی دیتی تھی ... جو ہوسکتا تھا کرتی تھی لیکن وہ اک بھی نہ سنتا تھا
گالوں سے گال لگاتی تھی چھاتی پر اسے لٹاتی تھی ... اندر باہر لیجاتی تھی۔ وہ اپنی ہٹ سے مگر نہ ہٹا
اک بھری پٹاری کھلونوں کی آنگن میں رکھ کے کہنے لگی ... ہر چیز ہے اچھی سے اچھی دیکھو بیٹا! آ ہا ہا ہا

سبزہ گھوڑا۔ ململ ہاتھی۔ ہیٹی ہتھنی۔ رنگلی بہلی   کٹیا۔ لٹیا۔ ڈولا۔ ٹھلیا۔ کروا کرچھا۔ چولہا چمٹا
لے لے۔ لے لے۔ جو ہوں پیارے دو ایک کہ سارے کی سارے   لائی ہوں واری تیرے لئے لے لیکے ان سے دل بہلا
پھوڑو۔ توڑو پھینکو پھونکو سب کے سب چولہے میں جھونکو   یہ میرے نہیں ہیں کام کے کچھ جا جا جا لے جا لیجا
یہ تیرے کھلونے مٹی کے جب میرے ہاتھ سے چھوٹیں گے   گرتے ہی ہونگے ٹوٹے ٹکڑے پھر ایسی چیز کا لینا کیا؟
ہاں! مجھ کو گر بہلانا ہے۔ یہ جانا ہے پھسلانا ہے   پھر مانا ہے کہ منانا ہے۔ دیکھو! وہ کھلونا دیدو لا
وہ چاند اک پیارا ہے درپن اسکی ہے دلہن سنتے نرالی پھبن   بھاتا ہے مجھے اس کا جوبن لادو ماتا۔ لادو ماتا
سنتے ہی اسکو چپ سی لگی۔ پھر دل ہی دل میں کہنے لگی   یہ تو ہے ٹیڑھی کھیر بڑی۔ اس بات کا ہے مشکل ہونا
یہ چیز جو ہے لا نیگی۔ جوں ہوتا کارج سدہ کرتی   ننھے کا رونا کب سنتی پاتال اکاش سے دیتی لا
پورب پچھم دکن اتر ڈھونڈ سکتی ہوں ساری پتھر   گو شل ہو جاؤں اُڑ کر پھر بھی تو نہیں وہ ملنے کا
ہاں! دل میں اب یہ ٹھانی لاتی ہوں تھالی میں پانی   شاید بہلے یہ دل جانی۔ جب بولونگی۔ لے لائی ما
تھالی میں پانی بھر لائی بولی جس کے تھے سودائی   واری جاؤں۔ لے۔ لے آئی۔ تیری ماتا تیری ماتا
بولا کہ سمجھا سودائی   کیوں جھوٹ سے جھوٹ بنا لائی
اس چاند پہ ہے چھائی چھائی   یہ وہ نہیں جو میں چاہتا تھا
تھالی پر پھیر دی لات لگا پانی جتنا تھا بہ نکلا   بچے نے ہو کر آگ کہا جو لائی چاند تھیں ہو گیا کیا؟
مجھ کو جس چیز کی خواہش تھی وہ اور رہی یہ اور رہی   وہ ہی سچی یہ ہے جھوٹی۔ سچ جھوٹ میں ہوتا ہے فرق بڑا
ہوتی نہیں سانچ کو آنچ کہیں یہ سچ ہے چھوٹی کی یا نہیر   ہو جاتا ہے آخر ظاہر۔ سچا سچا۔ جھوٹا جھوٹا
جو دل سے حق کا طالب ہے   یا سچائی کا راغب ہے
سن لے حق سب پر غالب ہے   کہتی ہے میر۔ یہ کتھا

(میر کرامت اللہ)

"غریقِ رحمت"

"خدایا! کیا تیری دنیا کے ایسے کھلے وسیع میدانوں میں کہیں اتنی گنجائش نہیں جہاں دو گھڑی اس کے نظارۂ دلفریب سے اپنے بیچین اور مضطرب دل میں ایک عارضی سکون پیدا کر سکوں!"

یہ ایک پُر درد مگر دلآویز موجِ صدا تھی۔ جو بہار دیکی

اونچی چوٹیوں سے ٹکرا نیچی گہری گھاٹیوں میں گونج جنگل کے خاموش سنسان فضا میں مل جلکر اپنے آپ کو ناپید کر رہی تھی اور اس کا سرچشمہ آبادی سے کوسوں دور - ایک ویران مقام پر - دنیا سے بیخبر - مافیہا سے بے تعلق گریبان چاک - آستینیں ندارد - کاندھوں سے بندھا ہر جگہ سے پھٹا اک کپڑے کا ٹکڑا پاؤں سے لپٹا ننگے سر - ننگے پیر - زرد چہرہ - کانٹا سا جسم - دونوں ہاتھ جوڑے - آنکھیں آسمان میں گاڑے آنکھوں سے دریائے اشک بہائے اک مجسمہ حسرت و یاس بنا یوں سرگرم شکایت تھا -

ایک غیبی آواز "ہاں - ہے تو - مگر تو کون ہے!" نے اسے چونکا دیا .... وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا - اور بولا -

"میں! - آہ - میں اک آوارہ مزاج دیوانہ - اک وارفتہ طبیعت پاگل - متحرک خاک کا تودہ - درد و اضطراب کا مجسمہ اور ایک ناپائیدار ہستی کا نام لیوا میں انسان - مگر تیرا بندہ تیرا محتاج"

غیبی آواز "پھر!"

وہی شخص - "پھر کیا! اپنا وہ حق جو غلام کو اپنے آقا کے ساتھ ہے - جو ہر ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہے
جو ہر مفلس کو اپنے خیر لیوا غنی کے ساتھ ہے .....
تجھ سے طلب کرتا ہوں"

غیبی آواز "مگر ابھی یہ نظارہ دلفریب کہاں تھا!"

وہی شخص "اس کا - جسکا نام حسن - رکھکر تو نے اپنی خدائی میں آزاد چھوڑ دیا ہے - جس میں متضاد صفتیں دے کر بار - نے جلانے کا اختیار دیدیا ہے - اس کی بے لوث لگاوٹیں - اس کی بے لاگ رکاوٹیں اس کا ہوش اس کی بیخودی - اس کا صبر اسکی بے چینی ....."

غیبی آواز "اچھا - اچھا - مگر تجھے وجہ شکایت!"

وہی شخص - "ایک ... مجھ کو کیا پوچھتا ہے کیا تجھ کو علم نہیں -

غیبی آواز - "اچھا - تو تو یہاں کھڑا کیا کرتا ہے!"

وہی شخص "فریاد" -

غیبی آواز "اور چاہتا کیا ہے!"

وہی شخص - "داد"

غیبی آواز "تجھ سے ضبط نہو گا!"

وہی شخص "میں کوشش کروں گا"

غیبی آواز "تو دیکھ نہ سکیگا!"

وہی شخص "میں ہمت کروں گا"

غیبی آواز - "تو جان! اچھا ہاتھ جوڑ اور آنکھیں بند کر!"

عشق کے مارے زندگی سے بیزار - نظر کے ندیدے نے جیسا سنا ویسا ہی کیا - آنکھیں بند ہوتے ہی دیکھتا کیا ہے کہ .... ایک خوشنما سرسبز باغ میں ہرے بھرے درخت - جھومتی لہلہاتی ڈالیاں - خوشنما ہموار روشیں - جا بجا کھلے تختے - رنگ رنگ کے پھول کھلے ہیں - وسط باغ میں ایک دو منزلہ سفید محل ہے - جس کے سب دروازے کھڑکیاں بند - ہر طرف سناٹا - اتنی وسیع عمارت خوشنما باغ مگر ہو کے سوا کچھ نہیں - کھڑے کھڑے کچھ دیر تو یہ ادھر ادھر تکتا رہا - مگر اس کے اضطراب شوق نے اسے زیادہ مہلت نہ دی - وہ بیساختہ باغ میں داخل

ہوگیا۔ آنکھیں پھاڑے کان لگا۔ ہر طرف دیکھتا سنتا مگر کسی کو نہ پاتا۔ درختوں کو چیرتا۔ روشیں پھاندتا گھبرایا۔ بولایا۔ جگہ بے جگہ پاؤں ڈالتا۔ پتوں میں کھڑکھڑ کی آواز پیدا کرتا چلا جاتا تھا۔ کہ سامنے اس کی نظر ایک پیکر حسن بے پناہ پر پڑی۔ جو وجدان بیخودی میں سرشار۔ اپنے مشغلہ میں مست بیٹھی تھی۔ ایک ہاتھ کی کلائی میں بید کی ٹوکری لاپرواہی سے ڈالے آدھی پھولوں سے بھری اور بقیہ آدھی کو لبریز کرنے میں بذوق مستغرق تھی ...... اسکی آہٹ پاکر وہ چونک پڑی۔ ذرا ہاتھ روک۔ رخ پھیر۔ نظر کھما اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دی اس کی نظریں چار ہوئیں۔ اس نے ایک ہاتھ سے کلیجہ دبا۔ دوسرا بے ساختہ بڑھا۔ وہی! وہی! ہاں وہی!!! کہکر آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی کہ دوسرے ہی قدم پر لڑکھڑا کر گر پڑا ..... اور ایک نامعلوم مدت کیلئے بیہوش ہوگیا۔

اس واقع کو گو عرصہ گذر چکا ہے مگر اسی خاموش باغ کے اندر سنسان محل کے سامنے ایک مٹی کا نمایاں ڈھیر اب بھی موجود ہے جس کے قریب ہی ایک پتھر کی چوڑی سل پر **عزیق رحمت** کے مٹے مٹے سے الفاظ زبان حال سے اس پیکر حسن کے شکر و دعا میں وقف ہیں جو نہ معلوم کتنی بے کلیوں کا رونا لیے ہوئے ان کا سرد پتھر اپنی آنکھوں کی جھولی میں سے کچھ کھلے مرجھائے پھول نکال نکال کر آجتک اس خاک آلود ابھرے ہوئے نشان پر چڑھانے میں مست ہے۔

(دیوانہ)

فلسفہ اخلاق

(گذشتہ سے پیوستہ)

باب ۴۳

اطاعت

اے انسان اپنے اس حال پر افسوس نہ کر کہ تجھے اطاعت کے فرائض سپرد کئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ فرائض اصل میں خداوند عالم کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ سے اس نے نظام عالم کے سلسلہ کو مربوط و مضبوط کیا ہے۔ اور اس کے بعد اس مسئلہ پر بھی ذرا غور کر کہ ان کے ذریعہ سے

تجھے کس قدر فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ اور کتنے افکار و خدشات سے تو محفوظ ہو گیا ہے۔

اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ ملازم و ماتحت کی عزت و ترقی کا انحصار محض اطاعت اور وفاداری اور دیانتداری پر ہے۔

تیرا مالک اگر کسی وقت تجھ پر غصہ ہو تو اسوقت خاموش رہ یہ خاموشی و انکساری تیری مالک کو کبھی فراموش نہ ہوگی اور اس سے تجھے بہت فائدہ پہونچیگا۔ اپنے فرائض ملازمت کو بہت دیانتداری اور مستعدی سے بجالا اور اس بات کا پورا ثبوت دے کہ جو بھروسہ تجھ پر تیرا مالک کرتا رہا ہے وہ صحیح تھا۔

تیرا مالک تیری دقت کا اور اس محنت کا جو تو کر سکتا ہے مالک ہے کیونکہ وہ تجھے اس کی اجرت دیتا ہے اس لئے محنت میں کوتاہی نہ کر کیونکہ یہ ایک قسم کی چوری ہے اور نہ کام کے اوقات میں اپنا وقت کسی کو دے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ اور اسی کے ساتھ آقا کو بھی یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے ملازم یا ماتحت کو وفادار رکھنا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ ہر معاملہ میں انصاف کرے اور اس کا بھی خیال رکھے کہ جو حکم دے یا جس کام کی ہدایت کرے اس کو پہلے سمجھ لے کہ یہ حکم یا یہ ہدایت غیر مناسب و غیر صحیح تو نہیں ہے ہمیشہ سختی کرنے سے خوف تو پیدا ہوتا ہے مگر محبت نہیں پیدا ہوتی۔ اس لئے جھڑکی میں ہمدردی اور نصیحت کو بھی شامل کر لینا چاہئے۔ تاکہ فہمائش کا دل پر اثر اچھا پڑے اور ملازم اپنے فرائض کو خوشی اور محبت کے ساتھ ادا کرے۔ کیونکہ یہ مسلمہ انسانی فطرت کا ہے کہ ہر کڑوی چیز بالعموم اذیت دہ معلوم ہوتی ہے خواہ وہ کسی قدر مفید ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اگر ملازم یا ماتحت سچائی اور دیانت داری سے اپنے مفوضہ خدمات کو انجام دے تو اس کو اس کا واجبی صلہ دینا چاہیے۔ تاکہ اس کے دل میں جذبات احسانمندی ہمیشہ اٹھتے رہیں اور جس کی وجہ سے وہ آیندہ خندہ پیشانی اور وفاداری کے ساتھ اطاعت کرکے اپنی دیانتداری کا ثبوت پیش کرنے کے قابل ہو سکے۔

باب ۴۴

حکمرانی اور سیاست ملکی

اے خدا کی عزیز ترین مخلوق۔ اے انسانوں کے بادشاہ خدا کا شکر کر کہ پروردگار عالم نے تجھے اپنے ان مخلوق پر حکمراں بنایا ہے جو جملہ خلقی اوصاف میں تیرے برابر ہیں اور اس کے بعد اس کا خیال رکھا کر کہ اپنے فرائض اور اختیارات کا صحیح استعمال جہاں تک ہو سکے کیا کرے۔

اس بات کو خوب اچھی طرح سے سمجھ لے کہ یہہ زریں و فوق البھڑک شاہانہ لباس اور یہہ تخت جس پر تو جلوہ افروز ہے اور یہہ تاج شاہی جو تیرے سر پر ہے اور جو تیرے جاہ و جلال کو بڑھا رہا ہے - ان کے وقار کو اور زیادہ بڑھا کیونکہ یہہ اختیارات و مراتب عالیہ جس نے تجھے تمام اپنے ہمجنسوں پر فضیلت دے رکھا ہے حقیقت میں خداوند عالم نے تیرے ذاتی فوائد اور اغراض حاصل کرنے کے لئے عطا نہیں کئے ہیں بلکہ یہہ تیری رعایا کی حفاظت و فوائد کے لئے مرحمت فرمائے ہیں -

بادشاہ کا رعب و جلال رعایا کی فلاح و بہبودی کا ذریعہ ہوا کرتا ہے اور حقیقی حکومت وہ ہے - جو رعایا کے دلوں پر کی جائے -

ذی فہم بادشاہ کے دلی جذبات اس کے عظیم الشان مرتبے کے مانند اعلے وارفع ہوا کرتے ہیں یہہ ضروری ہے کہ اس کو ہزارہا امورات پر غور کرنا پڑتا ہے مگر ان میں سے وہ انہیں باتوں کو عملی جامہ پہناتا ہے جس کو وہ اپنی رعایا کے واسطے مفید اور ضروری سمجھتا ہے وہ سلطنت کے اہم اور ضروری مسائل کے طے کرنیکے واسطے عقلا کو جمع کرتا ہے اور ان سے آزادانہ مشورہ لیتا ہے اور ان کی رائے کو بغور سنتا ہے اور جس میں ملک و سلطنت کا فائدہ ہوتا ہے - اسی پر عمل کرتا ہے -

وہ اپنی رعایا کو امتیازی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جس شخص میں جس قسم کی اور جتنی قابلیت پاتا ہے اسی قسم اور درجے کا کام اس کے سپرد کرتا ہے -

اس کی فوجداری کی عدالت کے حاکم منصف ہوتے ہیں اور اس کے وزرا بہترین قابلیت اور سمجھ کے لوگ ہوتے ہیں - اس وجہ سے اس کے ارکان سلطنت اس سے دغا نہیں کرتے -

وہ ہر علم و فن کی ہر موقع پر اعانت کرکے ترقی کرنیوالوں کو ترغیب دیا کرتا ہے -

علما و عقلا کی جمعیت سے اس کو روحانی مسرت حاصل ہوا کرتی اور وہ ہمیشہ ان لوگوں کے دلوں پر ترقی کا جوش پیدا کرایا کرتا ہے - جسکی وجہ سے اس کے جاہ و جلال میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے -

وہ اپنی سلطنت کے صناعوں کی ہر ممکن طریقہ سے مدد کرتا ہے اور تاجروں کی تجارت میں سہولتیں اور آسانیاں بہم پہونچاتا ہے - جسکی وجہ سے ملک کی دولت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اس کی سلطنت میں مزدور صحیح اور واجبی اجرت سے کبھی محروم نہیں ہوتے وہ ملک کے کاشتکاروں کی اس محنت و ہوشیاری کی جو ملک کی پیداوار میں اضافہ کرتی ہیں - بہت قدر کرتا ہے اور ان کی ہر طریقہ سے حوصلہ افزائی کرنا ضروری سمجھتا ہے ہر قسم کے علوم کے جاننے والوں کو مالی امداد دے کر دنیا کی آسائش اور بہبودی میں اضافہ کرانا اپنا فرض سمجھتا ہے -

وہ سلطنت کے ان حصوں میں جہاں آبادی نہیں ہے۔ نئی آبادیاں قائم کرنے کی سعی کرتا ہے اور سمندر و دریا کے راستوں کو محفوظ کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کیا کرتا ہے۔

وہ نہایت مضبوط جہاز بنواتا ہے اور ان کے واسطے مناسب اور موزوں مقامات پر بندرگاہیں بنواتا ہے۔

وہ حکومت اور سلطنت کے قیام و بقا اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبودی کے واسطے ایسے قوانین بناتا ہے۔ جن سے کل رعایا اس کی پابندی کرکے آرام و راحت حاصل کرتی رہے اور اپنے جائز حقوق سے مستفید ہوتی رہے۔ وہ اپنے فیصلہ میں رحم و ہمدردی کو بھی شامل کرتا ہے مگر مجرموں کی سزا دینے میں جادہ انصاف سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹتا۔ وہ اپنی رعایا کی فریاد کو غور سے سنتا ہے۔ اور ظالموں کے ظلم کا کماحقہ استیصال کرکے ان کو ظلم و ستم سے بچایا کرتا ہے۔

اس قسم کے حکمرانوں کی رعایا اپنے مالک و بادشاہ کا نہایت ادب و احترام کرتی ہے۔ اور ان سے مثل اپنے باپ کے محبت کرتی ہے۔ اور اپنے جان و مال کا صحیح محافظ سمجھا کرتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رعایا کی اس اطاعت و محبت کی وجہ سے ان کا بادشاہ بھی ان سے شفقت اور ہمدردی کے ساتھ پیش آیا کرتا ہے اور ان کی فلاح و بہبودی اور آرام و آسائش کا ہمیشہ خیال رکھا کرتا ہے۔

ایسے بادشاہ کے دشمنوں کی کارستانیاں اور شرارتیں کوئی برا اثر ان کی رعایا پر نہیں ڈال سکتیں اور نہ اس کی سلطنت کو کسی قسم کا نقصان پہونچا سکتی ہیں۔

ایسے بادشاہ کے ملازم نہایت وفادار رہتے ہیں اور سچائی اور محبت کے ساتھ ملک کی انتظامی مشین چلایا کرتے ہیں اور یہی سلطنت کے لئے آہنی دیوار کا بھی کام دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ایسے بادشاہ کی رعایا کے مکانات میں اطمینان و مسرت کی دیوی ہر وقت اپنی برکات نازل کیا کرتی ہے اور بادشاہ کے تخت سلطنت کی چاروں طرف سے اقبال و انبساط کے فرشتے محافظت کیا کرتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

(محمود علی خاں عرف آغا علی خاں)

مردوں کی چٹان

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ اجنبی ننگے سر تھا۔ ایک سرخ رنگ کی قمیص اور ایک عجیب قسم کا پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ جس کے

پائچے صرف گھٹنوں تک تھے اور بجائے گوشت کے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ دھجیاں سی لگی ہوئی ہیں - ننگے پاؤں تھا اور اس کے کپڑے بری طرح اس کے جسم سے چمٹے ہوئے تھے - اس کا قد زیادہ سے زیادہ پانچ فٹ چھ انچ تھا - لیکن اس کے شانے نہایت فراخ تھے - اور اس کا تمام قد و قامت بحیثیت مجموعی یہ بتاتا تھا کہ وہ نہایت مضبوط اور طاقتور انسان ہے - اس کا چہرہ شاید تھکن اور سردی کی تکلیف سے اس میں کس قدر کمزوری ظاہر کر رہا تھا - اور اس کے الجھے ہوئے بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے لیکن سب سے زیادہ پر اسرار کیفیت جو نہ صرف اس کے چہرہ سے بلکہ ہر ہر عضو سے عیاں تھی - اس کا گھبراہٹ آمیز انتظار تھا جس میں وہ ہمہ تن محو ہو رہا تھا - اس کی نظر یکایک اعجاز پر پڑی اور اسطرح چونک پڑا جیسے اچانک آپڑنے والے خطرہ کی وجہ سے کوئی ڈرپوک شخص چونک پڑتا ہو - لیکن یہ دیکھ کر کہ اس کو اس طرح ڈرا دینے والا صرف ایک بچہ ہے اسے اطمینان ہو گیا اور وہ اعجاز کی طرف بڑھا - قریب پہونچنے پر اعجاز نے پہلی نظر میں تاڑ لیا کہ وہ فاقہ اور سردی کی وجہ سے کانپ رہا تھا -

"لڑکے! تم اسقدر جلد - علی الصباح سمندر کے کنارہ پر کیا کر رہے ہو" اس نے نہایت اضطراب آمیز آواز سے سوال کیا -

اعجاز - "جناب - رات کسقدر طوفان تھا - اور ہم نے یعنی والدہ نے اور میں نے ایک ایسی دہشتناک چیخ کی آواز سنی کہ گویا ...... مگر آہ میں نے دیکھا ......" - "تم نے کیا دیکھا"

اجنبی - نے گھبرا کر اعجاز کا بازو نہایت زور سے پکڑ لیا - اور دریافت کیا -

اعجاز - (کانپتے ہوئے) "میں نے صرف ایک ٹوپی دیکھی ہے جو سامنے والی چٹان کے نیچے پڑی ہوئی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ...."

اجنبی - "چلو - جلدی چلو - مجھے تو بتاؤ وہ ٹوپی کہاں پڑی ہے" اور ساتھ ہی اس نے چٹانوں کی طرف دوڑنا شروع کر دیا - ایسی حالت میں کہ اعجاز کا بازو اس کی سخت گرفت میں تھا اور اعجاز نہایت بے بس اور بیکس طریقہ سے اس کے ساتھ گھسٹتا ہوا چلا جا رہا تھا - دوڑتے دوڑتے اجنبی یکایک رک گیا اور اعجاز کی آنکھوں میں آنکھیں گڑا کر دریافت کیا - "ٹوپی کے علاوہ تو کوئی اور چیز تم نے نہیں دیکھی"

اعجاز - جی نہیں -

اجنبی - "نہ کوئی اور آدمی ہی تم نے دیکھا؟"

اعجاز - "جی نہیں - مجھے کوئی آدمی نہیں دکھائی دیا"

اجنبی - "کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے سوائے میرے کسی اور آدمی کو قطعاً نہیں دیکھا - کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تم نے کوئی لمبا سا آدمی دیکھا ہے - جس کے سر پر بڑے بڑے بال ہیں - اور کانوں میں بندے

پہنے ہوئے ہے۔"

اعجاز۔"جی نہیں - میںنے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔"

اجنبی۔"کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ تم نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا - اچھا یوں کہو کہ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میںنے سمندر کے کنارے پر سوائے تمہارے اور کسی کو نہیں دیکھا۔"

اعجاز۔" میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میںنے سمندر کے کنارے پر سوائے آپ کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔"

اجنبی۔" اچھا یہ بھی کہو کہ اگر میںنے دیکھا ہو تو میں اندھا ہو جاؤں۔"

اعجاز۔" اگر میںنے دیکھا ہو تو میں اندھا ہی ہو جاؤں"۔

اجنبی نے چاروں طرف پھر کر دیکھا اور پھر چٹانوں کی طرف دوڑنا شروع کر دیا - اور خدا ہی جانتا ہے کہ اعجاز نے کس مصیبت اور دقت سے اپنے آپ کو جگہ جگہ گرنے سے بچایا - اور بازو کی سخت گرفت سے عائد ہونیوالی تکلیف پر ضبط کر یہ کیا - دونوں نہایت تیزی سے چلے جا رہے تھے شدت سرما سے اجنبی کے دانت بج رہے تھے - تمام اعضا کانپ رہے تھے - اور اس کے بھیگے ہوئے کپڑے صبح کی ٹھنڈی ہوا میں فرفراڑ رہے تھے - انتہائی تھکن کی وجہ سے اس کا چہرہ بھرایا ہوا سا تھا - لیکن بایں ہمہ جب تک کہ وہ چٹانوں پر نہ پہونچ لیا اس نے اپنی رفتار ذرا بھی کم نہ کی - چٹانوں پر پہونچ کر اس نے پھر چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور یکایک اعجاز سے یہ سوال کیا کہ "یہاں کوئی چھپنے کی جگہ بھی ہے" اس سوال کی غرابت نے اعجاز کو حیرت زدہ کر دیا اور اصل تو یہ ہے کہ اس اجنبی کی تمام باتیں ابتدا ہی سے کچھ ایسی عجیب غریب تھیں کہ ڈر کے مارے اعجاز مرا جاتا تھا اور دل ہی دل میں دعائیں مانگتا تھا کہ کسی طرح اس بلائے مبرم سے پیچھا چھٹے - مگر مشکل یہ تھی کہ اجنبی اعجاز کا ہاتھ نہایت مضبوط پکڑے ہوئے تھا - اور بھاگ نکلنے کا کوئی موقعہ نہ تھا - اعجاز نے بہزار دقت جواب دیا -

"یہاں سے کچھ آگے جو چٹانیں ہیں ان میں ایک غار تو ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اعجاز کی آنکھوں سے اجنبی نے دریافت کر لیا کہ اعجاز اس کے اس سوال پر دل ہی دل میں متعجب ہو رہا ہے اور یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ آخر یہ چھپنا کیوں ہے - اور شاید اسی لئے اس نے فوراً گفتگو کا رخ بدل دیا -

اجنبی۔"ہاں جی - وہ ٹوپی تو بتاؤ کہاں پڑی ہے"۔

اعجاز چٹانوں پر چڑھ گیا - اور اس نے ٹوپی کی طرف انگلی سے اشارہ کیا - جو ابھی تک اسی حالت میں پڑی ہوئی تھی - صرف سمندر کا پانی کچھ اور اوپر چڑھ آیا تھا -

اجنبی نے تھوڑی دیر تک اس ٹوپی کو غور سے دیکھا۔ پھر ایک ہلکی سی چیخ ماری۔ جلدی سے نیچے اترا اور جھپٹ کر ٹوپی اٹھالی۔ اعجاز نے پہلی نگاہ میں اس کو معمولی ملاحوں کی مخصوص ٹوپی سمجھ لیا تھا لیکن اسی اجنبی نے اسے اٹھا کر غور سے دیکھا۔ دونوں سرے پکڑ کر زور سے اینچا اور پھر انگلیوں سے ناپا۔ اور اس تمام عمل کے دوران میں وہ منہ سے بھی کچھ بڑبڑاتا رہا۔ اور اعجاز۔ چونکہ یہ اجنبی ننگے سر تھا یہی سمجھتا رہا کہ یہ ٹوپی اسی کی ہے۔ گو اس میں شک نہیں کہ اعجاز یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ اس اجنبی نے اس گم شدہ ٹوپی کے مل جانے کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ ۔ آخر کار اجنبی ٹوپی ہاتھ میں لئے ہوئے منہ سے بڑبڑاتا ہوا پھر چٹان پر چڑھ آیا۔ اور اعجاز نے سنا کہ وہ اپنے آپ یہ باتیں کر رہا تھا۔

"یقیناً اسی کی ٹوپی ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی نشان نہیں ہے۔ لیکن وہ تو بڑا مکار اور فریبی شیطان تھا۔ بہر حال جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ ہو کر رہیگا۔ اور یہ ٹوپی اس کا ثبوت ہے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ اچھا لاؤ اس ٹوپی کو تو میں پہن لوں۔ جیسا اس کو خیال تھا کہ یہ ہوگا وہ ہوگا وہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ لیکن اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں اس کا وارث ہوں۔ صرف اس ٹوپی کے معاملہ میں۔ تو اس کی قبر میں مارے غصہ کے آگ ہو جائیگا۔ جی پاگل ہو جائیگا۔ میں اسے پرانی ملاقات کی یادگار میں پہنوں گا۔ لڑکے! بیٹھ جاؤ۔ (اعجاز سے مخاطب ہو کر اس نے کہا) ہم یہاں بالکل محفوظ ہیں۔ اور یہاں ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں"

وہ چٹان جس پر کہ یہ دونوں کھڑے ہوئے تھے کم و بیش سات فٹ لمبی اور تین یا چار فٹ چوڑی تھی۔ اس کے ایک کنارہ پر وہ راستہ تھا۔ جس سے کہ یہ لوگ اس چٹان پر چڑھے تھے۔ دوسرا کنارہ بتدریج سمندر میں اتر گیا تھا۔ جو اسی مقام پر تقریباً چالیس فٹ گہرا تھا۔ اس جگہ سے کچھ اوپر ایک ایسی ڈھلوان چٹان تھی جس پر چڑھنا اترنا بالکل محال تھا ظاہر ہے کہ یہ کوئی تفریح کا مقام نہ تھا جہاں اعجاز ایک محض اجنبی کے ساتھ اطمینان سے بیٹھ سکتا۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ ادھر تو یہ اجنبی بجائے خود اعجاز کے خوف و ہراس کا باعث تھا ادھر وہ ٹوپی بھی ایک خاموش خطرہ سے کم نہ تھی اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ دونوں اسباب تخوف ایک جگہ جمع ہو گئے تھے اور اعجاز ان کے ساتھ دو بدو بیٹھنے پر مجبور محض تھا۔ کچھ یہ بات بھی تھی کہ اب اتنی دیر تک ایک ساتھ رہنے سے اعجاز کا خوف اجنبی کی طرف سے ایک حد تک کم ہو گیا تھا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو وہ بالکل بے بس تھا اور اسے مجبوراً بیٹھنا پڑا۔ اعجاز کا ساتھی بھی اسی جگہ بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر تک دونوں سمندر کو تکتے رہے۔

صبح کا سورج اب اچھی طرح بلند ہو چکا تھا۔ اور اس کی آڑی ترچھی کرنیں سمندر کی لہروں کو

آتشیں بساط پر محو رقص کر رہی تھیں۔ کچھ بلندی پر جو مرتفع چٹانیں تھیں ان کا سایہ نیلگوں پانی میں پڑ پڑ کر اسے اور زیادہ نیلگوں بنا رہا تھا۔ بائیں طرف قنبر کے ریگستان کی چمکیلی ریت جگمگا رہی تھی اور داہنی سمت میں چٹانوں نے ہر چیز کو چھپا لیا تھا۔ صرف سورج اپنی تمام شان جلالت کے ساتھ نظروں کو خیرہ کئے دیتا تھا۔ اور رات بھر آرام لینے والے بحری پرندے اب چونک چونک کر اپنے اپنے شکار کی تلاش میں اڑتے پھر رہے تھے۔ اعجاز نے ڈرتے ڈرتے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح سمندر کو تک رہا تھا۔ اور بظاہر کسی گہری سوچ میں تھا۔ وہی ٹوپی اس کے سر پر تھی اور وہ اب تک بڑبڑا رہا تھا گویا اسے خبر ہی نہ تھی کہ کوئی اور شخص بھی اس کے قریب بیٹھا ہوا سب کچھ سن رہا ہے تھوڑی دیر کے بعد اس نے اعجاز کی طرف رخ کیا اور پوچھا۔

"تمہارے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے" اعجاز کو اپنے خوف وہراس میں ذرا خیال نہیں رہا تھا کہ وہ چلتے چلتے کچھ روٹیاں بھی بطور حفظ ما تقدم باورچیخانہ سے لیکر اپنی جیب میں رکھ لایا تھا۔ یہی روٹیاں اعجاز نے اپنی جیب سے نکال کر چپکے سے اجنبی کے سامنے رکھدیں۔ اور اجنبی نے بغیر کچھ کہے سنے جھپٹ کر اٹھالیں اور ایک دو ہی منہ مارے ہوں گے کہ روٹیوں کا صفایا تھا۔

"اور بھی ہیں" اس نے پوچھا اور اعجاز نے ڈرتے ڈرتے اسے روٹیوں کے عدم وجود سے مطلع کیا۔ اجنبی اعجاز کے اور بھی قریب آگیا۔ بغیر کچھ کہے سنے اسے گھورنے لگا۔ اور پھر یکایک دریافت کیا۔ "تمہارا نام کیا ہے"

اسمیں شک نہیں کہ اس شخص کے سوال کرنے کا طریقہ عجیب غریب تھا۔ تاہم اعجاز نے فوراً جواب دیا "جی میرا نام اعجاز ہے" "اوہ خدایا کیا کہا"

اجنبی نام سنکر اور بھی آگے بڑھ آیا اور وحشیانہ طریقہ پر نہایت متعجبانہ انداز سے اعجاز کو گھورنے لگا۔ اعجاز نے قطعاً یہہ نہ سمجھ کر کہ اس کے نام کا یہہ تعجب خیز اثر اس پر کیوں ہوا۔ ڈرتے ڈرتے پھر اپنا نام دُھرایا۔ اِدھر اجنبی کی یہ حالت ہوگئی کہ گویا اس پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے اس نے اپنی آنکھیں اعجاز کے چہرہ پر سے ہٹالیں اور سمندر کی طرف بے معنی نگاہوں سے تکنے لگا۔ گویا اب اسے اعجاز کی طرف دیکھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ تک بالکل خاموشی رہی۔ اور پھر اس اجنبی نے دریافت کیا "کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا باپ خرد کے نام سے پکارا جاتا ہو"

باوجود خوف غالب ہونے کے اس حقارت آمیز طریقہ سے اپنے والد کا نام لئے جاتے ہوئے سن کر غصہ سے اعجاز کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ لیکن اس سوال کے ساتھ ہی ایک نئی قسم کا خوف اس پر سوار ہوگیا

اور نامسعود جواب کے خیالی امکان سے کانپتے ہوئے۔ تاہم نہایت مشتاقانہ انداز اضطراب سے اس نے کہا۔

"جی ہاں۔ ان کا یہی نام ہے۔ کیا آپ انہیں جانتے ہیں وہ سرانذیپ سے آرہے تھے اور اماں جان ان کی خیریت کے لئے بہت بیتاب ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ وہ ......؟"

اعجاز اور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اور اپنے باپ کے متعلق بہت سے سوالات امنڈ امنڈ کر اس کے دماغ میں آرہے تھے۔ لیکن کسی نامعلوم خوف نے اس کے منہ پر مہر لگادی تھی اور وہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکا۔ ادھر اجنبی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا کہ گویا اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ اسیطرح سمندر کو تکتے ہوئے کچھ ٹھہر کر اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"وہ قسمت نما جہاز میں سوار ہوا تھا۔ یہ جہاز تقریباً چھ سو ٹن کا تھا۔ ہاں۔ ہاں۔ میں اس سے واقف ہوں۔ خوب واقف ہوں۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ یہ مقام نگر ہو"

اعجاز۔ "جی ہاں نگر ہی ہے۔ ہمارا گھر۔ (انگلی سے بتاکر) اسی سامنے والی چٹان کے پیچھے ہے۔ مگر اللہ کے لئے بتایئے کہ اباجان کے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں پیش آیا وہ ہیں تو خیریت سے"

اجنبی۔ خرد کے ساتھ کوئی حادثہ کیوں پیش آنے لگا۔ مجھے بتاؤ کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ کیوں پیش آتا"۔

وہ اب تک لہروں کی رقص کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس تمام عرصہ میں ایک مرتبہ بھی اعجاز کی طرف نگاہ نہیں کی یکایک دونوں ہاتھوں سے جو اس وقت بے انتہا کانپ رہے تھے ایک سخت گھبرائے ہوئے شخص کی طرح اس نے اپنے پھٹے ہوئے پاجامہ کے دونوں پائچے تھام لئے۔ کچھ عرصہ تک اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد اس نے ایک فکر مند اور نہایت دھیمی آواز سے جو یہ معلوم ہوتی تھی کہ گویا کسی دور دراز مقام سے آرہی ہے۔ خود بخود بڑبڑانا شروع کیا۔

"خرد۔ خوبصورت۔ جوڑا چکلا۔ چھ فٹ دو انچ لمبا۔ آخر اس کے ساتھ کوئی حادثہ کیوں پیش آتا"

اعجاز۔ (التجا کے) "آپ انہیں جانتے ہیں۔ اس جہاز کو بھی جانتے ہیں جس پر وہ سوار تھے۔ اللہ کے لئے بتایئے کہ آخر کیا واقعہ ہوا۔ کیا آپ بھی اس جہاز پر تھے۔ آخر وہ جہاز کہاں چلا گیا"

اجنبی۔ (اسی طرح افق کو دیکھتے ہوئے) "میں سرانذیپ سے ۱۷ر جولائی کو چلا تھا۔ ماریہ نامی جہاز پر چلا تھا۔ لہذا اگر خرد قسمت نما جہاز پر سرانذیپ سے روانہ ہوا تو ہم دونوں کسی طرح ایک ہی جہاز پر نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہی منطق کا اصول ہے"۔ اس نے پہلی مرتبہ اعجاز کی طرف ایک غیر یقینی مسکراہٹ آمیز نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا اور فوراً اپنے سابقہ مشغلہ میں مصروف ہوگیا اور پھر سمندر کو گھورنے لگا۔ (باقی آیندہ) (سید حمید الدین احمد رعنا)

کلامِ ناہید

گل موسم بہار میں جو مست ناز ہے
بلبل بھی تو جواب میں محو نیاز ہے

بلبل خود اپنی آہوں سے بیخود ہی مست ہے
ہر نالۂ فصل گل میں اک آہنگ ساز ہے

سر پائے گل پہ رکھ کے ہوئی جاں بحق بہ...
بلبل تری عجیب قسم کی نماز ہے

آخر چمن کو نالوں سے ویران کر دیا
بلبل! غضب کا تجھ میں تو سوز و گداز ہے

سرگوشیاں سی ہیں گل و بلبل میں اندنوں
ہر باغ اک مرقع راز و نیاز ہے

گاہے قفس نصیب گہے قربِ گل نصیب
باغ جہاں جہانِ نشیب و فراز ہے

ناہید حق سے طالبِ عفوِ گناہ ہو
اے بدنصیب اب بھی درِ توبہ باز ہے

(ناہید)

بیداریٔ غفلت

رات اندھیری سخت منزل راستہ دور و دراز
اے مرے اللہ! تھوڑی روشنی میرے لئے

ایام رضاعت کا زمانہ نہیں معلوم کس طرح گذر گیا۔ اتنا ہوش نہ تھا کہ اس کو یاد رکھ سکتا ہاں جب آغوش مادر سے گھٹنوں چلنا شروع کیا تھا اور ہاں نہیں کہنے کی کچھ تمیز ہو چلی تھی۔ اس وقت سے اس وقت تک کے تجربے کچھ تو ضرور دماغ میں محفوظ ہیں۔ گو ان کی حالت ویسی ہی ہے جیسے کسی تصویر کے اڑتے ہوئے نقوش۔ کچھ محو کر چکا کچھ بھولتا جاتا ہوں کچھ پتھر کی لکیر کی طرح دماغ پر جمے ہوئے ہیں۔ اتنا یاد آتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ جب میری ماں مجھکو بنا کر تاسی کر پہناتی تھی تو میں اس کے بٹنوں کو دانتوں سے نوچا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جاتے تھے اور جب میرا گریبان چاک ہو جاتا تھا تب مجھ کو قرار آتا تھا۔
نہیں معلوم کہاں کی وحشت مجھ میں بھری ہوئی تھی۔ اکثر دیوانہ وار وحشیوں کی صورت نہیں معلوم کس کی تلاش میں پھرا کرتا تھا۔ اپنے ہمجولیوں سے ضرور موانست تھی لیکن وہ اس وجہ سے کہ میں یہ محسوس کرتا تھا کہ اس سے پہلے میں کہیں ان سے مل چکا تھا۔ وہ اجنبی نہ معلوم ہوتے تھے۔ لڑکپن میں کھیل بہت مرغوب ہوتا ہے لیکن مجھکو صرف وہی کھیل پسند معلوم ہوتے تھے جو میرے وحشیانہ حرکات کا نتیجہ یا انسے ملتے جلتے ہوتے تھے اکثر میں مٹی اور ٹوٹی ہوئی اینٹیں جمع کر کے اپنے

واسطے کسی جگہ بیٹھ کر گھر بنایا کرتا تھا لیکن پھر اس کو ٹھوکر مار کر گرا دیتا اسوجہ سے کہ وہ مٹی اینٹیں اور اس جگہ کی زمین مجھ کو اجنبی معلوم ہوتی تھی - میں ایک مسافر کی طرح ہر جگہ کو سرائے سمجھتا اپنے اعزا کے مکان پر اگر رات کو سونے کا اتفاق ہوتا تو وہاں بھی اسی طرح پاؤں پھیلا کر سوتا تھا جسطرح مجھ کو اپنے مکان پر اپنی خوابگاہ پر نیند آتی - ہر جگہ اور ہر مقام پر ایک ہی صورت سے دل بہلتا یا گھبراتا بربادی کا سماں دکھانیوالے تماشے زیادہ مرغوب ہوتے تھے - کوئی بنتا ہوا اونچا سا مکان دیکھ کر ہمیشہ متنفر ہوتا لیکن گرتی ہوئی چھت یا جلتے ہوئے مکان کے دیکھنے کو کوسوں دوڑ جاتا اور کبھی نہ تھکتا -

ایک مرتبہ کا سانحہ مجھ کو اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں نے خود اپنے برادر رضاعی کے پھوس سے چھائے ہوئے مکان میں آگ لگا دی تھی اور اسی جلتے ہوئے چھپر کے نیچے کھڑے ہو کر اس کا تماشہ دیکھ رہا تھا اور مطلق اپنے جل جانے کا اندیشہ نہ تھا - لیکن اب جو میں اپنی اس گذشتہ حرکت پر غور کرتا ہوں تو اور ہی کچھ سمجھ میں آتا ہے - بہت ممکن ہے کہ جلتے ہوئے مکان کا تماشہ اسوجہ سے مرغوب ہو کہ وہ کسی قدر میری سوزش دل کا نمونہ تھا اور اپنے - بے پروائی سے جلتے ہوئے مکان کے نیچے کھڑے ہو کر لطف لینے سے یہ مطلب ہو کہ میں نے اپنے جسم خاکی کو اپنی ذات نہ سمجھا بلکہ ایک ایسی فضول اور مہمل مادی شئے تصور کیا کہ اگر اس کو گزند پہنچ بھی جاتی تو مجھ کو ضرر نہوتا - یعنی میں - میری حقیقی ذات کچھ اس جسم خاکی سے الگ تھی -

افسوس! کہ چند ہی سال میں مجھ میں یہ انقلاب پیدا ہو گیا کہ میں اس جسم خاکی کو جو کمزوری اور جذبات وخواہشات سے مرکب ایک فانی تصویر ہے - اسی کو اپنی ذات سمجھنے لگا - دریائے عناصر میں اختلاف خیز موجوں کے اٹھتے ہوئے طوفان کا نام میں نے زندگی رکھدیا - اور بقائے حقیقی کو فنا اور موت کے نام سے موسوم کرنے لگا - حیف! کہ وہ اطمینان اور علائق دنیا سے بے پروائی سب کے سب مجھ کو چھوڑ کر کیا جانے کس طرف رخصت ہو گئے - وہ مسرت کا جوش دل سے مٹ گیا اور فکر اور رنج کے بادل دل حزیں پر چھا گئے - ایک وہ وقت تھا کہ جامہ دری مرغوب تھی اور پھٹے کپڑوں میں حسن کا جلوہ نظر آتا تھا لیکن افسوس کہ وہی آنکھیں اب صاف اور شفاف خوش اسلوبی سے سلے ہوئے جامہ ہائے مزین کی جستجو میں کھلی رہتی ہیں - خواہشات روز بروز بڑھتی جاتی ہیں - دنیا کی چیزیں جو پہلے حقیر تھیں اب نفیس معلوم ہوتی ہیں - اور ان کی فراوانی کی تمنا روز افزوں ترقی پر ہے - یا وہ وقت تھا کہ زندگی کی شمہ بھر پرواہ نہ تھی یا اب زندگی اسواسطے درکار ہے کہ دنیا کی ادنے لذتوں سے سیری حاصل کروں اونچے محلوں میں رہنے کی تمنا شاہان زمانہ کے درباروں میں رسائی کی ہوس - کثرت مال ومتاع کی آرزو

ان سب سے زیادہ مخدوم بننے اور معزز کہلانے کی چاہ - یہ خیالات ہیں جو دماغ کی چار دیواری میں گونج رہے ہیں ایک زمانہ وہ تھا کہ موت کا نام شیریں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ میں لڑکپن میں سنا کرتا تھا کہ مرنے کے بعد آدمی فرشتہ بنجاتا ہے - فرشتہ بننے کی ہوس موت کو میری نگاہوں میں اچھی چیز چیز ثابت کرتی تھی - لیکن اب وہی میں ہوں کہ موت کے نام سے لرز جاتا ہوں اور کانوں کو یہ بات پسند نہیں آتی کہ کوئی موت کا نام لے گویا میرے دل میں یہ بات سما گئی ہے کہ شاید میری زندگی جاودانی ہے اور یہ دنیا میرا دائمی مقام ہے - میں نے کسی فلسفی کا قول سنا ہے کہ اس عمر میں آدمی پر ایک ایسا وقت آتا ہے جب مادیت اور روحانیت میں باہمی نفاق پیدا ہوجاتا ہے روحانیت ایک حسین عورت کے جامہ میں آتی ہے لیکن نہ تصنع ہوتا ہے نہ بناوٹ - نہ لگاوٹ کی نگاہیں اور نہ ترچھی نظروں سے نمائشی ادا دکھانا - سادگی اس کا زیور اور معمولی لباس اس کے زیب بدن ہوتا ہے اس کے برخلاف مادیت کی حالت ہے کہ نہایت کریہہ الشکل عورت کا بھیس لیکن چہرے پر نقاب پڑی ہوئی زریں لباس جسم کے اوپر اور وہ بھی خوشبو سے معطر - ادائیں غضب کی - کرشمہ آفت کے دونوں آدمی کے سامنے آکر استادہ ہوتی ہیں - روحانیت زیادہ کدوکوشش نہیں کرتی مگر مادیت ہر طرح اپنے دام میں انسان کو پھانسنے کی کوشش کرتی ہے - ظاہر ہیں مادیت کی طرف اور حق بیں روحانیت پر مائل ہوجاتے ہیں - اس کے بعد آدمی کی زندگی میں ایک انقلاب سا محسوس ہوتا ہے اور وہ سیدھے راستہ پر خواہ گمراہی پر کسی نہ کسی طرف لگجاتا ہے - یہ فلسفی کا قول مجھے اچھی طرح یاد ہے اور میں اپنی زندگی میں انقلاب بھی پاتا ہوں لیکن عالم بیداری میں تو کم از کم میرے سامنے کوئی عورت خواہ حسین یا بدشکل میرا امتحان لینے نہیں آئی - نہیں معلوم کہ میں سیدھے راستہ پر چل رہا ہوں یا گمراہ ہوں - میری عقل کام نہیں کرتی اور آتا کوئی میرا ہمدرد نہیں جو اس عقدے کو حل کر دے - میں کس سے مدد چاہوں اور کس کو بلاؤں - سنتا ہوں کہ ایسے وقتوں پر صرف عقل ہی سے مدد ملتی ہے مگر وہ میرے معاملہ میں خود عاجز ہے - اے میرے پروردگار اگر ایسی کوئی ذات ہے - اے میرے مالک اگر اس نام سے پکارے جانیکا کوئی مستحق ہے اے ہمیشہ سننے والے اور دیکھنے والے اگر تیری کوئی ہستی ہو - اے حکیم اور علیم رگ گردن سے زیادہ قریب رہنے والے اگر لوگوں کا یہ خیال ذہنی اور وہمی نتیجہ نہیں - تو میں تجھ سے امداد چاہتا ہوں اور اسوقت عقدہ کشائی کے لئے تجھ کو یاد کرتا ہوں کہ تو میری مدد کر اور میرے ان دل افسردہ کرنیوالے خیالات سے مجھ کو نجات دے -

(مرزا محمد جعفر حسین - بی - اے (لک)

کلام حفیظ

یہ تغافل! میری الفت آزمائی کے لئے؟
آزمانے کے لئے ہے یا ستانے کے لئے

حسرت ناکام بس اے آرزوئے دید بس
موت کو فقرہ نہ مل جائے بہانے کے لئے

آنسوؤں کا ایک خرمن ضبط کے پہلو میں ہے
آنکھ ہے محتاج لیکن دانے دانے کے لئے

بتوں سے جانتا ہوں سر میں ذوق سجدہ ہے
یہ نہیں معلوم ہے کس آستانے کے لئے

ت غم میں بھی ہے ایسا تامل اے خدا!!!
رہنے دے رکھ چھوڑا اسے اپنے خزانے کے لئے

منزلیں ملک عدم کی صرف نسیاں ہو گئیں
موت ہی آئیگی اب رستا بتانے کے لئے

ان کا وعدہ! اور مجھ اسیر یقیں؟ اے ہمنشیں!!!
اک بہانہ ہے تڑپنے تلملانے کے لئے

بلبلے لوٹے تو کیا وجہ شکایت اے صبا
آپ پر کس نے کہا تھا گھر بنانے کے لئے

اللہ اللہ ان کو میرے قتل پر یہ ناز ہے
سوئے دشمن دیکھتے ہیں داد پانے کے لئے

نہ ہستی میں عبرت کے سوا کیا تھا حفیظ
سرخیاں کچھ مل گئیں اپنے فسانے کے لئے

(ابو الاثر حفیظ جالندھری)

نخلستان سائی وا

تین ہزار سال سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے اسوقت نخلستان سائی وا دنیا میں سب سے زیادہ مشہور مقام تھا۔ اب وہ شہرت عنقا ہے اور بہت کم ایسے ہیں جو اس کے نام سے بھی واقف ہیں ع سدا نام رہتا ہے اللہ کا۔ البتہ جہاں تک دلچسپی کو دخل ہے اسمیں مطلق فرق نہیں آیا۔ اب تک اس کی چٹانوں میں ترمیتیں برقرار ہیں جنمیں ممیاں موجود ہیں اب بھی یہاں خوبصورت خرما کے درخت اور زیتون کے جھنڈ ہیں اور مسمار شدہ معبد مریخ کے کھنڈرات اور یاقوت کی کانیں خزانے اور دفینے دلچسپی سے خالی نہیں۔ اب یہاں کے لوگ سنوسی نسل سے ہیں۔ کہتے ہیں اس فرقہ کا بانی سیدی محمد بن علی۔ یہیں آکر آباد ہوا تھا۔ یہ مقام مسافروں کی نظروں سے اتنا عرصہ اس لئے غایب رہا کہ یہ دریائے نیل سے چار سو میل کے فاصلہ پر ہے اور اس کے اردگرد عرب کا وہ خوفناک ریگستان ہے جسے صحرا کہتے ہیں۔ اسکندریہ سے وہاں جانے کو پندرہ دن اونٹ کی سواری کے درکار ہیں اب چونکہ ہوائی

جہاز اور فورڈ کار موجود ہیں - اس لئے وہاں جانا چنداں دشوار نہیں رہا -

اس نخلستان کا طول تیس میل اور عرض چھ میل ہے اس کی اترائی سطح سمندر سے ۷۲ میل ہے - اب اس میں دو سو چاہات ہیں اور اس کی زرخیز زمین سے بیشمار میوہ جات پیدا ہوتی ہیں جن میں بہترین زیتون خرما - نو بانیاں - تربوز - خربزے - سردے اور انگور قابل ذکر ہیں - یہاں ایک عظیم الشان دمدمہ ہے - جسے جبل الموت کہتے ہیں - جس کی چٹانوں میں بیشمار قبریں ہیں - اسپر کھڑے ہوکر دیکھو تو نخلستان میں گنجان کھجوروں کے پیڑ اور نیلگوں جھیلیں آنکھوں کو مسحور کر لیتی ہیں -

سائی وا کے مکان چٹان پر بنے ہوئے ہیں جنکی پہلی منزلیں بالائی منزلوں سے زیادہ فراخ ہوتی ہیں - مکان مخروطی شکل کے ہیں - اور مٹی کے ہیں جن میں کھجور کی لکڑی استعمال کی گئی ہے - کئی جگہ یہ مکان ایکدوسرے سے ملحق ہیں درمیان میں گلیاں ہیں - ان مکانات میں صاحب خانہ بکریاں بھیڑیں اور مرغیاں پالتے ہیں - بڑے آدمیوں کے مکان جن کو شیخ کہتے ہیں ویسے ہی صاف ان کا ماتھا سفید ہے - یعنی ان پر چونا اور قلعی پھری ہوئی ہے -

سائی وا میں اونٹ نہیں رہ سکتے یہاں کی مکھی جسے غفر کہتے ہیں ان کے لئے بلائے جان ہے بار برداری کا حیوان صرف خر مسکین ہے -

اسوقت سائی وا کی آبادی تین ہزار سے زیادہ نہیں - یہ لوگ عربی نژاد نہیں ہیں انہیں بربری کہنا چاہئے - کہتے ہیں کہ یہ ان کی اولاد ہیں جو کمبایسس کے زمانہ میں مصر سے وہاں مہم پر آئے اور پھر واپس نہ گئے - سائی وا میں ایک خاص قسم کا بخار جسے سائی وا بخار کہتے ہیں نہایت مہلک ہے یہاں کے باشندے مضبوط دراز قد اور توانا بعض بعض نہیں بہت خوبصورت ہیں جن کی آنکھیں ارزق ہیں اور بال ریشم نما - لوگ بچپن میں شادی کرتے ہیں - تو دس سال کی عمر میں لڑکی کی شادی ہوجاتی ہے اور گیارہ بارہ برس کی عمر تک وہ تین چار خاوند کر چکتی ہے پہلی شادی سے ایک رات پہلے کنواری دلہن کو زنانہ تالاب پر جاکر غسل کرنا لازمی ہے - یہ تالاب قابل دید ہے اس کا پاٹ بیس گز اور گہرائی چالیس فٹ ہے - جورو کی قیمت خواہ وہ کسی درجہ کی ہو بیس شلنگ سے زیادہ نہیں ہے - جس کے پاس ایک ہزار پونڈ ہوں وہاں اسے امیر کبیر سمجھتے ہیں - عورتیں جب کہیں کسی سہیلی کے ہاں کسی تقریب پر جاتی ہیں تو اپنی تمام پوشاکیں ہمراہ لیجاتی ہیں - اور باری باری سے وہاں ان کو پہنتی ہیں - وہاں کے لوگ - کتے - بلیاں - چوہے - سب کچھ چٹ کر جاتے ہیں -

اس نخلستان میں معبد دیوتا قابل ذکر ہے - مسیح سے تیرہ سو بیاسی سال پہلے ایک راہب

ایتھنز سے آیا اور اس نے اس مندر کی بنیاد رکھی تھی اسوقت سانئی واکو امونیا کہتے تھے - پھر یہ معبد بقۂ ہاتف غیب بن گیا اور اس کی شہرت اسقدر چمکی کہ یونان سے خاص غلام سوالات پوچھنے براہ مرسا مردا یہاں آنے لگے - مسیح سے تین سو اکیس سال پہلے سکندر اعظم یہاں آیا - اور ہاتف غیب سے سوالات کا جواب ملا کہ تم خدا زادے ہو اس سے وہ بہت خوش ہوا اور بیشمار تحائف دے گیا - ہاتف کا جسم انسانی اور سر مینڈھے کا تھا - وہ کانپ کانپ کر اپنا فیصلہ پوجاریوں کو سناتا تھا

مسیح کی وفات کے بعد چھٹی صدی میں اس کی شہرت زائل ہونے لگی - کھنڈر اب بھی موجود ہیں - اور بیس سال ہوئے خدیو مصر نے چند بارود سے اڑا کر وہاں کے پتھر اپنے مکانات کے لئے منگوائے تھے -

لوگوں کا خیال ہے کہ اس نخلستان میں بیشمار خزانے اور دفینے ہیں - ممکن ہے کہ ایسا ہو کیونکہ وہاں دور دور سے بیش بہا تحائف اور زر و جواہر نذر کے طور پر آتے تھے یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت رسالت مآب کی مہر اور شمشیر وہاں کہیں دفن ہے - انہیں چٹانوں میں یاقوت کی کانیں اور قبریں ہیں جن کو اگر کھودا جائے تو عجیب و غریب باتیں معلوم ہوں مگر قلب مکانی سد راہ ہے وہاں جانا نہایت دشوار جب مسافر واپس آتے ہیں تو ان کا رنگ دھوپ اور ریت سے سیاہ ہوتا ہے بدن پر دانے اور پاؤں پر چھالے نظر آتے ہیں - راستہ اب بھی مرسا متروہ ہو کر جاتا ہے جو قلا پترہ کی کسی زمانہ میں سیرگاہ تھا - (محمد حمزہ خاں)

"فیروزی دوپٹہ"

عزیز الاوقات ہیں وہ جنکی زندگی کی پیاری گھڑیاں - حسن - اور اس کے متعلقات سے کسی طرح شادکام ہونے میں گزریں - رنگ و بو حسن کا ایک عین جزو ہے - اس کا انتخاب حسن لطیف اور ذوق صحیح سے متعلق ہے - کیف و جذبہ کے بجنسہ اظہار کی قدرت ممکن ہوتی - تو بیتی ہوئی بتا سکتی تھی - الا تخیل کی یہ قلمکاریاں لوح مشق پر وہ نقش اولیں ہے جو مبتدی کے بے قابو و ناآگاہ ہاتھ سے کچھ یونہیں سا بن کر رہجاتا ہے -

میں کیونکر بھول سکتا ہوں دسمبر کے مہینہ کی ایک شام جبکہ مجھکو ایک کرہ میں - چنا ہوا ہلکے رنگ کا فیروزی دوپٹہ کھونٹی پر لٹکا ہوا نظر پڑا - میری نگاہ وہیں جذب ہو کر رہ گئی، میرا دل اس کی شکنوں میں

اُلجھ کے رہگیا -

باریک ملایم تنزیب کا دوپٹہ - آف وہ کافر ماجرا دوپٹہ ! خدا ہی جانے اس میں اسقدر رعنائیاں و دل آویزیاں کیوں جمع کر دی گئی تھیں ؟ رنگ کا اصلی جوہر - ہلکے پن میں - اور اس کی سچی جھلک شفاف پن میں نمایاں تھی - لپٹنے پر ذرا گہرا سا اور شوخ کہ نظر نہ ٹھہر سکے - کھلنے پر اسقدر سادہ اور ہلکا کہ نگاہ وہیں جم کر رہجائے - کیا متضاد اوصاف یکجا تھے ! فیروزی رنگ کے دوپٹے اس سے پہلے بھی بارہا دیکھے تھے اور اس کے بعد بھی اکثر دیکھے جاتے ہیں - مگر میرے لئے غالباً اسی ایک وقت فیروزی رنگ سے متاثر ہونا مقدر تھا - تنزیب کے بیشمار تھان اب تک بنائے اور رنگائے گئے ہوں گے مگر یہ بات شاید صرف اسی ایک تھان اور اس کے بھی صرف اسی تین گز کے دوپٹہ میں تھی جسکو فطرت نے فیروزی رنگ کے قبول و جذب کر لینے کی خاص صلاحیت بخشی تھی -

دنیائے رنگ و بو میں اُس دوپٹہ پر خدا جانے کیا انقلاب ہوئے ہوں گے - کتنے رنگ اترے اور کتنے چڑھے ہوں گے - مگر میرے دل میں اس کی وہی ایک شان منقوش ہے - خدا کی قدرت کہ

"دل پر بھی کیا رنگ جما ہے"!!!

(ولی احمد خاں - جے پور)

میری جوانی!

افسانۂ کیف ہے کہانی میری　　ہے محوِ سرور زندگانی میری
1 بہکا ہوا مست ہے مرا دل ساغر　　بھیگی ہوئی رات ہے جوانی میری

موقوف قضا تھی شادمانی میری　　اب خوب کٹیگی زندگانی میری
2 بوندوں سے جھلک اٹھی بہار اے ساغر　　بادل سے برس پڑی جوانی میری

فانی تھی اگرچہ زندگانی میری　　تھی پھر بھی بہارِ غیر فانی میری
3 میں حشر کے دن اٹھا جواں اے ساغر　　لے - جاگ کے پھر آگئی جوانی میری

رنگت ہے نمو سے ارغوانی میری　　پہلی ہے بہارِ زندگانی میری
4 امڈی ہوئی بدلی ہے مرا جوشِ شباب　　اٹھتی ہوئی کوپل ہے جوانی میری

مستی ہی شراب ارغوانی میری ہستی ہی نشاط و شادمانی میری
۵ میرا دل مخمور رہی میناے شفق برسات کی شام ہے جوانی میری
ملحوظ نظر ہے کامرانی میری محفوظ اثر ہے زندگانی میری
۶ ساغر مرا دل ہی اک اچھوتا ساغر دوشیزہ حسن ہے جوانی میری
کتنی مترنم ہے کہانی میری ہے زمزمہ حسن زندگانی میری
۷ کیا جانے ہے کون اسکا جوگی ساغر جوگن بن آئی ہے جوانی میری

(ساغر نظامی سیمابی (علیگ))

غزل

خواہش بقا کی ہے نہ تمنا فنا کی ہے مرضی مری کنیز کسی کی رضا کی ہے
بلبل نے مجھکو باغ میں بیتاب کر دیا آواز ہائے یہ کسی درد آشنا کی ہے
ہاں سچ ہے دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے تالیاں انکو جفا کی خو مجھے عادت وفا کی ہے
خاموش نکلے دل کا نکلتا نہیں بخار اے شمع منہ سے بول دہائی خدا کی ہے
اقلیم دل ہی مدفن ارمان و آرزو اس سرزمین میں آب و ہوا کربلا کی ہے
کیا حسن اتفاق ہے تیر نگاہ ناز تصویر نیم رخ مری آہ رسا کی ہے
پابند سوز عشق ہی شب زندہ دار ہے اے شمع تجھ میں روح کسی پارسا کی ہے
غماز بن کے راز چمن فاش کر دیا تاگر دنے صبا تو کسی بیوفا کی ہے
اللہ رے زخم دل کی اذیت لوا زباں شایان اسیں امن تیغ ادا کی ہے
شبنم کے در لٹاتی ہی پھولوں سی چمن کے کچھ ایسی مار باد صبا کو خدا کی ہے
منہ چڑھکے میئے نون ندامت سی کہدیا کیا تو ہی ہتھکڑی مرے دست دعا کی ہے
کیا آفتاب حشر کو تارے دکھائیگا سوزش ہماری زخم جگر میں بلا کی ہے
بجلی کو ہے تلاش نقاب سحاب کی شاید یہ خوشہ چین کسی کی حیا کی ہے
چوری کا شک نہ بیخبر مرجاں یہ کریں انکو تلاش طائر رنگ حنا کی ہے
کہتے ہیں عرف عام میں دل جسکو نیر احمد یہ راہ یار کی دولت سرا کی ہے

(ایڈیٹر)

[illegible]

[illegible] نہایت [illegible]

[illegible]

مکرو[illegible] یعنی خالص ہونے کا کشتہ

[illegible] مفید [illegible] کے [illegible]

اور [illegible] ڈاکٹر بھی اس کے مداح ہیں [illegible] کشتہ خاص [illegible]

دمہ [illegible] دیگر امراض کے لئے نہایت مفید ہے قیمت سات تولہ آٹھ (۸) محصولات [illegible] خوراک۔ (۲)

تندرستی کی گفتگو

اپنی اپنی صحت کو درست رکھنے کے لئے امیر سے غریب تک فکر میں رہتے ہیں اور اپنی سمجھ [illegible] جیسی سوجھتی ہے ویسا ہی کرتے ہیں۔ دولتمند گھی دودھ وغیرہ کھاتے ہیں اور قیمتی دوا کی تلاش کرتے ہیں۔ غریب کم خرچ [illegible] میں رہتے ہیں جاڑے کے موسم میں چونکہ مقویات کھانا نہایت مفید ہوتا ہے کیونکہ اس موسم میں ہر چیز [illegible] اس فکر اور وقت کو دور کرنے کی نہایت ہی آسان ترکیب ہے جس میں نہ زیادہ پریشانی ہوتی ہے اور نہ لیاقت سے باہر خرچ ہے اور وہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی گولیاں ہیں آپ بھی آزمائش کر کے دیکھئے [illegible] ہیں جوانی میں بے اعتدالیوں کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت [illegible] ہے یہ سب نکالتیں [illegible] کے نیا خون اور نیا جوش پیدا کرتی ہیں۔ قیمت ایک ڈبیہ چار آنہ [illegible]

روگ کا گھر کھانسی

یہ مثل بالکل درست ہے کیونکہ ایک کھانسی کی وجہ سے حلق سے لیکر سینہ تک مختلف مرض کے ہونے کا خوف رہتا ہے سردی سے کھانسی کا آغاز ہوتا ہے [illegible] اگر مناسب علاج نہ کیا گیا تو سانس کی نلیوں میں سردی جمع ہو جاتی ہے اور اس سے [illegible] نلیوں میں درد اور بخار وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں اس لئے کھانسی کے شروع ہوتے ہی مناسب دوا ضرور کرنا چاہئے اور اسکی ترکیب بھی بہت آسان ہے اور یہ ڈاکٹر ایس کے برمن [illegible] نہایت مفید ثابت ہوئی اسکی ایک شیشی [illegible] گھر میں ڈال [illegible] قیمت شیشی [illegible] آنہ [illegible] دس آنہ (۱۰) [illegible]

ڈاکٹر ایس کے برمن [illegible]

نو ایجاد برقعہ

آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صیغہ نسواں کے سکرٹری کے انعامی مقابلہ میں برقعہ کی اختراع ہوئی کانفرنس منعقدہ لکھنؤ نے بہترین برقعہ قرار دے کر اس کو انعام طلائی تمغہ دیا۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں کی کانفرنس و نمائش ہائے صیغہ نسواں سے بھی بارہ طلائی و نقرئی تمغہ سند و انعامات حاصل کر چکا ہے

سولہ سال سے ہندوستان کے ہر گوشہ اور ہر طبقہ کے لوگوں میں مقبول ہے

بنگال - برقعہ بہت پسند ہوا واپس نہیں کیا جائے گا۔ ایک اور جلد روانہ کریں۔ از جناب حسن الرحمن صاحب [illegible] بنگال۔

بہار - ایک برقعہ چینی ریشم سفید جلد مکمل ہو روانہ فرمائیں جو برقعہ آپ نے بھیجا ہے اس کی وضع بہت پسند ہوئی ہے۔ [illegible]

مدراس - آپ کا اشتہار اکثر نظر سے گذرتا تھا برقعہ منگوانے سے اشتہار کے مطابق ثابت ہوا ایک برقعہ اور روانہ کر دیجئے۔ از جناب [illegible]

دکن - برقعہ بے نہایت آرام دہ اور پردہ دار ہے۔ دو برقعہ رنگین میرے بھائی کے گھر کیلئے روانہ کریں۔ از جناب محمد عبد الرحمن صاحب [illegible] حیدر آباد دکن

احاطہ بمبئی - آپ کی دوکان سے دو برقعہ چینی ریشم خرید لئے تھے سیلیپینہ کی ایک برقعہ اور روانہ کریں۔ از جناب ایم اسمٰعیل [illegible]

پنجاب - یہ برقعہ ماسیں کی ترد برتنگوایا تھا بہت پسند ہوا۔ کچھ دنوں بعد پر برقعہ طلب کرونگا۔ از جناب [illegible]

سی پی - میرے بھائی احمد حسن صاحب کے پاس آپ کا برقعہ دیکھا اس کی وضع پسند ہے ایک اور برقعہ روانہ کریں۔ از جناب [illegible]

یو پی - یہ برقعہ واقعی بہت آرام دہ چیز ہے ہر ایک بہن کو خریدنے کی ترغیب دونگی ایک برقعہ میری بہن کے نام روانہ کریں۔ از جناب [illegible] لکھنؤ

آپ بھی بشرط واپسی منگوا کر خود ملاحظہ کریں اور پردہ نشین خواتین کو معائنہ کا موقع دیں

برقعہ نو ایجاد کی وضع عام طرز کے بدنما تکلیف دہ اور ناکافی پردہ برقعہ سے مختلف ہے اس کی اختراع پردہ نشین کی ہر ایک ضرورت کو مد نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ اتفاقیہ پہلے پردگی کا ایجاد کا نہ ہوا کی آمد کا کافی انتظام کیجئے تو دو دو گھنٹہ نہیں ہوتا دیر تک بیٹھے رہنے کی تکلیف سے محفوظ و مکمل پردہ دار خوبصورت آرام دہ زمانے کے حسب حال۔

وضع دو حصوں پر منقسم ہے بالائی حصہ سر سے شروع ہو کر ٹھوڑی تک انگلیوں سے تین انچ نیچے رہتا ہے اس میں ہماری ایجاد کردہ ٹوپی کی کانی لگی ہوئی ہے۔ جو نقاب کو چہرہ سے بالکل الگ رکھتی ہے تاکہ چہرہ پر پڑے رہنے سے دم نہ گھٹے اور باجہت [illegible] ہونے کے زیریں حصہ مثل ڈھیلے ڈھالے کوٹ کے کندھے سے شروع ہو کر پیر کے ٹخنے تک رہتا ہے کوٹ کی آستین نے کے بیچ بٹن لگے ہوئے ہیں۔ ہر دو جانب ہاتھ باہر نکالنے کیلئے جگہ ہے سامنے کے بیچ دو جیبیں ہیں۔

کیسے منگائیں - کندھے سے لیکر پیر کے ٹخنے تک لمبائی اور سر کے دور کا ناپ روانہ کریں ہر پردہ نشین خاتون کی قیمت چینی سفید للعہ۔ رنگین للعہ ایک رنگ چینی ریشم للعہ سفید کمدار للعہ رنگین کمدار للعہ

خاتون اسٹورز نمبر ۱۹ دہلی نمبر ۲ لکھنؤ

استانی کی ضرورت

ضلع ایٹہ کی ایک ریاست میں ایک ایسی استانی کی ضرورت ہے جو ذیل کے اوصاف سے متصف ہو
کم از کم انگریزی میں مڈل پاس ہو - موسیقی میں دخل ہو - یعنی ہارمونیم وغیرہ بخوبی جانتی ہو - دستکار ہو
مذہب کا کوئی خاص لحاظ نہیں ہے لیکن مسلمان کو البتہ ترجیح ہے - تنخواہ کا تصفیہ خط و کتابت سے ہو سکتا ہے
درخواستیں بنام خورشید سلطانہ اسسٹنٹ ایڈیٹر شباب اردو آنا چاہئیں -

---

ہمارا اصول ایک قیمت ایک وزن ایک جنس قائم شدہ ۱۸۹۹ء

مصر کی ممیاں جسطرح ہزاروں سال پڑے رہنے پر خراب نہیں ہوتیں اسیطرح سرمہ کو روزانہ استعمال کرنے سے آنکھیں کبھی خراب نہیں ہوتیں - موجودہ مغربی تہذیب نے یہی چھڑا دیا ہے ہمارے بزرگ عینک کا کبھی استعمال نہ کرتے تھے آج اسی فیصدی کو عینک لگا ہوا ہے اور یہ مغربی تہذیب کے شیدائی ہیں جو زمانہ چل رہا ہے فی زمانہ سب سے بہتر اور عمدہ پسند کردہ طبیہ نمائش دہلی - گورنمنٹ ہند سے رجسٹری شدہ تسلیم کیا گیا ہے جو دھند - سرخی - جالا - خارش - پانی آنا کمزوری نظر کے علاوہ کرنے میں

رامی سرمہ ذریعہ علاج ہے - ایسے ڈاکٹر بھی نے بیماروں کو اس کے استعمال کا مشورہ دیتے ہیں کہ آپ بچے اور کا کو کا عادت ڈال لینا ہے - قیمت فی ڈبیہ معہ شیشی و سرمچو دیریچہ ترکیب استعمال ایک روپیہ چار آنہ - (۱؎)

منیجر رامی سرمہ فارمیسی رام بازار - ڈیرہ اسمٰعیل خاں

انسائیکلوپیڈیا عالم

انسائیکلوپیڈیا علمی - ادبی - اخلاقی - جسمانی روحانی - [illegible] طبی - تاریخی - قانونی - ریاضی - طبی - نوادری - [illegible] کی تمام معلومات کا ذخیرہ اور بے بدل نایاب خزانہ دنیا بھر کے [illegible] تحقیقات و مفید معلومات کا بہترین مجموعہ نہایت مستند عبارت [illegible] انسان کے ساتھ انسانی ترقی کے [illegible] کتاب کی قیمت بابت [illegible] [illegible] کا نمونہ -

نعتیہ مشاعرہ

بتقریب عرس و تکمیل مزار روفرش سنگ مرمر جناب زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین

حضرت سید مخلیہ شاہ صاحب قادری شطاری قصوری قدس سرہ بتاریخ ۲۴ اگست ۱۹۲۳ء بروز جمعہ مطابق ۱۱ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ بوقت ۷ بجے **شام** ایک خاص نعتیہ مشاعرہ حضور کے مزار پُر انوار واقع متصل ریلوے اسٹیشن **قصور** زیر صدارت **جناب خان احمد حسین خاں** صاحب - بی - اے - ایم - آر - ایس - اے

چیف ایڈیٹر **"شباب اردو"** منعقد ہوگا - ارباب سخن سے التماس ہے کہ وقت مقررہ پر اپنے نعتیہ کلام ندرت التیام سے سامعین کو محظوظ فرمائیں - اور داخل ثواب ہوں - بعدہٗ روئداد جلسہ بمعہ کلام شعرا کتاب کی صورت میں شائع کیجائے گی -

مصرع طرح

(۱) چھپے ہیں سینکڑوں جوہر ہماری چشم گریاں میں - گریاں وغیرہ قافیہ - میں ردیف
(۲) ہے جھلک صبح ازل کی روئے پُر تنویر میں - تنویر وغیرہ قافیہ - میں ردیف

نوٹ :- غیر طرح کلام بھی بہ اجازت صدر پڑھا جائے گا -

بیرونجات کے جو شعرا صاحبان کسی وجہ سے تشریف نہ لا سکتے ہوں وہ مجھے اپنا کلام ۱۸ اگست سے پیشتر لاہور کے پتہ پر روانہ کر سکتے ہیں -

المشتہر

خلیفہ علم الدین متولی و امام مسجد بلند بھاٹی دروازہ لاہور

فاسفرو ٹین

[illegible]

جناب ... الدین صاحب

[illegible]

... گورنمنٹ وزارت خلافت بمبئی فرماتے

[illegible]

جناب عبدالمجید صاحب ... افرماتے ہیں

[illegible]

... بنام مینیجر صاحب فاسفرو ٹین لیبوریٹری لاہور آنی چا[ہیئیں]

یا اللہ

شباب اردو

اسٹاف

ایڈیٹر

خان احمد حسین خاں

آنریری ایڈیٹر

خان بہادر شیخ عبد القادر بی اے بیرسٹر ایٹ لا ہائی کورٹ لاہور

جائنٹ ایڈیٹر

خان صاحب قلندر علی خاں - وی - ایم اے - ایل - ایل - بی وکیل ہائی کورٹ

ملک برکت علی - ایم اے - ایل - ایل - بی - وکیل

غلام عباس خاں - ایم اے

ابو الاثر حفیظ جالندھری

اسسٹنٹ ایڈیٹر حصہ نسواں و مالک رسالہ ہذا

خورشید سلطانہ بنت خان احمد حسین خاں

خان نظیر احمد خاں

بھارت

انعام آباد وفارم پنجاب

کے

جلد ۸ نمبر ۳ بابت جمادی الاول سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء

شذرات

ہمارے دسمبر نمبر کے ساتھ سن رواں یعنی ۱۹۲۳ء ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا یہ سال جس کے لئے اچھا تھا وہ اسے اچھا اور جس کے لئے بُرا تھا وہ اسے بُرا کہیگا - بزم شباب کے لئے بحیثیت مجموعی اچھا تھا خدا مغفرت کرے بہت اچھا تھا - اپریل سنہ ۱۹۲۰ء میں اس کے معاونوں کی تعداد دو سو تھی دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء میں اس کے رجسٹر میں یہ تعداد ا و نہزار تک جا پہنچی ہے - اللھم زد فزد - اس سال میں اس کے اسٹاف کے آنریری ایڈیٹر شیخ عبدالقادر خان بہادر لیجسلیٹو کونسل کے ممبر ہوگئے - خاکسار دلی یعنی راقم نے ایم - اے کی ڈگری پنجاب اور ایل ایل - ایم کی ڈگری بمبئی یونیورسٹی سے حاصل کی اور پروفیسر غلام عباس صاحب گھر باری ہوگئے - خدا کرے ان کی شادی باعث یمن و سعادت ہو -

---

کتب خانہ شباب اردو - مفصلہ ذیل کتب کے لئے ممنون منت ہے - (۱) اکا بر قوم قیمت ۶/ - پاسبان زندگی قیمت ایک روپیہ - مذہب اور تلوار قیمت نو آنے - یہ تینوں کتابیں مشہور اہل قلم مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے پر زور قلم کا نتیجہ ہیں (۴) تیغ کمال مولفہ مولانا راشد الخیری صاحب قیمت ڈیڑھ روپیہ - یہ قابل قدر کتابیں عوامی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی بنڈی بازار اندرون سے دستیاب ہو سکتی ہیں - (۵) پیغام عمل ایک دلگداز قومی نظم ہے - جو چار آنہ کو خلافت پریس حکیب سرکل بمبئی سے ملے گی

شباب کا مقصد یہ ہے کہ ہر طبقہ میں مقبول ہو - بعض حضرات جن کا تکیہ کلام لانسلم ہے یہ فرماتے ہیں کہ شباب ہے تو بہت اچھا مگر اس میں کبھی کبھی نہایت معمولی اور کم درجہ کے مضامین شایع ہو جاتے ہیں اس کا جواب کئی بار دیا جا چکا ہے کہ یہ رسالہ صرف بالغ نظر حضرات کے لئے ہی نہیں ہے - صنف نازک اور بچے بھی اس کے حصہ دار ہیں ان کے لئے علیحدہ دسترخوان بچھایا جاتا ہے ان کا مذاق ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے گا -

---

اس ماہ میں شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد مرحوم کی تصویر مرقع شباب کی لئے باعث فخر و عزت ہے - اور اس کے ساتھ جناب برادر معظم خان احمد حسین خاں صاحب چیف ایڈیٹر کی دلکش نظم قابل ملاحظہ ہے - جناب آزاد کا نام اردو زبان کے ساتھ زندہ رہے گا - بقول خاں صاحب وہ زندہ ہیں اور ان کی تصنیف ایک کاغذی خانقاہ - ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر عقیدت کے پھول چڑھائیں

(قلندر علی خان دلی - جائنٹ ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؐ

شباب اردو

پنشنر

میں پنشنر ہوں۔ اب پنشنر ہوں۔ پہلے حاکمِ عدالت تھا۔ اس وقت میری بڑی عزت تھی۔ اب کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اسوقت زمیندار۔ ساہوکار۔ امیر۔ غریب میرے دست نگر تھے۔ قانون پیشہ اصحاب عموماً خودسر ہوتے ہیں مگر انہیں بھی میری خاطر منظور تھی۔ عدالت کے کمرے میں اور عدالت کے باہر مجھے "سرکار" اور "حضور" کے الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔ اب ان الفاظ کو میرے کان ترستے ہیں۔

آخر کار وہ وقت آگیا جس کا مجھے ڈر تھا۔ پچپن سال کی عمر ہوگئی۔ میری کاٹھی بہت اچھی ہے۔ اب بھی میں چالیس سال سے زیادہ کا دکھائی نہیں دیتا۔ دانت برقرار ہیں۔ بال سیاہ ہیں۔ طاقت میں بظاہر کوئی فرق نہیں آیا۔ مگر حکام اعلیٰ نے ان تمام باتوں کی کچھ پرواہ نہ کی اور مجھے کہا۔ تیس سال نوکری کر چکے اب گھر جاؤ اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ۔ گھر آکر میں نے کوشش کی کہ کسی طرح آنریری مجسٹریٹی مل جائے۔ مگر یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ ایک دن میں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی کوٹھی پر گیا۔ اور اپنا کارڈ بھیجا۔ وہ مشغول تھے۔ کوٹھی کے احاطہ میں مجمع کثیر و جم غفیر لگا ہوا تھا۔ کئی ایسے اصحاب جو میرے خیال میں مجھ سے بہت کم حیثیت رکھتے تھے مجھ سے پہلے بلائے گئے اور سب سے آخر میں میری باری آئی۔ مجھے سخت صدمہ ہوا۔ صاحب بہادر کا تپاک بھی مجھے پسند نہ آیا۔ اس دن سے میں نے میونسپل کمشنری اور آنریری مجسٹریٹی کا خیال قطعی چھوڑ دیا مجھے یقین ہوگیا کہ قابلیت اور لیاقت کو اتفاق سے پوچھتے ہیں۔ آج کل وہی بڑھتے ہیں جو ابن الوقت ہوں یہ میرا یقین ہے۔ ممکن ہے کہ غلط ہو۔

ایام ملازمت میں لوگوں کی بیجا خوشامد نے میرا دماغ اس قدر مختل کر دیا تھا کہ میں اپنے آپ کو

پر سرخاب یا شاخ زعفران سمجھتا تھا۔ اب حکام کی بے اعتنائی۔ عوام کی بے رخی۔ کس مپرسی اور مالی تکلیف سے مجھے معلوم ہوا کہ پنشنر دھوبی کا کتا ہے نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔

حکام سے بدگمان ہو کر میں خانہ نشین ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ شہر کے دوسرے پنشنروں کی مجلس اختیار کروں اور ان کے گروہ میں شامل ہو کر بے فکری سے وقت گذاروں لیکن یہاں بھی ناکامی ہوئی۔ پہلے ہی دن میری طبیعت ایسی بیزار ہوئی کہ مجھے ان کی صورت سے نفرت ہو گئی۔ جب ہم صبح کے وقت طلوع آفتاب سے قبل گھر سے نکلے تو سب کے منہ میں مسواک تھی۔ ہاتھوں میں سلاخ دار لمبے لمبے لٹھ۔ باتیں کرتے تھے اور دانتوں کو صاف کرتے جاتے تھے۔ منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ اور انہیں پرواہ نہ تھی۔ گفتگو نہایت بے سرو پا تھی اور میرے خلافِ مذاق سب دریا کی طرف جا رہے تھے۔ ہر چند کہ عمر رسیدہ تھے مگر جہاں کہیں کوئی عورت نظر آتی تھی پھبتیاں کستے ہوئے نہ شرماتے تھے۔ پہلے ہی دن میں اسقدر بگڑا کہ ان سے صاحب سلامت چھوڑ دی۔ اس دن سے اخبار، ناول۔ اور رسالے میرے غمگسار ہیں۔ جب کبھی دماغی کمزوری محسوس ہوتی ہے تو حکیم انصاری کی ناسفر ٹین استعمال کرتا ہوں۔ جو واقعی اکسیر ہے۔

پنڈی داس میرا ہم جماعت ہے اور بچپن کا دوست۔ وہ زمانہ شناس ہے۔ اور اقبال اس کا یاور۔ اب بمبئی میں تاجر ہے۔ اس کی دوکان خوب چلتی ہے۔ لاکھوں روپے بنک میں جمع ہیں۔ ایک دن اس کا خط آیا کہ پشاور جا رہا ہوں۔ امرتسر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر بمبئی میل سے تم میرے ساتھ لاہور چلو تو چند گھنٹے لاہور ٹھہر کر میں آگے چلا جاؤنگا تم واپس ہو جانا۔ باہم اچھا وقت گذر جائیگا۔ یہ خط پڑھ کر پرانی محبت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ سچ ہے۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا　　بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

میں نے اسے بذریعہ ٹیلیگرام اطلاع دی کہ میں سٹیشن پر موجود ہونگا۔ غرض وہ دوست آیا۔ ملا اور مجھے عید کا چاند چڑھ گیا۔ مجھے وہ وقت یاد آیا جب ہم سکول پڑھتے۔ ہر طرح کی بے فکری تھی۔ اپنی نیند سوتے تھے اور اپنی نیند جاگتے تھے۔ پریشانیوں سے ناواقف۔ غم والم سے ناآشنا تھے۔ میں اپنے دوست کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بچپن کے زمانے کے حالات دہرائے گئے ہنستے ہنساتے دم زدن میں لاہور پہنچ گئے۔ خوشی کی گھڑیاں بہت جلد گذر جاتی ہیں۔ ایام غم میں گھڑیال بجانے والے مر جاتے ہیں۔ ہم لاہور کے جہازی

ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اترے۔ پلیٹ فارم پر مجھے ایک وکیل ملا جو ہمیشہ ایام ملازمت میں میرا بڑا ادب کرتا تھا۔ اس وقت نہایت بے تکلف ہو کر بولا۔ کہو لالہ کس شغل میں ہو۔ کیسے گذرتی ہے اب تو وہ وقت یاد آتا ہوگا۔ مجھے یہ گفتگو نہایت ناگوار گذری۔ مگر قہر درویش برجان درویش حزنِ جگر پی کر خاموش ہو گیا۔

لاہور میں میں پنڈیداس کا میزبان تھا اور وہ میرا مہمان۔ میں نے ایک دیسی ہوٹل میں اسکی پر تکلف دعوت کی۔ اس کے اصرار پر میں نے اسے گانا بھی سنوایا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ جب سے گرانی ہوئی ہے ارباب نشاط نے رقص و سرود کی فیس بہت بڑھا دی ہے۔ میری شادی پر ایک مشہور رقاصہ بیس روپے یومیہ پر آئی تھی اب مجھے ایک گھنٹے کے لئے پچاس روپے دینے پڑے۔ جب معمار بجائے آٹھ آنے کے ڈیڑھ روپیہ یومیہ لیتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ راگ ودیا کے پریمی اپنی قدر و منزلت نہ بڑھائیں۔

ہمارا وقت بہت اچھا گذرا۔ رات کو دس بجے ہم سٹیشن پر آئے۔ ساڑھے دس بجے گاڑی پشاور کو اور گیارہ بجے امرتسر کو جاتی تھی۔ جب میرا دوست ٹکٹ لیکر سوار ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ کسی جیب کترے نے مجھ پر ہاتھ صاف کیا۔ میرے کوٹ کی جیب معہ پاکٹ بک جس میں نوٹ تھے غائب تھی۔ اب میرے پاس کوڑی نہ تھی۔ مگر مجھے اطمینان تھا کہ میرے پاس واپسی ٹکٹ ہے میں نے اس نقصان کا ذکر دوست سے کیا۔ اسے بہت افسوس ہوا۔ باتوں باتوں میں اس نے کہا کہ ٹکٹ تو دیکھ لو۔ میں نے ٹکٹ تلاش کیا تو وہ بھی عنقا تھا۔ لگا ہر طرف ڈھونڈھنے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ناچار ٹکٹ کے لئے دوست سے دو روپیہ قرض مانگے اس نے فوراً ایک پانچ روپے کا نوٹ جیب سے نکال کر میرے حوالہ کیا۔ ساتھ ہی مجھے ایک انگوٹھی دی جس پر ایک خوبصورت نگینہ تھا اور کہا کہ مجھے اس قسم کی ایک اور انگوٹھی درکار ہے۔ امرتسر کے جوہریوں سے پوچھنا واپسی پر لے لونگا میں نے دوست سے ہاتھ ملایا اور ریل روانہ ہو گئی۔

ٹکٹ خریدنے میں ٹکٹ گھر گیا۔ بابو کو نوٹ دیا اور ٹکٹ مانگا اس نے تو پہلے ٹکا سا جواب دیا کہ ریزگاری نہیں ہے۔ بڑے اصرار کے بعد اس نے نوٹ کو روشنی میں دیکھا اور واپس کر دیا۔ پھر کہا کہ یہ نوٹ جعلی ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم کوئی مہذب اچکا ہے۔ بھلی نیت سے چلا جا ورنہ ابھی چالان کر دونگا

میں نے چاہا کہ اسے سمجھاؤں مگر وہ ہوائے گھوڑوں پر سوار تھا۔ کڑک کر بولا دیکھو آج کل کے جنٹلمین جعلی نوٹ لئے پھرتے ہیں۔ کانسٹبل قریب کھڑا تھا۔ ناچار میں وہاں سے کھسکا اور لگا بغلیں جھانکنے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں پھر ٹکٹ بابو کے پاس گیا اور کہا کہ آج آخری گاڑی سے مجھے امرتسر ضرور جانا ہے یہ انگوٹھی رکھ لو اور ٹکٹ عنایت کرو۔ کل میرا آدمی روپے دے جائیگا۔ اور انگوٹھی لے جائیگا۔ بابو صاحب بگڑ کر بولے چالا جا۔ ہم ان پھندوں میں نہیں آتے۔ اول تو انگوٹھی ملمع کی ہے۔ ورنہ چوری کا مال ہے۔ ٹکٹ گھر سے ناامید ہوکر میں پلیٹ فارم پر واپس آیا اور چپکے سے درجۂ دوم کے کمرہ میں بیٹھ گیا۔ وہاں ایک یورپین استراحت فرما رہا تھا۔ بجلی کی طرح کڑکا اور بادل کی طرح گرجا اور مجھے گردن سے پکڑ کر کہنے لگا۔ او نگر، نکل جاؤ اس کمرہ سے۔ وہ ایک مینار قامت گرانڈیل جوان تھا۔ اور میں کمزور۔ خاموش وہاں سے نکلا اور بوکھلایا ہوا درجۂ اول میں جا بیٹھا۔ تیسری گھنٹی ہونے والی تھی۔ میں نے بمشکل کمر سیدھی کی تھی کہ ٹکٹ انسپکٹر صاحب قضا کی طرح آموجود ہوئے انہیں دیکھ کر میں بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا۔ کہا ٹکٹ دکھاؤ۔ جواب دیا کہ ٹکٹ نہیں مل سکا اس نے قیمت مانگی میں نے نوٹ دیا۔ اس نے نوٹ دیکھا اور واپس کرکر کہا جعلی ہے۔ میں نے منت خوشامد کی۔ وہ بگڑ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا کہ میں پنشنر حاکم عدالت ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ پنشن کی وجہ سے بالائی آمدنی بند ہو چکی اس لئے جعلی نوٹ چلاتا ہے اتر گاڑی سے ورنہ ابھی پولیس کے سپرد کئے دیتا ہوں۔ میرے ہوش اڑ گئے۔ اور چپکے سے اتر کھڑا ہوا۔ انسپکٹر بھی میرے ساتھ گاڑی سے اترا اور نوٹ مجھ سے لینے کے لئے جد و جہد کرنے لگا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ نوٹ جعلی ہے۔ میں نے ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیا۔ اس اثنا میں انجن نے سیٹی دی اور انسپکٹر لپک کر سوار ہو گیا۔ میں پولیس کے ڈر سے بگٹٹ بھاگا اور جب ملاں رام کے تالاب کے قریب پہنچا تو دم لیا۔

اب گیارہ بج چکے تھے۔ اور صبح سے پہلے کوئی گاڑی امرتسر کو جانے والی نہ تھی۔ اس وقت درد سے میرا سر پھٹا جاتا تھا اور حالت بگڑی ہوئی تھی۔ میں ایک ہوٹل میں گیا۔ اور کہا کہ رات کے لئے ایک کمرہ چاہئے۔ منیجر نہایت مہذب تھا۔ پوچھا کہ آپ کا سامان اور اسباب کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ جناب گاڑی سے رہ گیا ہوں۔ اسباب میرے ساتھ نہیں ہے۔ اس نے کہا بروئے قواعد ایسے مسافروں سے جن کے ساتھ اسباب نہ ہو کرایہ پیشگی لیا جاتا ہے۔ دس روپیہ عنایت فرمائیے۔ میں نے کہا جناب

میں ہوٹل سر پر اٹھا کر نہیں لے جاؤنگا - معتبر آدمی ہوں - روپیہ میرے پاس نہیں ہے - کل بذریعہ تار بھیجدونگا - اگر اعتبار نہیں کرسکتے تو یہ انگوٹھی رکھ لو - اب منیجر کا وہ مزاج نہ تھا - پہلے مہذب تھا - اب ترش رو - کہنے لگا - یہ صراف کی دوکان نہیں ہے - تشریف لے جائیے - خدمتگار کو آواز دی - اور کہا کہ آپ کو باہر کردو -

---

ہوٹل سے میں شہر میں آیا - حیران تھا کہ کہاں جاؤں - عقل جواب دے چکی تھی - مجھے ایک ساہوکار کا نام یاد آیا جو میرا ممنون تھا - میری عدالت سے اسے کمیشن ملا کرتے تھے - اس کے مکان پر گیا اسے آواز دی - تو ایک پہاڑسے ملازم نے پوچھا کون ہے - میں نے کہا کہو ڈپٹی صاحب - تو ساہوکار گھبرا کر اٹھ بیٹھا - اور نوکر سے کہا کہ جلد بیٹھک میں لیمپ روشن کردو - ساتھ ہی ننگے سر اور ننگے پاؤں دوڑتا ہوا نیچے آیا - مگر مجھے دیکھتے ہی اس پر بجلی گرگئی - یہ معلوم کرکے کہ پنشنر آیا ہے وہ بہت ناراض ہوا - اور کہنے لگا - لالہ جی آپ اس وقت کہاں - میں افسوس کرتا ہوں - بیوی بیمار ہے ٹھہر نہیں سکتا - پھر کسی وقت درشن کرونگا - یہ کہکر اس مطلب پرست ساہوکار نے بغیر میری بات کے دروازہ بند کرلیا اور رہا ہوگیا - اب بارہ بج چکے تھے - چونے منڈی کے چوک میں ایک سپاہی کھڑا تھا - میں نے اس سے پوچھا یہاں کوئی دوکان صراف کی بھی ہے - صراف کا نام سنکر وہ چوکنا ہوا میں نے فوراً کہا کہ میں حاکم عدالت ہوں - اور نو وارد - وہ فوراً مودب ہوگیا اور کہنے لگا کہ جناب بارہ بج چکے ہیں سب دوکانیں بند ہیں البتہ شانتی لال کی دوکان کھلی ہے - اُس طرف کو یہ شخص چوروں سے مال خریدتا ہے - اس لئے دو بجے تک دوکان پر رہتا ہے - دس روپے فی صدی ماہوار پر روپے انگریزوں کو دیتا ہے - ریل کے ملازم اکثر اس کے مقروض ہیں میرے چچا کے بیٹے کو ایک کمخواب کا چغہ اور ایک بنارسی دوپٹہ جو دونوں اڑھائی سو کے تھے رکھ کر ایک سو روپیہ دیا - پانچسو لکھوائے - ایک سال تک پرونوٹ ماہ بماہ بدلواتا رہا - آخرکار دو ہزار کی ڈگری کرالی - اور مال مرہونہ ہضم کرگیا - ایسا بے ایمان ہے - سپاہی میرے ساتھ ہولیا اور دوکان دکھا دی - شانتی لال بیٹھے اونگھ رہے تھے - سامنے آگ کی انگیٹھی دھری تھی - مجھے دیکھکر چونکے اور ساتھ ہی اپنی تجربہ کار آنکھ سے کانسٹبل کو بھی بھانپ لیا - میں نے انگوٹھی دکھائی - پوچھا کیا چاہتے ہیں - میں نے کہا پانچ روپے پرسوں پہنچ جائیں گے اور انگوٹھی واپس کرلی جائے گی اس نے غور سے انگوٹھی کو دیکھا اور کہا کہ اس کا نگینہ سیپ کا بنا ہوا ہے اور سونا خالص نہیں ہے - میں نہیں

رکھ سکتا ۔ یہ سنکر میرا خون خشک ہوگیا ۔

اب میں لنڈے بازار میں چکر لگا رہا تھا ۔ گرتا پڑتا دو بجے کے قریب سرائے میں پہنچا ۔ دروازہ بند تھا ۔ بہت چیخنے چلانے کے بعد ایک شخص نے جو غالباً مہتمم تھا ۔ دروازہ کھولا ۔ میں نے اسے اپنی سرگذشت سنائی اور اس سے کہا کہ ایک روپیہ رات کا کرایہ رکھ لو اور ایک مجھے امرتسر جانے کے لئے دو ٹکٹ لینا ہے ۔ اس نے منظور کیا ۔ اور میری باچھیں کھل گئیں ۔ وہ مجھے ایک کوٹھری دکھا آپ چلدیا ۔ انگوٹھی مرہونہ ساتھ لے گیا ۔ یہ کوٹھری سرائے کے پھاٹک میں تھی ۔ غالباً یہاں کوئی منشی کے کھلونے بیچنے والا رہتا ہوگا ۔ چارپائی پر بیٹھ کر میں نے بوٹ کے تسمے کھولے ۔ موزے اتارے اور لیٹ گیا ۔ کوٹھری اور پھاٹک کا دروازہ میں نے دانستہ کھلا رہنے دیا ۔ اس وقت میرا سر درد کرتا تھا ۔ اور بدخوابی سے طبیعت دگرگوں تھی ۔ دفعتاً مجھ پر غنودگی طاری ہوئی ۔ اور میں سو گیا خواب میں مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی میرے سینہ پر بیٹھا ہوا گلا دبا رہا ہے ۔ بے اختیار میری چیخ نکل گئی میں اٹھ کر بیٹھ گیا ۔ دیوار کے طاقچہ پر ایک مٹی کا انسانی سر رکھا ہوا تھا ۔ دروازہ کھلا تھا ۔ اور باہر کے لیمپ کی روشنی اس پر پڑکر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زخم سے خون بہہ رہا ہے ۔ میری آنکھیں نیم باز تھیں مجھے یقین ہوگیا کہ خون ہوگیا ۔ موزے میں نے دہیں چھوڑے دہنے پاؤں کا بوٹ بائیں میں اور بائیں کا دہنے میں جلدی سے پہن کر وہاں سے بھاگا ۔ راستہ میں ایک پاؤں سے بوٹ اتر کر بدرو میں گر گیا ۔ مجھے کہاں فرصت تھی کہ ٹھہر کر تلاش کرتا ۔ ایک ہی بوٹ پہنے بھاگا جاتا تھا کہ سپاہی مل گیا ۔ اس نے مجھے روکنا چاہا ۔ میں نے ایک چھلانگ ماری اور رہوا ہوگیا ۔ لیکن کانسٹبل ایک ہی کائیاں تھا اس نے سیٹی بجائی چاروں طرف سے کانسٹبل بھڑ بھڑا کر آ گئے ۔ اب میں ان کے زغہ میں تھا ۔ ایک ہنسکر بولا او ہو یہ تو وہی نقلی حاکم عدالت معلوم ہوتے ہیں ۔ کانسٹبل مجھے خونی سمجھ کر اور میری بات باور نہ کرکے مجھے کشاں کشاں سرائے میں لائے وہاں جا کر مجھے اپنی اور انہیں ان کی غلطی معلوم ہوئی ۔ اور میں لنگڑاتا ہوا اسٹیشن پر پہنچا ۔ یہاں مجھے معلوم ہوا کہ واسکٹ کی جیب پھٹی ہوئی تھی ٹکٹ پھسلتا پھسلتا پس پشت استر میں موجود ہے ۔ بارے صبح ساڑھے چھ بجے کی گاڑی میں ۔ میں نے نشیز عجیب ہیئت گذائی میں گھر آیا ۔

چند دن کے بعد پنڈ یداس پشاور سے واپسی پر امرتسر ٹھہرا ۔ میں نے اسے پانچ روپے دیئے اور قصہ سنایا وہ خوب ہنسا مگر جب اس نے انگشتری مانگی تو میں نے کہا جانے بھی دے یار ملمع کی انگوٹھی تھی اور سیپ کا نگینہ تھا ۔ یہ سنکر تمام ہنسی کافور ہوگئی ۔ اور اس کا چہرہ اتر گیا پھر اس نے بقید حلف کہا کہ بڑی بیش قیمت انگوٹھی تھی اور مجھ سے پتہ دریافت کرکے لاہور گیا خدا جانے اسے انگوٹھی ملی یا نہیں کیونکہ پھر اس کا کبھی کوئی خط نہیں آیا ۔

ایڈیٹر

مردوں کی چٹان

(گذشتہ سے پیوستہ)

"حفیظ - کیوں خیر تو ہے - ایسے بے تحاشہ بھاگے ہوئے کس لئے آرہے ہو - اور اتنے پریشان کیوں ہو"؟

حفیظ - "سرکار کیا کہتے ہیں کہ کسم کران کی - دس بارہ لاشیں اور کنارے پر ملی ہیں"-

اعجاز - "لاشیں ملی ہیں - کس جگہ ملی ہیں؟"

حفیظ - "میاں کیا کہتے ہیں کہ کسم کران کی اسی جگوں جہاں بچہ کی لاش ملی تھی"-

ریاض - اس خبر کو سنتے ہی عجلت کے ساتھ جانا ہی چاہتا تھا کہ گوہر نے اس سے یہہ درخواست کی کہ "میں بھی قانونی شہادت قلمبند کئے جانے کے وقت بر سر موقعہ موجود رہنا چاہتی ہوں"-

ریاض - نے کچھ پس و پیش کے بعد اس درخواست کو منظور کر لیا اور اس وعدہ کے ساتھ کہ میں اپنی گاڑی تمہارے لئے بھیجدونگا - فوراً چلا گیا - حفیظ بھی ساتھ ہی جانا چاہتا تھا - مگر گوہر نے اسے روک لیا - اور پوچھنا شروع کیا -

گوہر - "کتنی لاشیں اور برآمد ہوئیں"- حفیظ - "سرکار بارہ"-

گوہر - "تم نے بھی ان لاشوں کو دیکھا"؟ حفیظ - "جی سرکار"-

گوہر - "خود دیکھا"-

حفیظ - "جی اور کیا - تو کیا کہتے ہیں کہ کسم کران کی سرکار میں کیا جھوٹ بولتا ہوں"-

گوہر - (ڈرتے ڈرتے کلیجہ دونوں ہاتھوں سے تھام کر) "تم تو لاشوں میں سے کسی کو نہیں پہچانتے" ظاہر ہے کہ یہہ سوال گوہر نے کسی خاص خیال سے کیا تھا؟ اس سے پہلے کہ حفیظ گوہر کے سوال کا جواب دے امید و بیم کی تمام کیفیتیں گوہر کے چہرہ پر سینما کی تصویروں کیطرح ظاہر ہوئیں - اور پھر غائب ہوگئیں - گوہر کی سانس جلد جلد آرہی تھی - وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا کلیجہ تھامے ہوئی تھی - وہ حفیظ کا جواب سننے کے لئے بیتاب تھی - مگر حفیظ کا جواب سنتے ہوئے ڈرتی بھی تھی - کبھی اس کے چہرے پر امید کی جھلک ہوتی تھی اور کبھی اس کے چہرے سے خوف ٹپکا پڑتا تھا - یہہ تمام کیفیتیں صرف ایک لمحہ میں اس پر طاری ہوگئیں اور آخر کار حفیظ نے کہا "نہیں سرکار میں کسی کو بھی نہیں جانتا" گوہر کے چہرے پر اطمینان کی ایک بجلی سی دوڑ گئی - اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی - جس کا مطلب زیادہ سے زیادہ یہہ ہوسکتا تھا - کہ "الٰہی تیرا شکر ہے"

اور مزید اطمینان کے لئے پھر سوال کیا "حفیظ - کیا واقعی تم کسی کو بھی نہیں جانتے"۔ حفیظ نے پھر اپنے اسی خاص انداز میں جواب دیا " لو - کیا کہتے ہیں کہ کسم کران کی سرکار میں کیا جھوٹ بولتا ہوں"۔ اس جواب سے گوہر کو بالکل اطمینان ہو گیا - جو ایک خفیف سی مسکراہٹ کی صورت میں اس کے چہرے سے عیاں ہوا - اُدھر حفیظ چلتے چلتے یہ کہہ کر " مگر سرکار میں تو آج سے اس چٹان کو کیا کہتے ہیں کہ کسم کران کی مردوں کی چٹان کہا کرونگا" اور سلام کر کے رخصت ہوا - ادھر گوہر نے جلد جلد شہادت کی سماعت کے لئے جانیکی تیاری شروع کی - تھوڑی دیر نہ گذری ہوگی کہ ریاض کی گاڑی اس کے دروازہ پر تھی - گوہر سوار ہونے کے لئے بڑھی تو اعجاز بھی باوجود ممانعت کے موقعہ پر جانے کے لئے تیار - اور ماں کی ہمراہی کے واسطے بضد تھا - دونوں بہرکیف موقعہ پر پہونچے - مجسٹریٹ آچکا تھا - ریاض شہادت ادا کرنے کے لئے مجسٹریٹ کے روبرو طلب کیا جا چکا تھا گوہر اور اعجاز ایک خاص مقام پر جو ریاض نے ان کے لئے پہلے سے مخصوص کر لیا تھا - بیٹھ گئے - اور عدالتی کارروائی نہایت دلچسپی سے سننے لگے - سب سے زیادہ جس چیز سے ان دونوں ماں بیٹوں کو تعجب ہوا وہ یہ تھی کہ اس خطرناک مقام کے لئے حفیظ کو نام تجویز کئے ہوئے ابھی کچھ عرصہ نہ گذرا تھا - کہ یہی مجوزہ نام تمام لوگوں کے زبان زد تھا - ہر شخص اس خاص مقام کو جہاں سے لاشیں برآمد ہوئی تھیں - اور جہاں جہاز ساحل سے ٹکرایا تھا " مردوں کی چٹان " کے نام سے پکار رہا تھا اور یہ شاید حفیظ کی کرامت تھی - کہ اس کی تجویز اسقدر سرعت سے مقبول خلائق ہو گئی -

سب سے پہلے ریاض نے معہ اپنے تمام حکمداریٹبنوں کی موجودگی کے اپنا بیان قلمبند کرایا - اس کے بعد ظہور طلب کیا گیا - جس نے بیان کیا کہ منظہر نے آدھی رات کو ایک جہاز سمندر میں دیکھا تھا - صبح ہوتے ہی منظہر تمام ملاحوں کو لیکر اس کی تلاش میں گیا تھا - تلاش بے سود رہی - واپسی پر تلاش کنندگان نے ایک اجنبی ملاح کو اور اعجاز کو ساحل پر پایا تھا - اجنبی ملاح کو منظہر شناخت کرتا ہے - یہی ہے جو حاضر عدالت ہے منظہر اس کے سوا کچھ نہیں جانتا - تمام ملاحوں کی شہادت ختم ہونے کے بعد - عدالت کے لمبے تڑنگے - چوڑے چکلے چپراسی نے عرصہ گاہ مقام واردات پر قدم رنجہ فرمایا - اور نہایت کڑکڑاتی ہوئی آواز میں -

" تالیس یونانی حاضر ہے " کا نعرہ - اللہ کہکر لگایا - لوگوں نے جلدی سے (شاید اس خیال سے کہ کہیں دوسرے نعرے سے ضیافت گوش نہ کی جائے) کپتان کو معہ ترجمان کے عدالت کے روبرو لاکر کھڑا کر دیا اور اس نے ترجمان کی وساطت سے حسب ذیل بیان قلمبند کرایا -

" میں مقدس دیوی پلاس ایتھینی[1] کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سچ سچ بیان قلمبند کراؤنگا -

---

[1] یونانیوں کی دیوی ہے مائی نروا اور عقل کی دیوی بھی کہتے ہیں -

میرا نام ثالیس - باپ کا نام اسقلینوس - عمر اڑتیس ۳۸ سال پیشہ ملاحی ساکن یونان - مظہر بچپن سے ملاحی کرتا ہے - اس جگہ کے تباہ کن سواحل سے جو جہاز رات کو ٹکرایا ہے - مظہر اس میں مددگار ملاح کی حیثیت سے کام کرتا تھا - جہاز مصری تھا - مظہر کو نہیں معلوم کہ جہاز کا کیا نام تھا اور اس کا کپتان کون تھا "

اس مختصر سے بیان سے بجائے اس کے کہ اطمینان ہو - لوگوں کا تعجب بڑھ گیا - ثالیس نے سب کو متعجب دیکھ کر بغیر کسی قسم کی گھبراہٹ ظاہر کئے ہوئے پھر بیان کیا -

"عدالت مظہر کے بیان پر متعجب ہے - لیکن مظہر یونانی ہے - اور مصریوں کے نام جو مظہر کے لئے غیر مانوس اور سخت ہیں - مظہر کو یاد نہیں رہتے - جہاز کے کپتان نے جہاز میں ملاحوں کی ضرورت ہونیکی بنا پر مظہر کو لنکا میں ملازم رکھا تھا - مظہر جس جہاز میں ابتداءً ملازم تھا وہ بھی لنکا کے قریب تباہ ہوچکا تھا - مظہر اس وقت بیکار تھا - بجواب سوال عدالت بیان کیا کہ اگر مصری جہازوں کی فہرست مظہر کو دیجائے تو مظہر بتا سکے گا - کہ رات کو تباہ ہونے والے جہاز کا کیا نام تھا " مطلوبہ فہرست فوراً پیش کیگئی اور ثالیس نے تھوڑی دیر تک دیکھنے کے بعد ایک نام پر انگلی رکھدی اور کہا "یہی جہاز ہے جو رات کو تباہ ہوا ہے " مجسٹریٹ نے فہرست لیکر ثالیس کے نشان دادہ نام کو پڑھا -

(قلوپطرہ - کپتان حلیم نسمی)

جہاز کا نام مجسٹریٹ کی زبان سے ادا ہونے کے پہلے گوہر پر پھر وہی امید و بیم کی کیفیت طاری ہوچکی تھی - مگر جہاز کا نام سنتے ہی گوہر نے ایک ٹھنڈی سانس لی - اور دھیرے سے "الٰہی تیرا شکر ہے" کہا - ساتھ ہی اعجاز نے اس کی طرف دیکھا اور شرما کر آنکھیں نیچی کرلیں - اس نے محسوس کیا کہ گوہر کی نظریں زبان حال سے گویا یہ کہہ رہی تھیں " اعجاز - تم نے اپنی ماں کو دھوکا دیا - قلوپطرہ کے بجائے جہاز کا نام ماریہ بتایا "

ثالیس - (مجسٹریٹ کی زبان سے جہاز اور کپتان کا نام سنکر) جی ہاں یہی جہاز تھا - یہ بچہ جس کی لاش عدالت میں موجود ہے - کپتان کا بچہ ہے - جہاز پر علاوہ کپتان اور اس کی بیوی بچہ کے اٹھارہ آدمی اور تھے - ان میں سے بارہ کی لاشیں - (لاشوں کی طرف انگلی سے اشارہ کرکے) یہ عدالت میں موجود ہیں یہ بچہ افریقہ کے سواحل کے قریب پیدا ہوا تھا - ہم لوگ لنکا سے ۲۲ جولائی کو روانہ ہوئے تھے - ہمارے جہاز میں قہوہ اور شکر لدی ہوئی تھی - دو دن ہوئے کہ ہم ایک بڑے وسیع بندرگاہ میں لنگر انداز ہوئے تھے -

بجواب سوال بیان کیا کہ مظہر کو بندرگاہ کا نام یاد نہیں - اس بندرگاہ سے لنگر اٹھانے کے بعد جنوب یا غربی

ہوا نے طوفان کی شکل اختیار کر لی اور ہمیں یہاں کے تباہ کن سواحل میں لا پھینکا - دن بھر ہم ہوا سے لڑتے رہے رات کو ہوا اور تیز ہوگئی - ادھر دن بھر کی محنت سے ہمارے اعضا شل ہوگئے - جب سے ہمارا جہاز خلیج بیکے سے نکلا تھا - کپتان بیمار تھا - ہم نے کوئی سگنل بھی نہیں دیا - ہم بہت گھبرائے ہوئے تھے ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ بچاؤ کے لئے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیئے - ہماری مایوسی میں اس واقعہ سے اور اضافہ ہوگیا کہ کپتان سخت بیمار تھا اور نائب کپتان ایسے سخت موقعہ پر بیہد پئے ہوئے تھا - ہوا نے آخرکار ہمارے جہاز کو یہاں کے ساحل سے ٹکرا دیا - جہاز کے ٹکراتے ہی نائب کپتان کا نشہ ہرن ہوگیا اور اس نے بری طرح بلک بلک کر رونا شروع کر دیا - مظہر خوش قسمتی سے اس وقت جہاز کے اگلے حصہ پر تھا ٹکراتے ہی سمندر میں کود پڑا - مظہر نے تمام لوگوں کی دردناک آوازیں اور چیخیں سنیں - سب سے زیادہ دردناک دانہ اور سب سے زیادہ زوردار چیخ نائب کپتان کی تھی جس کا نشہ اب بالکل اتر چکا تھا - کپتان اس وقت اپنے کمرہ میں تھا - اس کی بیوی کو مظہر نے ٹکر کے ساتھ ہی اپنے بچہ کو گود میں لئے ہوئے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا - کئی مرتبہ لہروں نے مظہر کو بھی قریب قریب غرق کر دیا تھا - مگر زندگی باقی تھی - مظہر کچھ تیرتا ہوا کچھ بہتا ہوا کنارہ سے جا لگا - صبح کے وقت مظہر نے اپنے آپ کو اس مقام پر پایا - سب سے پہلے مظہر کو ایک بچہ ملا تھا - بچہ مظہر کی اس وقت کی حالت سے اور یکایک آجانے سے ڈر گیا تھا - اس کے بعد یہہ تمام ملاح جو حاضر عدالت ہیں - آگئے اور مظہر کو اپنے ساتھ لے گئے - ان لوگوں نے مظہر کو نہلایا - کپڑے دیئے اور کھانا کھلایا - پھر مظہر کو یہاں عدالت کے روبرو لاکر کھڑا کر دیا - مظہر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا"-

مجسٹریٹ نے مزید اطمینان کے لئے دو ایک سوال اور کئے - تشفی آمیز جواب ملنے پر آخرکار فیصلہ سنا دیا - تالیس پر کوئی جرم ثابت نہیں ہوا تھا - لہذا اسے بری کیا گیا - اعجاز کی شہادت قلمبند کرنیکی ضرورت نہیں سمجھی گئی - لاشوں کے دفنانیکا انتظام پولیس کے سپرد کیا گیا - تالیس کے ٹھہرانیکا انتظام اس وقت تک جبتک کوئی جہاز یونان جانیوالا نہ آئے حکومت کی طرف سے ایک سرائے میں کیا گیا - جو اسی غرض کے لئے بنائی گئی تھی اس کے بعد سب لوگ اپنے اپنے مکان چلے گئے - گوہر کو اب قطعی طور پر اطمینان ہو چکا تھا کہ تباہ ہونیوالا جہاز وہ نہیں تھا جسمیں کہ اس کا پیارا شوہر سرانڈیپ سے روانہ ہوا ہے اس کی پریشانی ایک بڑی حد تک زائل ہو چکی تھی شام کے قریب گوہر تفکرات کے بوجھ سے ہلکی پھلکی ہو کر اپنے گھر واپس ہوئی - اعجاز کے دل میں البتہ کپتان کا خوف اسی طرح جاگزیں تھا - اور صحیح واقعات کے انکشاف سے جو صبح سے دوپہر تک کپتان زشد اور اعجاز کے مابین ہو چکے تھے - قطعی طور پر مانع تھا - بہرحال اعجاز بھی بظاہر مطمئن صورت بنا کر اپنی ماں کے ساتھ عدالت سے گھر واپس آگیا - (باقی آیندہ)

(سید حمید الدین احمد فیضی)

غزل

محفل محبوب میں جب غیر شامل ہو گیا
انتعاش زندگی ہی پھر تو زائل ہو گیا

سادہ لوحی دل کی اکدن دلکو پہنچائیگی رنج
اک نگاہ ناز میں سب رنج باطل ہو گیا

رحم کر اب اے فریب بوئے الفت رحم کر
دل سا فرزانہ خراب شوق باطل ہو گیا

حوصلہ افزائی تیرے جور پیہم سے ہوئی
رفتہ رفتہ اپنے پہلو میں بھی اک دل ہو گیا

بے اثر ہوتی ہے گلشن میں غزلخوانی مری
نالۂ دل بھی مگر شور عنادل ہو گیا

ہوں کرامت کا تری قائل میں اے پیر مغاں
پڑ گئی جس پر نظر تیری وہ کامل ہو گیا

اور کس کو حوصلہ ہوتا تمہارے تیر کا
سینۂ آفت طلب میرا مقابل ہو گیا

بن پڑی اہل ہوس کی اٹھ گئے ارباب ذوق
دیکھتے ہی دیکھتے کیا رنگ محفل ہو گیا

آرزو سے عیش کا ماتم ہوا انجام عیش
رفتہ رفتہ دل ہلاک حسرت دل ہو گیا

(مرزا نثار علی بیگ عیش بارکپوری)

رنگ شیب

گذاری عمر ساری راز ہستی کے سمجھنے میں
پرستش تیری کرتا اتنی فرصت تھی کہاں مجکو

ایک معیار تک پہنچنے کے لئے اسقدر دوادوش کی کہ جستجو کے پاؤں شل ہو گئے - راہ مقصود کے جتنے درجے طے کئے اتنی ہی منزل دور ہوتی گئی - اب تو یہ حالت ہے کہ لرزہ قدم میں - دست و پا بیکار - آنکھوں کی بینائی میں کمی - دماغی قوتیں زائل - دل میں کمزوری - عناصر میں اختلاف - یہانتک کہ ظاہری راستہ بغیر کسی خارجی سہارے کے نہیں چلا جاتا - اس پر قیامت یہ کہ جس شے کے حصول کی زندگی بھر کوشش کی وہ بھی حاصل نہ ہوئی - افسوس کیا میری اس طویل زندگی کا مآل یہی ہونا تھا!

بچپن میں وہ عالم کہ روزگار کے علائق سے بے پروائی - نفس امارہ سے لاعلمی - بیفکری کا شغل - بیکاری سے معاملہ - جذبات کے طوفان سے ناآشنا - خواہشات کے ہجوم سے بیگانہ - اگر کچھ فکر بھی ہوئی تو قناعت سے ایام زندگی گذارنے ہی کی - ہوتے ہوتے جب عنفوان شباب کا زمانہ آیا تو طبیعت میں ہیجان کی کیفیت پیدا ہوئی - جن جن چیزوں سے متنفر تھا ان سے رغبت جن سے

رغبت تھی - ان سے متنفر ہوا - ظاہری حسن کی خوشبو سے دماغ معطر ہونے لگا ول کو قوت پہنچنے لگی - اسوقت یہہ خیال کبھی خواب میں بھی نہ آیا کہ فانی چیزوں سے دل لگانا حماقت ہے - خیر یہہ سبق زمانہ کی رفتار نے خود سکھا دیا - وہ زمانہ بھی امن سے گذرا لیکن جیسے جیسے دن گذرتے گئے - اپنی نادانی اور بے شعوری سے ایام زندگی تلخ ہوتے گئے - عنفوان شباب کے بعد زمانہ شباب اس سے بڑھ کر تھا - کا

جوانی کا زمانہ اللہ اللہ عجب زمانہ تھا - دل تھا کہ ایک طوفانی سمندر - جذبات کی لہریں تھیں کہ مدوجزر مبالغہ آمیز نقشہ - حوادث کے تھپیڑے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیتے تھے - معاذ اللہ وہ بیقراری - وہ ہیجان وہ امنگوں کے بادل وہ ہجوم تمنا سے بیتابی وہ گریۂ بے اختیار وہ اضطراب دل - ایک جان زار تھی اور چاروں طرف سے مصائب کا حملہ تھا - نفس بہیمی اور نفس ملکی میں جنگ تھی - لیکن اس کشمکش میں ایک قوت مقابلہ کی بھی مجھ میں ایسی موجود تھی جس کے زور پر ان تمام حالتوں میں میں نے اشرف المخلوقات ہونیکی کچھ تو ضرور لاج رکھی - جہل کے دریا کو عبور کرکے علم کے ساحل تک پہنچا - مگر کسوقت کہ جب قوی پر ضعف کے آثار پیدا ہو چکے تھے - اس پر طرفہ آفت ناگہانی یہہ کہ وہاں بھی باقیماندہ دشمنان عقل نے پیچھا نہ چھوڑا

زمانہ انحطاط شروع ہوتے ہی علم کی پہلی منزل میں قدم رکھا - اور لغزش نے بڑھ کر خیر مقدم کیا - راہبر کی کون سنتا تھا - تیرہ بختی کا دامن ہاتھ میں تھا - اعتقاد کو ذریعہ علم نہ سمجھا - تجربے اور مشاہدے کو وسیلۂ علم قرار دیا - اور علم کو راز ہستی کے سمجھنے کا آلہ بنایا - اس طلسم کو توڑنا چاہا جس تک کسی کی رسائی ابتدائے آفرینش سے ابتک نہ ہوئی تھی - بہت لوگوں نے کوششیں کیں - مگر راہ میں ٹھوکر کھائی - ہر شخص نے جداگانہ منزل پر قیام کیا - کوئی مرکز تک نہ پہنچا - کسی نے صحن عالم کو طلسم خیال کیا کسی نے ہستی پائدار تصور کیا - کسی نے دارالقرار سمجھا - کوئی قید خانہ کے دھوکے میں رہا تو کسی نے فضائے آزادی قرار دیا - کسی نے اسے اپنے لئے جہنم تو کسی نے جنت سمجھا - کسی نے اسے کرشمۂ کن کہا - کسی نے مزرعۂ آخرت بتایا - میرے تجربے نے دنیا کو سب کچھ سمجھا - اور کچھ نہ سمجھا - امیدوں کے بعد ناکامیابی نے دنیا کو طلسم خیال کہلایا - بے پروائی کی بدولت اسے ہستی پائدار بھی سمجھا - اسی زندگی میں کبھی قید خانہ کی میعاد پوری کی تو کبھی آزادی کی ہوا کھائی - کبھی جنت کی ایذا اٹھائی - کبھی جنت کا مزا لوٹا - حسن کے گلشن کی سیر کی تو کرشمۂ کن بھی سمجھ میں آیا - کوششوں کے مآل کی صورت نہ دیکھنے پر مزرعۂ آخرت بھی سمجھا - اور اب اس زندگی کے آخری دور میں دار القرار بھی کہنے کو تیار ہوں - یہہ سب کچھ تو ضرور سمجھ میں آیا - مگر اب اس مسئلہ میں عقل حیران ہے کہ میں کون ہوں - میری سمجھ کیا ہے - راز دہر کے سمجھنے کی صلاحیت مجھ میں کہاں سے آئی - میں اسے سمجھ بھی سکتا ہوں یا نہیں - محدود کا گذر لامحدود تک کیسے ممکن ہے ؟

اس حیرانی کے ساتھ ہی ساتھ ایک پشیمانی بھی ہے وہ یہ کہ اپنی قوتوں پر اتنا اعتبار کیوں کیا۔ کاش مجکو پہلے ہی سے یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ قوت متخیلہ جس کو اب سے پہلے یوں روز افزوں ترقی تھی - وہ فانی ہے بلکہ اس کی ترقی کی رفتار سے اس کے تنزل کی رفتار زیادہ تیز ہے - افسوس اس وقت مجکو یہ احساس نہ ہوا - کہ اسوقت کی قائم اور فنا کرنے والی کوئی دوسری اس سے زیادہ بلند قوت بھی ہے اس وقت سر سرکش کو یہ خیال نہ آیا کہ پستی میں بلندی ہے - زمین سجدہ آسمان رفعت کا پہلا زینہ ہے انسان کی ہستی کو فخر کے ساتھ عجز بھی لازم ہے - وہ اشرف المخلوقات تو ضرور ہے مگر دائرہ مخلوق سے خارج نہیں - اس میں بلند قوتیں ضرور جمع ہیں مگر اس کو کسی بلند تر قوت کی پرستش بھی لازمی ہے -

بہر حال یہ سب کچھ تو ہوا اور یہ سب باتیں ضرور کچھ نہ کچھ سمجھ میں آئیں مگر افسوس کہ اب علم کے بعد عمل کی قوت نہیں - دنیا نے جب میرے سامنے دوسرا بھیس بدلا تو دیدار کی طاقت نہیں - ذرہ ذرہ کسی کے پرتو سے درخشاں ہے - مگر ہائے بینائی! کاش یہ دنیا اسی طرح میرے سامنے پہلے بھی آتی کہ میں دل کھول کر اس کی سیر کر لیتا - اور تجرد کی ہوا میں فرحت حاصل کرتا -

اے دنیا! تو ایک آئینہ ہے جس کا تاریک رخ مادیت اور جس کا روشن رخ روحانیت ہے -

اے ذرات کائنات تم نورانیت کے حجاب ہو تمہارے جیب و دامن میں وہ چیز ہے جس کے ہم متلاشی ہیں - اے انسانی ہستی! تیرا مصرف اصلی یہ ہے کہ تو آئینہ ہستی کے زنگار کو جلا دے - کیونکہ اس کی جلا سے تیری جلا بھی وابستہ ہے - اے دائمی فنا تو ایک دھوکا ہے میں تجھ کو اصلی حالت میں دیکھ رہا ہوں تو بقائے حقیقی کا پہلا زینہ ہے تو وہ دروازہ ہے - جس سے گذر کر ہم حقیقت کے میدان میں قدم رکھتے ہیں -

اے موت! دنیا کا تخیل تیری بھیانک تصویریں کھینچتا ہے اور اپنے خیالی خوف سے لرزتا ہے مگر میں تیری حقیقت سمجھ چکا ہوں - تیری موہنی صورت کا مشتاق ہوں - آ - اور مجھے دارِ فنا سے عالمِ بقا میں پہنچا دے -

(مرزا محمد جعفر حسین - بی - اے - (لک)

میونسپل کمشنر

ڈی گھوش چھوٹا لڑکا رام مورتی سرکس والا - جالندھر شہر میں اپنا سفید ہاتھی لیکر داخل ہوا - چونکہ یہ ایک عجیب جانور تھا - اس لئے بیشمار تماشائی لڑکے اور جوان اس کے پیچھے ہو لئے -

ڈی گھوش اور اس عجیب جانور کو شہر میں اس واسطے بھیجا گیا تھا کہ وہ اپنے سرکس کے لئے اشتہار کا کام دیں۔ سرکس کا خیمہ باہر اس جگہ لگا ہوا تھا۔ جہاں دسہرا لگتا ہے۔ بازار میں سے گذرتے ہوئے گھوش نے اپنی آواز اس طرح نکالی کہ لوگوں کو ہاتھی بولتا ہوا معلوم ہوا۔ "بھائیو بندگی۔ میں امید کرتا ہوں آپ سب بخیریت ہیں۔ میں بھی بالکل راضی ہوں"۔

لوگ جو چبوتروں پر کھڑے ہوئے تھے یہ سن کر حیران رہ گئے۔ ان میں سے بہت کم نے سمجھا کہ اصل میں وہ لڑکا گھوش ہے۔ جو بول رہا ہے۔

"بھائیو میں آپ کو بتانے آیا ہوں کہ ہندوستان کا سب سے بڑا اور اچھا سرکس آپ کے شہر کے باہر خیمہ زن ہے"۔ ہاتھی نے کہا "کھیل ہر روز نو بجے شام کے شروع ہوگا۔ آئیے اور اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لائیے۔ آٹھ آنہ کے پیسوں میں آپ کو بیشمار کرتب اور دلچسپ کھیلیں دکھائی جائینگی"۔

ہاتھی اور لڑکا سرکس کی اطلاع دیتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ جب وہ چوک امام صاحب سے گذر کر بازار شیخاں کی طرف چلنے لگے۔ تو انہیں ایک کانسٹیبل نے روکا۔ "ٹھیرو۔ تم اس طرف سے نہیں گذر سکتے"۔ کانسٹیبل نے کہا۔ اور اپنے ڈنڈے سے پیچھے ہٹنے کا اشارہ بھی کیا۔ "راستہ تھا در۔ لالہ موتیچند آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر کی موٹر اس طرف سے گذرنے والی ہے۔ اس لئے راستہ صاف ہونا ضروری ہے۔ تم اس گینڈے کو دوسری سڑک پر لیجاؤ"۔

"گینڈے"۔ ہاتھی نے حقارت سے کہا۔ "اللہ کی شان جب سے میرے دانت کاٹے گئے ہیں کسی نے میری بے عزتی نہیں کی۔ میرا چمڑا بیشک موٹا ہے۔ لیکن میں یہ سننے کے لئے تیار نہیں۔ کیا آپ کو ہاتھی کی پہچان بھی نہیں"۔

کانسٹیبل جو میونسپل کمشنر صاحب کی موٹر کی آمد آمد سے گھبرایا ہوا تھا بولا۔ "مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ تم کیا ہو۔ اگر تم ہاتھی بھی ہو تو جلدی کرو اور دم دبا کر بھاگ جاؤ۔ تمہاری اس شہر میں کچھ ضرورت نہیں"۔ اور اور اس تنگ سڑک کی طرف اشارہ کیا جو سبزی فروش کی دوکان کے ساتھ تھی۔ "چلو ہٹو اسطرف ہو جاؤ"۔

گھوش کو معلوم تھا کہ کنسٹیبل صاحب کو کچھ اور کہنا سننا بے فائدہ ہے۔ اس لئے وہ اس تنگ بازار کی طرف ہٹ گیا جسکی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ یہاں ایک وقت میں صرف ایک ہی گاڑی گذر سکتی تھی۔ وہ صرف بیس پچیس گز گئے ہوں گے کہ سامنے سے ایک موٹر کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ "ہانک۔ ہانک"۔ موٹر ہارن سے آواز آئی۔ چونکہ بازار بہت تنگ تھا۔ اس لئے گھوش کا جلدی سے ہاتھی کو ہٹانا مشکل کام تھا۔ "ہانک۔ ہانک"۔ موٹر کار ہاتھی کے عین مقابل آکر کھڑی ہو گئی۔

"ہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ایک موٹے آدمی نے جو ڈرائیور کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا زور سے کہا ۔ "ہٹو راستہ صاف کرو تم اس جانور کو اس طرف کیوں لائے ہو"

مجھے بہت افسوس ہے ۔ لیکن اس میں میرا قصور نہیں" گھوش نے لجاجت سے جواب دیا کنسٹبل نے مجھے اس طرف بھیجا ہے ۔ چونکہ راستہ تنگ ہے ۔ اس لئے جب تک کہ میں کوہ سفید ۔ (ہاتھی کا نام) کو پیچھے نہ ہٹالوں آپ کو انتظار کرنا پڑے گا ۔

"چلو ۔ جلدی کرو" موٹر والے صاحب نے پھر کہا ۔ "یہ خوب ہے شہر کے بازاروں کو انہوں نے جنگل سمجھ لیا ہے"

گھوش نے کوہ سفید کو پیچھے قدم ہٹانے کی بہتیری کوشش کی لیکن سب بے سود ۔ وہ صرف دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر کھڑا ہو گیا ۔

"جلدی کر بیوقوف لڑکے"۔ انہوں نے پھر کہا ۔ تمہیں معلوم نہیں میں رائے بہادر ۔ لالہ سوکھچند صاحب آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر ہوں" "جناب عالی آپ دیکھتے ہیں بہت کوشش کر رہا ہوں"

"بہت کوشش بہت کوشش کر رہا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہیں کھڑا ہے"

رائے بہادر صاحب نے بڑے غصہ میں کہا اور اپنی چاندی کے دستہ والی چھڑی بھی دکھائی ۔ کوہ سفید نے رائے بہادر صاحب کے چہرے کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا شروع کیا ۔ گویا وہ ان کا چہرہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا ۔ یہاں تک کہ وہ بڑے بازار کے سرے پر پہنچ گیا ۔ اور موٹر گذرنے کے لئے راستہ صاف ہو گیا ۔ موٹر آگے آئی ۔ لیکن رائے بہادر صاحب نے پھر ٹھیرائی اور کنسٹبل کو آواز دی "کنسٹبل اس لڑکے کو گرفتار کرو"

"بہت اچھا جناب ۔ کیا جرم لگایا جائے"۔ "یہ تو مجھے معلوم نہیں ۔ جو چاہو لگا کر میری کچہری میں پیش کرو میں اسے کم از کم چھ ماہ کی سزا دونگا" گھوش نے کہا "لیکن آپ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے ۔ میرا کوئی قصور نہیں میں صرف پولیس مین کے کہنے سے اس طرف ہٹا تھا" "بکو مت" رائے بہادر صاحب نے کہا "تم راستہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہو اور ہاتھی کو بغیر لائسنس لئے پھرتے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاید یہ ہاتھی بھی تم نے کہیں سے چرایا ہے ۔ کنسٹبل اس کو کوتوالی لیجاؤ" "اور ہاتھی بھی" کنسٹبل نے پوچھا ۔ بیشک ۔ ہاتھی بطور گواہ کے پیش ہوگا" کنسٹبل گھوش اور ہاتھی کو کوتوالی کی طرف لیچلا ۔ رائے بہادر صاحب کی موٹر بھی ان کے پیچھے پیچھے تھی ۔ اور ان کے پیچھے تماشائیوں کا مجمع کثیر اور جم غفیر کوتوالی کے دروازے پر پہنچ کر کنسٹبل نے گھوش کو اندر چلنے کے لئے کہا ۔ کوہ سفید بھی اس کے پیچھے چلا ۔ چونکہ پھاٹک بہت بڑا نہ تھا اس لئے قدرتی طور پر اس کے گذرتے وقت سائن بورڈ چکنا چور ہو گیا اور ساتھ ہی بڑا لیمپ جو ایک طرف لگا ہوا تھا ۔

ٹکرا کر ٹوٹ گیا - تڑ اق پڑ اق کی آواز سے کوتوال اور دوسرے محرر دوڑے - "یہ کیا ماجرا ہے ؟" انسپکٹر نے کڑک کر دریافت کیا - "راستے میں رکاوٹ ڈالنے کا جرم" کنسٹبل نے کہا - "اسمیں تو کوئی شک نہیں - کوتوالی کا راستہ تو کم از کم رک گیا ہے - اس جانور کو نکالنے کے لئے ہمیں دو گھنٹے چاہئیں گدھا کسی جگہ کا ...... یہ کوتوالی ہے یا چڑیا گھر "۔

کوتوالی کے سارے عملے کو کوہ سفید کے باہر نکالنے میں دس منٹ سے زیادہ عرصہ لگا - راستہ صاف ہونے پر موٹر دکھائی دی - جس میں مجسٹریٹ صاحب لال پیلے ہو رہے تھے " انسپکٹر میں اس لڑکے پر الزام لگانے آیا ہوں "۔ "جناب اگر الزام ہاتھی کے متعلق ہے تو ہمیں دوسری جانب صحن میں چلنا چاہئے - ہمیں دروازہ مسمار کرانا منظور نہیں - انسپکٹر نے اپنے تبسم کو چھپا کر پوچھا " جناب اس پر کیا الزام لگاتے ہیں "۔ "اگر یہ میرے ہی ذمہ ہے "۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا - "میں تو کوئی سنگین الزام لگانا چاہتا ہوں "۔ "جناب عالی میری یہ مراد ہے کہ لڑکے نے کیا جرم کیا ہے "۔ مجسٹریٹ "مشکوک طور پر بدمعاشی کے ارادے سے پھرنا "۔ "کیا اس نے کسی دوسرے کی چیز پر قبضہ کر لیا ہے "۔ انسپکٹر نے پوچھا - "بیشک اس نے بہت سی جگہ دبالی تھی - اس نے ہاتھی کے ساتھ راستہ روک لیا تھا - مجھے تو یہ بھی شبہ ہے کہ ہاتھی اس کا اپنا نہیں - مسروقہ ہے "۔ انسپکٹر نے گھوش کیطرف مخاطب ہو کر - "کیا یہ جانور تمہارا ہے "۔ "نہیں جناب یہ رام مورتی سرکس کا ہے - میں تو اس کو بطور اشتہار کے ساتھ لایا ہوں -" مجسٹریٹ "جھوٹ بکتا ہے اس کا ایک لفظ بھی قابل اعتبار نہیں - انسپکٹر اس کو حراست میں رکھو "۔ "ہاتھی کی بابت کیا حکم ہے "۔ انسپکٹر نے پوچھا " اس کا تو یہاں ٹھہرنا مشکل ہے "۔ "تب آپ میرے ماتھے پر ایک لیبل لگا کر مجھے گھر بھیجدیں "۔ ہاتھی کہتا ہوا معلوم ہوا - اگرچہ یہ الفاظ گھوش نے کہے تھے -

مجسٹریٹ صاحب نے حیران ہو کر دیکھا " یہ ہاتھی تو بولتا بھی ہے - ہم نے تو ایسا جانور کبھی نہیں دیکھا " "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اتنے ہوشیار نہیں جتنا ظاہر کرتے ہیں - ہاتھی نے کہا " میں نہ صرف بول سکتا ہوں بلکہ دانائی اور عقل کی باتیں کہہ سکتا ہوں "۔ "گستاخ ...... جانور تو کیا شہر بھر میں کسی آدمی کی جرأت نہیں کہ میرے سامنے ایسے الفاظ کہے - تمہارے برخلاف بھی ہتک اور گستاخی کا مقدمہ دائر کیا جائے گا "۔ کوہ سفید نے جو اس وقت تک ایک جگہ کھڑے کھڑے تھک گیا تھا - اپنا پاؤں اٹھایا اور مجسٹریٹ صاحب کے پاؤں پر رکھدیا - "ہائے " مجسٹریٹ صاحب چلائے - "ہائے میرا پاؤں کچلا گیا "۔ بڑی مشکل سے پاؤں نکال کر آپ نے ایک ٹانگ کے بل کودنا شروع کر دیا - اور ساتھ ہی زور زور سے ہائے ہائے کرنے لگے -

عین اس وقت لالہ رام سرن منیجر سرکس داخل ہوئے۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے ہاتھی کی متعلق کچھ گڑبڑ ہے۔ اس لڑکے کو میں نے ہی شہر میں بھیجا تھا۔ اس لئے اگر کوئی بات ہے تو اسکا ذمہ دار میں ہوں" "ان سب کو حراست میں کرلو۔" مجسٹریٹ صاحب چلائے۔ انسپکٹر "ہم ایسا نہیں کرسکتے اب لڑکے کے متعلق ہاتھی سرقہ کرنے کا الزام نہیں رہا اس لئے اب یہ صرف اس کے برخلاف راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کا مقدمہ قائم کرسکتے ہیں۔ یعنی اب اس کو جہاں چاہے جانیکی اجازت ہوگی۔ لیکن تین دن کے بعد عدالت میں حاضر ہو کر سمن کا جواب دینا ہوگا۔" "اچھا میں وہاں اس کی خبر لونگا۔" مجسٹریٹ صاحب نے کہا۔ میں اسپر سو روپیہ جرمانہ کرونگا اور ہاتھی کو گولی سے مارنے کا حکم دونگا۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں رائے بہادر لالہ موہن چند صاحب آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر رئیس اعظم شہر جالندھر ہوں"۔

تیسرے دن بیشمار لوگ کچہری کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دئے۔ کچہری دروازہ مائی ہیراں کے پاس واقع ہے۔ عدالت کا کمرہ دس بجے سے پہلے ہی ہر طبقے کے لوگوں سے بھر گیا۔ مقررہ وقت سے صرف ایک گھنٹہ دیر کرنیکے بعد رائے بہادر صاحب جلوہ افروز ہوئے۔ یکے بعد دیگرے دوسرے آنریری مجسٹریٹ بھی آپہنچے۔ رائے بہادر صاحب نے مختصر تقریر کے ساتھ کارروائی شروع کی لیکن چونکہ انہیں زکام کی شکایت تھی اور گلا بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے بہت آہستہ بول سکے۔ "مجھے نہایت افسوس ہے کہ زکام کی وجہ سے میں اونچا نہیں بول سکتا۔" انہوں نے کہا۔ "نہیں صرف انصاف کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔ اپنے ساتھیوں کی مدد سے میں امید کرتا ہوں کہ کام جلد ہی ختم ہو جائے گا

سررشتہ دار عدالت نے حالات اس طرح سنائے۔ "ٹی گھوش کو بادشاہ معظم کی عدالت میں اس واسطے حاضر ہونے کے سمن بھیجے گئے ہیں کہ اس نے جان بوجھ کر اس شہر کے بازاروں میں گاڑیوں اور پیدل چلنے والوں کے لئے رکاوٹ پیدا کی۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھ ایک بڑے سفید ہاتھی کو جو پالتو جانوروں میں شمار نہیں ہوسکتا۔ لایا تھا۔ اس سے آمدورفت بالکل رک گئی۔ اور امن عامہ میں خلل واقع ہوا۔" "چھ ماہ قید سخت"۔ مجسٹریٹ صاحب نے بے قابو ہو کر کہا۔ "منشی....... جناب عالی" سررشتہ دار نے کہا۔ "چونکہ آپ کو اس مقدمہ میں بطور گواہ کے پیش ہونا ہے۔ اس لئے آپ اس کو بطور مجسٹریٹ نہیں سن سکتے"۔ آج قاضی سراج الحق صاحب اب آپ کی جگہ کام کریں گے"۔

"لیکن........"۔ رائے بہادر صاحب نے جنکی آواز پہلے سے بھی کمزور ہوگئی تھی۔ کہا "جناب یہ قانونی بات ہے۔ آپ بیان دینے کے لئے اس طرف تشریف لے آئیں"۔ رائے بہادر صاحب کو مجبوراً وہاں سے اٹھ کر بطور گواہ کے پیش ہونا پڑا۔ لیکن انہوں نے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ وہ اس

قسم کی گواہی دیں گے کہ ملزموں کو سخت سزا ملے۔ حکام جلیس نے رائے بہادر کو بیان دینے کے لئے رکھا
رائے بہادر صاحب اس طرح پکویا ہوئے۔ "۲۹ تاریخ کی صبح کو......" چونکہ ان کا گلا بالکل بیٹھ گیا تھا۔ اس لئے کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ صرف لب ہل رہے تھے۔

قاضی صاحب نے ایک ہاتھ اپنے کان کے پیچھے رکھا اور اس طرف متوجہ ہو کر پھر کہا۔ "بولئے جناب ۲۹ تاریخ کی صبح کے بعد کیا ہوا" رائے بہادر صاحب کے لب پہلے سے کہیں جلدی جلدی ہلنے لگے چہرہ سرخ ہو گیا۔ لیکن ایک حرف بھی کسی کو سنائی نہ دیا۔

ڈی گھوش رائے بہادر صاحب کے بالکل پاس کھڑا تھا۔ قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے لکڑی کے جوکھٹے نے اس کو بالکل چھپا لیا تھا۔ وہ موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اپنی آواز کو رائے بہادر صاحب کی آواز کے مطابق بنا کر کہنے لگا۔

"۲۹ تاریخ کی صبح کو میرے حواس درست نہ تھے۔" رائے بہادر صاحب نے لوگوں کو بتلانے کی بتیری کوشش کی کہ یہ ڈی گھوش کہہ رہا ہے اور بالکل غلط ہے۔ لیکن بے سود لوگوں نے ان کے چہرے کو زیادہ سرخ اور لبوں کو تیزی کے ساتھ ہلتے ہوئے دیکھا۔ "میں اپنی موٹر میں بیٹھا ہوا بازار میں سے گذر رہا تھا۔ دوسری طرف سے یہ لڑکا اپنے ہاتھی کو لئے آ رہا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو اپنے ہاتھی کو واپس لیجانے کی پوری کوشش کی۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اسے بہت سخت سست کہا اور نا ملائم الفاظ کہہ کے اپنی کم عقلی اور بیوقوفی کا ثبوت دیا۔" رائے بہادر صاحب نے لکڑی کے جوکھٹے کو پکڑ کر آواز نکالنے کی آخری کوشش کی۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا "سمن ہرگز جاری نہیں ہونے چاہئے تھے" رائے بہادر صاحب کہتے ہوئے معلوم ہوئے۔ "عدالت اور حاضرین کا قیمتی وقت ضائع کرنے کی وجہ سے مجھے جرمانہ ہونا چاہئے۔ اس ماہ کے آخر میں نئے میونسپل کمشنروں کا انتخاب ہونیوالا ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ اس دفعہ تو عقل کو کام میں لا کر مجھے ووٹ دینے کی بجائے کسی ایسے شخص کو انتخاب کریں جو حقیقی معنوں میں ملک و ملت کا خیر خواہ ہو۔ جسے قوم کا درد ہو جو دوسروں کی تکلیف پر اپنے آرام کو نثار کر سکے۔ جو بیجا خوشامد سے بھاگنے والا اور صرف سچائی کا طرفدار ہو میں تو گذشتہ تین سال میں آپ کو کافی تکلیف دے چکا ہوں اور ہر طرح سے اپنی نالائقی ثابت کر چکا ہوں میں نے اس عرصہ میں جو کام کیا اپنے ووٹروں کی مرضی کے خلاف کیا۔ غریبوں کو میں نے ستایا یتیموں کو میں نے تنگ کیا۔ شہر کی صفائی کا میں نے کبھی بھول کر بھی خیال نہ کیا تعلیمی معاملات کو میں نے سمع خراشی تصور کیا۔ الغرض............"

کمرہ عدالت کا ہر ذی نفس یہ بیان سنکر حیران ہوگیا - صدر عدالت قاضی صاحب نے کہا "رائے بہادر صاحب آپکے بیان سے تو میں صرف اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کا دماغ پھر گیا ہے - اور آپ کو فوراً کسی لائق ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہے - آپ تشریف لیجائیں - اور آرام فرمائیں" "سمن استغاثہ قابل سماعت نہیں ہے - لہذا - سمن" - یہ سنکر رائے بہادر صاحب کے تن بدن میں آگ لگ گئی انہوں نے اپنے بازوؤں کو سر کے اوپر گھمایا - اور بولنے کی پھر کوشش کی - لیکن بدقسمتی یا خوش قسمتی سے نتیجہ وہی ہوا جو پہلے تھا -

ٹی گھوش نے رائے بہادر صاحب کی طرف سے پھر کہا "ہُرّے - ہپ ہپ ہُرّے - رام مورتی صاحب کے سرکس کے لئے تھری چیرز - آج رات کا کھیل بہت اعلےٰ ہوگا - ہم سب کو وہاں جانا چاہئے - اپنے ملک کی چیزوں کی قدر کرنی چاہئے - ہپ ہپ ہُرّے -

قاضی صاحب کے اشارے پر دو کنسٹبلوں نے رائے بہادر صاحب کو آہستگی سے پکڑا اور کمرے سے باہر لیجا کر موٹر میں جا بٹھایا -

(عزیز بخش - بی - اے - بی ٹی - انسپکٹر مدارس)

آزارِ محبت

مس باربرا فلپ - سر والٹر فلپ کی اکلوتی بیٹی تھی - دوران جنگ عالمگیر میں جب کہ سر والٹر نے ہالینڈ کے محاذ پر سٹاف کے صیغہ میں خفیہ خدمت سرانجام دینے میں جان دیدی تو مس باربرا دل شکستہ ہوکر بہ ہزار منت و دقت فوجی نرسوں میں بھرتی ہوکر کیف کے مرکزی ہسپتال میں چلی آئی - اس کی مقبول اور زاہد فریب صورت نے کسی کو مبہوت بنائے بغیر نہ چھوڑا - یہاں تک کہ اکثر من چلے افسر خدا سے ملتجی ہو رہے تھے کہ وہ مجروح ہوکر اس کے اعجاز مسیحائی کے زیر اثر کم از کم چند روزہ زندگی کا وہ سرور حاصل کریں جس سے بعد حیات بھی مسحور رہیں -

لفٹنٹ ہیوز نے نمایاں خدمت کے صلہ میں جہاں ملٹری کراس کا تمغہ حاصل کیا وہاں اسے شدید ضربات نے اسی ہسپتال میں پورے چار مہینے زیر علاج رکھا - یہ پچیس سالہ نوجوان تھا اور جبریہ بھرتی میں اسے بیرسٹری چھوڑ کر کیمرن ہائی لینڈرز میں شامل ہونا پڑا تھا - یہ مس فلپ کے وارڈ میں تھا اور رفتہ رفتہ اس کی نگاہ و دل نشین کا ایسا شکار ہوا کہ دو مرتبہ اس نے اپنے بھرے ہوئے زخم

میز سے رگڑ کر تاز خراشیں پیدا کر کے ڈاکٹروں کو دھوکا دینے کی کوشش کی مگر عشق و مشک چھپائے نہیں چھپتے سب نے متفقہ یہ رائے قائم کرلی کہ وہ ایک حسن کی دیوی کا پجاری ہے۔ اور صحت یاب ہونا اس نے گناہ سمجھ رکھا ہے۔ دونوں کیوپڈ کے تیر کارگر نہ ہو گئے۔ اور مس فلپ نے اس کے دعوۂ عشق کو قبول کرتے ہوئے یکلخت استعفا دیدیا۔ اور شہر وزیری چلی آئی۔

کچھ عرصہ بعد اسے ہیوز کا ڈنڈی سے خط ملا کہ وہ اسے ہرگز بھول نہیں سکتا۔ وہ صرف اس کا ہے مگر افسوس کہ ملکی خدمت پر اسے فوراً میکسیکو جانا ہے۔ جہاں غالباً اسے سفارت میں کانسل ہوکر آرام سے زندگی بسر کرنے کا خیال ہے۔

قریباً سال ہونے کو آیا اور مس فلپ اس اثنا میں ہیوز کے خیال میں ایسی غلطاں تھی کہ نہ باپ کی دولت اور نہ سوسائٹی کی دلچسپیوں نے اسے محبت اولیں سے غافل کیا وہ چاہتی تھی کہ ہنگامۂ عالم سے مامون ہو جائے اور اسی کی ہو جائے جو اس کا ہو چکا ہے۔

اس لئے اپنا اور بوڑھی چچی کا پاسپورٹ لے لیا۔ اور اب امریکہ جانیوالے جہاز کا انتظار کرنے لگی چچی اسے کہا کرتی تھی۔ بار بیرا تم محبت کے حقیقی معنوں سے نا آشنا معلوم ہوتی ہو۔ انگلینڈ عشق و محبت کا سکول ہے مگر تم معصوم فرشتہ ہو۔ تم ارضی قانون محبت اور اس کے تلخ تجربوں سے بیخبر ہو۔ وہ مسکرا کر جواب دیتی دنیا والے سنا ہے محبت کی نمائش میں جو پیش کرتے ہیں۔ اس کی قیمت بھی ویسی ہی لیتے ہیں۔ میری پہلی محبت آخری ہے اور اس کی قیمت ہیوز پیارا ہیوز ہے۔

جون کا مہینہ تھا۔ ڈیلی نیوز کا ایک پرانا پرچہ مس فلپ دیکھ رہی تھی خدا جانے کیا مضمون تھا وہ بغور بار بار ایک ہی کالم کو پڑھ رہی تھی۔ یکایک اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ چچی نے پوچھا کیوں بار بیرا کیا خبر ہے۔ "ہوائی جہاز میں ارجنٹائن کو" اس کے مضمون کا عنوان تھا۔ کارڈف کا ایک کپتان کرافٹ نامی تن تنہا تفریحاً جنوبی امریکہ جانیوالا تھا مس فلپ کو خیال پیدا ہوا کہ فوراً کارڈف جا کر کپتان کرافٹ سے استدعا کرے کہ وہ اسے اور اس کی بوڑھی چچی کو اپنے ہمراہ لیجا کر میکسیکو اتار دے

ایک ہفتہ کے بعد وہ سوتھیمپٹن کو عبور کر رہے تھے۔ جہاز کے سفر کی زحمت بار بیرا کے لئے باعث حوصلہ افزائی تھی کیونکہ وہ منزل عشق کی راہی مشتاق تھی۔ مگر بچاری بوڑھی لیڈی خوف سے کانپ رہی تھی۔ جب جنوبی فرانس کے نیل گوں سمندر پر طیارہ پرواز کر رہا تھا۔ اس کی چچی بخار کی شدت سے بیہوش ہوگئی اور جبرالٹر سے کوئی دس کوس پرے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی کپتان کرافٹ نے تجویز پیش کی کہ اس کی نعش گور آب کے سپرد کردیجائے۔ بار بیرا کو اس خود غرضانہ

خیال سے نفرت ہونا قدرتی امر تھا مگر وہ مجبور تھی اور آخر اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں نیچی کر لیں گویا اس نے مان لیا۔ کہ اس کی غمخوار بھی اس طرح بے کسی میں لطمۂ موج کے حوالہ کر دی جائے۔ اب وہ اکیلی تھی اور ایک اجنبی نوجوان کے ہمراہ بیم دریا کی کٹھن منزل طے کر رہی تھی۔

۲۱ جون کی صبح تھی یہ وہ دن تھا جب کہ بار بیرا شروزبری میں اپنے عاشق وفا کیش کا بے بہا عطیہ بطور روز پیدائش کے تحفہ کے وصول کرنے کے خیال میں تھی اور اسے رنج تھا کہ ڈاکخانہ والے تلاش گمنام میں چندے سرگرم رہ کر ہیوز کو واپس کر دیں گے وہ چونکی اور اس نے کرافٹ کو یہ کہتے سنا دیکھو دیکھو وہ سامنے کوئی جزیرہ ہے۔ کاش کہ ہم وہاں جلدی پہنچ جاویں مشین بیکار ہو رہی ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ ہم سمندر کی بھینٹ نہ ہو جائیں "

بار بیرا کے چہرے سے ہوائیاں اڑنے لگیں وہ اب محسوس کرنے لگی کہ اس کی مرحوم چچی کا عشق کے تجارب سے کیا مطلب تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے انگلستان کی سوسائٹی کی سہل محبت کے نقشے پھرنے لگے۔ اور وہ کبوترانِ بامِ حرم کی سہل الحصول آرزو پر رشک کرنے لگی۔ اسے معلوم ہوا کہ طیارہ ساحل کے قریب ہے اور سرنگوں ہو رہا ہے۔ جو نہ معلوم کسی چٹان سے ٹکرانے کو ہے۔ خوفزدہ ہو کر اس نے کرافٹ کے شانے کو مضبوط پکڑ لیا۔ کپتان نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور تشفی آمیز لہجہ سے کہا مس قلبِ محبت پر بھروسہ رکھو۔ صرف محبت کا مستقل خیال تمہیں بچا سکتا ہے۔ تم ہیوز کی امانت ہو مجھے ہر ممکن طریقہ سے تمہاری مدد کرنا مقصود ہے۔ مجھے چھوڑ دو تم ....

مگر کپتان کرافٹ۔ "بار بیرا نے کہا" کیا یہ ممکن ہے کہ ہم زندہ رہیں" اس کے بعد کپتان نے جلدی سے جیب سے رومال نکالا۔ اور اسے کہا اسے سونگھو یہ تمہیں آنیوالے خطرہ سے چندے بیخبر کر دے گا اور ہم اگر بچ گئے تو کم از کم تمہارا نازک دل صدمہ سے محفوظ رہے گا۔

بار بیرا کو جب ہوش آئی تو دیکھا کہ وہ تن تنہا ایک جھونپڑے میں لیٹی ہوئی ہے۔ اس کا ایک بوٹ اترا ہوا ہے۔ اور اس کے بال شانوں پر پریشان ہو رہے ہیں۔ اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا اٹھنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ کپتان کرافٹ۔ کپتان کرافٹ کہاں ہو۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اس کا دل و دماغ پریشان خیالی میں وقف ہو گئے۔ سب سے بڑھ کر ایک زبردست خیال جو خوف کے درجہ تک پہنچ گیا۔ یہ تھا کہ کپتان کرافٹ اگر آ گیا۔ تو وہ دونوں تنہا خدا جانے کب تک اس جھونپڑی میں رہیں گے۔ اور پھر........ وہ ہیوز کی محبت کو یاد کر کے زار زار رونے لگی۔ معاً اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ خواہ وہ جنگل کے خوفناک درندوں کا شکار ہو جائے۔ وہ محبت کے ڈاکو سے جان

بچا کر بھاگ نکلے۔ اٹھکر دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ مگر معلوم ہوا کہ باہر سے بھاری بھاری پتھروں نے رکا ہوا ہے۔ مایوسی نے اس کے ارادے کو کمزور نہ کیا بلکہ اس کی جدوجہد اور زیادہ ہوئی اور آخر وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے میلوں تک جنگل اور برہنہ پہاڑ تھے۔ انسان توانسان طیور کا بھی کہیں نشان نہ تھا وہ کہیں جا رہی تھی۔ مگر منزل نامعلوم۔ اچانک اسے ایک چیخ سنائی دی پھر کر دیکھا تو ایک سیاہ فام بیکراں فی جو قریباً برہنہ تھا۔ اس کے تعاقب میں دوڑا آ رہا ہے۔ دوڑا بھاگی میں اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے اور وہ دھم سے تپتی ہوئی ریت پر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ بجائے اس کالے کلوٹے حبشی کے اس کا رفیق کپتان گرافٹ سرہانے کھڑا مسکرا رہا ہے۔

"مسٹر فلپ اس کے کیا معنی"۔ باربرا نے ایک انداز سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں تلاش کرنے نکلی تھی۔ آہ مجھے کیا معلوم ہمارا یہ حشر ہوگا۔ کپتان گرافٹ ہم کہاں ہیں"؟

کپتان نے کہا۔ نادان لڑکی تم غلطی پر ہو۔ تمہارا دل بہت کمزور ہے۔ اگر ہیوز کی بجائے میں ہوتا۔ تو تمہیں محبت کرنا سکھاتا۔ اور پھر تمہیں اس قابل سمجھتا کہ تم میری کہلا سکتیں۔ چلو چلو واپس چلیں۔ یہاں کے خونخوار باشندے سفید آدمیوں کے دشمن ہیں اگر وہی وحشی جسے میں نے ابھی زخمی کرکے واپس بھگا دیا ہے ایک کثیر تعداد کو ہمارے تعاقب میں لے آیا تو خدا جانے ہمارا کیا حال ہو وہ جھونپڑا محفوظ جگہ پر ہے۔ درختوں کے پتے اسے آڑ میں لئے ہوئے ہیں۔

مس فلپ کو جھونپڑے میں بٹھا کر اس نے معذرت چاہی اور کہا میں اپنی ٹوٹی ہوئی مشین کی تلاش میں سامنے پہاڑ پر جاتا ہوں۔ گھبرانا نہیں۔ میں زیادہ دور نہیں تمہاری آواز مجھ تک پہنچ سکیگی۔ اسے خیالات میں غلطاں چھوڑ کر وہ چلا گیا۔ کوئی پندرہ بیس منٹ بعد واپس لوٹا اور ایک چھوٹا سا صندوق اس کے آگے پھینک کر کہا۔ یہ لو مس یہ تمہارا اسباب ہے۔ غالباً اسمیں علاوہ تمہارے کپڑوں کے کچھ کھانے کا سامان بھی ہوگا۔ رات ہو چلی ہے۔ بھیگے ہوئے کپڑے اتار پھینکو اور شب باشی کے کپڑے پہن لو میں لاسلکی کے ذریعہ کسی بھولے بھٹکے جہاز کو اپنے حادثہ سے باخبر کرکے امداد کے لئے بلانے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرے آنے تک چائے تیار کر لینا۔

مس فلپ نے منہ چڑا کر کہا۔ کپتان گرافٹ معلوم نہیں میرے شب باشی کے کپڑوں سے تمہارا کیا مطلب ہے۔ میں یہاں کیسے کپڑے اتار سکتی ہوں۔ اور ہاں چائے میں ضرور تیار کر دونگی

اس کے جواب میں کپتان نے بناوٹی تبسم سے کہا۔ "بھولی لڑکی" اور اس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھتے ہوئے جلدی میں کہدیا۔ "مجھے تم پر اعتماد ہے" جب کرافٹ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بجلی کا آلہ اور لپٹی ہوئی تار کا بنڈل تھا۔ مس فلپ کی مدد سے جھونپڑے کے گرد اس نے تار باندھ دیا۔ اور اسے سمجھایا کہ خطرہ کے وقت اس آلہ کو دبائے۔ بجلی کا تار حملہ آور کو جلا کر خاک کر دے گا۔ اس پر وہ ہنسی اور کہا کرافٹ تم غضب کے آدمی ہو کرافٹ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولا "باربیرا یقین جانو اگر میں اکیلا ہوتا تو میں کہیں نہ کہیں بچ نکلتا۔ تم تکلیفیں برداشت کرنے کے لئے نہیں بنی ہو تم بہت نازک اندام ہو اور تمہارا دل حد درجہ کمزور ہے"۔

مس فلپ نے اس کی طرف بھر کر دیکھا اور مسکرا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ پھر اسے ہیوز کا خیال آیا اور اس کے ہاتھ کو جھٹک کر کہنے لگی "کیا یہ قبل از وقت نہیں کہ تم مجھے باربیرا کہہ کر پکار رہے ہو" اتنے میں کپتان کرافٹ نے جلدی سے بجلی کے آلہ پر ہاتھ رکھا اور کہا "سنبھلو وہ دیکھو ہزاروں وحشی برچھیوں سے مسلح ہماری طرف دوڑے آ رہے ہیں۔ آناً فاناً کئی جل کر ڈھیر ہو گئے اور باقی چیخیں مارتے ہوئے بھاگ گئے۔

مس فلپ نے پھر کہا واقعی تم غضب کے انسان ہو کیا یہ سب کچھ محض اس لئے ہے کہ ہم سفید آدمی ہیں۔ کپتان نے کہا جب میں اپنی مشین کے پرزوں کو درست کر رہا تھا میں نے ان وحشیوں کے ایک گروہ کو دیکھا جو اپنے سردار سے کہہ رہے تھے کہ ایک سفید عورت دیوتاؤں نے ان کی سرزمین پر کہیں سے بھیجی ہے جو اس کی ملکہ بننے کے لائق ہے۔ میں امریکہ کے متعدد جزائر کی زبانیں سمجھ سکتا ہوں۔ ارجنٹائن میں غلاموں کی تجارت ہوتی ہے اور وہاں ہینیری کا باپ ایک بڑا سوداگر ہے۔

مس فلپ ملکہ بننے کے خطرہ سے لرز کر گرنے کو تھی کہ کرافٹ نے اسے سنبھالا۔ چائے تیار تھی دونوں بیٹھکر پینے لگے۔ مس فلپ نے پوچھا "کیا ہینیری خوبصورت ہے"۔ "تم سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو سکتی مگر ...... کپتان کرافٹ کی بات کاٹکر اس نے کہا۔ "میری طرح کمزور دل نہیں"۔

کرافٹ نے کہا باربیرا۔ میں نے لاسلکی پیغام یہاں سے کوئی سو میل پرے ایک جہاز کو پہنچا دیا ہے تم اپنی حفاظت اب کر سکو گی۔ یہ بجلی کا تار تمہارے لئے مضبوط قلعہ کی دیواروں سے بڑھ کر ہے۔ لو خدا حافظ میں جاتا ہوں۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ مس فلپ کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے وہ بے اختیار اس سے لپٹ گئی اور کہا "ڈک"

کرافٹ نے کہا "پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔ مگر یہ ناممکن ہے میرا جہاز قریباً درست تو ہو چکا ہے مگر

پروازکے قابل نہیں"۔ مس فلپ نے تپاک سے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ کرافٹ نے اپنا منہ اسپر رکھدیا۔ مگر جلدی سے سر اٹھاکر کہا۔ نہیں تم ہنوز کچی ہو۔ لو۔ بار بیرا رخصت ہوتا ہوں۔ جہاز والے غالباً کل تک تمہیں آکر بچا لیجائیں گے۔ تم میکسیکو پہنچ جاوگی۔ مگر خدارا اتفاقی حادثہ اور ہماری چندروزہ رفاقت کا ذکر اس سے نہ کرنا۔ میں جانتا ہوں مرد کیسے شکی ہوتے ہیں۔

یکم جولائی کو جبکہ رات بھیانک تھی اور لو چل رہی تھی مس فلپ شب دیجور میں تنہائی اور فراق کے دل اندوہ تجربے سے جان سے بیزار نام نہاد زندگی کی گھڑیاں کاٹ رہی تھی کہ دور دور وہاں جہاں کہ اس کی کمزور نگاہیں بمشکل پہنچ سکتی تھیں اسے روشنی نظر آئی۔ یہ نزدیک بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ جھونپڑی کے اردگرد کی زمین منور ہوگئی اسے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ کرافٹ کے تسلی آمیز لفظوں میں امید کی جھلک ہوگی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس کے تنفرانہ رویہ سے ناخوش ہوکر اسے موت کے پنجے میں چھوڑ گیا ہے۔ جلدی سے اٹھی اور صندوق کھول کر دستی آئینہ کنگھی اور پوڈر لیف نکالا۔ اپنی بیمار صورت کو درست کیا کپڑے بدلے اور بجلی کی سرعت سے دوڑتی ہوئی ساحل کی طرف روانہ ہوگئی روشنی تیز ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور اس نے دیکھا کہ ایک جہاز کنارہ پر پہنچ گیا ہے۔

جہاز کے کپتان نے زیادہ دیر یہاں رُکے رہنا خطرناک سمجھا۔ اور اس حورِ صحرائی کو طویل داستان سنانے کی آرزو کرکے اسے زیادہ رنجیدہ کرنا مناسب نہ جانکر بدون اسباب وغیرہ لینے اسے سوار کرالیا۔ اسے آرامگاہ میں بٹھا دیا گیا۔ اور مسافروں کو تاکید کردی کہ کوئی اس بیمار کے پاس جاکر اسے دق نہ کرے۔ یہ جہاز ساحل برازیل سے آرہا تھا۔ اور نیویارک جاتا تھا۔ دو دن کے بعد مس فلپ قریباً اپنی اصلی حالت پر آگئی۔ اور اس نے ایک ہمراہی مسافر لیڈی سے اخبار مانگا۔ اخبار پڑھ رہی تھی اور اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے زور سے چیخ ماری اور فرش پر گر گئی مسافر سب جمع ہوگئے اور کئی نیک دل لیڈیوں نے اس سے حقیقت حال دریافت کرنے کی جسارت کی مگر وہ خاموش تھی اور اس کی آنکھوں سے پھوٹ پھوٹ کر آنسو بہہ رہے تھے۔ کپتان سے اس نے اتنا کہا" میں مشکور ہونگی اگر مجھے پھر واپس اسی جزیرہ میں پہنچا دیا جائے"۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں مگر وہ زیادہ دلچسپی لینے نہ پائے تھے۔ کہ ایک سانحہ جانگداز نے سب کے دل ہلا دئے اور "مدد۔ مدد" کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ کشتیاں سمندر میں پھینکی گئیں اور ایک نیم مردہ ہوا باز کو سمندر سے نکالکر جہاز پر لایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی طیارہ باز جو اس جہاز کے قریب پہنچنے کی کوشش

کر رہا تھا۔ مشین کے ٹوٹ کر گر جانے سے سمندر میں غرق ہوتے ہوتے بچا لیا گیا۔ مس فلپ یہ واقعہ دیکھکر اپنے رفیق کو یاد کر کے زیادہ نزار ہو رہی تھی۔ اب بجائے پیارے ہیوز کے اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "ڈک پیارے تم کہاں ہو گئے"۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے معلوم ہوا کہ کرافٹ اسی جہاز پر سوار ہے

کرافٹ اور مس فلپ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتیں گذشتہ مصائب کے قضیۂ نامرضیہ کو دُھرانیوالی نہ تھیں بلکہ دائمی محبت اور یگانگت کے دلی جذبات کا اظہار۔ ہیوز ایک فرانسیسی عورت کے عشق کا دم بھرتے ہوئے اپنے رقیب سے ڈول لڑ کر مارا گیا تھا۔ کرافٹ نے مس فلپ کے ہاتھ سے اخبار کا پرچہ لیکر پڑھا لو اس نے زور سے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا یہ فرانسیسی عورت ہینیزی ہے۔ مس فلپ نے کہا "ڈک پیارے جانباز ڈک! ہینیزی کے لئے تم اور ہیوز کے لئے میں دونوں سہل الحصول تھے۔ محبت نے ہم دونوں کو حقیقی معنوں سے آشنا کیا۔ ہماری محبت ہم کو جوکھوں سے ملی ہے۔ میرے ڈک باربرا تمہاری ہے"۔

کپتان کرافٹ نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ باربرا پیاری تم شاید مجھ سے نفرت کرنے لگو اگر میں یہ کہوں کہ میرا جہاز زہر گز ٹوٹ کر جزیرے میں نہیں گرا تھا۔ میں نے جب تمہیں لخلخہ سونگھایا تھا اس وقت تم کو بیہوش پا کر جہاز کو کنارے پر اُتار لیا تھا اور اسے درختوں کے پتوں اور چھالوں سے ڈھانپ دیا تھا۔ (ہنسکر) تمہیں یاد ہے تمہارے کپڑوں کا بکس اور لاسلکی کا پیغام۔ بھولی چڑیا تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ یہ کہاں سے آ گئے۔ البتہ یہاں پر سمندر میں جہاز کا گرنا اور میرا ڈوبتے ڈوبتے بچ جانا کسی حد تک فریبش ضرور تھا۔ مگر جہاز کا کپتان میرا دوست فرنکلن ہے۔ وہ اس آنے والے حادثہ میں میری فوری امداد کے لئے تیار تھا۔ پھر بھی کیا یہ اور بھی زیادہ قابل تعریف جد و جہد کی مثال نہیں کہ میں نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالا تاکہ تم کو محبت کا سبق دوں۔

مس فلپ نے مسکرا کر کہا۔ ڈک تم غضب کے انسان ہو میں نہ کہتی تھی؟ مگر پیارے کیا میں واقعی اس قابل تھی۔ "ہاں تم معصوم محبت کا مجسمہ ہو۔ باربرا تم وفا کی دیوی ہو۔ تم نازک ہو مگر تمہارا دل مضبوط ہے کمزور نہیں" یہ کہا اور کپتان کرافٹ نے دیکھا کہ باربرا محبت کے سرور میں مست اس کے گلے میں باہیں ڈالے جھوم رہی ہے۔

(الطاف الٰہی رنگین)

غزل

مرنے کے بعد قبر پہ کیوں آب دیدہ ہے　　کس نے کہا تھا کیوں وہ گریباں دریدہ ہے

حال اپنا کیا بتائے جو آفت رسیدہ ہے
سینہ میں ایکدل ہے وہ حسرت گزیدہ ہے

کیا خاک ہے جو دوست نہیں جانتے ہیں ہم
باغ بہشت دستۂ گلہائے چیدہ ہے

یہ مذہبی کوئی مذہب ہے کہ تقلید کیجئے
مانا یہ ہم نے شیخ بڑا برگزیدہ ہے

بیڑا لگا دے پار مرا میرے ناخدا
کشتی محیط عشق میں طوفاں رسیدہ ہے

دیکھا کیا تھا ہم نے حنا رنگ لائیگی
ہے نیمجاں کوئی کوئی گردن بریدہ ہے

بیشک بجا ہے ناصح مشفق ازل ہی سے
میں کیا کروں جو دل مرا عشق آفریدہ ہے

اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے اے خدا
جینے سے فائدہ جو زمانہ کشیدہ ہے

مشرب حرم میں آتے ہیں اس آن بان سے
ٹکڑے ٹکڑے جیب گریباں دریدہ ہے

(مرزا محمد تقی مشرب لکھنوی)

دنیا کا سب سے پرانا شہر

جب سے دنیا آباد ہوئی ہے - کون جان سکتا ہے کہ کون کون شہر اس دنیا کے نا پائدار میں اپنی بہار دکھا کر صفحہ ہستی سے ایسے معدوم ہوئے کہ آج ان کے نام سے بھی کسی کو واقفیت نہیں بابل - اور نینوا - ملک عراق میں میمفس - اور تھیبز - ملک مصر میں دریائے نیل کے کنارے ایسے خوبصورت اور عظیم الشان شہر اپنی ہستی میں آباد اور بارونق تھے - جن کے مقابل میں فرانس کا پیرس - اور امریکہ کا نیویارک - موجودہ زمانہ میں ہیچ ہیں - ان دو چار پر کیا منحصر ہے - پرسی پولس دارالسلطنت - ایران جس میں دارا - شاہ فارس رہتا تھا - ایسا خوبصورت شہر تھا کہ سکندر اعظم دارا کے محلوں کے حمام کو دیکھ کر - دنگ رہ گیا تھا - پھر شاہی محل کی آرائش کا کیا کہنا ٹیکسلا جس کے کھنڈر راولپنڈی کے قریب پائے جاتے ہیں - شمالی ہند کے راجہ پورہ کی راجدھانی تھی - اگرچہ دمشق بہت پرانا ہے - مگر اس نے کسی حادثہ کا منہ نہیں دیکھا - دہلی وہ شہر ہے جس نے ہزاروں حکومتیں برداشت کیں - سینکڑوں حادثات سہے - اور پھر اس وقت ہندوستان کا دارالخلافہ ہے حضرت مسیح سے دو ہزار سال پہلے یہ اندرپت کہلاتی تھی - اور چار سو سال قبل مسیح - دہلی نام ہوا اس نام پر بھی بہت حملے ہوئے - اور - ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کے مصداق پر ہر ایک نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنے نام نامی سے منسوب کیا - مگر دہلی ایسا مقبول عام ہوا کہ ہر بانی کی حین حیات میں

تو نئے نام سے پکارا گیا۔ مگر پھر دہلی ہوگیا۔ دہلی جو چار سَو سال قبل حضرت عیسیٰ راجہ دہلو نے اپنے نام پر بسائی نہ معلوم وہ کہاں تھی اور نہ اندرپت کا پتہ ہے کہ جو اُجڑ کر دہلی کے نام سے آباد ہوا۔ مگر ہاں قلعہ اندرپت کی فصیل گو اتنی پرانی نہیں مگر جگہ وہی ہے۔ یعنی موجودہ پرانا قلعہ جو اب تک ہمایوں کے مقبرے اور موجودہ دہلی کے درمیان ٹوٹا پھوٹا موجود ہے۔ جس کی ہمایوں نے ۱۵۳۳ء میں مرمت کر کے دین پناہ نام رکھا۔ اور شیر شاہ نے اپنے زمانہ ۱۵۴۲ء میں کچھ عمارات نو اس کے اندر بنوا کر اس کا نام شیر گڑھ رکھا۔ لیکن سب سے قدیم قلعہ۔ لال کوٹ سب سے پرانی دہلی کا تھا۔ جس کے بانی راجہ یدھشٹر کے بعد کے ہندو راجہ تھے۔ بہر حال وہ قلعہ رائے پتھورا کے وقت تک رہا۔ اور راجہ یدھشٹر کے بعد سے رائے پتھورا کے زمانہ تک اسی مہرولی کے گرد و نواح میں دہلی آباد تھی۔ رائے پتھورا نے اپنے زمانے میں ایک نیا قلعہ بہت بڑے پیمانہ پر بنایا۔ جس کے کھنڈر بھی نہیں بلکہ فصیل کے کچھ مٹے سے نشان قطب صاحب کی لاٹھ کے پاس پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل نہ معلوم کب سے مگر جہاں تک پتہ ملتا ہے ۱۴۵۰ سنہ قبل از حضرت عیسیٰ تا ۱۴۳ء یعنی سمت بکرما جیت تک ستر راجہ دہلی میں راج کر چکے تھے۔ یہ وہ راجہ ہیں جن کے نام تاریخ میں ملتے ہیں اور بعد ۴۲ء سے ۱۱۹۳ء تک یعنی پرتھی راج عرف رائے پتھورا تک ۷۲ راجہ اور ہوئے۔ جن میں سے حساب اوسط ہر ایک نے بیس برس سے کم حکومت نہیں کی ظاہر ہے کہ ایک سو بیالیس راجہ تقریباً دو ہزار برس تک حکومت کرتے رہے۔ کیا وہ ایک ہی شہر اور ایک ہی قلعہ میں رہے۔ نہ معلوم کتنی دفعہ دہلی آباد ہوئی ہوگی۔ اور کتنے قلعہ اس میں بنے ہونگے جن کا آج نشان بھی نہیں۔ ان سب میں رائے پتھورا کے قلعہ کی فصیل کے نشان اب تک قطب صاحب کی لاٹھ کے پاس پائے جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ پرتھی راج کے وقت میں بھی دہلی ہوگی۔ جسے آجکل مہرولی کہتے ہیں اور جو موجودہ شہر سے گیارہ میل کے فاصلہ پر آباد ہے اور پرانی دلی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی دہلی کا وہ قلعہ تھا جس میں رائے پتھورا اپنے خالہ زاد بھائی کی بیٹی رانی سنجوگتا کو اس کے سوئمبر پر قنوج سے لایا تھا۔ اور اسی قلعہ سے مسلح ہو کر شہاب الدین محمد غوری سے لڑنے کے لئے تراوڑی کو گیا تھا۔ کہ پھر واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ شہاب الدین غوری کے نائب قطب الدین ایبک اور مابعد کے جانشین اسی قلعہ اور اسی دہلی میں رہے۔ البتہ قطب الدین ایبک نے ایک لاٹھ اپنی فتح کی یادگار میں بنوائی۔ جس کا نام اب تک قطب صاحب کی لاٹھ زبان زد خاص و عام ہے۔ غرضکہ ۱۱۹۳ء سے ۱۲۶۵ء تک خاندان غلامان کے تمام بادشاہ

اسی رائے پتھورا کے قلعہ اور دہلی میں رہے۔ مگر غیاث الدین بلبن نے اپنے زمانہ (۱۲۶۵ء تا ۱۲۸۶ء) میں ایک دہلی نئی قائم کی۔ جو پرانی دہلی سے ملحق اور نظام الدینؒ اولیا کی درگاہ تک تھی۔ اس کا نام اپنے نام پر غیاث پور رکھا۔ مگر بعد انتقال غیاث الدین بلبن پھر دہلی نام ہوگیا۔ اسی دہلی کے قریب معز الدین کیقباد نے ۱۲۹۰ء میں ایک قلعہ بنایا۔ اور کیلو کھڑی نام رکھا۔ چند سال کے بعد وہ بھی ویران ہوگیا پھر ۱۳۰۳ء میں علاء الدین خلجی نے پرانے قلعہ رائے پتھورا والے کی جگہ پر ایک نیا قلعہ اور اس کے ساتھ ایک نیا شہر آباد کیا۔ اس کا نام اپنے نام پر علائی دہلی رکھا۔ اب اس وقت نہ اس شہر کا اور قلعہ کا نشان باقی ہے۔ ہاں ایک دروازہ قطب صاحب کی لاٹھ کے متصل علائی دروازہ کے نام سے موجود ہے۔ اسے اس شہر کا دروازہ یا یادگار سمجھ لیجئے۔

۱۳۲۱ء میں خاندان خلجی کے خاتمہ پر خاندان تغلق کے پہلے بادشاہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس علاء الدین والی دہلی اور قلعہ کو چھوڑ کر کوئی دو کوس مشرق کی طرف ایک اور نئے شہر اور قلعہ کی ایک پہاڑی پر بنا ڈالی۔ اس نئے شہر اور قلعہ کا نام تغلق آباد۔ اپنے نام پر رکھا۔ یہ قلعہ اور فصیل شہر بہت مستحکم بنائے گئے۔ اور ۱۳۲۲ء میں جب قلعہ اور شہر تیار ہوئے۔ تو دکن سے صوبہ تلنگانہ کے فتح کی خبر بادشاہ کے پاس آئی۔ اس خوشی میں بادشاہ نے قلعہ اور نئے شہر میں بڑی دھوم سے روشنی کی۔ نیا شہر۔ نیا قلعہ۔ بادشاہ کو فتح اور نئے شہر کی خوشی)۔ شاہی اہتمام اور حکم سے چراغاں کرنا اہل شہر کو دعوتِ عام دینا۔ واہ تغلق آباد تیرے کیا کہنے۔ آج بھی تو موجود ہے۔ مگر کس شان سے کہ تیرے مکان سب بے نشان۔ تیرا قلعہ ایک سنسان۔ ہو کا مکان۔ مکانات کا کیا ذکر فصیل بھی کہیں جگہ سے گرگئی۔ صرف مقبرہ غیاث الدین تغلق بانی تغلق آباد کا قلعہ کی زمین پر موجود ہے۔ ای بادشاہ تو نے اپنے شہر میں بڑے پیمانہ پر روشنی کی تھی۔ آج تیری قبر پر چراغ جلانیوالا بھی کوئی نہیں سچ ہے۔

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے جھاڑ انکی قبر پر ہیں اور نشاں کچھ بھی نہیں

مگر واہ ری دہلی۔ تیری سرزمین کی تلون مزاجی کا کیا کہنا۔ ابھی ۱۳۲۲ء میں اس نئے شہر کی یہ خوشی اور نیا قلعہ اب مستحکم۔ کہ اسی بادشاہ کے ۱۳۲۵ء میں مرنے کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد عادل شاہ تغلق نے ایک اور قلعہ بنوایا اور اس کا نام اپنے نام پر عادل آباد رکھا۔ اور اسمیں ہزار ستون کا ایک قصر مسمی بہ قصر ہزار ستون بنایا۔ یہ سب ستون خالص سنگ مرمر کے تھے اور اس نئے شہر کے دروازے سے اپنے نئے قلعہ کے دروازے تک ایک پل بنایا۔ تاکہ تغلق آباد اور یہ قلعہ سب ایک ہو جاویں۔ مگر یہ قلعہ بھی اب بجز بڑے پتھروں کے ڈھیر کے اور کچھ نہیں۔

بہت سے سیاح اسے بہ سبب ویران اور دور ہونے کے دیکھنے بھی نہ جاتے تھے۔ مگر اب دہلی آگرہ جی۔ آئی۔ پی۔ لائن کا تعلق آباد کے نام سے اسٹیشن بن گیا ہے۔ جس سے دیکھنے والوں کو آسانی ہو گئی ہے۔ قلعہ عادل آباد اور تغلق آباد کو پل کے ذریعہ سے ملانے کے بعد ایک دوہری دیوار یعنی دونوں جانب سے کھینچکر علائی دلی اور قلعہ رائے پتھورا کی فصیل تک ملا دی تھی جس سے سب قلعہ اور شہر ملکر ایک بہت بڑا شہر کا شہر اور قلعہ کا قلعہ بن گیا۔ اور اس کا نام جہاں پناہ رکھا گیا۔ مگر جہاں پناہ کو بھی برباد ہونے سے پناہ نہ ملی۔ یہ شہر کم و بیش ۱۵۴۰ء تک رہا اور شیر شاہ کے وقت میں نشان بھی نہ رہا۔

اس عادل آباد کے آباد ہونے کے ۲۷ برس بعد اگرچہ شہر اپنی رونق پر تھا کہ فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۵۱ء میں تخت نشین ہو کر اسی شہر کے متصل ایک نئے شہر اور قلعہ کی بنا ڈالی۔ یہ شہر اور قلعہ بھی بہت اعلیٰ پیمانہ پر بنے۔ یہ شہر پانچ کوس کے دور میں آباد ہوا۔ اور اس زمانہ کا نہایت خوبصورت شہر تھا۔ شہر کا نام فیروز آباد اور قلعہ کا نام کوٹلہ فیروز شاہ ہوا۔ موجودہ شہر دہلی کے دہلی دروازہ سے نکل کر تقریباً دو میل کے فاصلہ سے اسی شہر کا قلعہ کوٹلہ فیروز شاہ نظر آتا ہے۔ جس کے درمیان راجہ اشوک کی لاٹھ کھڑی ہے۔ قلعہ بھی کھنڈر ہو گیا اور شہر کا پتہ بھی نہیں۔ ہاں کالی مسجد جو موجودہ دہلی کے ترکمان دروازہ کے پاس شہر کے اندر اب تک موجود ہے۔ وہ اسی شہر کی مسجد تھی۔ اسی سے شہر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ کتنا لمبا شہر تھا۔ یہی وہ شہر ہے۔ کہ جس کی فصیل کے نیچے ۱۳۹۹ء میں محمود شاہ تغلق کے زمانے میں تیمور نے اپنی فوج کھڑی کی۔ مگر محمود شاہ تغلق تیمور کے آنے سے قبل دہلی چھوڑ کر دکن کو چلا گیا تھا۔ اور شہر فیروز آباد۔ (دہلی) اپنے نئے حملہ آور کے لئے اپنے دروازے کھولے ہوئے تھا۔

تیمور کے جانے کے ۱۹ برس بعد ۱۴۱۸ء میں خضر خاں خاندان سادات کے بادشاہ نے فیروز آباد کے متصل دریائے جمنا کے کنارے ایک شہر اور قلعہ بنایا۔ اور خضر آباد نام رکھا مگر آج خضر آباد کا پتہ بھی نہیں۔ اسی بادشاہ کے بیٹے مبارک شاہ نے بھی ایک شہر اور قلعہ اپنے نام پر مبارکپور بسایا۔ مگر مبارکپور بادشاہ کو مبارک نہ ہوا۔ ابھی زیر تعمیر تھا۔ بادشاہ خود اسے دیکھنے جایا کرتے تھے۔ کہ امراء وزراء نے مخالفت کر کے اسی زیر تعمیر قلعہ میں بادشاہ کو مار ڈالا ۱۴۵۰ء میں خاندان سادات کا خاتمہ ہوا۔ اور خاندان لودھی شروع ہوا۔ اس خاندان نے ۱۴۵۰ء سے ۱۵۲۶ء تک کے تینوں بادشاہوں کے وقت میں جو ۷۶ برس حکمرانی کرتے رہے۔ کوئی شہر یا قلعہ

تعمیر نہیں کیا - دہلی کی سرزمین کے لئے ۷۰ برس بہت ہوتے ہیں ۱۵۲۶ء میں خاندان لودھی کے خاتمہ کے بعد بابر بادشاہ کے بیٹے ہمایوں نے بھی ایک نئے شہر کو بسانا چاہا تھا - مگر سلطنت کے متزلزل ہونے سے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا - جسے اس کے جانشین شیر شاہ سوری نے اپنے زمانے ۱۵۴۰ء میں پورا کرنا چاہا - اور اسی پرانے قلعہ کی مرمت کی - اور اس میں مسجد اور شیر منڈل بنایا - شہر بھی نیا نہ کہنا چاہئے - کیونکہ بہت سا حصہ اس میں فیروز آباد کا لیا - البتہ فصیل شہر ہوائی - اور کئی دروازے بھی ہوا ہے - مگر اس شہر کا بھی آج نشان تک نہیں البتہ موجودہ دہلی کے دلی دروازہ کے باہر جیلخانہ سرکاری کے متصل ایک خوبصورت عالیشان دروازہ اب تک قائم ہے - جو شیر شاہی دہلی کی یادگار ہے - چونکہ سنگ سرخ کا بنا ہے - اس لئے عوام میں لال دروازہ کے نام سے مشہور ہے - اور اصل یہ ہے کہ ساڑھے چار سال کی حکومت میں کیا کیا بنتا - مگر اس کے بیٹے سلیم شاہ نے ۱۵۴۶ء موجودہ لال قلعہ کے شمال مشرق میں ایک نہایت مستحکم اور سنگین قلعہ بنوایا - ہنوز فصیل بھی تیار نہ ہوئی تھی اور اندر کے مکان بننے باقی تھے کہ سلیم شاہ کا انتقال ہو گیا - اور سلیم گڑھ کی فصیل ہی فصیل رہ گئی - جو اسوقت تک بہ سبب مستحکم ہونے کے موجود ہے اور اس کے اندر اس صدی کی اعلےٰ ایجاد فتح وظفر کا ذریعہ - آسائش سفر کی مشین - انگلستان کی نامور اختراع اور جارج سٹیفنسن کی یادگار یعنی ریل کی دوہری لائن بچھی ہے - ای - آئی - آر - این - ڈبلیو - آر او - آر - آر - ہر سہ لائن کا گذرگاہ ہے - ہزارہا مسافر گذر جاتے ہیں - جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہماری ٹرین اس وقت کہاں گذر رہی ہے - فاعتبروا یا اولی الابصار -

چونکہ سکندر لودھی نے اپنے زمانہ سنہ ۱۵۰۹ء میں اپنا دار الخلافہ دہلی سے آگرہ کو بدل ڈالا - اس لئے ۱۶۳۸ء تک یعنی تقریباً ڈیرھ سو سال تک کچھ تو نیا شہر ہی پورے طور سے بنا - اور نہ کوئی حادثہ ہوا - اکبر - اور جہانگیر آگرہ میں رہے - اور شہر آگرہ کو عمدہ عمدہ عمارات اور قلعہ وغیرہ سے مزین کیا گویا موجودہ تاریخ میں یہ ڈیرھ سو سال کا زمانہ دہلی کو دار الخلافت کے شرف سے بھی محروم رکھتا ہے حتیٰ کہ شاہجہاں بادشاہ غازی کے عہد میں پھر از سر نو دہلی دار الحکومت کے لئے تجویز ہوئی -

شاہجہاں بادشاہ جسکو عمارات سے خاص دلچسپی تھی - کب پرانا شہر پسند کرتا - اس نے فیروز آباد اور اور شیر شاہی دلی کے پاس ایک شہر نو کی بنا ڈالی - اور دریائے جمنا کے کنارے شہر کے مشرق کی طرف ایک قلعہ بنایا اس شہر کا نام اپنے نام پر شاہجہاں آباد اور قلعہ کا نام لال قلعہ رکھا - اور شہر کے گرد ایک پتھر کی فصیل نہایت مستحکم بنائی گئی - اور بارہ دروازے اور بارہ کھڑکیاں شہر میں آنے جانے کیلئے

تیار ہوئے اور گرد اگرد خندق بنا کر خود شہر کو ایک حصن حصین بنا دیا۔ ۱۶۳۹ء میں یہ سب عمارت بننی شروع ہوئی اور ۱۶۴۸ء میں کل شہر مع قلعہ اور جامع مسجد اور فصیل وغیرہ تیار ہو گیا۔ لال قلعہ میں اپنے رہنے کے مکان اور قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان امرا اور وزرا کی حویلیاں تیار ہوئیں ایک دن میں حکم ہوتے ہی رات کو پرانی دلّی میں کوئی متنفس نہ رہا۔ اور نیا شہر آباد ہو گیا۔ قلعہ میں بہت بڑا دربار ہوا۔ شہر میں جشن منایا گیا۔ رات جشن ماہتابی ہوا۔ مگر شاہ جہاں آباد تو نے اپنے بانی کو بھی آخر دم تک دلشاد نہ رہنے دیا۔ ۱۶۴۸ء میں تو تو یہ جشن دیکھے۔ اور آٹھ برس کے بعد تیرا بانی تجھ میں رہنے بھی نہ پائے۔ بلکہ آگرہ کے قلعہ میں مقید ہو کر اپنی زندگی تمام کرے اور تیرے شاہجہاں کا ولیعہد داراشکوہ ۱۶۵۸ء میں تیرے مشہور بازار چاندنی چوک میں ہاتھی کی ننگی پیٹھ پر زیر حراست تجھے حسرت و یاس سے دیکھتا ہوا لال قلعہ کو جائے۔ ۱۶۵۸ء سے ۱۷۳۷ء تک اناسی برس گذرے کہ نادر شاہ تجھ پر چڑھ دوڑا۔ اور ۳۲ کروڑ کے اثاثہ اور تخت طاؤس پر ہی اکتفا نہ کی۔ بلکہ اے سر زمین دہلی جس کی تو ہمیشہ سے خواہشمند رہی ہے۔ ایک غلط افواہ پر قتل عام ہو گیا اور تیرے چاندنی چوک میں نو بجے سے دوپہر ڈھلنے تک لاکھوں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ انسانوں کا خون مثل بہایم بہہ گیا۔ ۲۱ برس کے بعد احمد شاہ ابدالی تجھ پر تاخت و تاراج کرتا ہے۔ تیرے ماتحت صوبے تجھ سے سرکشی کر کے خود مختار بنتے ہیں۔ اور تیرے دروازے مرہٹہ اور جاٹ کی لوٹ کے لئے کھلتے ہیں۔ شہر میں لوٹ کا بازار گرم ہے۔ لال قلعہ مع اپنی زینت کے لٹ چکا۔ بادشاہ اپنی آنکھیں اس لوٹ کی نذر کر چکا۔ اف وہ! دہلی۔ تیرا یہ زمانہ ۱۷۶۱ء سے ۱۸۰۳ء کا ل ۴۲ سال کا خدا کسی کو نہ دکھائے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس کا رونا مرزا رفیع الدین سودا نے اس طرح رویا ہے ؎

(۱) سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند سو آمد ان کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
گیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند جو ایک شخص ہے بائیس صوبوں[۱] کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول[۲]

(۲) نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاری سپاہی تا متصدی سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفتر تن کی کہوں میں کیا خواری سوال دستخطی پھاڑ کر کے پنساری
کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کتھول[۳]

---

[۱] دہلی کے بائیس صوبے تھے۔ [۲] نام پرگنہ ۱۲۔ [۳] نام دوا۔

[redacted]

(۳) غرض آل ہے اس گفتگو سے یہ میرا　　کہ بے زری نے جب ایسا گھر آن کر گھیرا
کہ کوئی قصد کرے نوکری کا بہتیرا　　نہیں یہ فائدہ کچھ تا وہ چھوڑ کر ڈیرا
کرے نہ عزم سوئے اصفہان و استنبول

(۴) سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز　　تو اس کو سن کے کریں ہوش چند کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز　　کوئی جو شام کو مسجد میں جائے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول

(۵) جہاں آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا　　مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں اٹھا دیا گویا کہ نقش باطل تھا　　عجب طرح کا یہ بحر جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

(۶) بس اب خموش ہو سودا کہ آگے تاب نہیں　　وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے جو کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہوگی کہ وہ پر آب نہیں　　سوائے اس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اس طرح کا زیادہ نہ بول

سودا مرحوم کے ان اشعار سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس وقت میں موجودہ دہلی اور اس کے ساکنین کی کیا حالت تھی۔ اس وقت دو سلطنتیں عروج پر تھیں ایک اودھ دوسرے حیدرآباد۔ مگر حیدرآباد دور تھا۔ وہاں تک پہنچنا دشوار۔ اودھ نزدیک اور شجاع الدولہ اور سخی نواب آصف الدولہ مرحوم کا زمانہ۔ اس لئے ہر قسم کے اہل کمال حتیٰ کہ ارباب نشاط تک بھی دہلی چھوڑ کر لکھنؤ کو چل دیئے۔ یہاں دولت کا مینہ برس رہا تھا۔ ہر اہل کمال نہایت شوق سے لیا جاتا اور ایسی قدر افزائی کی جاتی کہ وہ آخر لکھنؤ میں ہی ختم ہو جاتا۔ چنانچہ میر تقی میر مرحوم جیسے نازک مزاج بھی دہلی کو خیرباد کہکر لکھنؤ روانہ ہوئے۔ چنانچہ اپنی دہلی کی وضع میں جب لکھنؤ پہنچے تو اتفاق سے اسی دن مشاعرہ تھا۔ شاعر سے کب رہا جاتا۔ یہ بھی پہنچے۔ تو اہل لکھنؤ ان کا لباس اور وضع کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور بعض نے وطن پوچھا۔ جس کے جواب میں میر صاحب نے ذیل کا قطعہ پڑھا:۔

(۱) کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو　　ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
(۲) دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب　　رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
(۳) اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا　　ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

میرا نفس مطلب میر صاحب کے تیسرے شعر سے ہے ۔ یہ حالت دلی کی اس وقت میں تھی حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء میں جاٹ اور مرہٹہ وغیرہ سے امن وامان کی صورت سرکار انگریزی کے تسلط کرنے پر ہوئی ۔ رعایا بھی چین سے بسر کرنے لگی ۔ شاہ عالم ثانی بھی مرہٹوں کے پنجے سے نجات پاکر آرام سے سرکار انگریزی کے پنشن خوار ہو کر رہنے لگے ۔ شاہجہانی فصیل بھی جہاں جہاں مرہٹہ گردی میں ٹوٹ گئی تھی درست کی گئی ۔ غازی الدین خاں کا مدرسہ جو اجمیری دروازہ سے باہر تھا وہ بھی فصیل گھما کر اندر لے لیا گیا ۔ اور لال قلعہ کے قریب ایک نیا دروازہ کلکتہ دروازہ کے نام سے کھولا گیا مگر واہ ری دلی تو اور پچاس برس امن سے رہے اور ساکنین کو امان سے رکھے ۔ یہ تو تیرے لئے بہت مشکل ہے ۔ پورے ۵۴ سال گذرنے کے بعد ۱۸۵۷ء میں دفعتاً غدر کا وہ طوفان اٹھا جس نے نہ صرف اہل شہر کو تباہ و برباد کیا بلکہ تیموری خاندان کے آخری ٹمٹماتے چراغ کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیا ۔ آہ ! اے دہلی تیری خون آشام سرزمین نے کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ۔ اور تجھے مطلق رحم نہ آیا ۔ داغ دہلوی لکھتے ہیں :۔

(۱) گدا و شاہ ضعیف اور جوان روتا ہے — زمیں کے حال پہ اب آسمان روتا ہے
غرض یہاں کے لئے اک جہان روتا ہے — ہر اک فراق مکیں میں مکان روتا ہے
بلا میں آئی رعیت غضب میں شہر آیا — یہ پورے نہیں آئے خدا کا قہر آیا

(۲) لہو کے چشمے ہیں چشم پر آب کی صورت — شکستہ کاسۂ سر ہیں حباب کی صورت
لٹے ہیں گھر دل خانہ خراب کی صورت — کہاں یہ حشر میں توبہ عذاب کی صورت
زبان تیغ سے پرسش ہے داد خواہوں کی — رسن ہے طوق ہے گردن ہے بے گناہوں کی

(۳) پیادہ پا ہوں رواں شہسوار صد افسوس — لہو کے گھونٹ پئیں بادہ خوار صد افسوس
ذلیل و خوار ہوں اہل وقار صد افسوس — ہزار حیف دل بیقرار صد افسوس
جھکے ہیں بار الم سے تنے ہوئے کیسے — بگڑ گئے ہیں یکایک بنے ہوئے کیسے

(پورے شہر آشوب کے لئے ملاحظہ ہو دیوان داغ)

اے دہلی تو نے نہ صرف اہالیان شہر کو تباہ و برباد کیا بلکہ اطراف و اکناف کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جن کی آمدنی کم و بیش ۳۰ لاکھ سالانہ تھی وہ بھی معدوم ہو گئیں ۔ یعنی جھجر ۔ بلب گڈھ ۔ فرخ نگر وغیرہ ۔ اے دہلی کیا عمدہ عمدہ مکان قلعہ کے اندر کے اور جامع مسجد اور قلعہ کے درمیان امراو زرا کی سربفلک اور عالیشان حویلیاں ۔ خاص بازار ۔ اردو بازار ۔ خانم کا بازار ۔ پنجابی کٹرہ ۔ دھوبی واڑہ ۔ راجی گنج

سعادت علی خاں کا کٹرہ - کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک کئی محلے اور اُن کے مکان - یہ تو تیری زینت اور رونق کا باعث تھے - مگر آج یہ نام مرزا غالب مرحوم کے خطوط میں نظر آتے ہیں - لیکن ظاہر میں آنکھوں سے پنہاں - غرض کہاں تک بقول مرزا داغ دہلوی مرحوم

رہی نہ آدمی بھی یاں سنگ وخشت کی صورت بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

آہ! اے دہلی غدر ۵۷ء اور اس کی تباہی ہمیشہ یاد رہے گی - میں تیری اس غداری کا سبب سمجھا - نادر گردی اور مرہٹہ گردی کو تو نے برداشت کر لیا - مگر تیری جبلی عادت ہمیشہ تجھے پچاس برس ایک جگہ رہنے نہیں دیتی - تو ہمیشہ اپنی جگہ بدلا کرتی ہے - تو اس نقل مکانی کے لئے تو نے غدر ۵۷ء کا طوفان بے تمیزی اٹھایا تھا مگر تیری بنیاد شاہ جہاں جیسے نیک نہاد نے ایسے نیک وقت میں رکھی تھی کہ تو نے جگہ بدلنی چاہی تھی مگر کامیاب نہ ہوسکی اور شاہ جہاں کا نام مٹا نہ سکی - گو شاہ جہاں آباد کے نام سے مثل سابق ناموں کے تو پکاری نہیں جاتی تجھے صرف چار حرف د ہ ل ی پسند ہیں - اور ہمیشہ سے پسند ہیں اس واسطے اب بھی تجھے دہلی ہی لکھا پڑھا اور بولا جاتا ہے - ہم بھی تجھے اسی نام سے یاد کرتے ہیں - مگر غدر کی سزا تجھے یہ ملی کہ تو دارالسلطنت بھی نہ رہی - بلکہ تجھے تیرے ۲۲ صوبوں میں سے ایک صوبۂ پنجاب کے ماتحت کر دیا گیا - اور تو مثل دوسری کمشنریوں کے ایک کمشنری ہوگئی - اور جس صوبہ (بنگال) کا شہر تیرے سامنے ایک شیر خوار بچہ تھا - وہی شہر (کلکتہ) تیرا افسر بنا - دیکھا غداری اور سرکشی کا نتیجہ - تو اگرچہ بالکل اسی قابل تھی - کیونکہ خون ہمیشہ تجھ پر سوار رہتا ہے - مگر برٹش گورنمنٹ نے نظر ترحم سے بیس برس کے بعد ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا کے شہنشاہ ہند ہونے کے اعلان پر تیری کبرسنی کا خیال کر کے ۱۸۷۷ء میں ایمپرس آف انڈیا کا جلسہ تیری ہی سرزمین پر کیا - اور پھر ۱۸۷۷ء میں پچاس سالہ جوبلی کا جشن بھی تجھ میں منایا گیا - مگر تو اپنے عہدہ کے چھن جانے سے اشک فشاں رہی - حتیٰ کہ لارڈ کرزن کا جلوس ۱۹۰۱ء میں تیرے بازار اور گلیوں میں پھرایا گیا - گو اس سے تیری اشک شوئی ضرور ہوئی اور تو نے صاف اور سچے دل سے اپنے گزشتہ قصور کی معافی مانگی - اور نہایت امن امان سے رہ کر اس کا ثبوت بھی پورا دیا - یعنی ۱۴۰۰ سال قبل از حضرت عیسیٰ جب سے تیرا نام دہلی ہوا ہے - تو نے کبھی بھی کشمیر سے کماری تک اور کلکتہ سے کراچی تک تمام ہندوستان کے عرض و طول کے مہاراجہ - راجہ - نواب - رئیس اپنی زمین میں صلح و آشتی کے ساتھ اکٹھے نہیں کئے - گو لڑائی کے لئے تو بہت دفعہ اکٹھے ہوئے مگر خوشی کی تقریب پر جیسے

۱۹۱۱ء میں اجتماع ہوا۔ ایسا جماؤ کبھی سنین ماضیہ میں نہیں ہوا۔ بس اس تیرے ثبوت پر تیرا قصور معاف۔ اور تیرا اعزاز بڑھانے کے لئے خود جناب شہنشاہ ہند بہ نفس نفیس سمندر پار سے آکر تیری زمین پر قدم رنجہ فرمائیں اور ۱۹۰۱ء سے بھی بڑھ کر ایک شاندار جلوس اور دربار کا جلسہ میلوں تک نظر آئے۔ اور تو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ سابقہ عہدہ پر نہ صرف ملک ہند کی راجدھانی سے ممتاز کی جائے بلکہ ملک برما اور بلوچستان بھی تیرے زیرنگیں کیا جائے۔ اے دلی اے دارالسلطنت ہند و برہما و بلوچستان! سچ بتا؟ اتنا بڑا دارالسلطنت کیا تو کبھی پہلے بھی ہوئی ہے۔ کیا تیرے لئے یہ شرف کچھ کم ہے؟ یہ صرف اس لئے کہ تو اپنے عہدہ سے محروم رہی اور کامل ۵۴ برس یعنی ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۱ء تک خونریزی کی طرف (جو تیری عادت ہے) مائل نہیں ہوئی۔ اسی کا یہ صلہ ہے۔ اب تو ہی دیکھ غداری میں مزا ہے یا امن چین میں؟ مگر اب دارالسلطنت ہو کر تو نے شاہجہانی فصیل سے پاؤں باہر نکالے ہیں۔ صدر بازار۔ لیسینہ۔ کناس وے۔ بہت بڑھ گئے۔ جتنی چاہے تو پھیل ہم منع نہیں کرتے۔ کیونکہ اتنے بڑے پورے ملک کی تو راجدھانی ہے۔ تجھے چار دیواری میں ہم بھی محدود ہونے کو نہیں کہتے۔ مگر خدارا اس بات کا ضرور خیال رکھنا کہ مثل پرانی دلیوں کے جن کو تو ویران کر چکی اس موجودہ شاہ جہان بادشاہ غازی مرحوم کی نشانی کو نہ مٹانا۔ تو نے غدر ۱۸۵۷ء میں بہت کچھ مٹانا چاہا تھا اور شہر کا بہت کچھ حصہ مٹا ڈالا۔ اب اتنا جو باقی ہے رہنے دے۔ علاوہ اس کے بہت سا اضافہ جو کر رہی ہے وہ تجھے مبارک ہو۔ مگر نہیں تو خود بھی بادلی کی طرف جو تجھ سے اتر کی طرف ایسٹ انڈیا ریلوے کا پہلا سٹیشن (سبزی منڈی سے اگلا) ہے بڑھ رہی ہے۔ اور ایک دن تیری آبادی وہاں تک پہنچ جائیگی اور یہ مثل پوری ہو جائے گی کہ ۹ دلی ۱۰ بادلی یعنی ۹ جگہ بسنے کے بعد دسویں جگہ بادلی پر بسیگی۔

الٰہی پھر اسے آباد و شاد دیکھیں ہم الٰہی پھر اسے حسب مراد دیکھیں ہم

(راقم سید الوز علی نقوی)

سفینۂ حیات

سینکا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ زندگی ایک بحری سفر ہے جس کی ہر منزل کی ترقی پر ایک

نیا منظر دکھائی دیتا ہے۔ پہلی منزل بچپن کا زمانہ ہے جس کو ہم عبور کرتے ہیں پھر جوانی کے زمانہ کو طے کیا جاتا ہے۔ بعد اس کے ادھیڑپن کی باری آتی ہے اور اس کو عبور کرنے کے بعد پیری کی منزل شروع ہوتی ہے۔ اور آخر میں وہ بھی خیرباد کہنے لگتی ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ انسان اس پر سے بھی گذر جاتا ہے۔

اس جملہ کے مطالعہ نے میرے دل میں ایک سلسلۂ حیات انسان کی حالت وکیفیت اس کی متواتر خواہشات کی بے ثباتی اس کی مسلسل خارجی اشیا سے رغبت اور اس کی غفلت اور لاپروائی جس کی وجہ سے وہ وقت کی نہر پا اس کے ساتھ ساتھ بہتا پھرتا ہے پیدا کر کے مجھے غور وفکر کے سمندر میں غرق کر دیا۔ جس سے میری آنکھیں بند ہوگئیں اور مجھ پر ایک غشی کی سی حالت طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر نہ ہوئے پائی تھی کہ جد وجہد کی گرم بازاری۔ زندہ دلی کی چہل پہل خطرات و دغدغوں کی چیخ اور چلاہٹ۔ طوفان کی سنسناہٹ اور سمندر کے تھپیڑوں کی کرخت آواز سے میرے کان گونج اٹھے۔

تھوڑی دیر کے لئے حیرت میرے اس تجسس پر غالب آگئی۔ لیکن بہت میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے ہم کدھر جا رہے ہیں اور اس ریل پیل اور شور وشغب کا کیا سبب ہے۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ سارے کے سارے اس بحر ذخار میں چل رہے ہیں اور ہم بچپن کی آبنائے کو طے کر چکے ہیں جس میں ہزاروں انسان تو جہاز کی کمزوری اور زیادہ تر اس کے جہاز رانوں کی سرکشی۔ بیوقوفی۔ غفلت و لاپروائی کی وجہ سے اس میں ڈوب مرے ہیں۔ ہم سمندر زندگی کی منجدھار میں طوفانِ امواج اور ہواؤں کے رحم پر صرف ایک رہنما کی سپردگی میں بغیر کسی اور حفاظت کے چھوڑ دیئے گئے ہیں اور ہم اس سیر کو اپنا راستہ بتلانے اور رہنمائی کے لئے ہزاروں رہنماؤں میں سے جو اپنی مدد دینے کا اظہار کر رہے ہیں انتخاب کر سکتے ہیں تب میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنی للچائی ہوئی نظر چاروں طرف دوڑائی۔ میں نے پیچھے مڑ کر آنکھ اٹھاتے ہی دیکھا کہ ایک نہر خوشنما اور خوش منظر جزیروں میں سے بہہ رہی ہے جن میں نقاش ازل نے قدرت کے بیل بوٹوں سے مینا کاری کی ہے جن کی خوبصورتی اور دلفریبی کو دیکھ کر طائران نغمہ زن خوشی کے گیت گا رہے ہیں۔

ہر شخص جو اس طرف دیکھتا ادھر ہی کا رخ کرتا اور مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا ہے اگرچہ اس نہر کی دھار موج زن اور متلاطم نہیں تاہم وہ ناقابل عبور ضرور ہے۔ اور جونہی کہ کسی

کا سفینۂ زندگی اس میں پہنچتا ہے دھارا سے بہائے جاتی ہے۔ ان جزیروں کے آگے تاریکی ہی تاریکی ہے اور نہ کوئی مسافر یہ بتا سکتا ہے کہ وہ کس جگہ اور کس ساحل سے سفینۂ زندگی پر سوار ہوا۔

میرے آگے ہر چہار طرف پانی کے وسیع پھیلاؤ میں سخت تلاطم وشور و شغب تھا اور لہر کی شدت کی وجہ سے وہ جگہ اس قدر دھواں دھار ہو رہی تھی کہ بمشکل تیز سے تیز نگاہ بھی تھوڑا سا راستہ دیکھ سکتی تھی اور وہ خوفناک چٹانوں اور خطرناک گرداپوں سے لبریز معلوم ہوتی تھی اس لئے کہ بہت سے مسافر جن کے ساتھ ہوا موافقت کر رہی تھی، اور جن کے جہاز خوشگوار ہواؤں کے جھونکوں کو بادبانوں کی آغوش میں لئے ہوئے سرعت کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے اور یہ ان لوگوں کو جو اس دوڑ میں بوجہ باد مخالف و ناموافقت حوادثات بہت پیچھے رہ گئے تھے تحقیر و تذلیل کر رہے تھے۔ یکایک پانی کے بلبلوں کی طرح سطح آب سے مٹ گئے۔

زندگی کے اس بحر ذخار میں اس قدر انگنت خطرات ہیں اور اس قدر بھیانک تاریکیاں کہ کسی قسم کی احتیاط و پیشبندی کوئی حفاظت کا کام نہیں دے سکتی لیکن یہاں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کم فہمی اور غلط آگاہی کی وجہ سے اپنے پیرؤوں اور تابعین کو دھوکا دیکر غار ذلت میں گرا رہے ہیں۔ یا ان لوگوں کو جو انہیں راستہ میں ملتے ہیں زبردستی چٹانوں پر دھکیل کر لقمہ اجل بنا رہے ہیں۔

سمندر کی دھار غیر مغلوب اور ناتغیر پذیر ہے اور اگرچہ اس کو عبور کرنا یا اس جگہ لوٹنا جہاں سے ایک مرتبہ گذر چکے ہیں ناممکن ہے مگر وہ اس قدر متموج اور متلاطم نہیں کہ ہمت اور ہنرمندی کا وہاں موقعہ نہ چلے۔ انسان اگرچہ خطرات سے مراجعت نہیں کر سکتا مگر وہ پرخطر اور دشوار گذار راہوں کو تھوڑے سے انحراف سے اپنے آپ کو نجات دلا سکتا ہے۔

احتیاط اور عقلمندی سے اس بحر ذخار میں سفر کرنا کوئی عام بات نہیں اس لئے کہ ہر انسان ایک عالمگیر غلط فہمی کی وجہ سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنی ان ہی آنکھوں کے سامنے ہر وقت اور ہر لحظہ اپنے ساتھیوں کو غرق ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اور جونہی کہ موجیں ڈوبنے والے کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہیں اس کی تباہی و بربادی کا خیال حرف غلط کی طرح سفر کرنے والے کے دل سے مٹ جاتا ہے اور سفر اسی زندہ دلی اور قوی امید کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ ہر انسان اپنے جہاز کی سلامتی اور مضبوطی پر شاد اور مطمئن نظر آتا ہے

اور وہ یقین کامل رکھتا ہے کہ اس طوفان بے تمیزی کو جس کے دامن میں اس کے ساتھی جا سوئے، یا جو راستہ بھٹک کر چٹانوں سے جا ٹکرائے، بآسانی عبور کر لے گا۔ اور اس پر طرہ تعجب یہ ہے کہ جب کبھی دیکھا یہی دیکھا کہ ہر انسان ایسے دل ہلا دینے والے اور جانکاہ نظارے دیکھتا ہے مگر کوئی بھی اپنا راستہ نہیں چھوڑتا اور جو کوئی ذرا سا بھی اپنے راستے سے ہٹا۔ وہ ہمیشہ کے لئے فیصلۂ قسمت کے رحم پر چھوڑ دیا گیا۔

یہ بے التفاتی نہ تو ان کی موجودہ حالت کی خستگی و کاہلی کا نتیجہ ہے اور نہ انکی غفلت و لاپروائی کا اس لئے کہ کوئی بھی انسان جو اس طرح تباہی و بربادی کا شکار ہو اور جس نے بحر زندگی میں غرق ہوتے وقت اپنے ساتھیوں کو ایسی مدد کے لئے جو اس وقت اس کے کچھ کام نہیں آسکتی پکارنے میں کوتاہی کی ہو اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی آخری زندگی کی گھڑیاں ان غلطیوں کے بارہ میں جو ان کو سفر زندگی میں درپیش ہوئیں دوسروں کو متنبہ اور خبردار کرنے میں صرف کیں۔ ان کی ان نصائح کی بے حد قدر و منزلت کی گئی مگر وہ ایک کان سے سنی اور دوسرے سے اڑا دی گئیں۔

وہ جہاز جس پر ہم سوار ہوئے تھے مستقیم طور پر سفر زندگی کی موج زن اور متلاطم سمندر کی دھار کا مقابلہ کرتے ہوئے بالکل ناقص و ناکارہ تھا اس لئے ہر مسافر کو جو اس پر سوار تھا یقین واثق تھا کہ وہ اگرچہ کتنی ہی مدت تک بوجہ موافق حوادثات یا جہاز رانوں کی احتیاط کے محفوظ رہے اسے ضرور سمندر کی نذر ہونا ہے۔

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ فنا اور نیست ہونے کی ضرورت شادمانی اور خوش خرمی کو معموم۔ ڈہیٹ اور دلیر دل کو بزدل بناتی ہے اور کم سے کم کم ہمت اور مصیبت زدہ لوگوں کو دائمی عذاب میں مبتلا رکھتی ہے۔ اور ان کو کسی قسم کی خوشی اور فرحت جس کو فطرت نے بطور ان کی محنتوں کے صلہ کے عطا کیا ہے لطف اٹھانے سے مانع ہے۔ تاہم سوائے ان لوگوں کے جو موت سے بہت ہی زیادہ خوف زدہ اور ہراساں ہیں واقعتہً کوئی فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جو فنا اور بربادی سے اس قدر مغموم اور خوف زدہ ہو۔ ہر انسان آنے والے خطرات سے عمداً چشم پوشی کرتا ہے۔ اور وہ لوگ جو یہ جانتے ہیں کہ ان کی نگاہیں ایسے دہشتناک اور جانکاہ حوادثات کو دیکھنے کی قابلیت نہیں رکھتیں جو ان کی راہ میں حائل ہیں وہ کبھی ہرگز آگے نہیں دیکھتے اور ان کے نہ دیکھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں اور اس موجودہ

سے گا نا عجیب پر اثر سین تھا۔ وہ اپنی حالت میں اس قدر محو تھی کہ آس پاس کی کچھ خبر نہ تھی عین اسی وقت میں جب کہ اس کی زبان پر یہ شعر تھا ؎

ہم پہ جو کچھ گذر گئی ان کو خبر نہیں ذری
شام الم نے کیا کیا؟ غم کی سحر نے کیا کیا؟

نارنگی کے درخت کے پیچھے سے کوئی نوجوان تیز قدمی سے نکل کر اس جوگن کی طرف آیا اور ہاتھ جوڑ کر اس کے قدموں کے قریب دو زانو بیٹھ گیا جس کو دیکھتے ہی ستار بند کر دیا گیا۔

" للہ ایسی بدظنی اس وفادار خادم سے نہ کیجیے آہ آپ کو خبر ہے کہ اس فرقت نصیب پر کیا گذری اور یہ رات کس طرح بسر کی۔ گو میرا جسم یہاں سے دور تھا۔ مگر میری روح و دل یہیں تھے۔ للہ معاف کیجیے۔ اپنے اس بدنصیب فرقت زدہ پر رحم "

یہ کہتے ہوئے اپنی جوگن کے سفید نازک پیروں پر سر رکھ دیا۔ اس شخص کے اس وقت یہاں پہنچنے پر وہ سخت متعجب تھی۔ اب یوں قدموں پر سر رکھنے سے بے چین ہو گئی۔ دونوں ہاتھوں سے اسے اٹھایا اور اپنا سر اس کے سینے سے لگا کر ہچکیوں سے رونے لگی۔ چند منٹ تک یہاں کا یہی نقشہ رہا۔ دونوں مضطرب حالت میں گریاں تھے۔ جب ذرا سکون ہوا تو نوجوان نے اپنی محبوبہ کا سر اٹھا کر رومال سے آنسو پونچھے اب ذرا سفیدی سحر پھیل چلی تھی اپنی مالکہ کو پلنگ پر نہ پایا تو ان کی صبح کے چائے قیام پر وہ خادمہ آئی اور دونوں کو سلام کر کے کہا۔

خادمہ ۔ حضور برج حوض پر منہ ہاتھ دھو لیجیے تو میں چائے لاؤں۔

مالکہ ۔ گلرنگ دیکھتی ہو یہ اس وقت کہاں آ گئے؟ یہ مناسب نہیں ابھی مالی لوگ اس طرف آئیں گے۔ میں کمرے میں جاتی ہوں تم ان کو سنبھالو۔

گلرنگ ۔ حضور ابھی مالی کمبخت سو رہے ہیں ہاں اگر صاحب اور بیگم صاحبہ گھر ہوتے تو بے شک نامناسب تھا۔ آپ ابھی ان کو جانے کی تکلیف نہ دیجیے۔ چلیے بارہ دری میں بیٹھیے میں ناشتہ لاتی ہوں۔

یہ سنکر گلرنگ اور اس نووارد نوجوان کی سرکار دوپٹہ سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئیں چونکہ نائٹ گون میں تھیں۔ دوپٹہ کو ساری کی طرح لپیٹ لیا۔ ان کو اس بے پروائی سے جاتے دیکھ کر وہ بیقراری سے کھڑا ہو کر کہنے لگا

" خدا کے واسطے ابھی نہ جائیے جبکہ آپ کے والدین بھی گھر پر نہیں ہیں۔ تو اس قدر خوف کس کا ہے۔ مجھے چند ضروری باتیں کر لینے دیجیے۔

جوگن ۔ آہ۔ اب کیا باتیں آپ نے لاکھ اخفا کیا مگر مجھے کسی نہ کسی طرح اپنی آئندہ قسمت کا پتا لگ گیا ہے۔ آپ مجھے اب ہمیشہ کو چھوڑنے والے ہیں پس ایک غیر شخص سے اس قسم کا ارتباط تنہائی کی ملاقاتیں سخت نازیبا ہیں۔ میں اپنے دل کو سخت

کروں گی اور آپ سے علیحدہ رہوں گی۔

نوجوان۔ ٹھہرئیے، تو میں خود ہی سب حالات سناتا ہوں۔ صرف چند منٹ مجھے یہاں رہنے دیجئے۔

اس کے اصرار کرنے پر خاموش ہوگئی اور دونوں باغیچہ کی درمیانی بارہ دری میں بنچ پر جا بیٹھے۔

نوجوان۔ ان تین ہفتوں کے قلیل عرصہ میں آج میری آپ سے پانچویں ملاقات ہے۔ دو بار تو آپ بالکل بیگانہ وار ملی ہیں مگر تیسری ملاقات سے مجھے اپنی خوش نصیبی کا یقین ہوگیا تھا کہ اس ناچیز کی بھی آپ کے دل میں جگہ ہے۔ میں نے آپ سے یہ ذکر تو کر دیا تھا کہ "میری نسبت کی تجویزیں ہو رہی ہیں مگر میں مخالفت کر رہا ہوں" مجھے امید تھی کہ میری کوشش کامیاب ہوگی۔ مگر آج رات مجھ کو بھی یہ علم ہوا کہ اس ہفتہ یعنی آج سے ۵ روز بعد مجھے ایک عذاب شدید میں گرفتار کر دیا جائیگا اور وہ میرا نکاح ہوگا۔ ہائے میری جان سے زیادہ پیاری میں نہیں بیان کر سکتا کہ اس خبر سے میرے دل پر کیا گذری۔ ایک بجلی سی گری جسنے میرے امیدوں تمناؤں بھرے دل کو خاکستر کر دیا۔ تاہم میں خدا کی درگاہ سے اب بھی نا امید نہیں ہوں۔ جب ہمارے دل ہماری روحیں آپس میں مل چکی ہیں۔ تو ضرور وہ جامع المتفرقین ہمیں بھی ایک دن ملائیگا۔

آپ مجھسے ذرا ناراض نہ ہوں مجھپر کوئی شبہ بے وفائی اور بدظنی کا نہ کریں۔ میں جس وقت تک جسم میں جان ہے۔ آپ کا ہوچکا۔ فی الحال والدین جابر والدین اپنی خوشی کریں۔ پھر آئندہ زندگی کی بابت سوچ لیا ہے کہ کیا کرونگا۔

جوگن۔ (دھڑکتے ہوئے دل کو سنبھال کر) تو آپ کی کیا خواہش ہے؟ میں کیا کروں؟ میں نے تو رات یہ فیصلہ کیا تھا کہ کہیں سیاحت کے لیے چلی جاؤں لیکن اگر ثبوت محبت و وفاداری میں آپ میری اتنی اور ہمت دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہیں رہوں۔ تو بہت اچھا رہوں گی لیکن اس کا مجھ پر بہت برا اثر ہوگا۔ گر آپ کے خوش کرنے کو تیار رہوں۔

باقی

(نذر سجاد حیدر)

نیپال کا نیرو

نیپال میں جنگ و جدال اور زمانہ تبدیل نظیم مملکت اس کے بعد چین سے معرکہ آرائی میں مہاراجہ سن بہادر سریر آرائے حکومت تھا لیکن بوجہ صغر سنی عنان حکومت و نظام سلطنت اس کے چچا

پرتھی نرائن کے ہاتھ میں تھا۔ ۱۷۹۵ء میں جب رن بہادر ۲۰ سال کا ہوا تو اس نے کیہ دربار عام کیا۔ اور اپنی خودمختاری کا اعلان۔ مشیرکاروں اور ان سرداروں نے جن کو پرتھی نرائن سے کوئی خاص ہمدردی نہ تھی متفق الرائے ہوکر سراطاعت خم کئے۔

تخت نشینی کے بعد مہاراجہ کے دست تظلم کا پہلا شکار اس کا محسن دمزل چھپا تھا۔ جس نے اس کی خوردسالی کے زمانہ سے لے کر اب تک نہ صرف اس کی سرپرستی کی بلکہ حکومت کو حتی الامکان فروغ دیا اور دشمنوں کی دست برد سے سلطنت کو برابر محفوظ رکھا۔ جس کو اس نے تہہ خانہ میں قید کرکے نوع بنوع کی اذیتیں پہنچا کر یا قتل کرکے کالعدم کر دیا۔ اس کے بعد اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ مشغلہ بھی جور وستم پر مبنی ہوتا۔ اس کی ستم آرائیاں روم کے ظالم نیرو کو بھی شرماتیں۔ مجرموں کی ذراسی تقصیر پر وہ وہ ستم ڈھاتا جو ہرگز ویسی ناروا سزا کی مستوجب نہ ہوتیں۔ اس قسم کی ظالمانہ کارروائیوں سے اسے خاص شغف تھا۔ کسی بدنصیب کے لئے پھانسی کی سزا اس کی نظر میں عذاب سے چھٹکارا ... ہوتی تو وہ اس کے جسم پر طرح طرح کی ایذا پہنچا کر ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں کیل ٹھونکنے کا حکم دیتا۔ اور سخت سے سخت تکلیف پہنچا کر موت کے گھاٹ اتارتا۔

کبھی مجرموں کو آہنی فیل پاؤں سے بندھوا دیتا۔ اور آگ لگانے کا حکم دیتا۔ آگ کے شعلے جو بتدریج پہنچائے جاتے۔ رفتہ رفتہ ان کو جلا کر خاک کر ڈالتے۔ اس پر بھی بس نہیں تھا بلکہ اسی سوختنی حالت میں ناک۔ کان اور زبان کاٹ کاٹ کر نذر آتش کیا جاتا۔ آہ کن کن مصائب کے برداشت کے بعد جان قفس عنصری سے پرواز کرتی۔

یہ مظالم جس بدنصیب کے ہاتھوں عمل درآمد ہوتے وہ خود اس کے ظلم بے پناہ کا مظلوم شکار رہتا کیونکہ اہلکار گویا اس کے حق میں موت کا پروانہ ہوتا۔ اور اسی تشدد سے اس کی قید حیات تمام ہوتی۔

مجرموں کو چون وچرا کی مجال نہ تھی۔ ہر شب کو وہ مدام نئے مظالم سوچ کر تیار کرتا اور صبح کو بے کس مصیبت زدوں کی قطاروں پر جو اس کے حسب فرمان پہلے سے موجود رکھے جاتے عمل پیرا ہوتا

اس کی شادی اور محبت کے افسانوں کا نیپال دکھاٹ منڈو میں عام چرچا رہتا۔ پہلی رانی لاولد تھی۔ دوسری سے فرزند نرینہ تولد ہوا۔ مظلوم رعایا خیال کرتی تھی اب اس کے افعال شنیعہ کی اصلاح ہوگی۔ لیکن جلد ہی اس امید کا بھی قلع قمع ہوگیا۔ کیونکہ اس نے نوزائیدہ فرزند اور بیوی دونوں کو محل کے کسی گوشے میں نہایت جبر و تشدد سے بے پناہ ڈلوا دیا۔

رن بہادر ذات کا کشتری تھا جو برہمن سے نیچ قوم تھی لیکن ان کو چھیڑنے اور ان پر ستم آرائی کرنے کے خیال سے مشہور کیا کہ وہ برہمن لڑکی سے شادی کرنے والا ہے - چنانچہ ایک نوعمر بیوہ برہمن کو اس کے باپ کے گھر سے اٹھا منگوایا - اور قانون کے خلاف زبردستی بیوہ کا عقد ثانی اور برہمن ذات کی خرابی کر گزرا - کچھ دنوں کے بعد برہمن رانی سے ایک بچہ ہوا - رن بہادر کو اس برہمن رانی سے بڑی الفت تھی - وہ اس کی خود بیں آنکھوں کا تارا تھی - اس ستم شعار کے دل - اس عفریت پیکر دیو منظر انسان کے جان و مال کی مالک تھی - وہ اس کا پجاری تھا - اس بیدادگر پر اگر کسی کا قابو چلتا تھا تو بس اسی برہمن رانی کا - بعض اوقات یہی رانی مظلوم رعایا کے تخفیف تشدد کا باعث ہوتی - لیکن بدقسمتی سے یکایک اسے چیچک نے آ لیا - اور وہ قضا کر گئی - زمانۂ علالت میں رن بہادر فکر و اندوہ سے دیوانہ ہو رہا تھا - بنارس سے معالجوں کو بلوایا - مختلف مندروں میں بڑی بڑی قربانیاں چڑھائیں - لیکن تمام دوائیں اور دعائیں بیکار ثابت ہوئیں -

رانی کے کریا کرم کے بعد ہی اس نے بنارس کے معالجوں کو اپنی خدمت میں طلب کیا - پہلے خوب ہی بے نقط صلواتیں سنائیں اس کے بعد زدوکوب کرایا - کہ کرب و بے چینی اور شدت ضربات سے سب بیہوش ہو گئے - اس کے بعد حکیموں کو بلا کر حکم دیا کہ بنارس کے حکیموں کے ناک کان کاٹ کر دیس روانہ کر دو -

اس کے بعد اس کے انتقام کا جوش شعلۂ جوالہ بن کر دیوتاؤں اور پاسوپاتی ناتھ کے مندر کے عبادت گذاروں پر تمام ہوا -

فوج کے ایک دستہ کو مندر مذکور کے گھیر لینے کا حکم دیا - مذہبی پیشواؤں کو یکے بعد دیگرے خوب پٹوایا - اس کے بعد بعض دیوتاؤں کے مقدس مجسموں پر گولہ باری کی - شیوا اور پاروتی کے قابل احترام مجسمے خاک سیاہ ہو گئے -

زندگی سے بیزار - اور اپنی رانی کے سوگ میں ایک مجمع دربار کے بیچ تخت سے دستبرداری اور رانی مذکور کے اکلوتے خوردسال فرزند کی سریر آرائی کا اعلان کیا ننھے معصوم کو اپنے ہاتھوں تخت پر بٹھایا اور سرداروں سے وفاداری کا حلف لیا اس کے بعد اپنی دوسری رانی کو مربی اور اس کے چھوٹے سے بچے کو وزیر قرار دیا - چنانچہ سلطنت نیپال کا ایک ننھا سا راجہ - بچہ سا وزیر اور سوتیلی ماں نیپال جیسی جنگجو قوم کے سرپرست قرار پائے - لیکن بایں ہمہ رن بہادر بنارس نہیں سدھارا - بلکہ معتمدان سلطنت کی ناکامی کی انتہا نہ رہی جب وہ مزید اختیارات سے اسی طرح

متمکن رہا۔ تخت سے دست برداری کا اعلان محض دکھاوا۔ اور رانی پر فدائی ہونے کا جھوٹا دعویٰ تھا۔ ظلم و تعدی کی وہی درشتی تھی۔ کسی کو قتل و غارت کرتا۔ تو کسی کو معمولی سی غلطی پر درخت سے سر نیچے پیر اوپر کرکے لٹکا دیتا۔ حتیٰ کہ وہ رعایا کے حق میں ناقابل برداشت مصیبت ہوگیا۔ رتبہ حیثیت اور عمر کچھ بھی اس کی ستم آرائی کے آگے وقعت نہ رکھتی تھی آخر یہ مظالم تا بکے؟ اس کے معزز سرداروں نے دامودر پانڈے کی سرکردگی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اسے شہر بدر ہونے پر مجبور کیا۔ پہلے تو اس نے صاف انکار کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ کسی طرح یہ فتنہ فرو نہیں ہوسکتا تو وہ سنہ ۱۸۵۴ء میں پوشیدہ طور پر ایک شب اپنی پہلی رانی اور ایک نوجوان سردار بھیم سنگھ تھاپہ کے ہمراہ جو خاندان تھاپہ کا سردار اور پانڈیز کا جانی دشمن تھا۔ کھاٹ منڈو سے فرار ہوگیا۔ لیکن اسی سال تھاپہ کی ہمراہی میں پھر نیپال واپس آیا۔ پانڈیز گورکھا فوج کثیر تعداد میں لئے موجود تھے۔ کہ بوقت ضرورت کام آئے۔ سپاہی ہنوز سابق راجہ کے ہی وفادار تھے رن بہادر ان سے ملا۔ اور دریافت کیا کہ آیا یہ پانڈیز کے طرفدار ہیں یا اس کے۔ انہوں نے سر تسلیم جھکا دیا۔ پانڈیز بہت سے مقید ہوئے۔ اور کچھ کام بھی آئے۔ اس کی واپسی۔ اور نابالغ راجہ کی سرپرستی۔ بھیم سنگھ کی وزارت پناہی نے پانڈیز کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور وہ راجہ کے بھائی کی سرکردگی میں کمربستہ تیار ہو بیٹھے۔ لیکن ان کی خفیہ کارروائیوں کا پتہ بھیم سنگھ کو چل گیا۔ اور اس نے مصلحت سمجھکر راجہ کے بھائی کو گورکھا رجمنٹ کے ہمراہ مغربی سرحد میں کوچ کرنے کا حکم دیا۔ جس کی بجاآوری سے اس نے انکار کردیا۔ چنانچہ گرفتاری و سزا کا فرمان نافذ ہوا۔ لیکن قبل اس کے کہ فوج اس کو گرفتار کرتی اس نے محل میں پہنچکر ظلم آفریں رن بہادر کو تہ تیغ کر ڈالا۔

(ترجمہ از "انگلشمین") (جمیلہ ابراہیم از کلکتہ)

غلطی کس کی تھی؟

محبت کو جانے دیجئے۔ عیش پسند زندگی دنیاوی آرام و راحت کے لئے بڑے بڑے امراء اپنی موٹر کاریں اس کے پیچھے لئے پھرتے تھے۔ ہر شخص محبت جتلاتا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ یہ تمام مکر و

ہے۔ مصور اس کی تصویر کے لئے بیش قرار رقوم دیتے تھے مگر وہ انکار کرتی تھی۔ آخرکار اس نے مفصلاً میں شادی کرلی۔ وہ ایک ایسے مکان میں رہنے لگی جس میں چھ آراستہ کمرے تھے۔ اور ایک خادمہ اس کی خدمت گزاری کے لئے موجود تھی۔ اس نے ایک بہترین بیوی بننے کی کوشش کی اس نے اپنے خاوند کے لئے آرام وآسائش خوشی وخرمی کے جملہ لوازم مہیا کرنے کا ہمیشہ خیال رکھا۔ اس کا خاوند مسرور تھا۔ معذور تھا۔ ہر شخص ایسا خوش قسمت نہیں ہوا کرتا۔ وہ اکثر فخریہ کہا کرتا تھا کہ وہ دنیا میں سب سے خوش قسمت شخص ہے۔ اور یہ درست بھی تھا۔ اس کی چاہیتی بیوی کا حسن خدا داد فرشتوں کو آسمان سے کھینچ لانے کی تاثیر رکھتا تھا وہ اپنی بیوی سے کہا کرتا تھا کہ میں نے تمام جہاں سے تم کو انتخاب کرلیا تھا۔ بیوی حقیقت میں نیکی کی زندگی بسر کرتی تھی۔ اور ہر چیز کے لئے جو اس کے خاوند نے اس کے لئے مہیا کی تھی تہہ دل سے مشکور تھی۔ وہ جانتی تھی کہ موجودہ زمانہ کی لڑکیاں شادی کرنا پسند نہیں کرتیں اور عیش وعشرت کی زندگی کو موجودہ زندگی پر ترجیح دیتی ہیں۔ لیکن ایک دن وہ سرخ سرخ گلاب کے پھولوں والی ٹوپی اور عمدہ لباس پہنے ہوئے نظر آتی ہیں تو دوسرے دن پا پیادہ کسی گندی گلی میں جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ یا ان کی لاش برہنہ حالت میں لب دریا پائی جاتی ہے۔ وہ ان نظاروں سے نگاہ پھیر لیتی تھی۔ اور اپنی موجودہ حالت پر ایسی قانع تھی کہ اپنے آپ کو کسی ملکہ سے کم نہ سمجھتی تھی۔ وہ ایسے موقعہ کی منتظر تھی کہ جب وہ یہ ثابت کرسکے کہ وہ بڑے بڑے کاموں کے قابل ہے۔ آخرکار ایک دن یہ موقعہ آپہنچا۔ اس کا پیارا ہانپتا اور کانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرہ کا رنگ فق تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے کہیں سے آئندہ جمعہ تک بیس پونڈ پیدا کرنے چاہئیں۔ ورنہ . . . . . . جیل خانہ۔ قاعدہ کی بات ہے کہ آقا اپنے ملازموں پر اتنا رحم نہیں کرسکتے کہ وہ ان کے روپیہ کو اڑاتے رہیں۔ میں پرسوں رات کو بازی جیتنے والا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ہار گیا ورنہ ۱۰۰ پونڈ جیت لیتا۔ آہ اس کے بجائے اب یہ مشکلات . . . . . . اور ہمارے پاس اس وقت ۲۰ پنس بھی نہیں ہیں" اس کی بیوی نے اس کی طرف خوف وہراس سے ملی جلی نگاہوں سے دیکھ کر کہا کہ "کم از کم فاقہ تو نہیں" آہ! اگر کاش میں شادی نہ کرتا تو . . . . . . " وہ میز پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ لڑکی فیاض طبیعت تھی۔ اس نے ان خیالات کا زیادہ لحاظ نہ کیا۔ یہ سچ تھا کہ اس کے خاوند کا تمام اندوختہ گھر کی ضروریات میں صرف ہوچکا تھا۔ اور ایک طرح سے وہ خود ہی اس تمام مصیبت کا سبب تھی۔ آخر وہ وقت آن پہنچا کہ وہ تمام قرضہ اتار دے۔ لڑکی کی طبیعت میں آناً فاناً ایک

جوش سا پیدا ہوگیا جیسے کہ اسپ عربی تازیانہ کھا کر فوراً کھڑا ہو جاتا ہے - مدت ہوئی کہ ایک مصور اس کی تصویر بنانے کا خواہشمند تھا - وہ اکثر اس کے لئے بیش قرار رقمیں پیش کرتا تھا - وہ دولتمند آدمی تھا اس لئے زیادہ سے زیادہ اجرت دینے کی طاقت رکھتا تھا - مگر لڑکی ہمیشہ اس کی درخواست کو مسترد کرتی رہتی تھی - لیکن اب میز پر بیٹھے ہوئے شکستہ دل خاوند سے بیوی نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور چپکے سے کمرہ سے نکل گئی - وہ آدھ گھنٹے کے اندر اس مصور کے کمرے میں تھی - سرخ سرخ گالوں والی لڑکی نے اپنا کوٹ اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور نیچی نگاہوں سے مصور سے بولی کہ تم میری تصویر کے خواہشمند تھے - میں اس وقت تمہاری درخواست قبول نہ کر سکتی تھی لیکن اب میرے ارادہ میں تبدیلی واقع ہو گئی ہے - اگر تم اس وقت مجھ کو صرف بیس پونڈ دیدو تو میری تصویر بنا سکتے ہو " مصور اس کی طرف گھور رہا تھا - اس کے چہرے پر خوشی اور تعجب کی کشمکش صاف نظر آ رہی تھی - " نادان لڑکی تم کو بیس پونڈ کی کیا ضرورت ہے میں نے تم کو بڑی بڑی رقوم پیش کی تھیں لیکن تم ہمیشہ انکار کرتی رہیں لیکن شادی کے بعد اس پر آمادہ ہوگئی ہو - لڑکی فکر کے دریا میں غرق ہو رہی تھی - اس نے جلدی سے کہا " تم کو ایسے سوالات کا حق نہیں - تم تبلاؤ کہ تم میری تصویر کے خواہشمند ہو یا نہیں - ورنہ میں " مصور نے بے تاب ہو کر کہا - بیشک یہی چاہتا ہوں - میں تو صرف مذاق کر رہا تھا جس کی معافی مانگتا ہوں - مجھے اس کی پروا نہیں کہ تم کو روپیہ کی کیا ضرورت ہے - میں برسوں سے تمہاری تصویر کا آرزومند تھا - مصور نے فتحمندانہ انداز میں لڑکی کی طرف دیکھا - اور مسکرا کر کہا " اے دنیا کی حور تیری تصویر میرے لئے عزت اور دولت لائے گی " " کہاں سے ؟ اور کیونکر ! " اس کے خاوند نے کہا جب اس کی بیوی نے ۲۰ پونڈ کے نوٹ اس کے ہاتھ میں دیئے - " مجھے اتفاقاً یاد آگیا تھا " اس کی کمزور آواز سنائی دی جبکہ اس کی صاف آنکھیں خاوند کی طرف دیکھ رہی تھیں کہ میری ایک خالہ رنیلک میں رہتی ہیں شاید وہ میری مدد کر سکیں - " میری اچھی دلہن " خاوند نے اپنی بیوی کو بغل میں لیکر پیار کیا - اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ وہ ایک دن افتاں و خیزاں گھر پہنچا - مگر اس دفعہ غصہ سے بھرا ہوا تھا تم . . . . تم . . . . لڑکی اس کے مضبوط ہاتھوں سے ڈر کر علیحدہ ہوگئی - آہ تم نے وہ روپیہ کہاں سے لیا تھا - تم اور تمہاری فرضی پھوپی - اس نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگایا " پیارے جارج " لڑکی کانپتی ہوئی اپنی کرسی سے اٹھی - " مجھ کو پیارا مت کہو " غصہ اس کو دیوانہ بنا رہا تھا - میں حیران و پشیمان ہوں - ہمارے دفتر کا کلرک آج مسٹر مارٹن کے مکان پر کچھ روپیہ وصول کرنے

گیا تھا - لیکن مسٹر مارٹن مکان پر موجود نہ تھا - اور ان کے ملازموں نے ہمارے کلرک کو مسٹر مارٹن کے دفتر والے کمرہ میں بٹھایا - اس نے وہاں تمہاری تصویر جو ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے دیکھی اس نے تم کو شناخت کر لیا - تمام دفتر کے کلرک میرا مذاق اڑا رہے ہیں - یہ ایک خوفناک بے عزتی ہے - افسوس کوئی شوقین لڑکی کبھی معزز زندگی نہیں بسر کر سکتی - مجھ کو اس کا پیشتر سے علم ہونا چاہیے تھا - اس نے سامنے سے سٹول کو ذرا اٹھا کر پھینک دیا - مجھے اس بات کا خیال بھی تھا کہ جونہی میں نے پیٹھ پھیری تم اپنے کاموں میں مشغول ہو جاؤ گی " یہ اس کا خاوند تھا - یہ شخص جس نے ایسے اہم معاملہ میں اپنی رائے بغیر جواب طلب کئے ہوئے قایم کر لی تھی - وہ اس کو مجرم سمجھا تھا - کہ کیوں اس نے اپنی خوبصورتی اس کے سے فروخت کر دی - وہ اپنی پاک اور نیک روح سمیت اپنی آنکھیں خاموشی سے اس پر جمائے ہوئے تھی - اس کی دلی محبت آہستہ آہستہ اس کے جسم کے روئیں روئیں سے آنکھوں کے راستہ نکل رہی تھی - یہاں تک کہ بات پہنچ گئی تھی کہ وہ چلا اٹھی - " میں نے صرف تم کو قیدخانہ سے بچانے کے لئے ایسا کیا - لیکن وہ چپ رہی یہ خیال کرکے کہ ایسے آدمی سے سچ کہنا غلطی ہے - وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے سچائی کا برتاؤ رکھا جائے " اگر مسٹر مارٹن میری کوئی تصویر بنا رہا ہے تو وہ اس کی نقل ہوگی جو تم سے شادی کرنے سے پیشتر اس نے اتاری تھی - کیا میں اس حالت میں بھی قابل الزام ہوں - اس نے آہستہ سے پوچھا - اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو مسٹر مارٹن سے معلوم کر لو - لڑکی کی بناوٹ اس کے شوہر پر غالب آگئی " خدا کی قسم میں نے یہ بات کبھی خیال ہی نہ کی تھی " یہ کہکر وہ مجنونوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا " میں افسوس کرتا ہوں پیاری میرا ایک پیار لو " اس بدنصیب آدمی کو یہ خیال نہ ہوا کہ وہ ایک دوسری عورت تھی جو اب اس کی بغل میں تھی - وہ عورت جو اس کی پرستش کرتی تھی - جسم سے روح کی طرح پرواز کر گئی - ایک ہفتہ کے بعد وہ بالکل اس سے علیحدہ ہوگئی - وہ اٹلی میں ایک عالیشان محل میں رہنے لگی - اس کے خاوند نے جب سنا تو اس نے کہا یہ عورت پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ ہے - لیکن وہ غلطی پر تھا - یہ صرف عورت پر بھروسہ نہ کرنے کا نتیجہ تھا -

(منقول)

(مسز بشارت علی خاں، کلکتہ)

موت کا قرعہ

کرامویل فرمانفرمائے انگلستان کے عہد کا یہ واقعہ ہے کہ اس کی جمہوری سلطنت کی فوج میں سب سے کم عمر کرنیل مے فیر تھا - گو اس کی عمر ہنوز ۳۰ سال سے متجاوز نہ تھی وہ ایک تجربہ کار جہاں دیدہ سرد و گرم چشیدہ فوجی افسر تھا کیونکہ وہ سترہ سال کی عمر سے فوج میں ملازم ہو کر بہت سی لڑائیوں میں شریک رہ کر اپنی قابلیت اور جانبازی کے جوہر دکھلا چکا تھا - مگر اس وقت اس کے اقبال کا ستارہ قریب غروب تھا - اور وہ سخت رنج و مصیبت اور ناامیدی میں مبتلا تھا جاڑے کی اندھیری رات تھی اور گھر کے باہر باد و باراں کا ایک سخت طوفان بپا تھا - کرنیل اپنی مصیبت کا حال اپنی غمزدہ بیوی سے کہہ چکا تھا اور اب دونوں دست بدعا تھے - کرنیل احکام کا اور اس کی بیوی اپنی مصیبت کی منتظر تھی - کرنیل کو یقین تھا کہ عنقریب اس کو کرامویل کے سپاہی گرفتار کرنے آتے ہوں گے - اور اس خوف سے اس کی بیوی لرزاں تھی -

ان کی ایک لڑکی سات سال کی عمر کی ان دونوں کو نہایت عزیز تھی - کرنیل نے یہ خیال کر کے کہ اب اس کے سونے کا وقت آگیا ہے اور وہ پلنگ پر جانے سے پہلے والدین سے رخصت ہونے اور ان کی دعائیں لینے آتی ہوگی - اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے آنسو پونچھ لو - اور لڑکی کے خیال سے اپنی ہمت مضبوط رکھو - اس کی دلجمعی کے لئے ہم کو اپنی آنے والی مصیبت تھوڑی دیر کے لئے بھول جانے کی کوشش کرنی چاہئے - بیوی نے اس رائے سے اتفاق کیا مگر یہ کہا کہ میرا دل پاش پاش ہو رہا ہے - اور میرے آنسو کسی طرح نہیں تھمتے - کرنیل نے کہا جو مصیبت خدا نازل کرے اس کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنا ہمارا فرض ہے - مصیبت بھی اس کے حکم سے آتی ہے اور اس میں بھی کوئی نہ کوئی بھلائی ہماری یا ہماری اولاد کی ہے - اب وہ لڑکی جس کے بال گھونگروالے اور جو شب خوابی کا لباس پہنے تھی چپکے سے کمرہ میں داخل ہوئی اور دوڑتی ہوئی اپنے باپ کے پاس چلی گئی - باپ نے اٹھا کر اسے سینہ سے لگایا - لڑکی نے کہا مجھے اتنا نہ بھینچو ورنہ میرے بالوں کے چھلے کھل کر سیدھے ہو جائیں گے - کرنیل نے جواب دیا کہ تم نے سچ کہا مجھے خیال نہیں رہا تھا اور میں اپنی پریشانی میں مبتلا تھا - معاف کرنا لڑکی نے متعجب ہو کر پوچھا کہ کیا تم سچ مچ پریشان ہو؟ یا مجھ سے بہانہ کرتے ہو؟ باپ یہ کہہ کر کہ اس کا اندازہ تم خود کر سکو گی رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا - یہ حال دیکھ کر لڑکی بھی رونے لگی

اور باپ کی آنکھوں سے رومال ہٹا کر کہنے لگی کہ اب تم کیوں روتے ہو؟ کیا تمہیں اس خیال سے تکلیف ہے کہ میں نے تمہارے کسی حکم کی تعمیل نہیں کی؟ میں نے جان کر تم کو کوئی تکلیف نہیں دی اور نہ کبھی آئندہ دونگی۔ اس کا وعدہ کرتی ہوں۔ رومال اور ہاتھ ہٹانے کی کوشش جو لڑکی نے کی اس اثنا میں ایک مرتبہ اپنے باپ کی آنکھ خشک دیکھ کر بولی ابّا تم رو نہیں رہے ہو۔ بلکہ رونے کا مجھ سے بہانہ کر رہے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے اب میں تمہیں چھوڑ کر ماں کے پاس جاتی ہوں یہ کہکر لڑکی نے باپ کی گود سے اترنے کی کوشش کی مگر باپ نے اس کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی اور کہا کہ بے شک مجھ سے غلطی ہوئی اس کی پاداش میں تم جو فرمائش کروگی دن میں پوری کرونگا اب تم کو بھی اپنے آنسو پونچھ لینے چاہئیں۔ اور دیکھو تمہارے سر کے بالوں کے چھینٹے کچھ نہیں بگڑے۔ فرمائش کا نام سنکر لڑکی خوش ہو گئی۔ اور اشک شوئی کے بعد کہنے لگی کہ میری فرمائش اس وقت یہ ہے کہ مجھے کوئی اچھی کہانی سناؤ۔ باپ نے پوچھا کیسی کہانی سننا چاہتی ہو۔ ایسی کہانی جس کو سن کر ہنسی آئے؟ لڑکی نے جواب میں کہا نہیں ایسی کہانی جس سے خوف معلوم ہو۔

باپ چاہتا تھا کہ کوئی ہنسانے والی کہانی اس وقت سنائے مگر لڑکی اپنے ارادہ سے باز نہیں آئی۔ لڑکی نے یاد دلایا کہ تم نے وعدہ کیا ہے کہ میں جو کچھ کہوں گی اس کو پورا کروگے۔ اور تم ایک مذہبی آدمی ہو جس کا فرض ہے کہ اپنے قول کو پورا کرے۔ ایسی کہانی جس سے ہنسی آئے ہمیشہ نہیں سننی چاہئے۔ کیونکہ نرس (کھلائی) مجھ سے کہتی تھی کہ ساری عمر ہنسی خوشی میں بسر نہیں ہوا کرتی۔ کیا یہ سچ ہے؟ اور ضرور سچ ہوگا۔ ورنہ نرس یہ نہ کہتی۔ لڑکی کی یہ باتیں سنکر اس کی ماں نے ایک سرد آہ کھینچی اور رنج و غم کے سمندر میں پھر غوطے کھانے لگی۔ باپ نے آہستگی سے جواب دیا یہ سچ ہے۔ زندگی میں فکر و پریشانی بھی پیش آتی ہے جس سے تکلیف پہنچتی ہے لڑکی نے کہا ایسی کہانی میں سننا چاہتی ہوں۔ کہ ایسی کہانی ہو جس کو سنکر رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور یہ معلوم ہو کہ ایسی مصیبت ہم پر آنے والی ہے۔ یہ کہکر لڑکی نے ماں کی طرف اشارہ کیا کہ تم قریب آجاؤ اور میرا ایک ہاتھ تھام لو تاکہ اگر مجھے خوف زیادہ معلوم ہو تو تمہارے ہاتھ تھامنے سے مجھے تسکین و تسلی رہے۔ پھر لڑکی نے باپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب کہانی شروع کردو۔ باپ نے کہا بہت اچھا۔

ایک زمانہ میں ایک فوج میں تین کرنیل تھے۔ لڑکی نے کہا بہت اچھا۔ میں کرنیلوں کو

خوب جانتی ہوں کیونکہ تم بھی ایک کرنیل ہو اور کرنیل کی وردی بھی خوب پہچانتی ہوں - اب آگے کہو - باپ نے پھر کہا کہ ایک لڑائی میں ان تینوں افسروں سے ایک حکم عدولی ہوگئی - یہ جملہ لڑکی نے کبھی نہیں سنا تھا اس لئے اس نے متعجبانہ سر اٹھا کر دریافت کیا کہ حکم عدولی کیا کوئی کھانے کی مزیدار چیز ہے ؟ باپ نے جواب دیا کہ نہیں یوں سمجھو کہ ان افسروں نے حکم نہیں مانا اور نافرمانی کی - لڑکی نے نافرمانی کے لئے پھر پوچھنا چاہا کہ کیا یہ کوئی چیز . . . . . باپ نے کہا کہ نہیں یہ کوئی کھانے پینے کی چیزیں نہیں ہیں - لڑائی میں ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ دشمن کی طاقت جہاں سب سے زیادہ ہو اس مقام پر حملہ کریں اور جب دشمن مقابلہ کے لئے باہر نکل آئے تو اس کے آگے سے ہٹکر چلے آئیں تاکہ غنیم کی فوج کا زیادہ حصہ ان تینوں کرنیلوں کی فوج کا پیچھا کرنے میں مشغول ہو جائے اور ان کے بقیہ لشکر کو بحفاظت پسپا ہونے کا موقع ملے - مگر جب لڑائی شروع ہوئی اور ان تینوں کرنیلوں سے دشمن نے مقابلہ کیا تو یہ تینوں افسر بجائے پیچھے ہٹنے کے (جیسا کہ ان کو حکم دیا گیا تھا) آگے بڑھتے چلے گئے - حسن اتفاق سے ان کے اس طرز عمل سے دشمن کو شکست اور سلطنت انگلستان کو فتح ہوئی - مگر باوجود اس فتح کے چونکہ انہوں نے ہدایت کے خلاف عمل کیا تھا ان کا جنرل جو اب فرمانروائے انگلستان ہے ان سے بہت ناخوش ہوا - اور اس نے حکم دیا کہ ان تینوں پر مقدمہ چلایا جائے - لڑکی نے متعجب ہو کر پوچھا کہ کیا جنرل کرامویل نے یہ حکم دیا ؟ باپ نے کہا - ہاں - لڑکی نے پھر کہا کہ میں نے جنرل کرامویل کو دیکھا ہے وہ ہمارے گھر کے آگے سڑک پر سے اپنے سپاہیوں سمیت کئی دفعہ گذر چکے ہیں - چہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا عقلمند - بہادر اور سخت افسر ہے - اور اس کے سپاہی ہمیشہ اس سے بہت ڈرتے رہتے ہیں - مگر مجھکو تو کبھی اس سے ڈر نہیں لگا - کیونکہ اس نے کبھی خوفناک نظر سے میری طرف نہیں دیکھا - باپ نے کہا کہ ایسا ہوا ہوگا - مگر اس کے حکم سے یہ تینوں کرنیل گرفتار ہو کر قید میں بھیجے گئے - اور یہ حکم دیا گیا کہ فوجی کونسل کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہونے سے پہلے ان کو آخری موقعہ دیا جائے کہ اپنے بال بچوں سے رخصت ہو آئیں -

اب باہر سے کسی قدر شور وغل کی آواز آنے لگی - پھر ایسا معلوم ہوا کہ فوجی سپاہی قدم جمائے مکان کی طرف آرہے ہیں یہ آواز سنکر ماں سہم گئی - اور رنج وغم کے بوجھ سے اس کی کمر جھک گئی - لڑکی نے متعجب ہو کر پوچھا کہ کیا یہ کہانی سچی ہے ؟ باپ - ہاں بالکل سچی - لڑکی - یہ تو بہت اچھی بات ہے - میں یہ سنکر بہت خوش ہوئی - اماں یہ کیا ہوا ؟ ماں کو روتا دیکھکر

لڑکی پوچھنے لگی کہ تم کیوں روتی ہو؟ ماں نے جواب دیا کچھ نہیں میں ان تینوں افسروں کے غمزدہ رشتہ داروں کا خیال کرکے روتی ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ رونے کی کچھ ضرورت نہیں۔ کہانیوں کا انجام ہمیشہ اچھا ہوا کرتا ہے۔ تم چپ چاپ سنتی رہو۔ پھر کیا ہوا؟ باپ نے کہا کہ ان تینوں افسروں کو جب اپنے بال بچوں سے ملنے کی اجازت دی گئی تو وہ نہایت خوش خوش اپنے گھر آئے ان کے بچے بہت تھے سب سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ لڑکی نے ماں سے مخاطب ہوکر کہا کہ دیکھو اب قصہ کا رخ پلٹا ہے۔ تم ناحق رنج کرتی ہو۔ باپ نے کہا کہ تینوں افسر اپنے بال بچوں سے ملکر تاریخ مقررہ پر قلعہ میں فوجی عدالت کے سامنے حاضر ہوئے تو وہاں ان کے مقدمہ کی تحقیقات ہوئی اور ان کے جوابات لئے گئے اور عدالت ایک گھنٹہ تک ان سے مختلف باتیں پوچھتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو موت کا حکم سنایا گیا اور اب ان کو برابر کھڑا کرکے گولی ماردی جائے گی۔ لڑکی نے متعجب ہوکر پوچھا کیا یہ سچ ہے؟ باپ۔ ہاں بالکل سچ ہے۔ لڑکی۔ کہانی کا یہ حصہ خراب ہے۔ مگر (ماں سے مخاطب ہوکر) تمہیں رونا نہیں چاہئے۔ تھوڑی دیر میں کہانی پھر پلٹا کھائے گی۔ پھر کیا ہوا؟ باپ پھر تینوں کرنیل . . . ۔ لڑکی۔ کیا تم ان کو جانتے ہو؟ باپ۔ ہاں بہت اچھی طرح۔ لڑکی۔ میں بھی ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے کرنیل بہت پسند ہیں۔ ان کی وردی مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ کیا وہ مجھ سے ملنا پسند کریں گے؟ باپ آبدیدہ ہوکر۔ ان میں سے ایک تو ضرور تم سے ملکر نہایت خوش ہوگا۔ لڑکی۔ میں ان سے کہوں گی کہ میرا باپ بھی مثل تمہارے کرنیل ہے اور وہ بھی لڑائی میں غالباً ایسا ہی عمل کرتا جیسا آپ نے کیا۔ اس لئے آپ لوگوں کو بالکل گھبرانا نہیں چاہئے۔ اور آپ نے کوئی حرکت ایسی نہیں کی جو باعث شرم یا قابل اعتراض ہو۔ (ماں کی طرف مخاطب ہوکر) تم ناحق روتی ہو کہانی اب پلٹا کھانے والی ہے۔ صبر سے آخر تک سنتی رہو (باپ سے مخاطب ہوکر) پھر کیا ہوا باپ۔ حکم سنانے کے بعد فوجی عدالت کے ججوں نے اپنے فیصلہ پر نہایت افسوس کیا۔ اور فرمانفرمائے انگلستان کے حضور میں حاضر ہوکر انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اپنا فرض منصبی ادا کیا ہے۔ مگر مجرم شاہانہ ترحم کے ضرور مستحق ہیں جس کا اختیار سوائے آپ کے اور کسی کو حاصل نہیں۔ کم از کم ہماری یہ سفارش ہے کہ تینوں کے بجائے صرف ایک افسر کے گولی ماری جائے جو عبرت عام اور فوج میں رعب او تعمیل احکام قایم رکھنے کے لئے بہت کافی ہوگا۔ یہ سنکر کراموین ناخوش ہوا اور کہنے لگا کہ تم اپنا بوجھ سر سے اتار کر میرے

کندھوں پر ڈالنا چاہتے ہو۔ میں کوئی ایسی بات نہیں کرسکتا جو ایک سپاہی کی شان کے خلاف ہو۔ ہر سپاہی اور ہر فوجی افسر کا فرض ہے کہ احکام کی پوری تعمیل بلاکسی قسم کی حجت و حکایت یا چون و چرا کے فوراً وقت پر کرے۔ تم نے اس سنگین جرم کی پاداش میں جو سزا عائد کی ہے وہ بالکل قانون و انصاف کے مطابق ہے۔ جواب میں ججوں نے عرض کیا کہ جب حضور غور فرمائیں گے تو بنظر بہ حالات خاص ہماری سفارش بے جا نہ پائیں گے اور اگر ہم کو خداوہ مرتبہ عطا کرتا جو اس نے حضور کو عطا کردیا ہے۔ اور ترحم شاہانہ کا اجرا ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم اس قدر اور عرض کریں گے کہ ایسی سفارش ہم لوگ ضرور منظور کرتے۔ یہ سنکر کرامویل کا غصہ رفع ہوگیا اور وہ کسی قدر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر یہ کہکر کہ آپ لوگ ٹھہرئیے میں ابھی آتا ہوں وہ ایک علیحدہ کمرہ میں گیا۔ اور جیسا کہ مشکلات کے رونما ہونے پر اس کی عادت تھی اس نے سر بسجود ہوکر دعا مانگی اور خدا سے ہدایت اور رہنمائی طلب کی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد کرامویل نے آکر یہ حکم صادر کیا کہ ان تینوں مجرموں کو قرعہ اندازی کی اجازت ہوگی جس کے نام قرعہ نکلے گا اس کو گولی ماردی جائے گی۔ اور بقیہ دو کی جان بخشی کی جائے گی۔ لڑکی پھر کس کے نام موت کا قرعہ نکلا؟ ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا۔ مجرموں سے کہا گیا کہ ان میں سے جو چاہے موت کا قرعہ اٹھالے۔ بقیہ دو چھوڑ دیئے جائیں گے مگر ان میں سے کوئی اس پر رضامند نہیں ہوا۔ کیونکہ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے جو کوئی موت کا قرعہ دانستہ یا نادانستہ اٹھائیگا وہ گویا خودکشی کرے گا۔ اور خودکشی کی مذہب اجازت نہیں دیتا۔ بائیبل میں اس کی ممانعت صاف لفظوں میں تحریر ہے۔ اس لئے تینوں نے یہ جواب بھیجا کہ ہماری نسبت جو حکم صادر ہو اس کی تعمیل میں سرمو ہمکو عذر نہیں ہے مگر ہم اپنے ہاتھ سے قرعہ اندازی مذہباً جائز نہیں سمجھتے۔ لڑکی پھر کیا ہوا؟ اس کا نتیجہ غالباً یہ ہوگا کہ تینوں کو گولی ماردی جائے گی۔ مگر یہ آواز کاہے کی ہے۔ سنتے ہو۔ چند منٹ بعد سپاہیوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور پکار کر کہا کہ فرمانفرمائے انگلستان کے حکم سے ہمیں اندر آنے دو۔ لڑکی نے خوش ہوکر کہا میں یہ آواز پہچانتی ہوں اور دروازہ کھولتی ہوں۔ دروازہ کھلا تو سپاہی معہ ایک افسر کے اندر داخل ہوئے۔ اور قطار باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے افسر نے کرنیل کو فوجی سلام کیا۔ کرنیل نے سلام کا جواب دیا۔ کرنیل کی بیوی ایک تصویر غم بنکر بے حس و حرکت کھڑی ہوگئی۔ لڑکی سپاہیوں کی وردیاں دیکھکر خوش ہونے لگی۔ افسر کے اشارہ سے کرنیل

آگے بڑھا۔ تو افسر نے سپاہیوں کو قلعہ کی طرف واپسی کا حکم دیا۔ کمرہ میں جب لڑکی اور اس کی ماں تنہا رہ گئیں تو لڑکی نے اس نظارہ کی دلفریبی پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اپنی ماں سے کہا کہ جیسا میں پہلے کہتی تھی کہانی کا انجام ضرور اچھا ہوتا ہے یہ سب قلعہ کی سیر کو گئے ہیں اور ابا کو ساتھ لے گئے ہیں۔ دوسرے دن صبح کو لڑکی کی ماں اس قدر بیمار ہو گئی کہ بستر سے اٹھ نہیں سکتی تھی۔ ڈاکٹر اور نرس نے لڑکی کی موجودگی ماں کے پاس مضر سمجھکر لڑکی کو اندر نہ آنے دیا اور اس کو باہر کھیلنے کی ہدایت کی۔ لڑکی وہاں بہت دیر تک کھیلتی رہی۔ پھر اس کو خیال آیا کہ میرا باپ قلعہ میں نہیں معلوم اب تک کیا کرتا ہوگا اور میری ماں کی طبیعت اب نہ معلوم کیسی ہو اس کے ایک گھنٹہ بعد فوجی عدالت کے ججوں نے فرمانفرمائے انگلستان کے حضور میں آکر اپنے میر مجلس کے ذریعہ سے عرض کی کہ ہم نے تینوں مجرموں کو بہت سمجھایا مگر وہ باز نہیں آئے۔ وہ اس امر پر رضامند ہیں کہ تینوں کو گولی ماردی جائے لیکن خود یہ انتخاب نہیں کرنا چاہتے۔ کہ کون سے دو ان میں سے چھوڑ دیئے جائیں اور کس فرد واحد کو گولی ماردی جائے۔ یہ سنکر کرامویل نے کسی قدر تامل کے بعد یہ حکم دیا کہ اگر وہ قرعہ اندازی خود نہیں کرنا چاہتے تو کسی اور کے ذریعہ سے قرعہ اندازی کی جائے۔ پھر یہ حکم دیا کہ تینوں افسروں کو بلا کر قریب کے کمرہ میں اس طرح کھڑا کیا جائے کہ ان کے چہرے دیوار کے رخ اور ان کے دونوں ہاتھ پس پشت ہوں۔ پھر ایک خادم کو حکم دیا کہ محل کے باہر بازار میں پہلا بچہ جو نظر پڑے اس کو حاضر لاؤ۔ ان احکام کی تعمیل فی الفور کی گئی اور کرنیل مے فیر کی لڑکی جو اپنے باپ کی تلاش میں قلعہ کی طرف جا رہی تھی۔ خادم کو باہر نکلتے ہی راستہ میں ملی۔ وہ اسے پکڑ لایا اور کرامویل کے روبرو پیش کر دیا۔

کرامویل ایسا شخص تھا جس کے سامنے آتے ہوئے بڑے بڑے بہادر تھراتے تھے مگر یہ لڑکی بلا تکلف نہایت شاداں و فرحاں داخل ہوئی۔ اور کرامویل کو دیکھکر اس کی گود میں چڑھ گئی اور اس کے گھٹنوں پر بیٹھ کر کہنے لگی کہ میں آپ کو خوب جانتی ہوں آپ فرمانفرمائے انگلستان ہیں۔ میں نے آپ کو اپنے گھر کے آگے سے گذرتے ہوئے کئی دفعہ دیکھا ہے میں سنتی ہوں کہ لوگ آپ سے ڈرتے ہیں مگر مجھے تو کچھ بھی ڈر نہیں لگتا کیونکہ آپ نے میری طرف کبھی غصہ کی نظر سے نہیں دیکھا۔ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں وہی ہوں جو پچھلی دفعہ گلابی کپڑے نیلے فیتے سے بندھے ہوئے پہنے تھی۔ کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟

سنکر کراموبل مسکرایا اور کہنے لگا کہ بے شک یہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تم کو پہچانا نہیں۔ لڑکی چڑکر بولی کہ پہچانا تو ضرور ہوگا مگر یہ کہیئے کہ آپ کو یاد نہیں رہا۔ مجھے تو آپ خوب یاد ہیں۔ کراموبل نے کہا کہ بے شک یہ میرا قصور ہے۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تم کو کبھی نہ بھولونگا۔ لڑکی نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ ممکن ہے کہ آپ بھول جاتے ہوں۔ مجھے بھی کبھی کبھی کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ کراموبل، تم کو دیکھکر مجھے اپنی چھوٹی لڑکی یاد آتی ہے جو کسی زمانہ میں تمہاری طرح بے خوف تھی۔ اور اجنبیوں میں بلا تکلیف جا بیٹھتی اور سب کو اپنی باتوں سے گرویدہ کرلیتی تھی۔ وہ مجھ پر حکم رانی کیا کرتی تھی۔ اور میں اس کے حکم کی تعمیل کیا کرتا تھا آئندہ تمہاری خوشیاں پوری کردینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ یہ سنکر لڑکی بہت خوش ہوئی۔ پھر باہر فوج کے گذرنے کی آواز سنکر لڑکی نے کہا کہ سپاہی جارہے ہیں۔ میں انہیں دیکھنے جاتی ہوں۔ کراموبل نے کہا کہ انہیں بھی دیکھنا مگر اس وقت میں نے تمہیں ایک اور ضروری کام کے لئے بلایا ہے۔ پھر ایک افسر دروازہ پر آیا اور جھک کر سلام کرکے بولا کہ وہ تینوں افسر برابر کے کمرہ میں بموجب حکم کھڑے کردیئے گئے ہیں۔ یہ کہکر پھر سلام کرکے وہ افسر باہر چلا گیا اب کراموبل نے تینوں ٹکیاں نکال کر لڑکی کے حوالے کردیں ان میں سے دو سفید اور ایک گہرے سرخ رنگ کی تھی۔ لڑکی پر یہ امر ظاہر نہیں کیا گیا مگر مقصود یہ تھا کہ سرخ ٹکیہ جس مجرم کے ہاتھ پر لڑکی رکھ دیگی اس کو گولی ماردی جائیگی۔ لڑکی کہنے لگی یہ سرخ ٹکیہ نہایت خوش رنگ ہے۔ یہ تینوں ٹکیاں آپ نے مجھے دی ہیں؟ کراموبل نے کہا نہیں یہ تمہارے لئے نہیں ہیں۔ یہ سامنے کا پردہ اٹھا کر جاؤ برابر کے کمرہ میں تمہیں تین آدمی ایک قطار میں کھڑے نظر آئیں گے۔ ان کا منہ دیوار کی طرف اور پیٹھ تمہاری طرف ہوگی اور دونوں ہاتھ پیٹھ کی طرف کھلے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ٹکیہ رکھدینا یہ سنکر لڑکی گود سے اتر کر اور پردہ اٹھا کر دوسرے کمرہ میں داخل ہوئی۔ لڑکی چلی گئی تو کراموبل سوچنے لگا کہ نہیں معلوم ان تینوں مجرموں میں سزائے موت کا مستحق کون ہے۔ مگر اس کے فیصلہ کے لئے خدا نے یہ معصوم فرشتہ میرے پاس بھیجا ہے۔ جس کے لئے خدا کا حکم ہوگا اس کے ہاتھ میں یہ معصوم ٹکیہ رکھدے گی یمیت من تشاء و یحیی من تشا (تو جس کو چاہتا ہے مارتا ہے جس کو چاہتا ہے جلاتا ہے) پردہ اٹھا کر لڑکی دوسرے کمرہ میں داخل ہوئی تو تینوں افسروں کی طرف غور سے دیکھنے لگی

اپنے باپ کی پیٹھ پہچان کر لڑکی ہنس پڑی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ سب سے خوش رنگ ٹکیہ مجھے اپنے باپ کو دینی چاہیے۔ پھر پہلے دو سفید ٹکیاں دوسرے افسروں کے ہاتھ میں رکھ کر تیسری سرخ ٹکیہ اس نے باپ کے ہاتھ میں رکھدی اور خوش ہوکر بولی دیکھو تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ایسی چمکتی ہوئی ٹکیہ میں نے تمہیں دی ہے۔ ٹکیہ دیکھکر کرنیل مے فیر کا رنگ فق ہوگیا۔ اور دعا مانگنے کے لئے اس نے اپنے گھٹنے زمین پر ٹکا دیئے۔ پھر اپنے معصوم جلاد کو سینے سے لگا کر اسے رخصت کیا۔ جو اور افسر سپاہی اس کمرہ میں کھڑے ہوئے یہ حالات دیکھ رہے تھے وہ آبدیدہ ہو گئے۔ پھر سپاہیوں کا افسر لڑکی کے باپ کی طرف بڑھا اور سلام کر کے کہنے لگا کہ مجھے نہایت رنج ہے مگر میں اپنے فرض منصبی سے مجبور ہوں۔ لڑکی بولی کیا مجبوری ہے؟ افسر نے کہا کہ میں انہیں قلعہ کو لئے جاتا ہوں۔ لڑکی بولی یہ مناسب نہیں کیونکہ میری ماں بہت بیمار ہے میں اپنے باپ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤنگی۔ یہ کہکر لڑکی باپ کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے لگی۔ باپ نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں آسکتا۔ مجھے ان سپاہیوں کے ساتھ جانے دو۔ یہ سنکر لڑکی کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ سپاہیوں کے افسر نے مارچ کا حکم دیا سپاہیوں نے بندوقیں کندھوں پر رکھ لیں اور کرنیل مے فیر کو ساتھ لے کر باہر نکل آئے لڑکی خوفزدہ ہوکر کرامویل کے پاس گئی اور اس کی انگلی پکڑ کر کرامویل کو اپنے ساتھ باہر لائی اور کہنے لگی کہ ان سپاہیوں کو منع کیجئے۔ کیونکہ میری ماں بہت بیمار ہے۔ میں نے ان سے بہت کہا مگر یہ سپاہی میری کچھ نہیں سنتے۔ اور میرے باپ کو لئے جاتے ہیں۔ کرامویل نے متعجب ہوکر پوچھا کیا یہ تمہارا باپ ہے؟ لڑکی نے کہا۔ ہاں۔ یہ کب ممکن تھا کہ سب سے زیادہ خوش رنگ ٹکیہ میں اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے کو دیدیتی۔ یہ سنکر کرامویل کا چہرہ متغیر ہوگیا اور اس نے دل میں کہا کہ شیطان نے مجھ کو گمراہ کردیا۔ اور مجھ سے ایسا گناہ سرزد ہوا جو لاعلاج ہے۔ میں اب کیا کروں۔ لڑکی نے یہ سنکر کہا کہ آپ صرف ان سپاہیوں کو یہ حکم دیجئے کہ میرے باپ کو چھوڑ دیں۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ میری خواہش اسی طرح پوری کریں گے۔ جیسے اپنی لڑکی کی۔ اور میری ایک یہی فرمائش ہے۔ یہ کہکر لڑکی رونے لگی۔ یہ سنکر کرامویل بیٹھ گیا اور اپنا سر اپنے ہاتھوں پر رکھ کر کچھ عرصہ تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا کہ ایفاء وعدہ (جاہے جس سے کیا گیا ہو) میرا فرض ہے۔ پھر سپاہیوں کے افسر کو کرامویل نے حکم دیا کہ قیدی کو چھوڑ دو۔ میں نے اس کا قصور معاف کیا۔

(شیبانی)

جذبات محمود

کیا بات تھی کہ زیست سے بیزار ہو گئے
اک آہ بھر کے ختم جو بیمار ہو گئے

چھلکی نگاہ مست کے ساغر سے وہ شراب
میخوار جتنے بیٹھے تھے سرشار ہو گئے

اللہ رے برق حسن خود سوز کی چمک
دیکھا جنہوں نے نقش بدیوار ہو گئے

کیا جانے کیا ملا تھا ہمارے خمیر میں
ساقی کے ایک جام سے سرشار ہو گئے

یہ اک طلسم بندیِ اوہام عشق تھی
جو اہل درد زیست سے بیزار ہو گئے

جب داستان ظلم سنی بزم ناز نے
سب اہل درد میرے ہی غمخوار ہو گئے

پھونکی وہ روح حسن نے عالم کے جسم میں
سوئے ہوئے "الست" کے بیدار ہو گئے

جب دب سکی نہ ہجر کی شب آہ بے تاب و تش
اٹھے جو شعلے سر سے شرر بار ہو گئے

روز ازل کی وعدہ وفائی کا تھا خیال
ہم قید غم میں خود ہی گرفتار ہو گئے

اللہ رے تیرے حسن دل افروز کا اثر
جو داغ تھے جگر میں ضیا بار ہو گئے

گم نے ہی کو تھے منزل ظلمت پہ ہم مگر
چمکی جو برق حسن - خبردار ہو گئے

محمود اب ازل کی وہ آزادیاں کہاں
قید جہاں میں ہم بھی گرفتار ہو گئے

(محمود علی خاں عرف آغا علی خاں تعلقہ دار)

قصر سفید

عراق کے لق و دق میدان میں کوئی مقام قابل نظارہ نہیں ہے - اس میدان کو دخار دریاؤں کا عطیہ کہنا چاہیے - اگر اسے دجلہ اور فرات سیراب نہ کریں تو وحشت خیز دشت ہے - اسے گلاب شکستہ نہار اور کھنڈرات کا گورکھ دھندا - قدیمی نظام آبپاشی کا مدفن اور بڑی بڑی دلدلوں کا مجموعہ کہنا چاہیے - ہاں اس کے ٹیلوں کے نیچے کئی اجڑے ہوئے شہر دبے پڑے ہیں -

بغداد سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر - دجلہ کے مشرقی کنارہ پر محراب اصفہان ہے جو خسرو اول کے مشہور محل قصر سفید کا مزار ہے - دور سے دیوان عام کی محراب دار سقف ایک عظیم الشان

قوس کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ اصفہان بہت پرانا شہر ہے۔ ۵۳۱ء میں یہ ساسانی خاندان کے سب سے بڑے نامور بادشاہ خسرو اول کے زیر اقتدار تھا۔ قصر سفید جسے محل خسروی بھی کہتے ہیں اسی نے بنوایا

یہ قصر ساسانی صناعی کی بہترین اور عظیم الشان مثال تھا۔ اس کا طول چار سو پچاس۔ عرض ایک سو اسی اور بُعد ایک سو پچاس فٹ تھا۔ اس کا برآمدہ میں بلند سنگ مرمر کے پیل پایوں پر معتمد تھا۔ درمیان میں ایک وسیع دالان سامنے سے کھلا ہوا تھا۔ اس کا طول ایک سو پندرہ فٹ اور بلندی پچاسی فٹ تھی۔ اس دالان کی چھت آسمانی رنگ کی تھی جس میں سونے کے ستارے جگمگاتے تھے۔ ان کی چھت پر سیاروں اور منطقۃ البروج کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ محراب کے ماتھے پر بے شمار نیم دائرے پیچ در پیچ حلقہ زن ہیں۔ اس وسیع دیوان عام میں زریں تخت پر خسرو اول اجلاس فرماتا۔ اور معدلت گستری میں مشغول ہوتا تھا۔ دیوان عام کے اطراف میں چوکور محراب دار مسقف کمرے اور اطاق تھے۔ اب نابود ہیں۔ لیکن درمیانی حصہ عمارت جس کا مشرق کی طرف رخ ہے اور اس حصہ کے دلکش دروازوں کے آثار۔ دوسری محراب دار خلوت سرائیں۔ بستر اور غلام گردش موجود ہیں۔

۶۳۷ء میں قدسیہ کی مشہور فتح کے بعد دفعتاً سعد اس شہر میں داخل ہوا اور قیامت برپا کر دی۔ باشندوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ شہر خالی ہو گیا۔ ظفریاب سعد کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس نے قصر سفید کو مسجد قرار دیا۔ اور جمعہ کی نماز وہاں ادا کی۔

عربوں کو اصفہان کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ شہر کو بے چراغ کر کے کوفہ۔ بغداد۔ اور بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ اصفہان کی اینٹ سے اینٹ بجا گئے۔ مگر قصر سفید کی عمارت زلزلوں اور طوفانوں پر خندہ زن تھی۔ وہ کلہاڑی اور بیلچوں کو کیا سمجھتی تھی۔ صدیاں گذر گئی ہیں اور وہ محراب بدستور موجود ہے۔

اصفہان کے اس زمانہ کی شان و شوکت کا حال کوئی کیا بیان کرے گویا خلیج فارس میں ایک یاقوت رمان تھا۔ زمین زرخیز تھی شہر باغات سے لبستاں سرا تھا۔ پھولوں کے تختے مرجھائے ہوئے دلوں کو شگفتہ کرتے تھے۔ میوہ دار درخت اور شیریں چشمے اور دلکش فوارے گلشن جنت کی یاد کو تازہ کرتے تھے۔ شہر کے قریب شکارگاہ تھی جس میں امرا شیر اور خرس کا شکار کھیلتے تھے۔

شہر میں شاہی قصر۔ امرا کے محل اور مقدس عبادتگاہیں اس کثرت سے تھیں کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

جب سعد نے شہر کو لوٹا تو اسے کئی خزانے۔ سونے اور چاندی کی اینٹیں۔ بیش بہا پوشاکیں جواہرات۔ جواہر نگار سلاح۔ مشک۔ کافور۔ عنبر اور زعفران۔ ہاتھ آئے۔ اسے ایک سونے کا گھوڑا ملا۔ جس کے دانت یاقوت کے۔ گردن لعل بدخشاں کی۔ زین چاندی اور ساز سونے کا تھا۔ اسے ایک چاندی کی اونٹنی بھی ملی۔ جس کے ساتھ شتر کرہ سونے کا تھا۔ خسرو کے سلاح خانہ سے اسے کئی زمرد نگار خود اور بیش بہا سامان حرب ملا جس میں حضرت سلیمان کے چھ خنجر اور ایک شمشیر تھی۔ سب سے بیش بہا اور نایاب شے قالین جشن تھا یہ ساٹھ مکعب فٹ عریض اور ستر مکعب فٹ طویل تھا۔ اس قالین پر ایک باغ بنا ہوا تھا جس کی زمین سونے کی تھی اور روشیں چاندی کی چراگاہیں یاقوت کی چشمے موتیوں کے درخت اور پھل پھول۔ ہیروں زمرد۔ نیلم اور دیگر جواہرات کے بیت المال کا پانچواں حصہ نکال کر جب مال غنیمت ساٹھ ہزار سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا تو ہر سپاہی کے حصہ میں آج وقت سکہ کے حساب سے مبلغ چار ہزار چھ سو ساٹھ روپے آئے۔

اس وقت نگاہ کیجئے تو وہ شان وشوکت خواب وخیال ہے۔ کہاں ہے وہ دولت حشمت جس کی شہرت سنکر حملہ آوروں کے دہان آز میں پانی بھر آیا۔ کہاں ہیں وہ فلک سیر حصار اور فصیلیں اور وہ شکست ظفر کے نظارے۔ اب ان کی ہستی محض فسانہ ہے اب وہاں اجڑے ہوئے کھنڈرات اداسی کی تصویر دکھا رہے ہیں۔ جنگل سائیں سائیں کرتا ہے۔ اور انسانی تزک واحتشام کی چند روزہ اور فانی ہستی کا سوگ وار ہے البتہ وہ سال خوردہ دریا ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہوا سرکنڈوں سے گذرتا ہے۔ اور سروصنوبر ہوا کو برباد شدہ اصفہان کی معدوم شوکت کا مرثیہ سناتا ہے۔

(حمزہ خاں)

تاثرات

دوروز میں شباب کا عالم گذر گیا
بیمار غم مسیح کو حیران کر گیا

بدنام کرنے آیا تھا بدنام کر گیا
اٹھا۔ جھکا۔ سلام کیا۔ گر کے مر گیا

دیکھو یہ دل لگی کہ سرِ رہگذارِ حسن
اک اک سے پوچھتا ہوں مرا دل کدھر گیا

گذرے ہوئے زمانہ کا اب تذکرہ ہی کیا
اچھا گذر گیا بہت اچھا گذر گیا

تادم ہوا جو دل انہیں بے چین دیکھکر
گھبرا کے آہ نے یہ صدا دی اثر گیا

اے چارہ گر منا مرے تیغ آزما کی خیر
اب دردِ سر کی فکر نہ کر دردِ سر گیا

جلوہ دکھا کے چھپ گیا وہ شوخ اور ہمیں
دقف تراجِ مسجد و بت خانہ کر گیا

شاید سمجھ گیا مرے طولِ مرض کا راز
اب چارہ گر نہ آئیگا۔ اب چارہ گر گیا

اے میرے رونے والو! خدارا جواب دو
وہ بار بار پوچھتے ہیں کون مر گیا

اب ابتدائے عشق کا عالم کہاں حفیظ
کشتی میری ڈبو کے وہ دریا اتر گیا

(ابو الاثر حفیظ جالندھری)

گل و بلبل

بلبلو باغ میں پر فصلِ بہار آئی ہے
پھر وہی گل ہے وہی شغلِ جبیں سائی ہے

باعثِ شہرتِ گل انجمن آرائی ہے
سخت نادان ہے بلبل کہ تمنائی ہے

ہاں دکھا خوب تماشے ترے رنگ و بو کے
تیری اے گل تری بلبل بھی تماشائی ہے

کس لئے چاک کیا گل نے گریباں اپنا ؟
باغ میں نالۂ بلبل کی صدا آئی ہے ؟

لے نکال آج تو دل کھول کے ارمان دل کے
گل بھی بلبل ترے نالوں کا تمنائی ہے

بے خودی دیکھ کے بلبل کی ہر گل بھی حیراں
خود تماشا بھی۔ تماشا ہے! تماشائی ہے

ایک عالم ہے کہ انداز وفا پر ہے فدا
تیری ناہید بھی بلبل تری شیدائی ہے

"ناهید"

(از حیدر آباد دکن)

قطعۂ تاریخ وفات

حضرت نواب الحاج سر فتح علی خاں قزلباش کے۔ سی۔ آئی۔ ای سی۔ آئی۔ ای مرحوم رئیس اعظم لاہور و بانی شیعہ کالج لکھنؤ طاب ثراہ

نتیجۂ فکر فخر الواعظین مولانا سبط حسن صاحب لکھنوی

اے دریغ از انقلاب دہر و دوران فلک — در قدم لغزش انسان و در سرم گردش ازیں
سد بابِ غم افزاید بہ ہش بامزن — شد کف دریائے خوں بر دیدہ تر آستیں
آں حریق تاب وایں دیگر غریقِ آب او — سوز مہرش آنچناں و موج بحرش آنچنیں
جاں رود از تن کہ تن از جاں رود معنی یکیست — گر نگیں از خاتم افتد گاہ خاتم از نگیں
ایں عجب نبود کہ ریزد سبز برگے را خزاں — ایں عجب بنود کہ سر برد عدو را تیغ کیں
ایں عجب باشد کہ از توقیع فرمان قضا — آسمان را آسماں چوں نقش غم زد بر زمیں
حیف نواب فلک رفعت فریدوں اقتدار — مجد را فرمانروا و جاہ را مسند نشیں،
حضرت فتح علیخاں فاتح ملک کرم، — دشمن بغی و ضلالت حامی ایمان و دیں
وصف از دامانِ قول افزوں بود وقت شمار — ایں بس است او را کہ گویندش ظہیر المومنیں
چرخ ایں آئینۂ دل را شکست از سنگ موت — صورت احوال را در کرجائے فتح بیں
او ز دنیا رفت دہر سال رضوان جناں — بر در جنت صلا زد **ادخلوھا خالدیں**

۱۳۴۲ھ

ایضاً

(نتیجۂ فکر لسان القوم مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی)

ہاں لگا دے آگ اے دل پردۂ افلاک میں — ضبط کی طاقت کہاں اب سینۂ صد چاک میں
شیعوں میں لاہور کا نواب تھا فرد فرید — ایک ہی تھا پھول انبار خس و خاشاک میں

نام تھا نام خدا وہ فخر جس کے ہمرکاب — منزلت اک صید بستۂ حلقۂ فتراک میں
ہم تو سمجھے تھے کہ منڈھے اب چڑھے گی کالج کی بیل — یہ خبر تھی کیا کہ گردوں ہے ہماری تاک میں
فخرِ ملت جعفری مذہب رئیس القوم اٹھا — فردِ خیلِ پیروانِ صاحبِ لولاک میں
جب سے دیکھی ہے خبر ہمدم کے پرچہ میں چھپی — آگیا ہے زنگ سا آئینۂ ادراک میں
یکہ تازِ دشتِ ہمت شوخیاں تھیں کس قدر — تیری اس عمرِ رواں کے توسنِ چالاک میں
مرتے دم تک فکرِ کالج میں رہا سرگرمِ سعی — دردِ قوم ۔ ایثار ۔ سب کچھ تھا سرشتِ پاک میں
دیدیا تھا گو کہ اک مدت سے صحت نے جواب — تھا مگر دم خم وہی اس کے دلِ بے باک میں
انتظامِ شیعہ کالج نامکمل رہ گیا — لے گیا یہ داغ اپنے قلبِ حسرتناک میں
ہے زوالِ قوم مرگِ حضرتِ نواب حاج — آج شیعو! مل گئی بنیادِ کالج خاک میں

سنہ ۱۳۴۲ھ

ایضاً

نالہ کش در غمِ نواب قزلباش صفی — حیف در چشم زدن صحبتِ یاراں آخر شد
رفت گل از چمنِ دہر دگفتم تاریخ — روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

۱۹۷۳-۵۰ سنہ ۱۹۲۳ء

غزل

بسانِ نکہتِ گل ساتھ ہم صبا کے چلے — ہے آشنا وہ جو کہنے پہ آشنا کے چلے
فضائے دہر میں ہم مثلِ برق آکے چلے — تڑپ کے کاٹ دیا وقت مسکرا کے چلے
رواروی میں ہیں ہم سن لو قافلے والو — کہ جس کے ساتھ ہو دنیا قدم اٹھا کے چلے
مزارِ عشرتِ پیری ہوا اجل آئی — چراغِ صبح تھے گویا کہ جھلملا کے چلے
سنا ہے برق کو اک لاگ ہے بلندی سے — بشر نہ حد سے زیادہ بھی سر اٹھا کے چلے
خدا کے واسطے اے صبر و تاب و ہوش و خرد — کہاں چلے کہ مجھے بیڑیاں پنہا کے چلے
جب اپنی آنکھ ہوئی بند سب کی آنکھ کھلی — جو گہری نیند میں تھے ان کو ہم جگا کے چلے

(سید علی حیدر طباطبائی)

مولانا آزاد

(۱) آزاد خوش نہاد تو دنیا میں جی چکا — اے ذی وقار جامِ فنا تو بھی پی چکا
تیرا کفن بھی چرخِ ستمگار سی چکا — جھگڑا اقرار و ہوش و جنوں کا سبھی چکا
ثابت ہوا کہ زندگی تقصیرِ حباب تھی — گویا حیات آپ کی تصویرِ خواب تھی

(۲) کیا آپ کوئی پھول تھے وقفِ خزاں ہوئے ؟ — شاید شہاب تھے کہ چمک کر نہاں ہوئے ؟
حضرت ہما کا سایہ تھے ؟ کیوں بے نشاں ہوئے ؟ — اہل زباں تھے کس لئے خامش زباں ہوئے ؟
میری طرف تو دیکھئے کچھ منہ سے بولئے — نام خدا یہ عقدۂ سربستہ کھولئے

(۳) خورشیدِ نظمِ چرخ تم اے نیک ذات تھے — نثار بے مثال تھے جیتی کنات سے تھے
حاضر جواب زندہ دل و خوش صفات تھے — آزاد تم مصنفِ آبِ حیات تھے
وہ چشمہ آبِ خضر کا کیا خشک ہو گیا ؟ — استاد جا کے شہرِ خموشاں میں سو گیا

(۴) جس راہِ پُر خطر سے ہمارے نبیؐ گئے — وہ راستہ کہ جس سے جنابِ علیؑ گئے
غب زندہ دار غوث گئے اور ولی گئے — بچے جوان۔ پیر۔ غنی اور جلی گئے
آزاد جا کے وادیِ امید و بیم میں — اس راستے سے پہنچا ہے باغِ نعیم میں

(۵) خواب و خیال ہو گئیں وہ گل فشانیاں — آزاد تیرے قصے وہ تیری کہانیاں
اشعارِ ذوق اور ظفر کی نشانیاں — استاد تیرا لطف تری مہربانیاں
قصہ چکا دے بزمِ سخن سے ممات کا — پھر آکے اور دَور ہو آبِ حیات کا

(۶) آزاد گو جدا ہوا تو ہم سے آہ ہے — ہرچند تیرے سوگ میں عالم سیاہ ہے
لیکن یہ کہنا۔ فوت ہوا تو۔ گناہ ہے — زندہ ہے اور ہم میں تو شہرت پناہ ہے
تیرا کلام دردِ دلِ خاص و عام ہے — اور تیرے سر پہ تاجِ بقائے دوام ہے

(۷) تصویر تیری کاغذی اک خانقاہ ہے — مینارہ جس کا گنبد گردوں پناہ ہے
عظمت کو اس کی دیکھ کے خیرہ نگاہ ہے — قربان اس کی شان پہ عزت ہے جاہ ہے
اس میں دیئے بقا کے سدا جگمگاتے ہیں — پودے سدا بہار سدا لہلہاتے ہیں

(۸) ہم پردہ خانہ کا جس دم اٹھائیں گے — آزاد تجھکو زندۂ جاوید پائیں گے
تیرا کلام کانوں کو اپنے سنائیں گے — اور تیرا جلوہ نورِ بصیرت بنائیں گے

ارباب تیغ موت سے ڈرتے نہیں کبھی
اہل قلم جہان میں مرتے نہیں کبھی

(۹) یہ بیٹھے بیٹھے آنکھیں مری بند کیا ہوئیں
چند ھیا گئیں کہ محوِ شبیہِ فنا ہوئیں
کیا دو دیہین بن کے کہیں رہنما ہوئیں
دیکھا عجب تماشا ہے جس وقت وا ہوئیں
لاہور میں میں بیٹھا تھا اب آگیا کہاں
اس سرزمین کی ہے زمیں رشکِ آسماں

(۱۰) استادہ ایک خیمۂ فلک بارگاہ ہے
ہر کونا اک طلسم بلا اشتباہ ہے
اور اس میں تختِ نور پہ بیٹھا جو شاہ ہے
خورشید سے سوا ہے وہ اور کج کلاہ ہے
درباریوں کے حلقہ میں پیدا ہے ایک ہجوم
اور ان میں تاجدار ہے کالبدر فی النجوم

(۱۱) دربار کیا ہے منبعِ دریائے نور ہے
دربار کیا ہے رو کشِ صد کوہِ طور ہے
دربار کیا ہے غیرتِ جنت ضرور ہے
اور اس کا فرش صورتِ سیمائے حور ہے
بیٹھے ہیں اس میں شاعر و نقاد و اولیا
ہیں معتکف مورخ و اقطاب و انبیا

(۱۲) حیرت سے دیکھتا ہوں کبھی تاجدار کو
تکتا کبھی ہوں تختِ جواہر نگار کو
دیتا تسلی ہوں کبھی جانِ نزار کو
اور تھامتا کبھی ہوں دلِ بے قرار کو
اتنے میں دیکھتا ہوں کہ آزاد آگئے
گھبرا کے بولا میں مرے استاد آگئے

(۱۳) آئیے نہ مصنف دربارِ اکبری
سچے ترے نگینے ہیں اور ہم ہیں جوہری
شہرت رہے گی باغ جہاں میں تری ہری
اس وقت چونکہ دنیا میں ہے ماہِ جنوری
آ پہلی صف میں بیٹھ نہ اندوہگین ہو
دربار میں تھا کے تو کرسی نشین ہو

(۱۴) اب گردشِ جہان کی بلاخیز آندھیاں
اب چرخِ حیلہ ساز کی خونریز برچھیاں
اب انقلابِ دہر کی آتش فشانیاں
اب حاسدوں کا بغض و حسد کی ترانیاں
ممکن نہیں کہ یہ تری شہرت گھٹا سکیں
ان کی نہیں مجال کہ عزت گنوا سکیں

(۱۵) جب تک زبانِ اردو ہے جاری جہان میں
جب تک کہ دلی زندہ ہے ہندوستان میں
جب تک کہ رنگ زرد رہے زعفران میں
ہرگز خزاں نہ آئے ترے بوستان میں
آزاد نے یہ سن کے قدم جب بڑھا دیا
اکبر نے پاس فیضی کے اس کو بٹھا دیا

(۱۶) چلایا میں کہ مجھکو بھی حضرت بلائیے
استاد اپنے دل سے نہ مجھکو بھلائیے
اور اپنے زیرِ سایہ مجھے بھی بٹھائیے
فرمایا صبر کیجیے صبر آزمائیے
یہ سن کے اضطراب نے مجھکو اٹھا دیا
اور شورِ بانگِ مرغِ سحر نے جگا دیا

(بٹالہ)

چھ مشہور دوائیوں کا بکس

ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب دوائیں گذشتہ اسی سال سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں اسلئے قدیم خریداروں کو مخاطب کرنیکی ضرورت نہیں صرف نئے اصحاب کیلئے جو اشتہاری ادویات سے متنفر ہو گئے ہوں یقین دلانے اور آزمائش کیلئے یہ مندرجہ ذیل چھ مشہور اور مجرب ادویات کے نمونے کا بکس بنا ہو جس میں استعمال کافی ہر ایک ادویہ میں کہ آزمائش پورے طور سے ہو سکتی ہے،

دواؤں کا نام

دمہ کی دوا۔ دمہ کیسا ہی زور میں ہو۔ فوراً آرام دیتی ہے ٹانک ہر ایک کیلئے طاقت بڑھانیکی دوا مقوی باہ کی گولیاں جسمانی ادویہ فائدہ عرق کافور ہیضہ اور گرمی کے دست کی ایک دوا جلاب کی گولیاں خواب کے وقت کھالینے سے صبح کو خلاصہ اجابت ہوتی ہے عرق پودینہ سر درد شکم اور ریاحی درد کی دوا پوری حالت [illegible] طلب کرکے دیکھئے ادویات ہر جگہ دوکانداروں اور دوا فروشوں سے مل سکتی ہیں ورنہ کارخانہ سے طلب کیجئے

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

جلاب کی گولیاں۔ کاروباری آدمی کیلئے

کسی تکلیف کے دست خلاصہ لانیکی اکسیر گولیاں ہیں رات کو سوتے وقت دو گولیاں کھالیجئے دوسرے دن خلاصہ دست ہوجائیگا پیٹ میں گرمی اور مروڑ کچھ بھی نہیں ہوگی اور کھانے پینے میں کوئی احتیاط کرنیکی ضرورت نہیں ہے یہ گولیاں [illegible] ہیں اسلئے ہر ایک [illegible] کھانے وقت کوئی تکلیف اور بدذائقہ نہیں معلوم ہوتی ہر عمر کے لیے نہایت فائدہ کی چیز ہے۔ قیمت فی ڈبیہ (۸/)
محصول ۶ ڈبیہ تک چھ آنے (۶/)

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند اسٹریٹ کلکتہ

بدہضمی و بدہضمی کے دست کی ٹکیہ

غذا تحلیل نہو تو اسکو بدہضمی کہتے ہیں جیسے غذا کھانیکے بعد پیٹ کا بھاری رہنا پیٹ میں ریاح ہونا۔ جی متلانا کھٹی ڈکار آنا قوت ہاضمہ کے خراب ہو جانیسے ہوتا ہے جب غیر غذا کیجاوے تب پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوتی ہے اور پیٹ پھولتا ہے اور دست ہوتے ہیں اور اسوجہ سے جسم نحیف اور مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اس مرض کے ہونیکے اسباب یوں ہیں ضعیفی کا عالم کسی خاص بیماری کے بعد ضعف کا ہونا۔ کم کھانا سستی کا بیفائدہ ضایع ہونا زیادہ محنت تفکر و تردد یا غم یا اُن خرابیوں کی حالت میں جو بچہ جننے کیوقت ہوتی ہے ان باتوں کو غور کرکے ڈاکٹر برمن نے یہ بدہضمی کی ٹکیہ بنائی ہے جس سے غذا تحلیل ہوتی اور بدہضمی کی خرابی دور کرتی ہے قیمت فی شیشی
۱۲/ محصول ڈاک ایک سے چار شیشی تک چھ آنے (۶/)

اپنی صحت سے غافل نہ رہیئے

اس میں تو شک نہیں کہ ایک تندرستی اور ہزار نعمت اگر تندرستی میں فرق ہے تو دنیا کی دولت بھی بیکار ہے مگر افسوس کہ ایسے بہت لوگ ہیں جو اپنی صحت سے غافل رہکر کسی مفید چیز سے بھی فائدہ نہ اٹھانے عرق پودینہ کہ ہری پتیوں سے بنا ہے بدہضمی پیٹ کا پھولنا متلی۔ نفخ۔ ریاح وغیرہ کیلئے نہایت ہی مجرب دوا ہے بچوں کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں ہے ہر گھر گرہست کو اس سے غافل نہ رہنا چاہیئے،

قیمت فی شیشی چودہ آنے ۔ محصول ڈاک چھ آنے

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

غیر معمولی سالانہ رعایت

ایک روپیہ کی کتابیں صرف ۱۲ میں

مفصلہ ذیل کتابیں جو ہر ایک پہلو سے نہایت عمدہ اور ملک میں عام مقبولیت حاصل کر چکی ہیں اور آجتک پوری قیمت پر فروخت ہوتی تھیں صرف فایدہ عام کے لئے ایک روپیہ کی کتابیں بارہ آنہ میں دیجاتی ہیں ظاہر ہے کہ اس میں فرضی رعایت کا کوئی وجہ نہیں فرمائشیں جلد بھیجیں ہر فہرست میں تمام اصلی قیمتیں درج ہیں ایکروپیہ سے کم کی کوئی فرمائش منظور نہ کیجائیگی محصولڈاک بذمہ خریدار

علم الحدیث مولانا عبد اللہ العمادی سابق ایڈیٹر وکیل و زمیندار نے اس کتاب میں فلسفہ علم الحدیث کی انتہائی تحقیق عالمانہ طور پر فرمائی ہے اور اپنے مخصوص مؤرخانہ انداز میں ثابت کیا ہے کہ یورپ کو آج جس فلسفہ تاریخ پر ناز ہے اسلام ہزار برس پیشتر اسکو مکمل کر چکا ہے قیمت ۸ر

محکمات جس میں قرآن کریم کے تعلیمات فلسفیانہ روشنی میں لائے گئے ہیں اور دکھایا گیا ہے کہ آیات کے حقیقی معنے کیا ہیں۔ مفسرین کیا سمجھے اور عہد رسالت میں کیا بتلائے جاتے تھے قیمت عہ

تاریخ خلفائے اسلام معہ آٹھ رنگین تصاویر و نقشہ جات معہ سوانح کمال پاشا اور انور پاشا ۱۲

خزینۃ المیراث ۔ وراثت کے متعلق خواہ کیسا ہی کوئی سوال پیچیدہ ہو اس کتاب میں اسکا جواب درج ہیں ۔ وکلا اور علما وغیرہ کے لئے نایاب تحفہ ہے

سیرۃ الحسنین یعنی امام حسین علیہ السلام کی مفصل سوانح زندگی معہ تاریخ کربلا ۱۲

سیرۃ خاتون جنت یعنی سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا کی مفصل سوانح عا

سیرۃ حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات عا ۱۲

اسرار الایمان ۱۲

اسرار الحاذقین ۱۲

زندہ کرامات المعروف استاد مسمریزم باتصویر چوتھی بار چھاپی گئی ہے قیمت عہ

ازواج النبی حضور سرور کائنات صلعم کی ازواج مطہرات کی مکمل سوانحعمریاں درج ہیں عہ

اصلی کوکشاستر باتصویر قیمت مجلد عا

تاریخ بیت اللہ شریف ۱۲

مسلمان اور قرآن جس سے قرآن کریم کی عظمت معلوم کرنے اور اس پر عمل کرنے سے مسلمان ترقی دینی اور دنیوی حاصل کر سکتے ہیں

ہماری مسجدیں اور انکے امام جس میں موجودہ زمانے کے اماموں اور مسجدوں کا دلکش اور سبق آموز نقشہ کھینچکر اصلاحی تدابیر بتائی ہیں ۱۲

انجام دنیا ۱۲ ، سوانح بلقیس ۳ر ، قال اللہ ۵ر ، قال الرسول ۴ر ، اشاعت اسلام ۴ر

یورپ کی مشہور عالم اشتہاری پیٹنٹ ادویہ کا راز فاش ہوگیا

لندن کی برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن نے یورپ کی مشہور آفاق پیٹنٹ ڈاکٹری دواؤں کی سالہا سال تحقیقات کے حکیمانہ نتائج کتاب کی صورت میں شائع کئے تھے جس کا اردو ترجمہ **اسرار الادویہ** کے نام سے دوبارہ شائع ہوا ہے جس میں ہر مرض و بیماری اور ٹانک ادویہ کے اصل نسخے (انگریزی و اردو) جو سہل الحصول اور کم قیمت ہیں معہ اصل لاگت و ترکیب استعمال معہ ان کے اشتہاروں کے خلاصہ کے درج ہیں اطبا اور ڈاکٹروں کی جان ہے ۔ روپوں کی دوائیں گھر میں کوڑیوں میں تیار ہو سکتی ہیں قیمت مجلد ایک روپیہ ۔ تحفہ لقمان عہ

تجربات لقمان عہ

عورتوں اور لڑکیوں کے پڑھنے کی کتابیں

نیا بارہ ماسہ ۲ر
راہ جنت ۳ر
معین الخواتین ۸ر
صنعت خانہ ۲ر
قومی گیت ۸ر
گھر اور گھر والی ۴ر
جمیلہ خاتون ۳ر
بہشتی جھومر ۱۲
نیچ و راحت ۸ر
رسول عربی ۸ر
شریعت نامہ عا
ہدایت نامہ اولیا ۱۲
حورات خاوری ۱۲
گھر کا درزی ۸ر
منتخب الحکایات ۶ر
افسانئہ نسواں ۴ر
زنانہ خط کتابت ۴ر
اخلاقی کہانیاں ۴ر
سوز بیوہ ۲ر
باتصویر نور ریا ۴ر
زنانہ نقلیں ۲ر
ہندوستانی شہزادیاں ۴ر

دلچسپ ناول

داہ بیرآہ
درد و سوز
نظیر بیگم ۲
مکافات عمل
منصور موہنا
حسرت
گلبدن
تارابائی
ڈاکوؤں کا جال
ملک بیتی
سمرنا کا چاند
اسرار امرتہ
خون ناحق
مجوبہ کسمنر
دو دیہاتی
مجوبہ لندن
آئینہ روزگار
زن مرید
فریبی عورت
مفتوح اتفنشر
رہنمائے پولیس
عبرت
سرخ حرف
جیل کی کہانی
شاہی ٹکڑ
من کی موج

علاوہ ان کے ہر قسم کی سستی کتابیں منگانے کا پتہ } **سید حشمت علی منیجر مسلم جنرل بک ایجنسی لاہور** ضلع ۲۲ { مفصل فہرست کتب صنعتی و دینی مفت

نعتیہ مشاعرہ

بتقریب عرس جناب زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین

حضرت حافظ شیخ محمد عنایت اللہ صاحب قادری شطاری عرف حضرت شاہ عنایت صاحب رحمۃ

قدس سرہٗ بتاریخ ۱۱ فروری سنہ ۱۹۲۴ء بروز دوشنبہ مطابق ۵ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۲ھ

بوقت سات بجے شام حسب دستور قدیم محفل ذوق و شوق زیر صدارت جناب خان
محمد حسین خان صاحب بی۔ اے۔ ایم۔ آر۔ ایس۔ اے چیف ایڈیٹر شباب اردو
منعقد ہوگی ارباب سخن سے التماس ہے کہ وقت مقررہ پر اپنے نعتیہ کلام ندرت التیام
سے سامعین کو محظوظ فرمائیں اور داخل ثواب ہوں بعدہ روئداد جلسہ معہ کلام
شعرا کتاب کی صورت میں شائع کی جائے گی،

مصرع طرح

اردو
اے کوئی دیکھے اگر جلوہ نبی کے روئے انور کا :- انور وغیرہ قافیہ کا ردیف
سر بسر سیرے پیمبر کی عنایت ہو گی :- عنایت وغیرہ قافیہ ہو گی ردیف

فارسی سورۂ والشمس در تفسیر حسن روی تو :- روی وغیرہ قافیہ تو ردیف

نوٹ :- غیر طرح کلام بھی بہ اجازت صدر پڑھا جائیگا

جائے مشاعرہ کوچہ مجاوراں۔ محلہ حلوبٹاں بھاٹی دروازہ لاہور

المشتہر

خلیفہ علم الدین متولی و امام مسجد بلند بھاٹی دروازہ لاہور

نرخنامہ اشتہار

اجرت بہرحال پیشگی

	ٹائیٹل کا صفحہ ۲ یا ۳ یا ۴	معمولی صفحہ
سال بھر کے لئے	۱۲۰	۶۴
چھ ماہ	۶۶	۳۶
تین ماہ	۳۹	۱۹
ایک بار	۱۵	سات روپیہ

نوٹ نصف صفحہ سے کم اشتہار نہیں لیا جائیگا خلاف تہذیب اشتہار کسی قیمت پر بھی شائع نہ ہوں گے

مینیجر شباب اردو لاہور

سیرۃ احمدی

تالیف

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فاسفورین (حصہ دوم)

[illegible]

[illegible]

قیمت [illegible]

پتہ

منیجر فاسفورین لیبوریٹری لاہور

رجسٹرڈ ایل ۳۱۵

یا اللہ

شباب اردو

اسٹاف

ایڈیٹر

خان احمد حسین خاں بی۔ اے [illegible]

آنریری ایڈیٹر

خان بہادر شیخ عبدالقادر بی۔ اے بیرسٹر ڈپٹی پریذیڈنٹ [illegible]

جائنٹ ایڈیٹر

جناب صاحبزادہ قلندر علی خاں بی۔ اے ایل ایل۔ ایم۔ وکیل ہائی کورٹ

جناب غلام عباس خاں ایم۔ اے

ملک برکت علی [illegible] ایل۔ ایل۔ بی۔

ابوالاثر حفیظ جالندھری

اسسٹنٹ ایڈیٹر شعبۂ نسواں [illegible]

خورشید سلطانہ ۔ خان احمد حسین خاں

خان نظیر احمد خاں

جلد ۸ نمبر ۶ بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ مطابق مارچ ۱۹۲۴ء

تسدرات

کاتب اور پروف ریڈر کی غلطی سے شیخ محمد حیات صاحب قصوری کے مضمون جس میں انہوں نے "معلومات تازگی" کے متعلق تحریر فرمایا تھا کئی قابل افسوس غلطیاں ظہور میں آئی ہیں ناظرین از راہ کرم حسب غلطنامہ ذیل درستی فرمالیں ۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۶	۲۴	تربیت کرے	تربیت حاصل کرے
۵۷	۱۵	سی ۔ ایچ	سی ۔ ایچ ۔ بی
〃	۱۸	فن ڈاکٹرنی	فن دایرکٹری
〃	۲۱	ڈمعفریز	ڈم فریز
〃	〃	سینٹر	سینیر
〃	〃	سسریکل	سیڈیکل
〃 حاشیہ	۱		
۵۸	۱۴	اور آپ	اور اب
〃	۲۵	بیین	بین
۵۹	۲	ٹھک خاں	نہنگ خاں
〃	〃	روہر	روٹر
۶۰	۴	ہزایکسلنسی	ہزایکسلنسی
〃	۵	مقابل	تقابل
〃	۹	چھپے ہیں	×
〃	۱۰	واقعہ	مواقعہ

کتب خانہ شباب جناب محمد حفیظ الرحمٰن صاحب حفیظ بہاولپوری کا ۔ ان کی قابل قدر کتابوں فرامین مقدس الحبیب یعنی مختصر سیرۃ الحمری رسول مقبول اور تمدن بہاولپور کا مشکور ہے یہ مطالعہ طلب کتابیں مصنف کے روشن دماغ کی شاہد ہیں اور مصنف سے حفیظ منزل بہاولپور کے پتہ سے دستیاب ہو سکتی ہے ۔

ہمیں ایسے اصحاب پر جو ایک رسالہ میں اپنا مضمون یا نظم شائع کر کے پھر دوبارہ اشاعت کے لئے بھیجتے ہیں اور آگاہ نہیں کرتے کہ یہ مضمون باسی ہے اور پہلے فلاں رسالہ میں درج ہو چکا ہے سخت افسوس ہے یہ حرکت اخلاقی گناہ ہے ۔ اور ہم اس رویہ کو ہرگز پسند نہیں کرتے ۔ (قلندر علیخاں جائنٹ ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شباب اُردو

موکلانِ ظلمات

جمشید کا نام آپ نے سنا ہوگا - یہہ پہلے ایک غریب آدمی تھا - پھر کروڑپتی ہوگیا - پہلے شربت بیچتا تھا پھر عطار بن گیا - پھر حکیم کہلانے لگا - مجھے اس کی ابتدائی زندگی کا ذاتی علم نہیں ہے - افواہ تھی کہ ہرمایلے پیپلا مول تھا کبھی موجد - کبھی نامہ نگار - کبھی ایڈیٹر - کبھی شاعر بنجاتا تھا - ہمیشہ ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتا تھا فرضی ہسپتال - فرضی کالج - فرضی کارخانے کھول کر بھولی بھالی پبلک کو لوٹتا تھا مشہور اور عالی دماغ اصحاب پر حماقت آمیز اعتراض کرکے چاند پر خاک ڈالتا تھا - مگر وہ خاک اسی کے سر پر پڑتی تھی - یہہ امید کرتا تھا کہ اسطرح شہرت ہوجائے گی - مگر جو سمجھدار تھے وہ اس کے اعتراض کا جواب دینا کسرشان سمجھتے تھے اور رذیل جان کر خاموش تھے - بعض جلد بازنہ بمصداق دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ - اسے کچھ دے بھی دیتے تھے - مگر بعض مخرورِ المزاج جامہ سے باہر ہوکر اسے سر بازار پٹوادیا کرتے تھے - اور الیسوں سے اس کی روح فنا ہوتی تھی - کچھ مدت یہہ اسی قسم کی ذلیل زندگی جو دریوزہ گری سے بدتر تھی بسر کرتا رہا پھر یکایک زمانہ بدلا - لوگ حیران ہوگئے کہنے لگے کہ اسے سنگِ پارس کہیں سے ہاتھ آگیا ہے یا نسخہ اکسیر کسی نے بتادیا ہے - واقعی اس وقت وہ اپنے زمانہ کا قارون تھا - سنہ ۱۹۰۱ء میں اس کا چھاپہ خانہ تمام ہندوستان میں مشہور تھا - اور میں اس کا مہتمم - چودہ سال میں اس کے پاس ملازم رہا - اپریل سنہ ۱۹۱۴ء

ہیں میں اس سے جدا ہوا۔ اور جدا اس وقت ہوا جب آدھی رات کے وقت عالم خواب میں وہ ذبح کر دیا گیا۔

مجھے اپنے والدین کی شکل یاد نہیں ان کی وفات کے وقت میں شیر خوار تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں یتیم خانہ میں تھا۔ عہد طفلی میں میرے دماغ کی عجیب حالت تھی۔ میں ہر وقت وہموں میں پڑا رہتا تھا۔ مکڑی اور اس کے جالے سے مجھے بہت نفرت تھی۔ ڈراؤنے اور بھیانک خواب تو ہمیشہ آتے رہتے تھے۔ مگر ایک خواب خصوصیت سے مجھے ستاتا تھا۔ میں دیکھتا تھا کہ آدھی رات کا وقت ہے اور تاریک سنسان مکان اس مکان کی چھت پر دار۔ اور رسن موجود ہیں۔ اور ایک بدشکل سیاہ فام دراز قد انسان مجھے اس طرف دھکیل رہا ہے۔ یہہ خواب میں ہر مہینے دیکھتا تھا۔ کوئی مہینہ خالی نہ جاتا تھا۔ جوان ہو کر میں نے بہت علاج کیا مگر یہہ خواب بلائے جان کیطرح میرے گلے کا ہار رہا۔ میں نے ۱۹ء میں جمشید کے چھاپہ خانہ میں آیا اور محرر کی حیثیت میں آیا اور چار سال کے عرصہ میں رفتہ رفتہ ترقی کر کے مہتمم ہو گیا جمشید کا برتاؤ مجھ سے معمولی تھا۔ بارہ سال گذر گئے اور وہ مجھ سے بے تکلف نہ ہوا۔ میں ہمیشہ اس کی پیشانی پر بل دیکھا کرتا تھا۔ اسے کبھی میں نے ہنستے نہیں دیکھا لمبی تقریر سے وہ چیں بر جبیں ہو جاتا تھا۔ ہمیشہ یہہ ہی چاہتا تھا۔ کہ مختصر الفاظ میں اظہار مطلب کیا جائے۔ میں نے بارہ سال نہایت محنت اور جانفشانی سے اس کی خدمت کی اور میری کوشش سے اس نے لاکھوں روپے کمائے مگر اس نے کبھی نہ تو میرا شکریہ ادا کیا نہ تنخواہ سے علاوہ کوئی رقم انعام کے طور پر دی۔ اسے خیرات سے نفرت تھی۔ اذان سنکر اس کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ کوئی اس کے سامنے کلمہ پڑھے تو بد دماغ ہوتا تھا۔ نماز اور روزے سے کوسوں بھاگتا تھا۔ اسی طرح بارہ سال گذر گئے۔ اب تیرھواں سال شروع تھا۔ ایک دن میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ مجھے جمشید نے بلایا وہ اس وقت کوچ پر لیٹا ہوا چرٹ پی رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں اسوقت اس قسم کی چمک تھی جو کبھی کبھی ہمیں جلتی ہوئی چتاؤں میں دکھائی دیتی ہے۔ آج وہ خلاف معمول تپاک سے پیش آیا۔ اور کہنے لگا کہ اس مہینے میں تم نے بہت کام کیا ہے۔ میں ایک ہفتہ کی رخصت تم کو دیتا ہوں۔ تمہارا کام نائب سنبھال لیگا۔ تم کو میرے ہمراہ چلنا ہے تیار ہو جاؤ۔ یہہ ہفتہ ہم دہلی میں بسر کرینگے ہم دونوں کو اس قدر دماغ سوزی کے بعد آرام اور راحت کی ضرورت ہے۔ پھر اس نے جیب میں سے سو روپیہ کا نوٹ نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ یہہ تمہارے متفرق اخراجات کے لئے ہے۔ یہہ رقم تمہاری تنخواہ سے وضع نہوگی۔ پہلے کبھی اس قسم کی فیاضی ظہور میں نہ آئی تھی۔

ہم رات کے گیارہ بجے دہلی پہونچے - ہمارے ساتھ نہ تو کوئی سامان تھا نہ ملازم - صرف بستر تھے - اسٹیشن پر ایک دراز قد سیاہ پوش ہمارا منتظر تھا - اس نے ہمارے بستر اٹھالئے - باہر ہمارے لئے ایک آہنی بند گاڑی کھڑی تھی - گاڑی کا رنگ سیاہ تھا - دو رکابی گھوڑے جو اس میں جتے ہوئے تھے وہ بھی مشکی تھے - گھوڑوں کا ساز بھی سیاہ تھا - وہ مینار قامت سیاہ پوش جو ہمارے بستر اٹھا کر لایا تھا - دراصل اس سیاہ رنگ گاڑی کا کوچبان تھا - گاڑی کی وضع اس چھکڑے سے بہت ملتی تھی جس پر عیسائی تابوت رکھ کر گورستان لیجاتے ہیں - جب میں اس گاڑی میں سوار ہوا تو میرا کلیجہ بلاوجہ دھڑکنے لگا جمشید نے گاڑی میں بیٹھکر دیا سلائی جلائی اور چرٹ کو آگ لگائی - اسوقت میں نے دیکھا کہ وہی مہیب روشنی اس کی آنکھوں میں شعلہ زن ہے گاڑی اس سرعت کے ساتھ روانہ ہوئی کہ گویا ہزاروں بجلیاں اسے کھینچ رہی تھیں - مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم ہوا پر اڑ رہے ہیں - ایک دفعہ مجھے شک گذرا کہ ہماری گاڑی کی ٹکر سے ایک ٹانگہ الٹ گیا اور پہئے چور چور ہو گیا - مگر سرعت رفتار کے باعث میں نے اسے وہم سمجھا - جمشید کے چرٹ کے دھوئیں سے مجھے دردِ سر لاحق ہو گیا - اور میرا سر چکرانے لگا - رفتہ رفتہ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی - مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ہم بادلوں اور کہر کو چیرتے ہوئے جا رہے ہیں - پھر میں بیہوش ہو گیا -

---

جب میری آنکھ کھلی تو میں ایک کمرے میں پلنگ پر دراز تھا - پلنگ آبنوس کا تھا - سنگِ موسیٰ کی تپائی میرے سرہانے رکھی تھی اس پر ایک لیمپ روشن تھا جس کی مدھم روشنی میں میں نے دیکھا کہ دیواروں پر چاروں طرف سیاہ کاغذ منڈھا ہوا ہے اور میرے پلنگ کے سامنے آتشیں فریم میں کسی شخص کی قدِ آدم تصویر ہے - غور سے دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ صاحبِ تصویر نہایت حسین ہے جس کے چہرے پر جلال برس رہا ہے لیکن بھیانک جلال ہے - یعنی وہ حسن اور وہ جلال جو دہکتی ہوئی آگ کے انگاروں یا برق کے شعلوں یا خونخوار درندوں کے پوستِ جسم یا آسمان کی خبر لانیوالی سمندر کی لہروں میں ہم کو دکھائی دیتا ہے - میں مرعوب ہو کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ تصویر سے قہقہے کی آواز آئی اور وہ تصویر متحرک ہو کر نگاہوں سے غائب ہو گئی - یہ حال دیکھ کر میرا جسم دہشت سے پسینہ پسینہ ہو گیا - قریب تھا کہ میں پھر بیہوش ہو جاؤں کہ شرقی دیوار میں نامعلوم دروازہ نمودار ہوا - دروازہ کھلا اور جمشید اسی دراز قامت سیاہ پوش کے ساتھ جو ہماری عجیب و غریب بند گاڑی کا کوچبان تھا - میرے کمرے میں داخل ہوا جمشید کے ہاتھ میں کنٹر تھا - اور اس کنٹر میں سرخ رنگ کا عرق خونِ خروس کو شرماتا تھا - میرا خون خشک ہو رہا تھا - میرے

دماغ میں آگ کی انگیٹھی دہک رہی تھی - پیاس سے میری زبان لکڑی ہوئی جاتی تھی - اور دل کا یہ عالم تھا کہ بلیوں اُچھل رہا تھا جمشید کے اشارے پر اس کے خادم نے ایک گلاس لبریز مجھے دیا - ہر چند کہ میری حالت تشنگی سے غیر تھی - لیکن میں نے جبر کر کے ہکلاتی ہوئی زبان سے کہا کہ مجھے شراب سے نفرت ہے جمشید نے کہا کہ یہہ شراب نہیں ہے اس عرق کا نام شربت روح افزا ہے - میں سمجھتا ہوں کہ تم سفر کی کوفت سے بیمار ہو گئے - لاجرعہ پی جاؤ تندرست ہو جاؤ گے - میں نے تعمیل کی واقعی وہ عرق عجیب خوشگوار تھا - مگر اس کے پیتے ہی میرا جی ڈوب گیا -

---

اب کے جو میری آنکھ کھلی تو میں اس خوفناک مکان کی سقف پر کھڑا تھا - چاروں طرف تاریکی تھی اور میرے سامنے دھوئیں کا مینار تھا اور اس کے پاس ایک طویل سانپ بل مارے بیٹھا تھا - یہہ ہولناک نظارے جو میں نے یکے بعد دیگرے دیکھے میرے خون کو منجمد کرنے کے لئے کافی تھے - قریب تھا کہ میری جان دہشت سے نکل جائے - کہ جمشید اور اس کا خادم لالٹین لیکر وہاں آئے - اب روشنی میں مجھ معلوم ہوا کہ جسے میں دخانی مینار سمجھا تھا وہ دار ہے اور وہ سانپ - رسن ہے - یکایک میری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اُٹھ گیا اور میں نے شناخت کر لیا کہ یہہ مکان وہی مکان ہے جسے میں ہر مہینے سالہا سال سے خواب میں دیکھتا رہا اور جمشید وہی شخص ہے جو مجھے خواب میں دار اور رسن کیطرف دھکیلا کرتا تھا - اس وقت مجھ پر سکتہ کا عالم تھا - میں آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر جنبش کی طاقت نہ تھی - میں نے دیکھا کہ ہوا کے پردوں سے وہ شخص نمودار ہوا جس کی تصویر آتشیں فریم میں دیکھ کر میری حالت دگرگوں ہو گئی تھی - اس نے ایسی آواز میں جس میں بجلی کی کڑک تھی جمشید کو پکارا اور کہا کہ او فانی انسان معاہدے کی میعاد کل ختم ہو گی - اگر دنیاوی جاہ و جلال کی جو تجھے نصیب ہے مزید ہوس ہے تو معاہدے کی تجدید ہو سکتی ہے - اپنی روح رہن کر دے اور رہن نامہ یتیم کے خون سے لکھدے - کیا تو تیار ہے؟ جمشید نے اسی آواز میں جو الو کی ہوک سے ملتی تھی کہا کہ مجھے منظور ہے - میں تیار ہوں - یہہ کہکر اسنے اپنے دراز قد خادم کی مدد سے مجھے پچھاڑا - نشتر سے میرا سینہ مجروح کیا اور ایک عجیب و غریب کاغذ پر میرے خون سے چند فقرے لکھے اور وہ کاغذ اس پُرشوکت مہیب شخص کے حوالہ کر دیا - کاغذ لیکر اس نے بلند آواز سے قہقہہ مارا اور کہا کہ او زرپرست دنیادار تیری روح تیری زندگی تک رہن رہیگی اور زیر رہن دنیادی جاہ و جلال ہوگا - تیری روح کے ساتھ اس یتیم کی روح بھی مکفول ہو گئی جس کے خون کو تو نے اس کی مرضی کے خلاف ظلم و ستم کے ساتھ استعمال کیا ہے - او مکروہ - بزدل اور

مکار انسان تیرے بزدل ہم قوم مجھے ناحق بدنام کرتے ہیں - تم جو انسان کہلاتے ہو مجھ سے کہیں بڑھ کر ہو - یہہ سنکر میں پھر بیہوش ہو گیا -

---

اب کے جو مجھے ہوش آیا تو میں لاہور میں اپنے مکان میں تھا - میں گھبرا کر پلنگ سے اٹھا اور دیوانہ وار آئینہ کے روبرو جا کھڑا ہوا - میں نے کرتہ اٹھا کر دیکھا تو میرے سینے پر کوئی نشان زخم نہ تھا - مجھے یقین آگیا کہ جو کچھ میں دیکھ چکا ہوں یہہ وحشتناک خواب تھا - میں نے اٹھ کر غسل کیا کپڑے بدلے اور حسب معمول دفتر گیا - جب میں نے رجسٹر دیکھے تو میرا ماتھا ٹھنکا - ان میں جا بجا متواتر چھ گذشتہ ایام میں میرے نائب کے میری جگہ دستخط موجود تھے - جس سے صاف ظاہر تھا کہ میں غیر حاضر رہا ہوں حیران ہو کر میں نے ایک محرر سے پوچھا کہ کیا میں کل دفتر نہیں آیا تو وہ ہنسنے لگا اور بولا کہ حضور آپ تو سات یوم رخصت پر رہے - آپ کیا فرما رہے ہیں - جب میں گھر آیا تو اتفاقیہ میرے تکیہ کے نیچے سے وہ ٹکٹ برآمد ہوا جو میں نے لاہور سے دہلی کے لئے خریدا تھا - اور جو دہلی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹکٹ کلکٹر کو دینا بھول گیا تھا - اب تو کوئی شک وشبہ نہ رہا - کہ ضرور میں جمشید کے قابو میں ہوں اور اس کا تعلق ارباب ظلمات سے ہے اور یہہ جاہ وجلال اسے انہیں دشمنان انسان کی بدولت میسر ہے جو ہر وقت غیر فانی روح کو فنا کرنے کے لئے جوڑ توڑ کرتے رہتے ہیں - اب میں اس فکر میں رہنے لگا کہ کسیطرح خوفناک جمشید کے قبضہ سے رہائی حاصل کروں - میں نے چاہا کہ نماز شروع کروں اور ہر روز صبح قرآن پڑھ کر دعا مانگوں مگر جسدن یہ ارادہ کیا اسیدن میں سیڑھیوں سے اترتا ہوا اسطرح گرا کہ چھ ماہ تک چارپائی پر تصویر نہالی بنا رہا - جب اچھا ہوا تو پھر اپنا ارادہ پورا نہ کرسکا - راہ چلتے ہوئے موٹر کے نیچے آگیا - بال بال بچا - ٹانگ ٹوٹ گئی اور چھ مہینے ہسپتال میں پڑا رہا - اب تو میرا حوصلہ پست ہوگیا - مجھے یقین ہوگیا کہ ارباب ظلمات مجھے نیکی سے روکتے ہیں - اگر ذرا بھی ہاتھ پاؤں ہلاؤنگا تو پھر کوئی آفت آجائے گی -

---

ایک دن میں دفتر میں بیٹھا ہوا کام کر رہا تھا - جمشید غیر حاضر تھا - اس کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ میں ہی ملاقات کیا کرتا تھا - ایک دراز قد انسان ملنے آیا اسوقت اس کی جگہ اس کی کرسی پر میں بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر میں بید مجنوں کیطرح کانپنے لگا - میں نے نگاہ اول میں ہی اسے پہچان لیا - یہہ وہی سیاہ پوش مینار قامت انسان سیاہ گاڑی کا کوچبین تھا - میرے جسم میں سنسنی ہونے لگی - میں نے اسے

رخصت کیا اور خود گھر چلا آیا۔ اب اطمینان دل مفقود تھا۔ میری طبیعت ہر وقت پریشان رہتی تھی در و دیوار کاٹنے کو دوڑتے تھے اپنے سایہ سے ڈر لگتا تھا۔ آخر تنگ آکر میں نے وہ کیا جو لکھتے ہوئے میرے ہاتھ کانپتے ہیں۔ ایک رات میں جان پر کھیل کر جمشید کے کمرے میں پہونچا۔ استرہ میرے ہاتھ میں تھا۔ کوئی طاقت غیب سے میری حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ دراصل میں محض کل تھا۔ ایک آلہ تھا ورنہ کارکن موکلان غیب تھے۔ اس تیز استرے سے میں نے جمشید کو جو شراب کے نشے میں بیہوش سو رہا تھا۔ ذبح کر ڈالا اور اپنے مکان میں آکر ہو کر صبح شور و غل مچ گیا۔ کروڑپتی کی موت معمولی بات نہ تھی۔ تحقیقات ہوئی۔ پولیس نے زمین و آسمان کے قلابے ملائے اور ایک بے گناہ افغان ملازم کو بعلت قتل عمد چالان کر دیا۔ اس غریب ناکردہ گناہ نے خواہ مخواہ جرم کا اقبال کیا۔ گواہان رویت جن کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی عینی شہادت دے گئے اور وہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ میں قاتل صاف بچ گیا۔ کسی نے مجھ پر شبہ تک نہ کیا لیکن میں نے یہ حالات قلمبند کر دئے ہیں اب میں مہلک مرض میں گرفتار ہوں طبیب آخری حکم سنا چکے ہیں ان کی رائے میں میری زندگی ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی میں یہ بار اپنے ساتھ لیجانا نہیں چاہتا میرے مرنے کے بعد یہ راز طشت از بام ہوگا اور لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ (ایڈیٹر)

موسم بسنت

بتا کہ "بسنت"، کوئی موسم بسنت ہے تو
کہ حسن و عشق کے امتحان کا "مہنت" ہے تو

قرین عقل سراسر ہے یہ خیال مرا
کہ تو بھی زرد ہے اور زرد ہے لباس ترا

"رشی" ہے برف ہمالہ کی تو تیاگ آیا
کہ تجکو دیس کا اعراف ہے بہت بھایا

ترے مزاج میں گرمی ہے اور نہ سردی ہے
اسیکو کہتے ہیں جوگی کمال مردی ہے

پسند آئی ہے تیری "کتھا" ببولوں کو
اثیر باد تری زرد زرد پھولوں کو

ترے جمال کو زر کا نکھار کہتے ہیں
نوید آمد فصل بہار کہتے ہیں

جب آکے دامن صحرا میں گل کھلاتا ہے
ہمیشہ سرسوں ہتھیلی پہ تو جماتا ہے

ہوائیں چولے بدلتی ہیں تیرے جنتر سے
زمین سونا اگلتی ہے تیرے منتر سے

تہی ہے شوخیٔ قسمت سے جام لالوں کا
ستارہ اوج پہ ہے گیندی کے پیالوں کا

تری بہار خزاں کا سبق پڑھاتی ہے
بقا کی شان میں رنگ فنا دکھاتی ہے

بتا رہی ہے ہمیں تیری شان دلداری
کہ تندرست رکھے یا دو وقت بیماری

ترے کمال کو حسن مثال سمجھیں گے
ترے جمال کو ہم اعتدال سمجھیں گے

غرض جہان میں عجیب فلسفی دماغ ہے تو
ہمارے دل کے شوالے میں اک چراغ ہے تو

گلا [illegible] حقیقت [illegible]
تو مرگ [illegible] اور [illegible] ہوا

سائنس اور جرائم

اس بات کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ سائنس نے مجرمین کے جاں گداز و انسانیت سوز کاموں میں کسقدر سہولت پیدا کر دی ہے اور اس کی بدولت جرائم کی رفتار میں کتنی ترقی ہوگئی ہے۔ یہ کہنے میں بھی مجھے باک نہیں کہ انسان اور جرم توام پیدا ہوئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ثمر ممنوع کھانا جرم اولیں کا ارتکاب تھا۔ اسوقت سے لیکر آجتک جسطرح انسانی تمدن ارتقا کی منزلیں طے کرتا گیا۔ اسیطرح "جرم" بھی رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنے نشو و نما میں مصروف کار رہا۔ انسان کے مادی اشیا کی مخفی قوتوں پر غلبہ حاصل کر لینے اور قدرت کے راز ہائے سربستہ معلوم کرنے سے جتنی سہولتیں قیام امن و اماں تفریح و تفرج اور آسائش و آرام میں پیدا ہوگئی ہیں۔ اسیقدر علوم مادیہ کے انکشافات نے اسباب جنگ اور ارتکاب جرائم میں بھی آسانی پیدا کر دی ہے۔ برقی پنکھے۔ تار۔ ریل۔ موٹر کاریں۔ ہوائی دخانی جہاز برقی زینے۔ ویکیم ٹیوب[1] اور اسی قسم کی ہزاروں اور لاکھوں کار آمد و منفعت بخش چیزیں اگر سائنس کی برکات سمجھی جاتی ہیں۔ تو کلدار توپیں۔ بمب۔ مسموم ہوائیں اور اسی قسم کی متعدد اختراعات بھی سائنس ہی کی پیداوار ہیں۔ ازمنہ ماضیہ کا تو کیا ذکر اب تک اور ان ممالک میں جو تہذیب و تمدن حاضرہ کی درسگاہیں اور اختراعات و انکشافات جدیدہ کے کتب و ماخذ کہے جاتے ہیں چوروں سے بچنے کے لئے دروازوں۔ کھڑکیوں اور روشندانوں میں لوہے کی موٹی اور مضبوط سلاخیں لگائی جاتی ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ وہ سب بے سود ہیں کیونکہ ایک سائنس داں نقب زن آنِ واحد میں اپنے ہتھیار سے ایک منٹ کے اندر اُن تمام آہنی سلاخوں کو مٹی بنا کر اپنے لئے راستہ صاف کر سکتا ہے لوہے کے وہ صندوق جن میں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی مالیت کے زیورات۔ کرنسی نوٹ۔ اور دیگر قیمتی دستاویزات پڑی رہتی تھیں اور جن پر آگ جیسی مہلک و تباہی آور چیز کا مطلقاً اثر نہ ہو سکتا تھا۔ سائنس کی تحقیقات نے مجرمین کو نائیٹرو گلیسرین[2] سے فوراً توڑ ڈالنے کا نسخہ بتا دیا۔ لیکن اس میں سائنس یا سائنس داں کا کیا قصور؟ ایک روشن خیال

---

[1] یہ ایک ڈیڑھ انچ لمبی نالی امریکہ کے ایک نوجوان سائنس داں نے ایجاد کی ہے۔ اور اس کی قوت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کی مدد سے سابق پریزیڈنٹ ہارڈنگ کا پہلا خطبہ ایک لاکھ آدمیوں نے بخوبی سن لیا اس سے بہرہ آدمی سن سکتا ہے۔ اسی کی مدد سے بغیر تاروں کے دنیا کے ہر ایک حصہ کے ساتھ گفتگو ہو سکتی ہے۔ متعدد نالیوں کو استعمال کرنے سے آواز کی لاکھ گنا زیادہ ہو سکتی ہے اور اس سے بھی زیادہ بڑھانا ممکنات سے ہے یہ متحرک تصاویر میں بولنے کے کام بھی آ سکتی ہے جسپا لوا در تجارتی منڈیوں میں استعمال ہو رہی ہے موجد کا دعویٰ ہے کہ اگر ۴ مارچ ۱۹۲۵ء تک تمام ٹیلیفون ایک نظام میں لے لئے جائیں تو ۴ تاریخ کو امریکہ کا نیا پریزیڈنٹ اپنا خطبہ صدارت ہر شخص کے گوش گذار کر سکے گا۔ خواہ سامعین دنیا کے کسی حصہ میں مقیم رہتے ہوں۔ یہ اعلان مرحوم پریزیڈنٹ ہارڈنگ کی حیات میں کیا گیا تھا۔ کیونکہ ۴ مارچ ۱۹۲۵ء کو اس کی میعاد حکومت ختم ہو جاتی تھی۔

[2] سائنس ان سیف بریکنگ۔ راسے لے ٹائیلر۔

سائنس داں نے اٹھارویں صدی میں کان یا ناک کے زخم صاف کرنے کے لئے پچکاری ایجاد کی تھی۔ تاکہ اسمیں پانی یا کوئی دوائی ڈالکر زخم دھو دیا جائے۔ اگر اسی پچکاری میں ایک شریر النفس انسان تیزاب یا کوئی اور ایسی جلن تھلس دینے والی سیال چیز بھر کر راہگیروں پر پھینکے تو بتلائیے اسمیں اس کے موجد اور سائنس کا کیا گناہ؟ ایجادات ہمیشہ ابنائے وطن کے آرام و آسائش کے لئے کی جاتی ہیں اور جو کچھ برا استعمال ان کا من بعد کیا جاتا ہے۔ وہ یقیناً ایجاد کرتے وقت موجد کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ میں یہہ باور کرنے کے لئے بھی تیار رہوں کہ بعض چیزیں ایسی بھی ایجاد کی گئی ہیں جن کا منشا تخویف انسانی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ایام جنگ میں زہریلی گیسوں کی اختراع اسبات کا بین ثبوت ہے مگر اس کے ساتھ یہہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایسی اختراعات خال خال اور سخت ضرورت کے وقت ہی ایجاد کیجاتی ہیں۔ اگر یہ باور کر لیا جائے کہ سائنس نے جرائم کی ترقی میں معتدبہ حصہ لیا ہے تو اسمیں بھی کسی شخص کے لئے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حکام وقت سمجھدار سراغرساں اور افسران پولیس کے لئے بھی سائنس ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی ہے بسطور ذیل میں مجھے یہہ بتانے کی کوشش کرنی ہے کہ طبعی طریق استدلال صحیح غور و فکر اور مجرم کی ہر حرکت کا تاریک و روشن پہلو دیکھنے سے کتنے بے گناہوں کی جانیں بچ گئیں۔ اور کسقدر بدمعاش اپنے بداعمال کی بدولت کیفر کردار کو پہونچ گئے جو سائنس کے عدم جواز کی صورت میں یا تو ناجرم پھنس جاتے یا بچ کر نکلجاتے۔

اس امر کی چہرہ نمائی کے لئے کہ ایک دور اندیش اور سائنس داں سراغرساں کسطرح واقعات کا مطالعہ کرتا ہے۔ میں مثال کے طور پر سر آرتھر کانن ڈائل کی ایک کتاب سے ذیل کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر واٹسن اپنے دوست شرلک ہومز کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

ایک شب[۱] ۲۰ مارچ ۱۸۸۸ء کو میں ایک مریض کو دیکھ کر واپس آ رہا تھا کہ میرا گذر بیکر سٹریٹ[۲] سے ہوا۔ اپنے سابقہ مسکن[۳] کو دیکھ کر گذشتہ واقعات کی یاد میرے دماغ میں تازہ ہو گئی اور میں شرلک ہومز کی ملاقات اور اس کے مشاغل کے دریافت کرنے کے لئے بیتاب ہو گیا۔ میں نے اطلاع کی گھنٹی بجائی اور تھوڑی دیر بعد خادمہ مجھے نشست گاہ میں لے گئی۔ شرلک ہومز مجھ سے بہت تپاک کے ساتھ ملا وہ شاذ و نادر ہی گرمجوشی سے ملتا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ مجھے دیکھ کر ضرور خوش ہوا ہے۔ منہ سے کوئی کلمہ نکالے بغیر اس نے مشفقانہ نگاہوں سے دیکھ کر ایک آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ چرٹوں کا ڈبہ میری طرف سرکا دیا پھر آگ کے سامنے کھڑے ہو کر مجھے یوں تکتا ہوا

۱؎ ماخوذ از حکایات شرلک ہومز۔ مترجمہ شیخ فیروزالدین مراد۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ ۲؎ اس بازار کا نام ہے جہاں سراغرساں شرلک ہومز کی جائے رہائش تھی۔ ۳؎ شادی سے پیشتر ڈاکٹر واٹسن بھی شرلک ہومز کے ہمراہ اسی مکان میں رہتا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے شادی کرنے سے آپ کو بہت فائدہ ہوا۔ میرا خیال ہے کہ گذشتہ ملاقات کے بعد سے آجتک آپ نے اپنا وزن پونے چار سیر بڑھا لیا ہے۔" میںنے جواب دیا "ہاں تقریباً ساڑھے تین سیر"

"بیشک" شرلک ہومز نے جوابدیا "میرا خیال ہے کہ اس سے قدرے زیادہ۔ خوب! آپ نے پرائیوٹ پریکٹس شروع کردی ہے۔ آپ نے مجھے یہ بات نہیں بتائی تھی کہ آپ اس شہر میں طبابت شروع کرنا چاہتے ہیں" میںنے پوچھا "تو آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟"

"شرلک ہومز نے جوابدیا اپنے مشاہدہ اور استدلال سے۔ اور سنئیے میں یہ بھی تاڑ گیا ہوں کہ گذشتہ ایام میں آپ بھیگتے رہے ہیں اور آپ کی ملازمہ ایک نہایت ہی بے پروا اور بھدی لڑکی ہے۔"

میںنے حیران ہوکر کہا "جناب بندہ۔ بس حد ہوگئی! اگر آج سے تین سو برس پیشتر آپ ایسی باتیں کرتے تو یقیناً آپ کو جادوگر سمجھ کر جلا دیا جاتا۔ یہ سچ ہے کہ میں جمعرات کو گاؤں گیا تھا اور بارش سے تربتر ہوکر گھر آیا چونکہ میں کپڑے بدل چکا ہوں اس لئے نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو اس کا علم کیونکر ہوا۔ رہی ہماری خادمہ۔ سو وہ مطلقاً اصلاح پذیر نہیں۔ میری بیوی نے اسے نوکری چھوڑنے کے لئے کہہ دیا ہے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ آپ کو اس کی بے پروائی کا کیسے علم ہوگیا؟"

شرلک ہومز مسکرایا اور اپنی لمبی نازک انگلیوں کو چٹخا کر کہنے لگا "یہ تو بالکل ایک سادہ بات ہے میری آنکھیں بتاتی ہیں کہ آپ کے دائیں بوٹ کی اندرونی طرف بعینہٖ اُسجگہ پر جہاں آگ تاپتے ہوئے بوٹ پر آگ کا اثر ہوسکتا ہے۔ چمڑے پر چھ متوازی نشان ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ کسی نے بے پروائی کے ساتھ خشک کیچڑ کھرچتے ہوئے یہ نشان لگائے ہیں۔ اس مشاہدہ سے میںنے دوہرا نتیجہ نکالا اول یہ کہ آپ کہیں بارش میں پھرتے رہے۔ دویم یہ کہ آپ کی ملازمہ بہت ہی بے پروا واقع ہوئی ہے۔ رہا اس امر کا معلوم کرنا کہ آپ نے ڈاکٹری شروع کردی ہے تو اگر ایک شریف آدمی میرے پاس آئے اور اس سے آئڈوفارم[1] کی بو آرہی ہو اور اس کے دائیں ہاتھ پر سلور نائٹریٹ[2] کے سیاہ دھبے ہوں اور اس کی ٹوپی میں جہاں اس نے اپنا سٹتھسکوپ (سماع الصدر) چھپا رکھا ہو۔ باہر کیطرف اُبھار ہو۔ تو میں بہت کند ذہن ہوتا اگر یہ نہ بتا سکتا کہ وہ طبی پیشہ کا ایک مستند فرد ہے۔"

جس سہولت کے ساتھ اس نے اپنا استدلال مجھے سمجھایا۔ اِسپر میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ چنانچہ میںنے کہا۔

---

[1] ایک بدبودار دوا کا نام ہے جو سفوف کیطرح زخموں پر چھڑکی جاتی ہے۔ اس کے استعمال سے زخم جلد مندمل ہوجاتے ہیں۔

[2] ایک دوا کا نام ہے جس سے بدن پر سیاہ دھبے پڑجاتے ہیں چاندی کو شورہ کے تیزاب میں حل کرنے سے بنائی جاتی ہے۔

جب میں آپ سے دلائل سن لیتا ہوں۔ تو مجھے تمام معاملہ بہت ہی آسان معلوم ہوتا ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اسے خود بخود سمجھ سکتا تھا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ آپ کی تشریح سے قبل میں اس کی تفہیم سے یکسر قاصر تھا تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میری آنکھیں ایسی ہی اچھی ہیں جیسی کہ آپ کی"

شرلاک ہومز نے آرام کرسی میں بیٹھ کر کہا۔ "بے شک۔ آپ دیکھتے ہیں لیکن مشاہدہ نہیں کرتے۔ دونوں حالتوں میں جو فرق ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ مثلاً آپ نے بارہا ان سیڑھیوں کو دیکھا ہوگا جو ہال کمرہ اور اسی کمرہ کے درمیان ہیں" میں نے جواب دیا۔ "بیشک"

" تو پھر بتاسے کہ وہ شمار میں کتنی ہیں؟" "کتنی۔ میں نہیں جانتا"

"ٹھیک ہے۔ آپ نے دیکھا ہے مشاہدہ نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ سترہ ہیں کیونکہ میں نے دیکھا بھی ہے اور مشاہدہ بھی کیا ہے"

مندرجہ بالا مثال سے صاف ظاہر ہوگیا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے مشاہدہ سے ہم کیسے کیسے اہم نتایج مرتب کر سکتے ہیں۔ سراغرساں کوئی خدا زادے تو ہوتے نہیں۔ وحی ان پر نہیں اترتی۔ الہام انہیں نہیں ہوتا۔ پھر کیا وجہ کہ وہ معمولی نشانات سے آنِ واحد میں سب مخفی باتوں کا جائزہ لے لیتے ہیں۔ کسی چیز کے صرف "دیکھ لینے" اور "مشاہدہ کرنے" میں بعد المشرقین ہے۔ لیکن یہ زرین اصول بھی ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیئے کہ ہر حالت میں اور ہمیشہ صحیح مشاہدہ اور طبعی استدلال ہی سے ہماری تحقیقات کامل و اکمل اور سود مند ہو سکتی ہے۔ ورنہ غلط اور غیر طبعی استدلال سے ہمیں ہر لحظہ جادۂ سلیم سے منحرف ہو جانے کا اندیشہ لاحق رہیگا۔ ذیل کی دو مثالیں اس بات کو بخوبی واضح کر دیں گی۔ کہ صحیح اور غلط استدلال سے کیا کیا نتایج منطبق ہو سکتے ہیں۔

ملک بوہیمیا[1] کا بادشاہ اپنے زمانہ ولیعہدی میں شاہی تھیٹر کی ایک رقاصہ آئرنی ایڈلر پر فریفتہ ہوگیا۔ اور اظہار محبت کی خاطر اس حسین و پری تمثال ایکٹرس کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی عکسی تصویر بھی بنوالی۔ کچھ عرصہ مصروف عیش و نشاط رہنے کے بعد شاہزادہ صاحب اُس نوعمر حسینہ کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے گئے اور عشق کی راہ و رسومات یکسر فراموش کر دیں۔ آئرنی ایڈلر کی محبت پر غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اُسے تنہا اپنی قسمت پر چھوڑ کر چلدینا اسے سخت شاق گزرا اور اس لحظہ میں اسے محسوس ہوا کہ شاہزادہ نے درحقیقت اسے ہمیشہ کے لئے اس لطیف ترین جذبۂ انسانی سے محروم کر دیا ہے جسے "محبت" کہتے ہیں

---

[1] ماخوذ از شاہ بوہیمیا کی تصویر۔ مصنفہ سر اے کانن ڈائل۔

وہ اس امر کو بخوبی سمجھتی تھی کہ عورت زندگی بھر میں محبت "ایک اور صرف ایک مرتبہ کسی مرد کی نذر کر سکتی ہے اور اگر وہ ایک سے زیادہ مرتبہ کسی سے محبت کرتی ہے تو یقیناً وہ محبت نہیں ایک قسم کا بیوپار" یا "فریب" ہے جو کسی غرض یا دباؤ کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے اور ایسے فرسودہ و کہنہ جذبات سے نہ تو مرد نہ عورت کوئی بھی متمتع نہیں ہوسکتا۔ الغرض آئرنی ایڈلر کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریق کار نہ تھا کہ وہ شہزادے کو بھی تمام عمر کے لئے کسی غیر عورت کے ساتھ محبت کرنے سے محروم رکھے جیطرح کہ وہ خود صحیح معنوں میں کسی مرد کے ساتھ محبت کرنے سے محروم کر دی گئی تھی اس جذبۂ انتقام کی تکمیل کے لئے اس کے پاس شہزادہ کی متذکرہ بالا تصویر کے علاوہ کوئی ایسا ہتھیار نہ تھا جس سے وہ اسے ذلیل ورسوا کرسکے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ایک بپھری ہوئی عورت ایسی چیز کو کس احتیاط سے رکھتی ہوگی اور اس حالت میں جبکہ انتقام لینے میں دنیا کی کوئی قوت اس لطیف ترین کرشمۂ فطرت کے سد راہ نہیں بن سکتی۔

پانچسال کا طویل عرصہ گذر گیا اور آئرنی آیڈلر کیطرف سے کوئی ایسی بات ظہور پذیر نہ ہوئی جس سے شہزادہ کی عزت وشہرت کو صدمہ پہونچتا۔ اس عرصہ میں ولیعہد موصوف اپنے ملک کا بادشاہ بن گیا۔ اور شاہ سکنڈے نیویا کی دوسری لڑکی سے اس کی منگنی ہوگئی۔ اب بادشاہ کو ایڈلر کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا کیونکہ سکنڈے نیویا کا شاہی خاندان اپنے منگیتر کے چال چلن کے متعلق نہایت سخت گیر اصول کا پابند تھا۔ خود شاہزادی بڑی نازک مزاج خاتون تھی وہ کیسے گوارا کرسکتی تھی کہ ایک ایسے مشتبہ چلن مرد سے اس کی قسمت کو ہمیشہ کے لئے وابستہ کر دیا جائے جو ایک حسین رقاصہ سے ناجائز تعلق پیدا کرکے ذلیل ورسوا ہو چکا ہے۔ ادھر بادشاہ کو بھی ایڈلر کیطرف سے پیغام پہونچ گیا کہ وہ اس کی شادی میں ہر ممکن رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرے گی۔ اور یہ کہ وہ اس مخصوص تصویر کو شہزادی موصوف کے پاس اس روز روانہ کردیگی جسدن منگنی کا عام اعلان ہو جائے گا۔ شاہ بوہیمیا کے لئے یہ ابتلا وآزمائش کا وقت تھا۔ ایڈلر ان دنوں لنڈن میں مقیم تھی اور بادشاہ اس تصویر کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش وذرائع استعمال کر چکا تھا پانچ مرتبہ اس تصویر کے چرانے کی سعی کی گئی۔ دو دفعہ اس کے ملازمین نے ایڈلر کے گھر میں نقب لگا کر تلاشی لی۔ ایک مرتبہ دوران سفر میں اس کا اسباب غلط مقام پر بھجوا کر حاصل کرلیا گیا اور دو مرتبہ راستہ میں اُسے قابو کرکے اس تصویر کو تلاش کیا گیا مگر اس کا پتہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ منگنی کے عام اعلان میں صرف تین دن رہ گئے تھے۔ اور شاہ بوہیمیا کی نہ صرف عزت وشہرت ہی خطرہ میں تھی۔ بلکہ ایک عالی خاندان کی زہرہ جبیں وحور تمثال شہزادی کے ہاتھ سے نکلجانے کا وہم بھی اس کے لئے سوہان روح بن رہا تھا۔

جب ہر طرف سے ناکامی ونامرادی نظر آئی تو بادشاہ موصوف نے شرلک ہومز مشہور سراغرساں کو

تصویر حاصل کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ اور اس کے ابتدائی اخراجات کے لئے پندرہ ہزار روپیہ نقد اس کے حوالہ کیا۔ شرلک ہومز کے لئے یہ مہم کوئی خاص وقعت نہ رکھتی تھی۔ کیونکہ پیشتر ازیں وہ اس نوع کے کئی ایک رازہائے سربستہ طشت از بام کر چکا تھا۔ آئرنی ایڈلر کی جائے سکونت اس کے ملاقاتیوں اور اس کی حرکات و سکنات کا تمام حال معلوم کر لینے کے بعد اس نے اپنے دوست ڈاکٹر واٹسن سے اس معاملہ میں یہ مدد چاہی کہ وہ آئرنی ایڈلر کے مکان کی ایک کھڑکی کے نیچے کھڑا رہے اور جس وقت شرلک ہومز اپنا ہاتھ اٹھائے تو وہ اس کھڑکی کے اندر ایک سگار نما لمبی سی نالی پھینک کر "آگ۔ آگ" کی پکار شروع کر دے اور بعد ازاں گلی کے سرے پر اس کا انتظار کرے۔

اس سمجھوتہ کے بعد ڈاکٹر واٹسن ایڈلر کے مکان کی اس مخصوص کھڑکی کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ جس کا پتہ اسے شرلک ہومز نے بتلایا تھا۔ اسی اثناء میں آئرنی ایڈلر کی گاڑی اس کے مکان کے دروازہ پر رکی اور ایک مزدور انعام کے لالچ سے دروازہ کھولنے کے لئے لپکا لیکن ایک دوسرے مزدور نے اسے دھکا دیکر گرا دیا اور خود دروازہ کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس پر دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ جو تماشائیوں کے ہجوم اور دونوں مزدوروں کے طرفداروں کی شرکت سے ایک خاص جنگ بن گئی۔ جب آئرنی ایڈلر گاڑی سے نیچے اتری تو اس کے لئے قدم بڑھانا محال تھا۔ کیونکہ جھگڑالو آدمی ہر طرف سے اس کو گھیرے ہوئے تھے شرلک ہومز ایک پادری کے بھیس میں ایڈلر کی حفاظت کے لئے آگے بڑھا لیکن جونہیں وہ اس کے قریب پہونچا اس نے ایک چیخ ماری اور دھم سے نیچے گر پڑا۔ اس کے چہرے سے لہو بہنا شروع ہو گیا۔ اس حادثہ کے بعد مزدور۔ سپاہی اور دیگر معمولی حیثیت کے تماشائی جدھر ان کے سینگ سمائے بھاگ نکلے۔ اور چند معزز لوگ مجروح پادری کی مدد کے لئے آگے بڑھے۔ اسی اثنا میں ایڈلر مکان کے زینے پر جلدی سے جا کھڑی ہوئی اس نے گلی کی طرف منہ کر کے کہا "کیا بیچارے شریف آدمی کو بہت چوٹ لگی ہے؟" بہت سی آوازوں نے پکار کر کہا "وہ مر گیا ہے" ایک آواز نے کہا "نہیں نہیں۔ ابھی تک اس میں جان باقی ہے۔ لیکن ہسپتال میں پہونچنے سے قبل وہ ضرور مر جائے گا"

ایک عورت نے کہا "یہ ایک بہادر آدمی ہے۔ وہ بدمعاش معزز خاتون کا بٹوا اور گھڑی ضرور اڑا لیجاتے اگر یہ انہیں اپنی جان پر کھیل کر نہ روکدیتا۔ شکر ہے خدا کا کہ وہ اب سانس لے رہا ہے"

ایک شریف النفس راہگیر نے چلا کر کہا "وہ گلی میں پڑا نہیں رہسکتا۔ جناب میم صاحبہ کیا ہم اسے آپ کے گھر میں لے آئیں؟"

"یقیناً" آئرنی ایڈلر نے کہا "اسے نشستگاہ میں لے آیئے۔ وہاں ایک آرام دہ پلنگ ہے اسطرف آیئے"

اسطور شرلک ہومز نہایت سہولت و متانت کے ساتھ بری انی لاج[1] کے اندر داخل ہوگیا اور بآرام ایک مکلف بستر پر لٹا دیا گیا چند لمحوں کے بعد شرلک ہومز پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اسطرح اشارہ کیا جیسے اسکا سانس گھٹ رہا ہے اور وہ کھلی ہوا کا محتاج ہے۔ ایک خادمہ نے لپک کر کھڑکی کھولدی اور اس عرصہ میں اس نے اپنے مخصوص انداز سے ہاتھ اٹھا کر ڈاکٹر واٹسن کو اپنا کام کرنے کے لئے کہا یہ اشارہ پاکر اس نے ہوائی کمرے کے اندر پھینک کر "آگ۔ آگ" پکارنا شروع کردیا۔ ہوائی کے کمرہ کے اندر گرتے ہی دھوئیں کے سیاہ بادل کھڑکی سے نکلنے شروع ہوئے مرد اور عورتیں نہایت بدحواسی کے عالم میں ادھر اُدھر دوڑنے لگے چند لمحوں کے بعد شرلک ہومز کی تیز آواز ڈاکٹر واٹسن کے کان میں پہونچی۔ "واٹسن چلو کمرہ میں آگ نہیں لگی"۔ پھر دونوں دوست چپ چاپ تیزی سے قدم بڑھاتے اپنے گھر کیطرف روانہ ہوگئے جب وہ آئیڈلر کے مکان سے کافی دور نکل گئے تو شرلک ہومز نے کہا "ڈاکٹر صاحب آپ نے اپنا کام بہت اچھی طرح سرانجام دیا۔ سب معاملہ ٹھیک ہوگیا"۔ ڈاکٹر نے پوچھا "تو کیا تصویر آپ نے پالی"

شرلک ہومز نے جواب دیا "نہیں۔ لیکن مینے معلوم کرلیا کہ کہاں رکھی ہے" ڈاکٹر کا دوسرا سوال تھا "آپ نے کیسے معلوم کیا" شرلک ہومز نے ہنسکر کہا "اس نے تصویر کی جگہ مجھے خود بتادی"

ڈاکٹر واٹسن منہ پھاڑ کر بولا "میں ابھی تک کچھ نہیں سمجھا" شرلک ہومز نے مسکراکر جواب دیا "میں آپ کو زیادہ عرصہ تک پریشان نہیں کرنا چاہتا اور نہ اس معاملہ میں کوئی خاص راز کی بات ہے یہ تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ گلی میں جتنے آدمی موجود تھے ہمارے معاون تھے اور آج شب کیلئے ہمارے ملازم تھے"

ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا "بہت خوب" شرلک ہومز نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "پھر جب تنازعہ برپا ہوا تو میرے ہاتھ میں سُرخ رنگ کی ایک چھوٹی سی شیشی تھی۔ میں آگے بڑھا۔ نیچے گر پڑا اپنے چہرہ پر رنگ والے ہاتھ لگائے اور میری شکل قابل رحم بن گئی۔ یہ ایک پرانی چال ہے پھر لوگ مجھے اٹھا کر گھر میں لیگئے آئرنی ایڈلر کو اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ مجھے نشستگاہ میں لٹایا گیا جسپر مجھے خاص شبہ تھا۔ مینے ہوا کے لئے اشارہ کیا اور انہیں مجبوراً کھڑکی کھولنی پڑی جس سے آپ کو موقع مل گیا"۔ "لیکن اس سے آپ کو کیا فائدہ پہونچا" ڈاکٹر واٹسن نے پوچھا۔ "بہت کچھ" شرلک ہومز نے ذرا سریلی آواز میں کہا "جب کسی عورت کو یقین ہوجاتا ہے کہ اس کے گھر کو آگ لگ گئی ہے تو وہ یک لخت اس چیز کی طرف دوڑتی ہے جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ یہ ایک زبردست فطری خواہش ہے اور مینے اکثر مرتبہ اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ میں آپکو کئی ایک

---

[1] آئرنی ایڈلر کے مکان کا نام۔

جرائم کی داستانیں سنا سکتا ہوں جن میں مجھے ایسے ہی راز کی تفہیم سے کامیابی حاصل ہوئی - ایک بیاہی ہوئی عورت اپنے ننھے بچے کی طرف دوڑتی ہے اور ایک ناکتخدا لڑکی اپنے زیورات کے ڈبہ کیطرف - موجودہ حالت میں آئرنی ایڈلر کو اس تصویر سے زیادہ اور کوئی چیز پیاری نہیں - آگ لگنے کا دھوکا نہایت کامیابی سے دیا گیا - دھوئیں کی کثرت اور آگ کی چیخ پکار تو یوں ہی سے قوی دل ہلا دینے کے لئے کافی ہے - آئرنی ایڈلر عیارہ سہی لیکن پھر بھی عورت ذات ہے چکمہ میں آگئی - تصویر ایک طاق میں رکھی ہے جسکو ایک بڑی گھڑی کے ذریعہ چھپا رکھا ہے - ایڈلر فوراً وہاں پہونچ گئی - جب اس نے تصویر کو وہاں سے نکالا تو میں نے دیکھ لیا - جب میں نے کہا کہ آگ سچ مچ نہیں لگی تو اُس نے تصویر پھر اسی جگہ رکھدی - ہوائی کی طرف نگاہ دوڑائی - اور کمرہ سے بھاگ گئی پھر میں نے اُسے نہیں دیکھا - میں اٹھا اور معذرت کر کے گھر سے نکل آیا - میں مذبذب حالت میں تھا کہ تصویر اسی وقت حاصل کر لینی چاہئیے یا نہیں لیکن ایڈلر کا کوچوان کمرہ میں آگیا - چونکہ میری طرف غور سے دیکھ رہا تھا اس لئے میں نے التوا کو مناسب سمجھا - غیر مناسب تعجیل سے بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا تھا"

شرلک ہومز کے صحیح استدلال نے آن واحد میں شاہ بوہیمیا کی تصویر کا پتہ بتا دیا - صحیح نتیجہ پر پہونچ اور اپنا پاکھنڈ پھیلانے سے پیشتر اس کے دماغ میں مختلف قسم کے خیالات موجزن تھے - اس کا خیال تھا کہ ایسی قیمتی چیز ایڈلر نے یا تو اپنے خزانچی یا اپنے وکیل کے پاس امانتاً رکھی ہوگی - لیکن اس کی سائنٹفک رائے اس کے برخلاف تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مستورات عموماً اخفا پسند ہوتی ہیں وہ اپنے عشق و محبت کے بھید کو اپنے ہی قبضہ میں رکھنا پسند کرتی ہیں - ان کو جسقدر اعتماد اپنی ذات پر ہوتا ہے کسی غیر آدمی پر نہیں ہو سکتا ماسوا ازیں ایڈلر کو یہ بھی احتمال ضرور ہوگا کہ کوئی دوسرا آدمی طمع یا خوف کے اثر سے تصویر بادشاہ کے حوالے نہ کر دے - نیز یہ امر بھی قابل توجہ تھا کہ تصویر چند دنوں کے اندر استعمال کی جانیوالی تھی - اس لئے وہ ایسی جگہ مستور تھی جہاں سے اُسے ہر وقت بآسانی حاصل کیا جا سکتا تھا - قابل سراغرساں کا یہ قیاس بالکل درست نکلا اور وہ اس حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا - برعکس اس کے بغیر واقعات کا مطالعہ کئے اور بغیر کسی مشاہدہ کے اپنی رائے قائم کر دینے کا ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ فرمائیے -

دارالسلطنت فرانس کے مفصلات میں پے سی ایک قصبہ ہے جہاں ایک معمر عورت رہتی تھی (اور اب بھی وہیں اقامت گزیں ہے) جس کا صرف ایک ہی لڑکا تھا - جن ایام کا یہ ذکر ہے اسوقت اس لڑکے کی عمر ۱۹ سال کے قریب تھی - وہ بالکل دُبلا پتلا اور منحنی جسم کا نوجوان تھا - لیکن بوڑھی والدہ کو اس سے عشق تھا - خود اس عورت کے عہد شباب کی زندگی ایک راز سربستہ تھی - لیکن عام طور پر یہ مشہور تھا کہ وہ کئی سال تک روس میں ایک رقاصہ کا کام کرتی رہی ہے اور اس زمانہ میں اس نے بہت روپیہ کمایا تھا

لڑکے کا نام لوسین تھا اور اس نے ایک غیر سرکاری مکتب میں تعلیم حاصل کی تھی۔ زمانہ طالبعلمی میں بھی اسے فدائی ماں کیطرف سے بیشمار روپیہ اخراجات کی کفالت کے لئے ملتا تھا۔ جوان ہو کر وہ عیش و نشاط کی زندگی بسر کرنے لگا۔ کیونکہ سکول چھوڑنے کے بعد اس کے سوا اس کا کوئی مطمح نظر نہ تھا اور نہ وہ کسی خاص مقصد کو مدنظر رکھ کر تعلیم حاصل کر رہا تھا اس اوباش مزاجی کیوجہ سے وہ پیرس کے رنگیلے۔ بانکے نوجوانوں میں شمار ہونے لگا۔ اس کے پاس دو موٹر گاڑیاں تھیں اور اسکی جیبیں ہر وقت روپے اور کرنسی نوٹوں سے بھری رہتی تھیں۔ سامانِ تعیش و تفرج کی فراوانی کے علاوہ وہ وقت کی تنگ دامانی کا بھی شاکی نہ تھا۔ غرضیکہ دین و دنیا سے یکسر آزاد و بیفکر انسان کی طرح اسے کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ فکر معاش اسے دامنگیر نہ تھی لیکن پھر بھی وہ موٹر گاڑیوں کی تجارت کا بہانہ بنایا کرتا تھا۔ یہ فقید المثال تجارت اس طریق پر ہوتی تھی کہ اس نے اپنے حسب منشا ایک قیمتی گاڑی خرید کر چند دن استعمال میں رکھی۔ اس عرصہ میں اسے ایک اور قسم کی گاڑی پسند آگئی تو اپنی پہلی گاڑی فروخت کر کے نئی گاڑی خرید لی۔ چنانچہ اس تجارت میں وہ عموماً خسارہ ہی خسارہ اٹھانے کا عادی تھا۔ اس کی شفیق والدہ اس کی خزانچی تھی اور جب کبھی فضول خرچ لڑکے نے جائز یا ناجائز طریق پر کوئی رقم مانگی تو اس نے دینے میں پس و پیش نہیں کی۔ لوسین موسم گرما ڈیو ویلی اور موسم سرما رائی ویرا[1] میں بسر کرتا تھا اور ان دو موسموں کا درمیانی وقفہ پیرس میں گذرتا تھا۔ اس عرصہ میں وہ ایک نوجوان سکاچ لڑکی پر فریفتہ ہو گیا۔ جو اندنوں پیرس میں مقیم تھی۔ لڑکی کا باپ ایڈنبرگ میں میر عمارت تھا۔ خود لڑکی پیرس میں رہکر مختلف ذرائع سے اپنی روزی کماتی تھی اور لوسین سے اس وقت متعارف ہوئی جب وہ پیرس کے ایک ناچ گھر میں فرانسیسی لیڈیوں کو انگریزی زبان سکھلانے پر متعین تھی۔ اسی دوران میں فرانس نے اعلانِ جنگ کر دیا اور لڑکی ایک نرس کی خدمات انجام دینے پر معمور ہو گئی۔ اس کے عاشق نے بھی اپنی خدمات معہ اپنی موٹر کار انگریزی حکام کی خدمت میں پیش کر دیں۔ لیکن کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد وہ پیرس چلا آیا اور افواج فرانس میں شامل ہونے کا منتظر رہنے لگا۔

لوسین کی معشوقہ اس کے مکان کے نزدیک ہی رہتی تھی اور اس عرصہ میں کئی بار اس کی ماں سے بھی مل چکی تھی۔ دونوں ہر شب سیر کے لئے اکٹھے جایا کرتے تھے۔ اور عموماً شام کا کھانا ہوٹل میں مل کر کھاتے تھے۔ ہفتہ کی شب جب لوسین لڑکی کو مکان پر چھوڑ کر الوداع کہنے کو تھا تو اس نے نہایت طفلانہ انداز میں پوچھا۔ "کل کس وقت تشریف لائیں گے؟"

نوجوان عاشق نے سگریٹ زمین پر پھینک کر نہایت اشتیاق بھری نگاہوں سے اپنی منظور نظر کے

---

[1] مونٹ کارلو اور رائی ویرا یورپ اور امریکہ کی اعلیٰ سوسائٹی کی سیرگاہیں ہیں۔

سڈول اور گداز بازوؤں پر نظر ڈالی پھر بیتاب دل سے کہنے لگا۔ کل بعد از دوپہر"

پری چہرہ لڑکی کے نازک ہاتھ الوداع کہنے کے لئے اٹھے۔ لوسین نے اس کے بائیں ہاتھ کی پشت پہ بوسہ دیا۔ اور خندہ پیشانی سے شب کا الوداعی پیغام کہکر رخصت ہوگیا۔ دوسرے روز وقت مقررہ پر لوسین لڑکی کے مکان پر نہ پہونچا اور وہ نہایت بے صبری سے اس کا انتظار کرتی رہی۔ اسی انتظار میں شام ہوگئی۔ مگر وہ نہ آیا۔ سچی محبت سے لبریز ننھا سا دل سخت بے چین تھا۔ وہ تھوڑے وقفہ کے بعد مکان سے باہر نکل کر چہار طرف دیکھتی مگر اس کا کہیں نشان نہ ملتا تھا۔ رات آئی۔ گذر گئی مگر لوسین نہ آیا۔ علی الصباح وہ نہایت مضطرب حالت میں خود اس کے مکان پر گئی۔ لوسین کی والدہ نے کمال شفقت سے اپنی ہونیوالی بہو کو خوش آمدید کہا اور رسمی مزاج پرسی کے بعد جہاندیدہ عورت نے متفکرانہ انداز میں پوچھا "لوسین کل شب سے گھر نہیں آیا۔ آپ کو تو معلوم ہوگا۔ میں سخت پریشان ہو رہی ہوں۔ آجکل کے لڑکے کچھ ایسے آزاد طبیعت اور خود سر واقع ہوئے ہیں۔ کہ اپنے بوڑھے والدین کو بھی خاطر میں نہیں لاتے"۔

یہ سنتے ہی نوجوان عورت کے دل پر بدگمانی کا جھٹکا لگا۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ لوسین کبھی ایسا آوارہ اور اوباش مزاج ہو سکتا ہے جو اسطرح بغیر اطلاع گھر سے غیر حاضر رہے۔ یہ امر اس کے لئے مزید باعث تشویش ہوا۔ جب دوسری صبح تک بھی اس کے متعلق کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی۔ لڑکی کو لوسین سے بڑی محبت تھی وہ دن بھر اس کے دوستوں کے ہاں اس کی تلاش میں سرگرداں پھرتی رہی مگر کسی نے بھی اس کے متعلق کوئی پتہ نہ بتایا۔ البتہ اسقدر معلوم ہو سکا کہ وہ ہفتہ کی رات ایک نوجوان کے ہمراہ کسی شرابخانہ میں بدمست و مخمور دیکھا گیا تھا۔ لوسین اگرچہ ایسا دعادت شراب نوش نہ تھا مگر پھر بھی اس کا سراغ لگانے کی خاطر اس اطلاع پر یقین کر لیا گیا۔

اگلے روز لوسین کی والدہ لڑکے کے اسطرح گم ہو جانے کی اطلاع پولیس میں بھیجنے والی تھی کہ اسے اپنے لیٹر بکس میں ایک خط ملا جو ڈاک کی وساطت سے نہیں آیا تھا۔ خط کسی کمسن لڑکے کا لکھا ہوا تھا جسمیں بوڑھی عورت کو دھمکی دی گئی تھی۔ کہ لوسین کاتب خط کی حراست میں ہے اور اسے کچھ تکلیف نہ پہونچے گی اگر اسکی والدہ انہیں ایک لاکھ فرانک ادا کردے۔ اس خط میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ روپیہ کس ذریعہ سے بھیجا جائے اس خط کے مطالعہ سے معمر عورت کو زیادہ فکر لاحق ہوئی۔ وہ خط اٹھائے بیتابانہ تھانہ میں چلی گئی اور اپنے لخت جگر کی غیر حاضری کا تمام واقعہ بیان کر دیا۔ سالخوردہ افسر پولیس نے بتایا کہ دوسرا خط ضرور آئیگا۔ اس کا انتظار کرنا چاہئے۔ دو دن بعد جبکہ بوڑھی عورت اپنے اکلوتے فرزند کے فراق میں جاں بلب ہو رہی تھی۔ اس کے لیٹر بکس میں ایک اور خط پایا گیا جسمیں مرقوم تھا کہ اگر روپیہ فی الفور ادا نہ کیا گیا تو لڑکا

کبھی زندہ وسلامت واپس نہ آسکے گا اس خط میں لوسین کی والدہ کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ روپیہ کسطرح ادا کیا جائے اسبارے میں یہہ ہدایت تھی کہ وہ تمام نوٹ بحفاظت تمام ایک لفافہ میں بند کرکے مقررہ اوقات پر ایک خلص سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہونچ جائے جہاں ایک آدمی اس سے لفافہ لے لیگا اور اسی شام اس کا لڑکا اسے واپس دیدیا جائے گا۔ یہ خط لیکر پھر اس نے پولیس کے حاکم اعلےٰ سے ملاقات کی جس مخصوص سٹیشن کا خط میں ذکر تھا وہ پیرس کی زمین دوز ریلوے کا ایک نہایت کم رونق مقام تھا جسے گلیسٹیر سٹیشن کے نام موسوم کرتے تھے۔ یہ سٹیشن ایک کھلے میدان میں تعمیر کیا گیا تھا۔ جس کے اوپر ایک آہنی پل بھی تھا۔ اگرچہ لوسین کی ماں کے پاس اسوقت ایک لاکھ فرانک موجود نہ تھے مگر پھر بھی وہ افسران پولیس کے روبرو اپنی تمام عمر کی کمائی اور سب زر ومال اپنے بچے کی رہائی کے صلہ میں دیدینے پر رضامند ہوگئی۔ لیکن قیام امن کے ٹھیکیداروں کے لئے ایسا فعل ان کی توہین وتذلیل کرنا تھا۔ چنانچہ اسے ہدایت کی گئی کہ وہ کسی لفافہ میں بجائے کرنسی نوٹوں کے ردی کاغذ کے ٹکڑے بھر کر مقررہ مقام پر وصول کرنیوالے کا انتظار کرے۔ جونہیں کہ لفافہ لینے والا پلیٹ فارم پر نمودار ہوگا۔ سراغرساں جو پہلے سے وہاں تعینات کئے گئے ہوں گے فی الفور اس مجرم کو اپنی حراست میں لے لیں گے۔

لوسین کی دلگرفتہ ماں کے لئے یہ نہایت تشویشناک مرحلہ تھا۔ ماتما کی ماری افسران پولیس کے مشورہ کے مطابق مقررہ جگہ پر پہونچ گئی اور اپنے ہاتھ میں لفافہ لے کر کھڑی ہوگئی تاکہ روپیہ لینے والا دیکھ لے کہ رقم مطلوبہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسے وہاں کھڑے ہوئے دو منٹ بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ ایک چھوٹا سا لڑکا نمودار ہوا۔ اور معمر عورت کے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا "کیا آپ ہی وہ معزز خاتون ہیں جسے مجھے ایک لفافہ دینا ہے"۔ غم نصیب عورت کا دل الجھ کر حلق میں آگیا۔ اس نے بلا حیل وحجت اور بغیر کوئی لفظ منھ سے نکالے لفافہ اس لڑکے کے ہاتھ میں دے دیا۔ لفافہ ہاتھ میں لئے جب وہ کمسن چھوکرا پلیٹ فارم سے باہر قدم رکھنے کو تھا کہ دو مضبوط دیو ہیکل سراغرسانوں نے آگھیرا اور اپنی حراست میں لے لیا۔ ننھے بچے کا دل دہل گیا اور اس کے رخساروں کی سرخی وفور خوف سے مائل بہ زردی ہوگئی۔ اس نے اپنی خوبصورت آنکھوں سے معصومانہ انداز کے ساتھ دو قوی ہیکل سپاہیوں کو نکیرین کی طرح اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ تو اس کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا۔ بے گناہ بچے کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی جب اسے پولیس کے صدر مقام پر چلنے کے لئے کہا گیا۔

ممکن ہے کہ قارئین کرام کا نکتہ رس دماغ خود ہی اس معمہ کو حل کرے کہ اصل معاملہ کیا تھا۔ چھوٹا لڑکا بالکل بے قصور تھا۔ پولیس والوں کو اپنی حماقت کا اسوقت علم ہوا جب اس نے بیان کیا کہ "میں پل پر سے گذر رہا

تھا کہ ایک آدمی نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں ایلیمنٹ کے اندر دو فرانک کمانا چاہتا ہوں۔ جب میں نے کہا "ہاں" تو اس نے کہا اس بوڑھی عورت سے جو پلیٹ فارم پر کھڑی ہے جا کر ایک لفافہ مانگ لاؤ"[1]

بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ حامیانِ قانون کو ایک مجرم کے مقابلہ میں صرف اس لئے شکست نصیب ہوئی کہ انہوں نے مقررہ مقام اور حالات کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ برخلاف اس کے اس شریر النفس آدمی نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا۔ کہ اگر وہ بوڑھی عورت اپنے ہمراہ پولیس کی جمعیت لائی اور انہوں نے اس معصوم بچے کو گرفتار کر لیا۔ تو وہ فوراً پل کے دوسری طرف اتر کر غائب ہو جائے گا۔ پولیس والوں کے لئے یہ لازمی امر تھا کہ مقررہ وقت سے بہت پیشتر وہ اس جگہ کا۔ ان سڑکوں۔ اس مقام کے نواح اس کے اطراف وجوانب اور خصوصاً اس آہنی پل کا بغور مطالعہ کرتے۔ پھر ممکن نہ تھا کہ وہ شوریدہ سر بدمعاش ایسی آسانی سے بچ نکلتا

اس معاملہ پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے میں دنیا کے تاریخی واقعاتِ جرائم پر بھی کچھ بحث کرنا چاہتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ طبعی استدلال کے بغیر کسی سراغرساں کا کسی موقعہ پر بھی کامیابی حاصل کرنا ناممکنات سے ہے۔

(محمد ضیاء الدین شمسی)

کلامِ یاس

خاک کا پتلا بگولا دشت کا ہو جائے گا ۔۔۔ مٹ کے بھی اک پیکرِ نشو و نما ہو جائے گا
ہے ذرا سی ٹھیس کا مہماں حبابِ جاں بلب ۔۔۔ اک اشارہ میں ہوا کے دم فنا ہو جائے گا
سانس لیتا ہوں تو آتی ہے صدائے بازگشت ۔۔۔ کون دن ہوگا کہ اک نالہ رسا ہو جائے گا
دردمندوں کی کہانی پر دلِ بے دسترس ۔۔۔ ہاتھ ملکر فرض ہے اپنے ادا ہو جائے گا
یہ دلِ بے مدعا بیگانۂ امید و بیم ۔۔۔ غرق ہو کر آپ اپنا ناخدا ہو جائے گا
کیا خبر تھی دل سا شاہنشاہِ عالم ایک دن ۔۔۔ عشق کے ہاتھوں گداؤں کا گدا ہو جائے گا
عشق کا حسنِ طلب اک معنیٔ بے لفظ ہے ۔۔۔ ٹکٹکی بندھ جائیگی مطلب ادا ہو جائے گا
آئینہ ہے وہ زیارتگاہ جس کے سامنے ۔۔۔ خود پرستوں کے لئے سجدہ روا ہو جائے گا
اعتبارِ وعدہ واجب۔ بدگمانی کفر ہے ۔۔۔ کفر سے باز آئے وعدہ وفا ہو جائے گا
بڑھتے بڑھتے اپنی حد سے بڑھ چلا دستِ ہوس ۔۔۔ گھٹتے گھٹتے ایک دن دستِ دعا ہو جائے گا
چھوڑئے دیر و حرم کو یاس دلّی دور ہے ۔۔۔ اس دوراہے میں غضب کا سامنا ہو جائے گا

(ابو المعانی مرزا یاس لکھنوی)

---

[1] دی انڈر ورلڈ آف پیرس۔

نئے دور کا جلسۂ مشاعرہ

کالج کے ایک وسیع ہال کو منتظمین مشاعرہ نے ہر قسم کے مصنوعی بیل اور پھول پتیوں سے آراستہ کرکے اسمیں جا بجا متعدد ایسے برقی لیمپ لگائے تھے کہ جنکی جگمگاہٹ سے تمام ہال عروس القصر بن گیا تھا۔

کمرے میں تل رکھنے کو جگہ باقی نہ رہگئی تھی۔ کسی کی یہہ مجال نہ تھی کہ کوئی شخص اِس گوشے سے اُس گوشے تک پہونچ سکے مجمع میں قریب قریب ہائی کورٹ و ضلع کے جملہ وکلاء و بیرسٹران صاحبان چھوٹے و بڑے حکام شہر کے رئیس و مختلف کالجوں کے طلباء و پروفیسر موجود تھے۔ اسی ہال میں ایک طرف محض بیرونجات کے شعراء اور اساتذہ کی نشست کے لئے ایک وسیع اسٹیج بنایا گیا تھا۔ ہاں اس شخص کو البتہ اتنی دیر تک اس اسٹیج پر جاکر بیٹھنے کا حق رکھا گیا تھا۔ جب تک کہ وہ اپنی غزل نہ پڑھ چکے۔ مشاعرہ کے شروع ہونے کا وقت آٹھ بجے شب سے مقرر ہوچکا تھا معمولی شعرا تو وقت معینہ کے پہلے ہی سے آگئے تھے۔ مگر اساتذہ کی زیارت کا لوگوں کو اشتیاق بڑھتا جاتا تھا آٹھ بجنے کو کچھ منٹ باقی تھے کہ حضرت ادیب معہ اپنے شاگردوں کے آتے ہوئے دکھائی دئے۔ جناب کا سن شریف پچاس سال کے قریب تھا۔ پٹنہ کے رہنے والے بہت پرانے خاندانی شاعر تھے لباس کی وضع قطع بھی ویسی ہی تھی۔ جیسے پرانے زمانہ کے لکھنؤ و دہلی کے شعرا کی ہوتی تھی۔ تمام مجمع نے اٹھ کر ان کی سروقد کی تعظیم کی اور بانئ مشاعرہ نے لیجا کر اسی اسٹیج پر بٹھایا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

حضرت ادیب۔ شاگردوں سے مخاطب ہوکر۔ ارے میاں تم لوگوں کو معلوم ہے کہ کون کون صاحب بیرونجات کے اس مشاعرے میں مدعو کئے گئے ہیں اور ان میں سے کون کون صاحب تشریف لائے ہیں۔

اشرف۔ حضور اتنا تو میں نے بھی سنا ہے کہ اس زمانے کے جتنے نئے فیشن کے رنگ میں کہنے والے ہیں وہ قریب قریب سب مدعو کئے گئے ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ کون کون صاحب تشریف لے آئے ہیں۔

مجید۔ اور شعرا کا تو مجھے حال نہیں معلوم ہے مگر ابھی میں نے مشاعرے کے باہر سنا ہے کہ موجودہ زمانے کے نئے رنگ کے مذاق میں کہنے والوں میں سے پانچ چھ صاحب ایسے تشریف لائے ہیں جن کے کلام کی تمام ہندوستان میں آجکل دھوم مچی ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج اسقدر غیر معمولی مجمع نظر آرہا ہے اور اتنے بڑے بڑے لوگ اس مشاعرے میں دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت ادیب۔ بھئی میں نے تو عرصہ ہوا کہ مشاعروں کی صحبت ترک کردی ہے اب لوگوں کا مذاق بالکل بدلگیا ہے۔ سنا ہے کہ غزل خوانی کا طریقہ بھی بدل گیا ہے۔ دیکھو آج ہم لوگوں کو ایسی جگہ پر بٹھایا گیا ہے۔ گویا ہم لوگ تماشا کرنے آئے ہیں۔

اشرف - جی ہاں بجا ہے - مگر اب چند وجوہات سے لوگوں کو شمع گردش کے طریقہ کا مشاعرہ بند کردینا پڑا کیونکہ پہلے مشاعروں میں سو دو سو آدمیوں کا مجمع ہوا کرتا تھا - مگر اب تو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے اس میں اولاً تو دور کا قائم ہونا بہت مشکل ہے - دوسرے اگر دور قائم بھی کردیا جائے تو پڑھنے والے کی پشت کے بہت پیچھے جو لوگ بیٹھتے ہیں ان کو ایسا لطف نہیں آسکتا جو اسٹیج پر پڑھنے والے کو دیکھ کر آسکتا ہے -

حضرت ادیب - خیر یہ بات تو قرین قیاس معلوم ہوتی ہے - مگر میں نے یہ سنا ہے کہ اب غزلخوانی کا ایسا طریقہ رائج ہوا ہے کہ اس کے سامنے ہم ایسے غزل پڑھنے والوں کی غزل کا رنگ جمنا غیر ممکن ہو گیا ہے

اشرف - جی ہاں اب لوگ لحن میں زیادہ پڑھتے ہیں - تاکہ ہر ہر لفظ کا سامعت پر اچھا اثر پڑے جسکی وجہ سے شعر کی خوبی کا اثر دل پر زیادہ ہو -

حضرت ادیب - اگر یہی کیفیت ہے تو آج ہماری عزت و آبرو کا خدا ہی حافظ ہے ایک مدت کے بعد مشاعرے کی صحبت میں آنا ہوا ہے - دیکھئے عزت و آبرو بھی باقی رہتی ہے یا نہیں -

اشرف - جناب یہ کیا فرماتے ہیں جو مضبوطی آپ کے کلام میں ہوتی ہے اور جو قدرت آپ کو بندش اور استعارے میں حاصل ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ اس کے مقابلہ میں آجکل کے خودرو شاعر فوقیت حاصل کرسکیں - یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ چھ سات حضرات اور تشریف لاتے ہوئے دکھائی دئے - ان میں سے کسی صاحب کے ہاتھ میں ستار تھا کسی مرد شریف کی بغل میں ہارمونیم دبا ہوا تھا - کوئی طبلے کو سنبھالے ہوئے تھا - غرضکہ ہر ایک شخص کے پاس ایک نہ ایک قسم کا ایسا آلہ تھا جو گانے کے ساتھ بجایا جاتا ہے مگر ان سب کے آگے آگے جو ایک خوبصورت و خوش وضع نوجوان تھے ان کی بغل میں ایک لمبا سا چاندی کا چونگا دبا ہوا تھا -

ان حضرات کی بھی لوگوں نے ویسے ہی تعظیم کی جیسی حضرت ادیب کی کی تھی - اور بانئ مشاعرہ نے ان لوگوں کو بھی لیجا کر اُسی اسٹیج پر بٹھایا - جہاں حضرت ادیب رونق افروز تھے -

اب تو حضرت ادیب کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے - وہ حیران اور متعجب تھے کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے - یہ جلسہ مشاعرہ ہے - یا محفل رقص و سرود - کیا حقیقت میں ان کالج کے لڑکوں نے میرا مضحکہ کیا ہے یا اس جلسہ رقص و سرود میں مجھے گانا سننے کو بلایا ہے - مگر پرانی تہذیب اور اخلاق کیوجہ سے یہ ان سب باتوں کو دیکھ رہے ہیں - اور زبان سے کچھ نہیں کہتے - اتنی دیر میں کالج کے گھنٹے نے آٹھ بجنے کا بہت بلند آواز میں اعلان کیا -

حضرت ادیب نے بانئ مشاعرہ سے جو ان کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے کہا کہ حضرت آٹھ تو بج گئے مگر باہر کے

جو مشہور شاعر یہاں مشاعرے میں آنیوالے ہیں وہ ابھی تک تشریف نہیں لائے ۔
بانیٔ مشاعرہ ۔ جناب ۔ ب تشریف لا چکے ۔ اور انہیں لوگوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر (جو اس بیچارے کو محو حیرت بنائے ہوئے تھے) کہنے لگے کہ آپ مسٹر اکمل ہیں ۔ اور آپ فلاں صاحب ہیں اور آپ کا اسم گرامی یہ ہے ۔ غالباً آپ نے ان حضرات کا نام پہلے بھی ضرور سنا ہوگا ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ حضرات اردو زبان پر جو احسان کر رہے ہیں ۔ اس کا شکریہ اردو کے معاونین کسیطرح ادا کر ہی نہیں سکتے ۔
ابتو حضرت ادیب ایکبارگی چونک پڑے اور ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ معاف کیجئے گا مجھے دھوکا ۔ ارے تو یہ بڑی غلطی ہو گئی ۔
مسٹر اکمل ۔ (جو سب کے آگے تشریف رکھتے تھے) نہیں جناب کوئی ہرج نہیں ۔ آپ کو بہت عرصے سے مشاعروں میں شرکت کا اتفاق نہیں ہوا ۔ اسوجہ سے آپ کو دھوکا یا غلط فہمی ہوئی ہے ۔
حضرت ادیب ۔ جی ہاں میں تو عرصے سے مشاعروں کی شرکت سے معذور ہو چکا ہوں ۔ مگر کیا کروں میرے بڑے لڑکے انور نے مجھے ہر طرح سے مجبور کر کے مجھ سے غزل کہلوائی ۔ اور یہاں مشاعرے میں لایا میں نے بہت جان چھڑائی مگر وہ کسی طرح نہ مانا ۔ اور جب اس نے یہ کہا کہ اگر آپ غزل نہ کہیں گے اور مشاعرے کی شرکت نہ کریں گے تو پروفیسر شمسی صاحب مجھ سے ناراض ہو جائیں گے ۔ اور اس کا اثر میری تعلیم پر بہت برا پڑے گا ۔ ایسی حالت میں آپ خود غور فرما سکتے ہیں کہ اولاد کی تعلیم کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے ۔ مجبوراً میں نے غزل بھی کہی اور اب جو کچھ بھی میرے اوپر گذر جائے غزل پڑھونگا ۔
مسٹر اکمل ۔ ارے جناب آپ کے تشریف لانے سے ہم لوگوں کو استفادہ حاصل کرنے کا موقع حاصل ہو گیا ۔ ابتو آپ ایسے باکمال اور صاحب فن حضرات کے تازہ کلام سننے سے ہم لوگ قطعاً محروم ہو گئے ہیں ۔
حضرت ادیب ۔ کیا کہیں بھائی ۔ زمانے کا مذاق اب بالکل بدل گیا ہے اب زبان اردو میں جب تک آدھے سے زیادہ انگریزی لفظ داخل نہ کئے جائیں ۔ تو وہ قابل قدر ہی نہیں ہے ۔ اور لطف یہ ہے کہ انگریزی حضرات نے زبردستی اس پر بھی قبضہ کر کے اس کو بالکل مسخ کر دیا ہے ۔ ان حضرات کی ادبیت کا یہ حال ہے کہ تمام مضمون پڑھنے کے بعد بھی یہ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر اس کا مفہوم کیا تھا ۔ اکثر کتابوں اور رسالوں کے غیر علمی مضامین تک ایسے دیکھے ہیں آتے ہیں جن کو پڑھنے والا یا تو درس کے طریقہ پر لکھنے والے سے جا کر استفادہ حاصل کرے یا یہ سمجھ لے کہ یہ مضمون ہماری عقل و فہم کی رسائی سے کہیں زیادہ بلند ہے مختصر یہ ہے کہ آج کل تو یہی ذریعہ اردو ادب کے بلند کرنے کا سمجھ لیا گیا ہے کہ خوشنما اور دلفریب الفاظ اکٹھا کر دئے

جائیں - خواہ اس کے معنی کچھ پیدا ہوں یا نہ ہوں - فصاحت اور سلاست کی یہ حالت ہے کہ اس کا خیال ہی نہیں ہے کہ اس جملے کے الفاظ اس قسم کے ہیں یا نہیں کہ ان کی مناسبت نے اس جملہ میں فصاحت پیدا کر دی یا نہیں - اور نہ اس کا خیال ہے کہ اس جملے سے دوسرے جملے میں ربط پیدا ہوتا ہے یا نہیں

مسٹر اکمل - آپ کا ارشاد بجا ہے مگر بات یہ ہے کہ صدہا لفظ انگریزی کے ایسے ہیں جن کا صحیح ترجمہ اردو میں ابتک نہیں ہو سکا اور نہ آپ حضرات کو اس بات کی فکر ہے کہ کوئی مکمل لغت اردو کی تیار کریں اور دوسری زبان کے علمی خزانوں سے اردو زبان کے خزانے کو علمی جواہر سے معمور کریں - مثلاً ایک لفظ (کہانگرس) ہے جس کا صحیح ترجمہ آجتک کسی نے نہیں کیا - اس لئے ہم لوگوں کو مجبوراً بعض بعض جگہ انگریزی ہی کے لفظ لکھنے پڑتے ہیں - اب رہا خوشنما و دلفریب الفاظ کا استعمال کرنا تو جناب انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ ہر خوشنما و دلفریب چیز کیطرف اس کا رجحان زیادہ ہوتا ہے یہ ضرور ہے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو خوشنما و دلفریب الفاظ اکٹھا کر دینے سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس جملے میں ترنم بھی پیدا ہو گیا - اور معنی بھی پیدا ہو گئے ہیں -

اب رہا فصاحت اور سلاست کا مسئلہ اس کے متعلق ہم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب تک کسی مضمون میں غلو نہ پیدا ہوا ور اس سے غور و فکر کی لذت نہ حاصل ہو اس مضمون سے دل کو ذائقہ نہیں حاصل ہوتا

حضرت آدیب - خیر نثر کے مضامین کے اوپر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے - اسوقت تو نظم کے متعلق مجھے کچھ آپ سے باتیں کرنا ہیں - میں نے متعدد رسالوں میں اکثر ایسی غزلیں دیکھی ہیں کہ جن کے اکثر اشعار میں الفاظ تو بہت رنگین و دلفریب ہوتے ہیں بندش بھی چست ہوتی ہے مگر اس کے معنے پر جب غور کیجے تو خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ اس شعر کا مفہوم کیا ہے -

مسٹر اکمل - آپ کا ارشاد بجا ہے اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب تک کسی شعر میں غلو نہیں ہوتا اسوقت تک اس شعر میں مزہ نہیں ہوتا اور میرا بھی یہی خیال ہے - شعر کی اصلی خوبی یہ ہے کہ جتنا اسپر غور کیا جائے اتنا ہی اس سے زیادہ لطف ملتا جائے - مگر جناب ایسے اشعار مشاعرے کے کام کے نہیں ہوتے - مشاعرے میں وہی شعر رنگ دیتا ہے - جسمیں جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دئے گئے ہوں -

حضرت آدیب - اجی حضرت آپ کا یہ فرمانا تو بجا ہے کہ شعر کی یہ اعلےٰ خوبی ہے کہ جسقدر اس کے مفہوم پر غور کیا جائے اسیقدر زیادہ لطف آئے - مگر شعر ایسا تو ہو - یا غلو ایسا تو ہو کہ اس سے کوئی معنے بھی نکل آئیں نہ کہ ایسا بعید الفہم ہو کہ وہ بعید العقل ہو جائے -

مسٹر اکمل - میں آپ کی اس رائے سے بالکل اتفاق کرتا ہوں میں نے بھی اکثر غزلوں کو غور سے

پڑھا ہے میری سمجھ میں بھی ان میں کے اکثر اشعار کے معنی نہیں آئے - ایک مصرعہ سے کچھ معنی پیدا ہوتے ہیں تو دوسرے مصرعہ میں کچھ اور مطلب کا اظہار معلوم ہوتا ہے - یہ ممکن ہے کہ شاعر نے ہر مصرعہ میں ایک ایک مضمون رکھا ہو - یعنی ایک شعر میں دو مضمون - مگر لطف کی بات تو یہ ہے کہ وہ دونوں مضمون بھی ناقص رہجاتے ہیں - حضرت میں بھی ایسی شاعری کو پسند نہیں کرتا - جو بجائے اس کے کہ انسان کے دل و دماغ پر ایک کیف پیدا کرے اس کو خلجان میں مبتلا کر دیتی ہے - مگر غالباً آپ اس بات سے تو اتفاق کریں گے کہ جب تک جس شعر میں موسیقیت نہ پیدا ہو وہ شعر اشعر بھی کہنے کے مستحق نہیں ہو سکتے اور موسیقیت کے واسطے عمدہ اور خوش آہنگ الفاظ کا ہونا ضروری ہے اور اسی کے ساتھ اس کی مناسبت کا بھی خیال رکھنا لازمی ہے - تاکہ شعر کے جملہ الفاظ اپنی مناسبت سے شعر میں خود ایسی موسیقیت پیدا کریں جیسا کہ ستار کے مختلف قسم کے تار ملکر موسیقیت پیدا کر دیتے ہیں -

حضرت ادیب آپ کی اس رائے سے مجھے بھی اتفاق ہے کہ شعر میں موسیقیت کا پیدا ہونا جسے ہم لوگ یوں کہتے ہیں - کہ شعر میں ترنم کا پیدا ہونا ضروری ہے - مگر میرا خیال یہ ہے کہ موسیقیت پیدا کرنے میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ہر شعر میں مضمون بھی اعلےٰ ہونا چاہیئے اور ایسی کوشش ہونا چاہیئے کہ کوئی نئی بات ہو تاکہ اردو کے سرمایہ میں اضافہ ہو -

مسٹر اکمل - معاف فرمائیے گا چونکہ اسوقت ایک بہت پرلطف مباحثہ شروع ہو گیا ہے اسوجہ سے میں نہایت ادب سے گذارش کرتا ہوں کہ جناب والا خود بھی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ ہر شعر میں ترنم کا پیدا ہونا ضروری ہے تو اس قسم کی شاعری سے جیسے کہ حضرات فرماتے ہیں - یعنی محض جھوٹ اور استعارے سے کیونکر ترنم پیدا ہو سکتا ہے - اس کے علاوہ آجکل کے انگریزی خیالات کے اصحاب جو انگریزی زبان اور دیگر زبانوں کی شاعری دیکھا کرتے ہیں ان کا یہ اعتراض ہے کہ ایک بے حقیقت بات کو با حقیقت ثابت کرنے اور ایک ادنےٰ بات کو ایسے مبالغہ کے ساتھ بیان کرنے سے جو اپنی حد سے کہیں زیادہ بڑھ گیا ہو - کیا فائدہ ہے بلکہ ایشیائی شاعری پر یہ ایک بہت بڑا الزام عائد کرتے ہیں کہ اساتذہ نے اکثر اشعار ایسے کہے ہیں اور اب بھی بعض حضرات اسی بات کی تقلید کر رہے ہیں کہ جس کے مفہوم پر غور کیجے تو محض مبالغہ ہی مبالغہ نظر آئیگا - اصلیت اور حقیقت کا کہیں پتہ نہ چلے گا -

حضرت ادیب - بھائی یہ تو ایک فن ہے جس پر آپ نے بحث شروع کر دی ہے - اس قسم کی شاعری سے ہم لوگوں کی یہ غرض نہیں ہے کہ ایک بے حقیقت چیز کو باحقیقت ثابت کر دیں بلکہ تخیل اور قوت نظر کا کمال اس قسم کے اشعار میں دکھانا مقصود ہوتا ہے -

مسٹر اکمل - تو جناب اب وہ زمانہ گذر گیا - اب اس زمانہ میں مذاق نظم اور مذاق طبیعت بالکل بدلگیا ہی اب لوگ حقیقت پر زیادہ نظر رکھتے ہیں - اور جو شعر اصلیت اور حقیقت سے دور ہوتا ہے اس کو وہ ناپسند بھی نہیں کرتے بلکہ اسپر مضحکہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں -

حضرت ادیب - (کلام قطع کرکے) یہہ مسئلہ ایسا ہے جسپر بہت دیر تک مباحثہ کی ضرورت ہے مشاعرہ کا اب وقت بہت کھنچ گیا ہے - دیکھئے تمام لوگ ہم لوگوں کی طرف مخاطب ہوگئے ہیں اور مشاعرہ شروع کرانے کے خواہشمند معلوم ہوتے ہیں - از راہ کرم ذرا میری اس روحانی تکلیف کو تو رفع کیجئے جس نے مجھے بیحد پریشان کر رکھا ہے کہ آپ کے ہمراہ جو حضرات تشریف لائے ہیں وہ یہاں اپنے ساتھ ہارمونیم وستار وغیرہ کیوں لائے ہیں -

مسٹر اکمل - ہائیں کیا آپ نے اس زمانے کے شاعروں میں بالکل شرکت نہیں کی اجی حضرت یہہ آلات غزلخوانی ہیں بغیر ان کے مشاعرے میں کسی کی غزل کامیاب ہی نہیں ہوسکتی -

حضرت ادیب - اچھا یہہ بات ہے - تو جناب میں کیا کروں - میں تو بھیرویں کے راگ تک کو نہ سمجھ سکتا ہوں اور نہ ادا کرسکتا ہوں اور نہ میری آواز اس قابل ہے کہ کچھ اثر پیدا کرسکے -

مسٹر اکمل - کیا کریں جناب ہم لوگوں کو مجبوراً یہہ طریقہ اختیار کرنا پڑا ہے - وجہہ اس کی یہہ ہے کہ اولاً انسان کی فطرت میں یہہ بات داخل ہے کہ جو جملہ یا جو لفظ موسیقی کے نغمے کے ذریعہ سے اس کی سماعت تک پہنچتا ہے وہ دلی جذبات میں ہیجان پیدا کردیتا ہے جسکی وجہہ سے اس کی روح کو ایک خاص کیف مسرت کا حاصل ہونے لگتا ہے - دوسرے یہہ کہ حضرت یہہ صحبت قصائد خوانی یا مرثیہ خوانی کی تو ہے نہیں کہ محض چلا کر یا زور دیکر لوگوں کو متوجہہ یا متاثر کیا جائے - بلکہ یہہ صحبت غزلخوانی کی ہے جسمیں ہم لوگوں کا فرض ہے کہ سامعین کو محظوظ و مسرور کرکے اپنے کلام کا سکہ ان کے دل پر بٹھائیں اور اگر غزل کو اسی سنسان اور بیکلے کی روح کے توسط سے سامعین کے کانوں تک پہونچایا جائے تو ان کو کیا خاک مزہ ملے گا -

حضرت ادیب - اچھا حضرت یہہ بات تو سمجھ میں آگئی مگر یہہ تو بتائے کہ آپ کی بغل میں یہہ روپہلا چونگا لیسا دبا ہوا ہے اور یہہ کس کام آتا ہے -

مسٹر اکمل - دیکھئے حضرت یہ آلات غزل گوئی میں (یہہ کہکر انہوں نے اس چونگی کے منہ کو کھولا - تو اس میں سے - بائیسکل میں ہوا بھرنے کیطرح کا ایک آلہ اور ایک سنسی گر پڑی)

حضرت ادیب - غزل گوئی سے اور ان سے کیا مناسبت -

مسٹر اکمل - یہہ جو ہوا بھرنیوالا آلہ ہے اسمیں سے تعریں جذبات پمپ کیا کرتا ہوں اور سنسی اس کے ہمراہ

اسواسطے رکھتا ہوں کہ اگر اتفاق سے کہیں کوئی مضمون جذبات کے ساتھ چلا جاتا ہے جو اس کے اثر کو کم کر دیتا معلوم ہوتا ہے تو اس نسخہ سے میں فوراً نکال کر پھینک دیتا ہوں یہیں تک (مسٹر اکمل) کہنے پائے تھے کہ حضرت آدیب نے بانیٔ مشاعرہ سے چپکے سے کہا کہ جناب مجھے استنجے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ کہکر وہ معذرت کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بانیٔ مشاعرہ کے سہارے پردہ ہال کے باہر ہوگئے لوگوں نے پندرہ منٹ تک ان کا انتظار کیا مگر جب وہ واپس تشریف نہ لائے تو اکثر ذہین اور طباع طلباء نے کالج کے احاطہ کا کونا کونا چھان ڈالا مگر حضرت ادیب کا کہیں پتہ نہ چلا۔ بالآخر لوگوں نے مجبور ہو کر مشاعرہ شروع کرا دیا مشاعرہ ہوا اور خوب ہوا۔ سامعین نے خوب خوب داد دی کالج کے چاروں طرف ایک ایک میل تک ان کی آوازیں سنائی دیتی تھی۔ خوب لطف رہا اور صبح پچھلے پہر مشاعرہ ختم ہوا۔ سب لوگ مسرور و شاداں اپنے اپنے گھر واپس ہوئے۔

مگر حضرت آدیب بیچارے کو اس مشاعرے کی شرکت میں وہ کوفت ہوئی کہ انہوں نے کسی روضہ میں جا کر قسم کھائی۔ اور غزل کہنا اور پڑھنا بالکل ترک کر دیا۔ (محمود علیخاں عرف آغا علیخاں (متعلم) دار م

سیر مدراس

ہم نے پونا سے مدراس کا ٹکٹ لیا۔ ریل میں ایک مرہٹہ انجنیر سے واقفیت ہوئی اس کا نام۔ ان۔ دی۔ مودک بی۔ ٹی سنٹری انجنیر ۸۲ سداشیو پالم پونا تھا۔ اس کے ساتھ کشمیری اور دکھنی برہمنوں کے باہم ازدواجوں کا ذکر ہوتا رہا۔ ماڈرن ریویو میں مضمون گویا برہمنوں کا ذکر ہوا جسمیں لکھا تھا کہ سابقہ زمانہ میں کشمیری پنڈتوں اور دکھنی برہمنوں میں رشتے ہو چکے ہیں۔ اس نے بتلایا کہ پونا کے نامی برہمن چیت پون میں تیس کے قریب ذاتیں ہیں بعض اس نے اپنے قلم سے میری نوٹ بک میں درج کر دئے۔ مثلاً تلک۔ تھولر۔ رینڈ۔ گوکھلے۔ گوونکل۔ ناٹو۔ جوشی۔ گورو غیرہ

یہ شخص ولایت کا تعلیم یافتہ تھا گورنر مدراس کے پاس ملازمت کے لئے جا رہا تھا۔ نہایت خوش مزاج گورا رنگ۔ طرز وضع سے کشمیری پنڈت معلوم ہوتا تھا۔ وہ اور ہم ایک ہی ہوٹل میں اترے اسٹیشن کے قریب کوئل ولاس ہوٹل کی ایک شاخ ہے وہاں رات کا کھانا بھی ملا اور آرام پایا۔ ہوٹل کے ملازم بہت ہی رنگیلے تھے۔ باورچی ایک لونڈا گویا بجلی کی سی طرز سے اوچے اوچھلا O کہتا تھا کہ ہنسی آتی تھی۔ اس کے ساتھ دو ایک اور پھرتیلے نوجوان بھی تھے۔ ان کی عادتیں بندر کے مشابہ تھیں لیکن نہایت معقا

یہاں کے لوگوں کا عمل اس مقولہ پر ہے - ؎

تن عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس　　یہ وہ جامہ ہے کہ جسکا نہیں سیدھا الٹا

جب ہم سو گئے تو اس ہوٹل میں ان لونڈوں نے خوب طبلہ بجایا اور گاتے رہے ان کی زندہ دلی میں شک نہیں - پوتا سے ریل خشک ملک سے گذری تھی - دریاؤں اور ندیوں کے پل تو بیسیوں گذرے لیکن کسی میں پانی نہ تھا - یہ غلط بیان کیا جاتا تھا کہ راستہ میں کھانے کو نہیں ملتا - برہمن ہوٹل بعض بعض بڑے اسٹیشنوں پر موجود ہیں - کافی کا پیالہ ایک پائی میں ٹھنڈا کرتے ہیں - ایک آنہ تین پائی کو ملتا ہے - تیل کی پکی ہوئی ترکاریاں - تیل کی پوریاں - دال - چاول کے اندرسہ اور پوڑے اور چٹنی ملتی ہے - چٹنی دہی کو کہتے ہیں - جسمیں مرچ - نمک - مولی - کوفتہ اور ترشی ملائی ہوئی ہوتی ہے - یہ ہی نام اس کا کشمیر میں ہے - اس راستہ میں آبادی کم معلوم ہوتی ہے - مفلسی زیادہ معلوم ہوتی تھی ریل میں ایک وکیل صاحب بمقام گوٹی ملے ان کا　　نام تھا - وہ پنجاب کے معاملات میں بہت دلچسپی لیتے تھے - لالہ ہرکشن لال کا حال پوچھتے رہے کھدر کے متعلق سوالات کرتے رہے - پنجاب کی اکالی تحریک کا حال دریافت کرتے رہے - غرض معلوم یہ ہوا کہ ہمارا پنجاب جنوبی ہند میں کچھ عرصہ سے بوجوہات نامعلوم مشہور ہو گیا ہے - سادگی تو مدراسی پر ختم ہے - عورتوں کو ایک تہ بند اور چولی کافی ہے مردوں کو صرف تہ بند کافی ہے - سچ پوچھئے تو نیچر کے احکام کی اطاعت وہ کرتے ہیں - نہ کہ ہم جو ایک تھان پگڑی اور ایک ایک تھان شلوار میں صرف کرتے ہیں اور تین تین کرتے جسم پر پہنتے ہیں - آدھی درجن جوتوں کی رکھتے ہیں - جس کے پالش کا صرف دیکھئے - ان کے بدن پر پسینہ فوراً خشک ہو جاتا ہے کسی مدراسی کے جسم سے بدبو نہیں آتی - کسی کے جسم پر کوئی خارش نہیں - ان کے آبنوسی جسم صاف ستھرے ہوتے ہیں - زمانہ حال کی تہذیب انہیں نیم وحشی کہتی ہیں - جناب من ایک مدراسی برہمن نیم برہنہ کے پاس بیٹھئے - آپ کے سامنے علم کے کان کھول دیتا ہے - گویا انسائیکلوپیڈیا ہے لیکن اپنی مرجاد یعنی رسم اور وضع کا پابند ہے - وہی ماتھے پر تلک وہی نشان اپنے فرقہ دھرم کا - وہی دھوتی - وہی گلے میں دوپٹہ - سر منڈا ہوا - جنیو پہنے ہوئے اسیطرح دیوی دیوتاؤں کی پوجا وہی سادہ خوراک اس کی - استوقت ہے جو پانچ ہزار برس پہلے تھی - اور پنجابیوں کو دیکھئے ہرجائی طبیعت ہے - صبح رتی - شام کو ماشہ کسی تہذیب پر استقلال نہیں - جسے دیکھا اسی کی نقل کرنے لگے گویا طرفہ معجون ہے - پمپ جوتا - انگریزی پاجامہ - قمیص کالر - نکٹائی - کوٹ - شلوار - کلاہ - لنگی - گویا شجاعت - نزاکت اور فیشن کے مجموعہ ہیں لالہ شنکر داس میرے منشی تیل کی پوریوں سے ناک چڑھاتے رہے - بقیہ مٹھائی وغیرہ کھا کر انہوں نے

گذارہ کیا۔ میں نے تو محض شوق جدت پسندی سے ہر ایک طرح کی غذا تناول کی۔ مدراسی پیپرواٹر کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ زیرے کا ترشی آمیز پانی ہوتا ہے جیمیں لال مرچیں گھونٹکر ملائی جاتی ہیں۔ شروع شروع میں تو ہم بہت کم استعمال کرتے تھے۔ جو خوف اس کے استعمال سے ہم کو تھا۔ تجربہ میں نہ آیا۔ رفتہ رفتہ عادت پڑگئی۔ حتیٰ کہ طبیعت اس سے مانوس ہوگئی۔ بعض اوقات اس پیپرواٹر میں پسی ہوئی دال بھی ملا دیتے ہیں۔ یہ دال کشمیریوں کے ہاں کی کھٹی دال کی مثل بنجاتی ہے۔ اس سفر میں ایک سٹیشن پر علاوہ دیگر اشیاء کے کیوڑا اور چنبیلی کے پھول بکتے ہیں۔ ایک اور اسٹیشن کدر ونام پر جھاڑو بھی بکتی نظر آئی۔ ہماری کلی اس مدراس کے سفر میں وہاں کے لوگوں کے لئے ایک عجوبہ تھی۔ عجوبہ کے طور سے اسپر نگاہ ڈالتے تھے۔ اور مجھے پیتے دیکھتے۔ دھواں نکلتے دیکھ کر انگشت بدنداں حیران ہوتی تھی کہ یہ نرالا طریق حقہ پینے کا ہے۔ بہت لوگوں نے سوالات بھی کئے جس کا جواب بوجہ زبان نہ سمجھنے کے میں اشاروں سے دیتا رہا۔ اس ملک میں بیڑی پیتے ہیں۔ یا تمباکو میں چونہ ملاکر کھاتے ہیں۔ تمباکو کو یہاں گرٹا کو استعمال کرتے ہیں۔ جیساکہ اوپر ذکر آیا۔ ہم رات کو کوملؔ والاس ہوٹل میں ٹھیرے۔ ریل سے سٹیشن آنے کے لئے۔ جسکو وہاں جھٹکا بولتے ہیں۔ گویا وہ جھٹ منزل مقصود پر لیجاتے ہیں۔ شاید ذبح کرنے کے نئے طریق جھٹکا نام کی وجہ تسمیہ بھی جھٹ سے ہو۔

غرض مدراس پہونچے۔ پہلے ٹرین پر ودیا ساگر صاحب پانڈے نے جنکو میرے آنے کی اطلاع انکے بھائی بالک رام صاحب پانڈے نے لاہور سے دی تھی۔ ریل پر آدمی بھیجا تھا۔ لیکن میں دوسری گاڑی سے وہاں پہونچا۔ رات کو ان کو تکلیف نہ دی۔ صبح رکھشا پر سوار ہوکر جو وہاں چھ آنہ فی گھنٹہ پر ملتا ہے۔ میں اور منشی جی ان کی کوٹھی پر پہونچے جو انہوں نے حال میں خریدی ہے اور نہایت خوبصورت مقام پر واقعہ ہے۔ (نام کوٹھی شانتی کنج لنڈو گارڈن کل پاتیک مدراس)

پنڈت صاحب مدراس میں انڈین بنک کے سکرٹری اور بارسوخ شخص ہیں وہ نہایت تپاک سے پیش آئے۔ ایک موٹر کار ہمارے لئے تجویز کردی۔ شہر مدراس کی اس ذریعہ سے ہم کو سیر کرائی۔ مدراس کا بے رونق شہر کلکتہ۔ بمبئی۔ کا مقابلہ نہیں کرتا۔ البتہ یہاں کے بیچ سڑک سمندر کے کنارے کے کئی میلوں تک نہایت پُر فضا ہے۔ راستہ میں Aquarium نہایت عمدہ ہے۔ جسمیں انواع واقسام کی مچھلیاں جمع کی ہوئی ہیں۔ بعض تو ایسی تھیں کہ کائنات کی نیرنگی معلوم ہوتی تھی۔ ایک مچھلی ایسی دیکھی جس کے جسم پر نیلگوں بند بنے ہوئے ہیں۔ جیسے جہاز کے آدمی اپنے کوٹوں پر لگاتے ہیں اور بعض جابک سوار اپنے لباس کے رنگ دکھلاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس مچھلی سے اس طرز کی نقل کی گئی ہو۔

ہائی کورٹ کی عمارت خوبصورت وضع کی تھی۔ اسے ذیونیورسٹی کا کانووکیشن تھا۔ عدالت العالیہ جلد ہی ختم ہوگئی۔ اجلاس نہ دیکھ سکے۔ چند میل مدراس سے موٹر پر اڈیار دیکھنے چلے گئے۔ وہاں بڑے کمرے میں بعض بادیان مذاہب کی تصویریں ہیں اور کرنل السکاٹ اور میڈم بلیوٹسکی کے بت سنگین رکھے ہوئے ہیں۔ سنا کہ ان کے سامنے گاہے گاہے پھول بھی چڑھائے جاتے ہیں کتب خانہ دیکھا یہ ایک مجموعہ قلمی اور مطبوعہ کتب کا خاصہ ہے۔ لیکن نہ اتنا بڑا جو میں خیال کیا کرتا تھا۔ ہمیں پیاس بہت لگی برف کی طلب کی تو کسی نے کہا کہ انگریزی طبقہ میں آیا کرتی ہے۔ وہاں بھی کسی نے نہ دی۔ آخر معمولی پانی سے کام لیا گیا۔ یہاں ایک خوشنما بستی ہے کئی بیمیں قوم انگریز۔ کئی طالب علم۔ کئی دیسی اس میں رہتے ہیں رات کو مسنر روڈ کرتی تھیں دن بھر مدراس میں اور ٹیڑی تیو انڈیا کر کے واپس آجاتے ہیں۔ اس کی اپنی موٹر سروس بنی ہوئی ہے برسوں سے میں اس عجیب عورت کے رویہ کو دیکھتا رہا ہوں۔ واقعی یہ عورت ساحرہ ہے اس کی علمیت اور فصاحت اور مقناطیسی طاقت قابل داد ہے۔ اس کی جادو بیانی نے سینکڑوں فاضل ہندوستانیوں کو گرویدہ کر رکھا ہے جو اس کے نام پر بکے ہوئے ہیں۔ اڈیار ایک سمندری ندی کا نام جس کے نام سے یہ آبادی مشہور ہوگئی ہے۔ مقام نہایت پرفضا سرسبز سایہ دار ہے۔ آب و ہوا بہت عمدہ بیان کی جاتی ہے۔ اڈیار سے واپس آکر ہم نے نئے اور پرانے مدراس کی خوب سیر کی۔ جا بجا گرجے نظر آتے ہیں عیسائیوں کی تعداد بہت ہے جو اوائل میں عیسائی ہوگئے تھے۔ اب کالے صاحب بنے ہوئے ہیں۔ واضح ہو کہ یہاں ہمارا تمباکو ختم ہو چکا تھا۔ کامل ایک گھنٹہ گھومنے کے بعد ٹریپ کیم ــــــ کے چوک میں ایک مسلمان تمباکو فروش سے ملگیا۔ ٹکیاں کوئلوں کی بھی ملگئیں۔ ہماری حقہ نوشی اور عجوبہ روزگار کلی کے لئے سامان ملگیا۔ بازار سے ہمنے صرف ایک توشک خریدی اور کوئی چیز خریدنے کے لایق نظر نہ آئی۔ مدراس کی سیر کے لئے ایکدن کافی تھا۔ گرمی دکن سے زیادہ تھی۔ رات کو بوٹ میل کا ٹکٹ رام الیشرم کے لئے لیا۔ وہاں کے مہتمم کو پانڈیچری نے تار دیدیا تھا۔ وہ ریل پر آیا۔ اور ہم کو بنگلہ میں فروکش کیا۔ رام ایشرم میں ہم کو بہت آرام کی جگہ ملی۔ منیجر صاحب ہمہ تن توجہ تھے۔

(شمیم)

"حضرت پودنیتہ الشعر امدظلہ"

آہ!! جانشینان سلطنت مغلیہ اور شاہان اودھ کے تحت حکومت جب سے فانی ہوئے تب سی سے ہدہد الشعرا۔ باز۔ زاغ وغیرہ حضرات کی مسند خلافت بھی اب تک خالی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایک بزرگ

ان کے وارث جائز خلف رشید یعنی جانشین پیدا ہو گئے۔ اگرچہ آپ کے بزرگ اسلاف نے ہمیشہ شلجم۔ مولی۔ بیگن۔ اور کو تعمیر۔ میر کے نام سے موسوم فرماتے ہیں۔ آپ کی وضع و قطع سج دھج قدیم شگفتہ صورت جب دیکھو یہی معلوم ہوتا ہے کہ گوبھی کا پھول کھلا ہوا ہے۔ منکسر مزاج ایسے کہ ہر وقت ترازو کے بھاری پلے کیطرح زمین پر ہی جھکے پڑتے ہیں۔ کلام میں وہ شیرینی کہ حلاوت میں آم کے دانت کھٹے ہوں اخلاق حسنہ پودینہ کی خوشبو سے زیادہ مرغوب۔ آپ کے ابا و اجداد نے تو باغ دکھیانہ میں عالم نباتات کی تحقیقات میں عمر صرف کر دی لیکن آپ نے نشو و نما پا کر بجائے نباتات اردو کے کئی سفخے نکالے اور نوشت و خواند میں بہت زیادہ شدبد پیدا کی۔ آپ کو عشق حسینؑ نے سوز خوانی کیطرف متوجہ کیا تو میر انیس سے کے مراثی بنے اور محرم کی محفلوں میں سوز خوانی شروع کر دی۔ چونکہ نام خدا آپ کا انداز بیان اور طرز ادا دنیا سے نرالا ہے اور طبیعت لونگیہ مرچ سے زیادہ تیز پائی ہے اس لئے ظریف الطبع اصحاب محرم کے سوا اپنی اور مجالس میں بھی بلا کر آپ کی نادر المثال خوش الحانی اور شیریں بیانی سے لطف اندوز ہو کر داد دیا کرتے ہیں۔ ایسی مجالس میں آپ کی ممتاز شخصیت تعالی کے بیگن سے کم رتبہ نہیں رکھتی یعنی جس نے جناب کی صفت و ثنا کی۔ اس پاس ٹھوکر کھائے ہوئے میر فرش کی طرح لڑھک گئے۔

حال ہی میں ہمارے ایک دوست کی میر صاحب موصوف سے کہیں ملاقات ہو گئی۔ جس نے ہاتھ ملاتے ہی اپنی میزان قیافہ پر آپ کی عقل و فراست کو تولا۔ تو بے ساختہ سعدی کا یہ مصرعہ زبان پر جاری ہو گیا۔" پوست بر پوست بود ہمچو پیاز " دل میں خیال کیا کہ چیز تو اچھی ہاتھ لگی۔ اگر اور نمک مرچ سے بامزہ کیا جائے تو حضرت اہل ذوق کے دسترخوان ظرافت کے لئے اچھی خاصی چٹنی تیار ہو سکتی۔

ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد پوچھا " حضرت آپ خود بھی کچھ شعر فرماتے ہیں ؟" تو فرمایا کہ " ہاں لکھ سکتا ہوں یہ کوئی بڑی بات نہیں "۔ اب کیا تھا ہمارے دوست کو دل لگی کا سچی خواہ ہاتھ لگا۔ فوراً ہی تو کہا کہ " حضرت ایک جگہ مشاعرہ ہونیوالا ہے۔ دو چار دن باقی ہیں طرح یہ ہے سہ قیس تصویر کے پردہ میں بھی عریاں نکلا لیجے آپ بھی غزل فرمائیے۔ اور مشاعرہ میں چل کر سنائیے " ہمارے سادہ لوح جدید شاعر یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ مشاعرہ کس باغ کی مولی کو کہتے ہیں۔ فرمانے لگے " یہ صاحب کہاں رہتے ہیں " اب تو ہمارے دوست کو تاب نہ رہی چاہتا تھا کہ بے ساختہ قہقہہ لگا دے لیکن مصلحت وقت ہنسی کو ضبط کر کے نہایت سادگی سے مشاعرہ کا مفہوم سمجھا دیا اور شام کو اپنے مکان آنے کا وعدہ لیکر رخصت ہوا۔ میر صاحب نے دن بھر میں غزل لکھی اور مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی ہمارے دوست کے مکان پر جا پہونچے۔ غزل سنائی تو سبحان اللہ۔ ایک مصرعہ چار انگشت کا ایک بالشت بھر کا اور قافیہ کا کہیں پتہ نہیں۔ ہمارے دوست نے

کہیں یہ کہہ دیا کہ "بعض مصرع بڑھ گئے ہیں"۔ اب کیا تھا فوراً بگڑ گئے اور کہنے لگے "جی نہیں یہ نہیں ہوسکتا میں نے خود اس کا خیال رکھا ہے بلکہ میں نے تو آپ کے دئے ہوئے مصرعہ کو ایک لکڑی سے ناپ کر اس کے برابر۔ برابر کاغذ پر لکیریں کرلی تھیں۔ سب مصرعے اسی کے برابر ہیں چھوٹے نہ بڑے" خیر آگے پڑھنا شروع کیا جب مقطع پڑھا تو واہ واہ تخلص ٹماٹر تھا۔ ہمارے دوست نے جابجا اصلاحیں دے کر غزل کو خاص سبزی فروش کی دکان بنادیا۔

اب ٹماٹر صاحب کو انتظار نے بے چین کیا کہ کب مشاعرہ کا دن آئے تو چلیں۔ خدا خدا کرکے وہ دن بھی آہی گیا اب سر شام ہی سنگھار شروع ہوگیا۔ بیسن سے ہاتھ منہ دھویا۔ دوپلی ٹوپی سر پر پہنی۔ نیچے پردے کا انگرکھا زیب تن کیا۔ اوریب پاجامہ پہنا وہ اتنا تنگ کہ چٹکی نہ ٹوٹے۔ اس کے ساتھ ڈیرہ ناشیہ کا جوتہ۔ سرمہ لگایا پان کھایا۔ اور میاں جلیل کے مکان پر جا۔ ان کو ساتھ لے مشاعرہ میں پہونچے۔ اتفاق سے آپ ایسے موقع پر بیٹھے کہ آپ کا نمبر سب سے آخر میں آیا خیر جب شمع سامنے آئی تو ہمارے دوست نے مناسب وقت فقروں میں آپ کا تعارف کرایا۔ حاضرین جلسہ متوجہ ہوئے ٹماٹر صاحب نے غزل شروع کی جس کے صرف دو شعر بطور بانگی ہدیہ ناظرین ہیں۔ ؎

دنیا میں دغا باز ہیں مکار ہیں یارو! — مکار بے ایمان کے پلوے سے پاتنگ نکلا
پہنچی کچھیانہ میں لیلیٰ تو پکارا مجنوں — کیوں ہگن توڑتی ہے دیکھ مرا دم نکلا

مجلس میں شور برپا ہوگیا۔ ظرافت مصرعہ اٹھاتی تھی۔ قہقہے داد دیتے تھے۔ تمسخر حوصلہ افزائی کر رہا تھا غزل ختم ہونے پر ہمارے دوست نے حضرات شعرا کے مشورہ سے آپ کو ذیل کے خطابات عطا فرمائے پانگ نواز۔ لسن الدولہ۔ چقندر الملک۔ پودینۃ الشعرا۔ بلبل ہشت آشنا گلستان فصاحت۔ طوطی نخلستان بلاغت۔ خطابات پاکر تو اسقدر خوش ہوئے کہ پھوٹ کیطرح کھلے جاتے تھے۔ فوراً گنے کیطرح سرو قد کھڑے ہوکر آداب بجالائے۔ مشاعرہ ختم ہوتے ہی مکان کی طرف جھپٹے۔ خیال یہ تھا کہ اب چل کر بیوی سے سب حال کہوں۔ اور اس سے داد لوں۔ گھر پہونچے تو چار بج چکے تھے بیوی صاحبہ بستر استراحت پر آرام فرما رہی تھیں۔ فوراً آواز دیکر اری الفتیا کی ماں! الفتیا کی ماں۔ اٹھ تو سہی ذرا دیکھ تو۔ میرا نام اتنا بڑا ہوگیا۔ بعدازاں صدائے برنخاست۔

(ابو الفتح حافظ عبد الحفیظ خاں مونس)

کمزوریاں

مبارک ہیں دنیا کے کمزور لوگ — مبارک ہیں دنیا میں کمزوریاں

یہی وصف کچھ کم نہیں ہے کہ تو
جہاں میں کسی پر نہیں ظلم راں

سمجھ لو کہ اب جنگ ہونے کو ہے
اکھٹے ہوئے زور والے جہاں
ہلاکت کے سامان ہوتے ہیں روز
ہیں کٹ کٹ کے مرنے کی تیاریاں
یہ آپس میں زور آزمائیں گے جب
خود اپنا مٹا دیں گے نام و نشاں

نہوں زور والے تو ہونگی نہ پھر
خدا کی زمیں پر یہ شر خیزیاں
اگر صرف کمزور دنیا میں ہوں
محبت سے بھر جائے سارا جہاں

(حامد اللہ افسر بی اے)

"عجیب مرد"

گذشتہ پرچہ میں محترمہ بیگم صاحبہ ظہیر الدین خاں صاحب آف فیروز پور نے ایک انوکھی عورت کا حال مختصراً "عجیب عورت" کے عنوان سے لکھا ہے اسی رعایت سے میں نے ایک غریب روزگار شخص کے حالات کو "عجیب مرد" کی سرخی کے ذیل میں قلمبند کرنا مناسب سمجھا۔ انوکھی عورت ابھی بقید حیات اور اپنی ہم وطن ہے، اور عجیب مرد ایک مرا ہوا پردیسی ہے۔

اس شخص کا نام ڈیوکارنٹ ہے جو فرانس کے ایک گاؤں للی میں [illegible]ء میں ایک غریب موچی کے گھر پیدا ہوا۔ ڈیوکارنٹ کی پیدائش سے اس کے والدین کو کوئی خوشی حاصل نہ ہوئی کیونکہ اس کے ہاتھ نہ تھے پیر ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ تھا۔ جسمیں صرف چار انگلیاں تھیں۔ غریب والدین نے کسطرح اپنے بیکار۔ بدہیئت اور لنج منج لخت جگر کی پرورش کی کچھ بڑا ہو کر ڈیوکارنٹ کے پیروں میں طاقت آئی اور وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ جب وہ بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا تو تمام کام اپنے چار انگلیوں والے پیر سے کرتا تھا۔ مثلاً گیند پھینکنا۔ کوئی چیز کاٹنا۔ یا زمین پر لکیریں وغیرہ کھینچنا۔ کچھ اور بڑا ہوا اور الف بے جاننے لگا۔ تو حروف کو زمین پر لکھتا۔ اور یہی مشق کرتا رہتا تھا۔ اتفاقاً ایک روز اس کے باپ کے پاس ایک خوشنویس آیا۔ اسوقت ڈیوکارنٹ اپنی مشق میں محو تھا۔ خوشنویس کی نظر اسپر پڑی تو اسے ڈیوکارنٹ کی لکھائی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی اور اس نے موچی سے کہا کہ اس لڑکے کو میری نگرانی میں

چھوڑ دو خدا نے چاہا تو یہ لڑکا فن خوشنویسی میں کمال پیدا کرلے گا۔ موچی نے کہا آپ خوشی سے اسے لیجائیے یہ میرے کس کام کا ہے بیکار گھوما کرے گا اور اگر کچھ سیکھ لیا تو بڑا ہی اچھا ہوگا۔ ہم آپکے عمر بھر احسانمند رہیں گے۔ خوشنویس نے ڈیوکارنٹ کے والدین کو تسلی اور تشفی دی اور اسے اپنے شاگردوں کے زمرہ میں شامل کرلیا۔ کچھ ہی دنوں میں ڈیوکارنٹ نے اس فن میں کمال حاصل کرلیا۔ خوشنویس نے اس کی قابلیت اور ہونہاری کو دیکھ کر اس کو ایک پروفیسر کے ذریعہ بیت العلوم میں داخل کرا دیا یہاں بھی ڈیوکارنٹ نے اپنی غیر معمولی قابلیت اور استعداد کی وجہ سے بڑی ترقی کی اور امتحانوں میں انعامات و تمغہ جات حاصل کرتا رہا۔ اسی زمانہ میں جبکہ وہ کالج میں تعلیم پا رہا تھا۔ ایک روز عجائب خانہ میں بیٹھا کسی چیز کی تصویر اُتار رہا تھا۔ اسی اثناء میں فرانس کے ایک نواب کا اُدھر گذر ہوا۔ اس بچے کو معمولی پاؤں سے عمدہ تصویر کھینچتے دیکھ کر بڑا متحیر ہوا۔ اور خوش ہوکر سو فرانک ماہوار وظیفہ مقرر کردیا اور اسے شاہی دار العلوم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل کردیا۔ یہاں بھی ڈیوکارنٹ نے ناموری حاصل کی کالج سے فارغ التحصیل ہوکر وہ اپنی محنت کی روٹی کھانے لگا۔ اور اسوقت سے سرکاری وظیفہ اور پبلک امداد مسدود ہوگئی۔ اتنی ناموری اور کمال حاصل کرنے پر بھی کارنٹ کی خاندانی غربت دور نہ ہوئی تاکہ وہ بقیہ زندگی آرام و سکون سے گذار دے۔ وہ جابجا کی نمائشوں میں شریک ہوتا اور انعامات لیکر اپنی زندگی کے ایام بسر کرتا رہا۔ آخرکار پچاس برس کی عمر میں اس نامور مگر غریب لنجے مصور نے انتقال کیا۔

"مشق" ہمارے لئے ایک نعمت اور دنیا میں حیرت انگیز تغیر اور ناموری حاصل کرنے کا ایک ذریعہ مشکل ترین کام اس سے آسان ہوجاتا ہے۔ اگر ہم یوں کہیں کہ ناممکن کام بھی اس سے ممکن ہوجاتا ہے۔ تو آپ کو متعجب نہونا چاہیئے۔ ڈیوکارنٹ کو لڑکپن میں دیکھ کر ہر شخص بلاخوف تردید کہہ سکتا تھا کہ یہ لڑکا ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں بیکار رہے گا یا باریک کام کے کرنے سے مطلق عاجز۔ ایک روز اسی لڑکے نے "مشق" کی مدد سے مصوری ایسا باریک کام اس خوبی سے کیا کہ مانی و ارژنگ کے نقوش بھدے دکھائی دینے لگے۔

(عبدالستار فاروقی)

پہاڑوں کی سیر

خلیفۃ المسلمین کے سوئٹزرلینڈ جانے سے ہر شخص کا دل اس طرف مائل ہوگیا ہے اور وہاں کے واقعات پر غور کرتا ہے۔ ہمیں اسی تصوریں الپس کی برفانی چوٹیاں یاد آئیں جن کے چند مرقعے اور نقشے ایک مرتبہ

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب ایم اے نے مقام میوزیم میں ہمیں دکھائے تھے -

ہمارے ملک میں پہاڑوں کی سیر ابھی عام نہیں ہے - البتہ جب کسی کو آب و ہوا کی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ صاحب قدرت بھی ہوتا ہے تو وہ کسی پہاڑ پر گرمیوں کے موسم میں چلا جاتا ہے - یا غریب لوگ باؤلے کتے کے کاٹنے سے سرکاری خرچ پر کسولی پہاڑ کی سیر کر آتے ہیں - لیکن یورپ میں جہاں گردی ایک عام مرض ہے - آلپس کی چوٹیاں یورپ والوں کے لئے کشش مقناطیس کا حکم رکھتی ہیں کثیر تعداد وہاں جاتی ہے گو اس سیر و تفریح میں بہت سی موتیں ہر سال واقع ہوتی ہیں - لیکن اس سے کسی قسم کی گھبراہٹ اور رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی - سلسلہ جاری ہے اور اسیطرح آیندہ جاری رہے گا -

ہمارے ملک میں ابھی یہ شوق پیدا نہیں ہوا - دل بجھے ہوئے ہیں - اولوالعزمی پیدا نہیں ہوئی افکار معاش سب پر مستولی ہیں پھر یہ "سبک" خیال سوجھیں تو کیونکر؟ لیکن ہم ان سیروں کے ذکر سے ہی اپنا جی خوش کئے لیتے ہیں -

اگست اور ستمبر کے مہینوں میں پہاڑوں کی سیر کا شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور انہی مہینوں میں سیر کی دلچسپیوں اور مسرتوں میں غمناک حادثات بھی پیش آتے ہیں - ہمارا اس پر خطر سیر و تفریح کو دیوانگی کہنا ان سیاحوں کی نظروں میں ہمیں اس میں بےشک نہیں کہ گمراہ و منکر قرار دے گا - لیکن ہر سال تجربہ کار و ناتجربہ کار سیاحوں کا مرگ انبوہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اس نام نہاد تفریح کو برے سے برے نام دیدیں - جسمیں ایسے مصائب اور حادثے بکثرت پیش آتے ہیں -

سال گذشتہ میں تقریباً سو سیاح الپس کی چڑھائی میں ہلاک ہوئے اور اتنی ہی تعداد لاپتہ ہے یہی تعداد تیسری سال تھی - اس سال بھی اسیقدر موتیں واقع ہوئیں - یہ سال اپنے پیشرو سالوں سے کسیطرح پیچھے نہیں رہا -

یہ افسوسناک ماجرا ہے اور یہ جس باقاعدہ تسلسل کے ساتھ ہر سال پیش آتا ہے ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے - آخر ان افسوسناک الپسی موتوں کی کیا وجوہات ہیں - اور ان کے روکنے کا کچھ انتظام بھی ہوسکتا ہے؟ حقیقت میں اس خیال ہی سے - روئیں کھڑے ہونے لگتے ہیں - کہ سال بسال سو سے زیادہ موتیں الپس میں واقع ہوتی چلی جاتی ہیں -

اسمیں شک نہیں کہ ان موتوں کی بڑی تعداد کا اس کوہستانی تفریح کے مشغلہ سے بالعموم کوئی تعلق نہیں - آج کل ہر قسم کے مرد و عورت یورپ کے اس تماشا گاہ کی زیارت کو جاتے رہتے ہیں عام لوگ تو خاص خاص وادیوں میں مصروف گلگشت رہتے ہیں - اور بعض سے مجبوراً اس دماغ کو برشا

کرنیوالے گروہ سے دور ہٹ کے خطرناک کوہستانی دامنوں پر برفانی پھولوں یا دوسری قسم کے نایاب پودوں کے دیکھنے اور پھٹے ہوئے برفانی تودوں کے تلاش کرنے کے شوق میں چڑھتے چلے جاتے ہیں مثل مشہور ہے کہ جن نباتات میں فرشتے بھی قدم دھرتے ہوئے تھراتے ہیں - وہاں بیوقوف دوڑے چلے جاتے ہیں - جہالت بھی بڑی برکت ہے - اچانک ایک پاؤں کمزور برفانی چٹان پر پڑتا ہے آدمی لڑکھڑاتا ہے اور برفانی تودہ کڑاک سے پھٹتا ہے - اور وہ شخص اسی فانی تودہ میں سماتا چلا جاتا ہے اور اس کا لقمہ بنجاتا ہے -

یہ بھی ممکن ہے کہ بدقسمت سیاح پہاڑ کے کسی دامن میں چلا جارہا ہے برفانی نشیب راستہ میں آجاتا ہے وہ اٹھلاتا ہوا اسپر قدم اٹھاتا چلا جاتا ہے - لیکن اچانک بیچ میں ایک تخ کا حصہ آجاتا ہے فوراً اس کا پاؤں پھسلتا ہے - اور وہ سر کے بل بیکس ومجبور حسرت ویاس میں لڑھکتا چلا جاتا ہے - کوئی چیز اس کی اس تیزی کو نہیں روک سکتی - حتےٰ کہ کوئی غار آجاتا ہے اور قصہ ہی پاک ہوجاتا ہے -

یہ کوہستانی سیاح آسٹروی اور جرمنی ہوتے ہیں جو جرمن سے آئے ہوئے میونک اور انسبرگ کے راستہ سے مشرقی الپس میں اتر آتے ہیں - اور ادھر مغرب کی طرف سے وانا سے دوڑے چلے آتے ہیں جرمنی میں الپسی تفریحی مجلس قائم ہے جس کے ممبروں کی تعداد بہت کثیر ہے اس مجلس کی وجہ سے کوہستانی شوق روز افزوں ترقی پر ہے اور یہ لوگ پہاڑوں کو ذرا دھیان میں نہیں لاتے اور نہایت لاپروائی اور دلیری سے ان پہاڑوں سے کھیل کرتے ہیں - ان سیر کرنیوالوں کا ہجوم اتوار کو زیادہ رہتا ہے - چنانچہ پہاڑی حادثات کی لمبی چوڑی فہرست پیر کے اخباروں میں آپ باقاعدہ دیکھ لیا کیجئے -

برطانوی اس قسم کی تفریحوں میں جتنے محتاط ہوتے ہیں اُتنے ہی آسٹروی بے پروا اور ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں - اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ آسٹروی پکے آموں کیطرح ٹپ ٹپ گرا کرتے ہیں - اُن کی یہ موتیں سرسری نظر سے دیکھی جاتی ہیں گویا یہ امر لابد ہیں اور کوہستانی سراؤں میں ذرا بھی کھلبلی نہیں پیدا ہوتی واقفکاران فن دھوم دھام سے استدلال کرکے یہ دعوے کیا کرتے ہیں کہ یہ موتیں غفلت یا چند خاص مقررہ قواعد اور روایات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہوتی ہیں - یہ چٹانی کرتب اور برفانی کرتب کی معلومات کہلاتے ہیں - چٹانی ہوشیاری تو یہ ہے کہ عقلمندی سے ایک راستہ اختیار کرکے بڑی پھرتی اور چستی سے اسکی پابندی کیجائے برفانی عقلمندی کے متعلق ایک مشہور مستند شخص نے کہا ہے کہ راستہ کا انتخاب برف کے مختلف متبدل صورتوں میں انداز و اطوار کے بخوبی سمجھنے کا نتیجہ ہوا کرتا ہے یہ زیادہ تجربہ پر منحصر ہے اور پھرتی وچستی پر اسکا کم دارومدار ہے - پھرتی کی کمی بھی بہت سی موتوں کا سبب ہوئی ہے -

اندازہ کیاجاتا ہے کہ چار طریقوں سے آدمی کوہستانی سیر میں ہدف آلام بن سکتا ہے - اول گرنیوالے برفانی تودوں سے - دوم موسم کی خرابی سے - سوم گرتے ہوئے پتھروں سے اور چہارم پھسلنے سے - الپس میں بہت سی سنسنی خیز موتیں برفانی تودوں سے واقع ہوئی ہیں - حقیقت میں سب سے زیادہ غمگین بات یہ ہے کہ ہوشیار رہادر آدمی چلتے ہوئے برفانی پہاڑوں کی بدولت موت کے منہ میں جا پھنستے ہیں لطف یہہ ہے کہ ادنے ترین وجہ سے یہہ زبردست موت کے فرشتے حرکت میں آجاتے ہیں مستند لوگوں کا قول ہے کہ گرج یا بلند آواز سے جب بڑا لمبا چوڑا تودہ متوازن ہو کے چلنے پر تیار ہوتا ہے اس قسم کا نتیجہ پیدا ہوجاتا ہے - اسیوجہ سے سوئیٹزرلینڈ کے رہنما خطرناک مقامات کو عبور کرتے ہوئے اکثر بالکل خاموش رہنے کی ہدایت کیا کرتے ہیں - ایسے موقعوں پر کوئی رہبر یقین سے یہہ نہیں کہہ سکتا - کہ اس کے پیروں تلے کوئی برفانی تودہ چلنے کے لئے طیار تو نہیں ہورہا - اس لئے تجربہ کار آدمی اپنے سپردشدہ آدمیوں کو زور سے بولنے یا گانے تک کی اجازت نہیں دیتے - پیشہ ور رہبران جنبشوں سے جو خطرے پیدا ہوتی ہیں - اسقدر ڈرتے ہیں -

ان خطرناک بلندیوں پر بلا رہبر سفر کرنا خود موت کے منہ میں کودنا ہے - اسطرح موتیں ضرور واقع ہوتی ہیں کچھ دن ہوئے چار تجربہ کار چڑھنے والوں نے جن میں سے ایک ایڈنبرا کا رہنے والا تھا - اور برن میں ایک انجنیر کے کارخانہ میں ملازم تھا - روٹل کے سخت مشکل اور خطرناک راستہ سے جنگ فرو پر چڑھنے کی کوشش کی - ان کے ساتھ کوئی رہبر نہ تھا - چٹانوں کے بلند ترین مقررہ راستہ پر پہنچنے کے بعد یہہ لوگ بائیں طرف زیادہ مڑگئے - نتیجہ یہہ ہوا کہ بلا رہبر والے دو اور گروہوں نے جو ان کے پیچھے پیچھے چلے جارہے تھے - ان چاروں بدقسمت چڑھنے والوں کو اپنے پاس سے سر کے بل دو تین ہزار فٹ چٹانوں سے نیچے کیطرف لڑھکتے جاتے دیکھا -

جنگفرو کی چڑہائی (۱۳۶۶۹ فٹ) جنگفرو ریلوے کے بنجانے سے اب بہت کچھ سہل ہوگئی ہے یہہ ریل ۱۱۳۴۰ فٹ کی بلندی تک جاتی ہے - اس جگہ سے رہبر کی ہمراہی میں چڑہائی صرف ۲½ گھنٹہ کی ہے - لیکن روٹل کے راستہ سے رہبروں کے بغیر جنگفرو کی چڑہائی اسقدر خطرناک ہے جس کی ایک مثال ابھی دی جاچکی ہے -

عمدہ رہبر کے قواعد کا اندازہ لگانا مشکل ہے - پہاڑوں کی طبعی خصوصیتوں - طوفانوں - کہروں اور برفانی تودوں کے طریقوں - یخ و برف کے مختلف حالات میں عجیب و غریب کیفیتوں سے واقف ہونے کی وجہ سے تجربہ کار رہبر کوہستانی سیر میں ایک بیش بہا چیز ہے - جو خطرہ یا اندیشہ کی صورت میں

بڑا مرد اور کار آمد شخص ثابت ہوتا ہے۔

ان مقامات میں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں بہت سے دھوکے میں ڈالنے والے خطرے پوشیدہ رہتے ہیں۔ الپس کے بڑے بڑے دیوہیکل پہاڑوں کی چوٹیاں عموماً آگے کو نکلتے ہوئے برف یا یخ کے غاروں سے ملبوس ہوتی ہیں۔ یہ برفانی گگروں کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا اوپر سے نظر آنا اکثر مغالطہ خیز طور سے مشکل کام ہے۔ اکثر تجربہ کار چڑھنے والے بھی ان کی وجہ سے وقتاً فوقتاً اچانک مصیبت وخطرہ میں پھنس گئے ہیں۔ اس قسم کے خطروں سے معجزنما طریقہ سے بچنے کا ایک واقعہ ایک جماعت کو ندمٹ کی اوپر والی اوبر بابل ہارن کی چوٹی پر پیش آیا نہایت غیر متوقع طور پر ایک گگر ان کو لے کے ٹوٹی۔ رہبروں میں سے ایک کی حیرت انگیز قائم حواسی نے ان کو ہلاکت سے بچا لیا۔ طرفۃ العین میں اس نے اس ہیبتناک خطرہ کا اندازہ کر لیا اور ایک لحظہ کے تامل بغیر وہ دلیر شخص ٹوٹنے والی گگر کے بالمقابل سمت میں نشیب کی جانب گر پڑا اور فوراً ایک رسی اس چٹان کی چوٹی کے آر پار کھینچ دی گئی جس سے وہ گگر گرنے سے رک گئی۔ عین وقت پر موقعہ کی سوجھنے کی یہ ایک عمدہ مثال ہے۔

کچھ دن ہوئے ایک اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا جو اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ موقع (۱۲،۷۶۰ فٹ) پر واقع ہوا۔ ایک سیر کرنے والی میم ایک رہبر کے ساتھ پہاڑ سے اتر رہی تھی کہ رہبر ایک گہرے غار یا شگاف میں جا پڑا۔ میم جو اس رہبر کے ساتھ ایک رسی سے بندھی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے گھسٹنے سے بچنے کیلئے برف پر گر پڑی۔ رہبر ہوا میں معلق لٹکنے لگا۔ میم نہ تو اسے اوپر کھینچ سکتی تھی اور نہ خود ہل سکتی تھی عجب مخمصہ میں جان تھی۔ چند گھنٹہ تک یہ ہوشربا صورت قائم رہی۔ اتنے میں رہبر کے دل میں خیال آیا کہ اس عورت کے لئے وہ اپنی جان پر کھیل جائے چنانچہ اس نے رسی کاٹ ڈالنے کے لئے منت کہا پہلے تو اس میم نے انکار کیا۔ لیکن آخر اسے رسی کاٹنی پڑی۔ رسی برف میں خوب گڑ کے اس میں جم گئی تھی اسطرح رہبر اپنی جگہ قائم رہا اور میم وادی میں دوڑتی ہوئی گئی اور امدادی لوگ ہمراہ لائی تین گھنٹہ بعد اس غریب کو اس جانکنی کی کیفیت سے نجات ملی اسے کسی قسم کا گزند نہ پہنچا تھا۔ (محمد ظفر)

نیٹو صاحب

امرت لعل نے ہندوستان میں صرف ایف۔ اے پاس کیا تھا۔ اس کا گھرانا علم وفضل حکمت و عمل کے لئے مشہور تھا۔ گو عموماً قسام ازل ایک ہی چیز سے بہرہ اندوز کیا کرتا ہے۔ خواہ وہ زر ہو یا علم

مگر زمانے کی سیدھی روش نے زر و مال بھی داہنے ہاتھ سے عطا کیا تھا۔ بزرگوں نے نوجوان عزیز کے دماغ کو یورپ کی درسگاہوں میں مغربی علوم و فنون سے مزین و مرصع کرنے کی فکر کی اور اب امرت لعل۔ اہل امر تنکر کوئی پانچسال سے زائد عرصہ یورپ کے مختلف ممالک میں گذارنے کے بعد اپنے وطن آگیا تھا۔ محلہ کی سن رسیدہ مستورات کہا کرتیں۔ کہ بیٹا جیتا رہے بڑا اچھا بچہ ہے۔ محلہ میں سے گذرتا ہے تو نگاہ نیچے رکھتا ہے۔ کم بولتا ہے۔ ادب سے پیش آتا ہے۔ یہاں تو اچھا تھا اور اب بھی اچھا ہے۔ دور کی خبر خدا جانتا ہے کیا کیا نہ کرتا ہوگا۔ پھر دبی آواز میں کہتیں ہمیں اس سے کیا مطلب۔

امرت لعل کے سابقہ و موجودہ اوضاع و اطوار میں بین فرق تھا۔ بچپن میں اس کا لباس سکول کے عام لڑکوں کی مانند ہوا کرتا تھا۔ اس سادگی اور لڑکپن کو ورزی کی محنت سے سنوارنے بنانے کی رائگاں کوشش نہیں کیجاتی تھی۔ اس کے اعمال عام ہندوستانی باشندے کی مانند اور چلن ایک سادہ شریف بچے کی طرح تھا۔ جب وہ والدہ کی پُرنم آنکھوں اور والد کے دھڑکتے ہوئے دل کو چھوڑکر دعائیں لیتا ہوا مغرب کے تقوے شکن اور توبہ شکن جنستان کو سدھارا تھا۔ تو وہ سبزہ آغاز تھا۔ رخسارے گل لالہ کیطرح روشن تھے۔ آنکھوں میں نور تھا۔ چہرے پر بشاشت تھی۔ اور بدن میں ہر لحظہ بجلی کی رو چلتی ہوئی نظر آتی تھی اب گو اس نے پرانی روش کو قائم رکھنے کی اتم کوشش کی تھی مگر مصنوعات کو قدرت کی زرنگاریوں سے کیا نسبت۔ اب چہرے کو حفاظت سے تیز کئے ہوئے استرے کے ساتھ ہر روز طلوع آفتاب سے پہلے مرغی کے تازہ انڈے کی طرح بنانے کی کوشش کیجاتی تھی۔ سیاہ گھنے بال سفید شفاف چہرے پر باوجود اس تمام ڈاڑھی مونچھ کی صفائی کے روزِ روشن میں صاف نظر آیا کرتے تھے۔

قدرتی تبدیلیاں عمر کا تقاضا اور دست غیب کا حصہ ہیں۔ امرت لعل نے ان تبدیلیوں کو چھپانے کی رائگاں کوشش میں مغربی قطع اور بناوٹ کو پوری کوشش سے اخذ کرنے اور اس کے قائم رکھنے کو اسیطرح اپنا نصب العین سمجھا تھا جسطرح سانپ کا کاٹنا اور آگ کا جلانا۔ اب وہ ہمیشہ مغربی وضع کے لباس میں ظاہر ہوا کرتا تھا۔ اور موجودہ روشنی کے مقروضہ مہذب ممالک کے اوضاع و اطوار کا شیدائی تھا ام۔ ٹم۔ ہم۔ تم۔ کے سوا بات نکرتا تھا۔ اگر کوئی خدا ناکردہ ناواقف آدمی بابو کہدے تو لڑائی تک نوبت آجاتی تھی کہ صاحب (صاحب) کیوں نہیں کہا۔ گو ان سادہ لوح اشخاص کے دلوں میں لفظ بابو کی منزلت صاحب کے خام اور بے معنی لفظ کی نسبت بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جنہیں ان کے نقطۂ خیال سے بیگانگی۔ اجنبیت اور غیر ملکی ہونا ملحوظ تھا۔

امرت لعل اپنے پرانے دوستوں سے حتی الوسع کم ملتا تھا۔ اگر شومیٔ قسمت سے وہ اسے اپنے ہاں لیجاتے اور مدارات کے لئے پوچھتے کہ آپ کی ہندوستانی مٹھائی سے تواضع کی جائے تو صاحب فرماتے "ول ام وہ والا کانا (کھانا) مانگٹا - گول گول کے مافق - سویٹ - ٹم لوگ کیا بولٹا اس کا" تعجب اور حیرت میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں جب استفسار کیا جاتا کہ آپ کا مطلب لڈو سے تو نہیں ہے تو کہتے - "یس یس وہی والا مانگٹا -" یہ تو حالت تھی۔ مشرقی تہذیب تو درکنار وہ ان مفرح خوشگن اور سوج پرور طعام کے نام سے لاعلمی ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا جو کہ بچپن کے کئی سال تک اس کی انتہائی خوشی کا باعث دل کی خواہش اور ارمان ہوا کرتے تھے - اب تصنع کا یہ عالم تھا کہ ان پاکیزہ اسمار کا جاننا مصیبت کے درجہ سے گر کر غریب ہندوستانی کے قریب پہونچنے کے معنی رکھتا تھا - چند ایک نام تو وہ حقیقتاً بھول گیا چند ایک اس بناوٹ اور فراموش کرنے کی کوشش نے بھلا دئے تھے - اور چند ایک جن کا دماغ ابتک حامل تھا - ظاہر کئے جانے سے نہایت مستقل مزاجی سے روکے جاتے تھے - اور فراموشی کی نوبت کو پہونچے ہوئے ظاہر کئے جاتے تھے - گویا امرت پکا صاب تھا -

امرت صاب ایک دن گھومتا ہوا شہر کے کسی حصہ میں چلا گیا - دیکھا تو گوبر کے بڑے بڑے ڈھیلے چھت کے اوپر منڈیر پر رکھے ہوئے تھے - آپ نے چھڑی کا سہارا مغربی انداز کے پیچ میں لیا اپنے سر کو مع مغربی ٹوپی کے گردن کے ساتھ زاویہ منفرجہ بنا کر چھت کے انجام کیطرف بلند کیا اور نہایت تعجب آمیز طریقے سے ملاحظہ فرمانے لگے - اس صاحب نے منطق کو اپنا خاص علم قرار دیکر یورپ میں تعلیم پائی تھی - اس کی تحقیق اس کے اپنے نقطۂ خیال سے کئی ایک گذشتہ مسلمہ عالموں سے بڑھ چڑھ کر تھی - اس نے اپنے غور و خوض میں حقیقی طور پر مستغرق رہنے والے دماغ کی بجائے حیرت تقلیل کا مظہر کن مغربی دماغ حاصل کیا تھا - جس میں اگر کبھی بعد از ہزار وقت روح کا تصور پیدا بھی کیا جائے تو وہ یہی سمجھیگا کہ آئل انجن تو بہت بھاری ہوتا ہے - پٹرول انجن اس سے ہلکی چیز ہے - روح اغلباً پٹرول انجن کی نسبت کوئی سبک چیز ہوگی - جو کہ پٹرول سے زود آتش گیر مادے سے کام کرتی ہوگی

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر — کہیں معبود تھے پتھر کہیں مسجود شجر
خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر — مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر

امرت قدیم فلسفۂ ہندی کو جس کے لئے اس کے آباؤ اجداد مشہور تھے بھول چکا تھا - وہ ذہن ہندی جو کہ اسے وراثت میں ملا تھا - گم کر دیا گیا تھا - اور وہ قوت فکر اور طاقت تنقیح جو کہ اس نے خاکپاک وطن میں حاصل کی تھی - مغربی بناوٹ کی بھٹی کے نظر کر دی گئی تھی -

محلہ کے بچے صاب کو اپنے محلہ میں دیکھ کر حیران ہوئے اور مضحکہ اڑانے کے لئے جمع ہو گئے ۔ گویا عجیب الخلقت حیوان کا معائنہ تھا ۔ شور و غل نے گھر کے ساکنان کو بھی کوچے کی طرف متوجہ کیا ۔ وہ گھر ایک تیلی کا تھا ۔ کھڑکی کھول کر تیلی کی بیوی نے جھانکا تو حضور صاحب بہادر ڈاک کے کھمبے کی طرح ساکن ہیں عرض کی "حضور کیا دیکھتا ہے" صاحب نے پوچھا ۔ "ڈیکو (دیکھو) (چھت کی طرف اشارہ کرکے) وہ والا وہ" تیلی کی بیوی نے کہا "حضور گوبر" تو کہنے لگے "او ۔ گوبر ۔ گوبر ۔ ڈیکو گوبر اوپر کیسا جانا مانگتا ۔ ٹمارا بھینس چت (چھت) پر نہیں جانا سکٹا ۔ ٹمارا چت نیچے نہیں آنا سکٹا ۔ گوبر کس ترح (طرح) دال (لکڑی کے ساتھ پھر اشارہ کیا)" بچے ہنسنے لگے کہ اوہو یہ تو بولتا ہے پھر یہ کہ اردو بولتا ہے ۔ اور عجیب طرح سے بولتا ہے ۔ اس کی نقلیں کرنے لگے ۔

تیلی کی بیوی بھی مسکرائی اور کہا "ہم ہاتھ سے گوبر کے اپلے بنا کر چھت کے اوپر رکھ آتے ہیں" صاب نے پیشانی پر بل ڈالا ۔ ناک چڑھائی ۔ اور لکڑی کو ہوا میں ہلا کر انگریزی تنفر آمیز لہجے میں کہا "گدا (گندہ) والا لوگ بیل کا ٹٹی کو ہاتھ لگاتا"

کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس میں سے تیلی کی بیوی باہر کو دیکھ رہی تھی ۔ امرت صاب اب اس کھڑکی کے نزدیک آ گئے ۔ اور دیکھا کہ کولھو چل رہا ہے اور بیل کے گلے میں گھنٹی ڈالی ہوئی ہے ۔ جس سے نہایت دلخراش آواز نکلتی ہے اور چوبیس گھنٹے اس آواز کو سننا خودکشی سے کم نہ تھا ۔ پوچھا "ڈیکو یہ کیا ہے" تیلی کی بیوی ۔ "حضور کولھو ہے اس سے تیل نکالتے ہیں" پھر پوچھا "اچھا تو بیل کے گلے میں گھنٹی کیوں ڈالا" تیلی کی بیوی ۔ "اس لئے کہ بیل بعض دفعہ کھڑا ہو جاتا ہے آواز کے آنے سے اگر ہم گھر کے اندر بھی ہوں تو پتہ چلتا رہتا ہے اور ہم آ کر بیل کو ہکا دیتے ہیں"

صاب "دل اگر کھڑا ہو کر ہلانا سکتا" تیلی کی بیوی نے کہا صاب کیا کہتا تو جواب ملا ۔ "دل کھڑا ہونا مانگتا اور پر (پھر) ہلا ۔ ہلا مانگتا" تیلی کی بیوی نے یہ سمجھ لیا کہ کہتا ہے اگر کھڑا ہو کر سر ہلائے اور گھنٹی ہلا کرے تو پھر کیا کرو ۔ تیلی کی بیوی سیدھی سادی گاؤں کی عورت تھی ۔ وہ جانتی تھی کہ ہم کو محنت سے پالنا ہے نہ کہ منطق سے ۔ اس کے نزدیک خام دلیلیں پیش کرنا اور صرف گفتگو کو طویل کرنے کی خاطر دلائل کا طومار باندھنا دیوانگی سے کم نہ تھا ۔ کچھ صاب کی بیہودہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے پہلے ہی تنگ آ گئی تھی کہنے لگی "ہمارا بیل منطقی نہیں ہے جب تمہیں کولھو میں جوتیں گے تو کوئی اور علاج پیدا کریں گے" اور کھڑکی کو بند کر دیا ۔

(الف ایم شجاع ۔ ایم ۔ ایس ۔ سی)

غزل

(غزل شوکت بلگرامی مرحوم بر غزل ابو المعانی حضرت یاس لکھنوی)

یہ فسانہ کوئی دل کا ترجمان نکلا　　چراغ قبر فقط میرا ہمزبان نکلا
خیال آگیا دل کا نکل پڑے آنسو　　تری تلاش میں جب کوئی کاروان نکلا
سراغ عشق کا ٹوٹے ہوئے دلوں میں ملا　　انہیں خزانوں میں یہ گنج شائگان نکلا
خلش سے جسکی نکلتے تھے رات دن آنسو　　وہ خار غم کبھی اے چشم خونفشان نکلا؟
ہوئی ہے نسخہ میں تجویز نوشدارو مرگ　　طبیب عشق ہمارا مزاج دان نکلا
ملا ہے خانۂ دل میں سراغ جلوۂ حق　　مکان جسکو سمجھتے تھے لامکان نکلا
ترا خیال جو آیا تو دل پکار اٹھا　　یہ میہمان تو خود گھر کا میزبان نکلا
پلٹ گیا طرف نجد خود بخود ناقہ　　کبھی اُدھر سے اگر ہو کے ساربان نکلا
اٹھایا حشر نے جب تیرے خاکساروں کو　　زمین قبر سے ایک ایک آسمان نکلا
کلام یاس نے شوکت لگائی دل میں آگ　　"یہ کون حضرت آتش کا ہمزبان نکلا"

جرائم غیر محقق

مراکش میں ساحل بحر پر شہر طنجہ کا یہ واقعہ ہے جو تین اشخاص کے متعلق ہے ان میں سے ایک ڑکی متوطن ہسپانیہ جس کا نام ماریہ ایک مسلمان عرب جس کا نام محمدؐ اور ایک حبشی مسمی الیونزو تھے۔ ماریہ یک رقاصہ تھی جو ایک تماشہ کرنیوالی کمپنی کے ساتھ طنجہ آئی ہوئی تھی۔ محمدؐ کا داد الجزائر کا باشندہ تھا ور محمدؐ خود فرانسیسی فوج میں نوکر اور فرانس کی رعیت تھا۔ الیونزو ملک برازیل کا ایک غلام زادہ تھا ر وہ ایک انگریزی جہاز پر پیدا ہوا تھا۔ اس لئے برطانیہ عظمیٰ کی رعیت تھا۔

سب وقوعہ کو گیارہ بجے رات کو تماشہ ختم ہونے کے بعد ماریہ ساحل بحر پر تفریح کے لئے نکلی اور وہاں اور الیونزو سے مڈبھیڑ اور مار پیٹ ہوئی اسقدر واقعہ مسلمہ ہے اس کے بعد ان تینوں نے اپنے پنے قونصلوں کے پاس اس واقعہ کی رپٹ لکھائی اور پھر قونصل نے تحقیقات شروع کی۔ مگر اس کا کچھ نتیجہ کلا اور اصلیت ابتک منکشف نہیں ہوئی۔ تینوں ملکوں کے قونصل اور ان کے سفرا کئی سال تک تحقیقات

اور خط و کتابت کرتے رہے مگر اس وقت تک یہہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ ان تینوں اشخاص میں جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔ محمد نے اپنے بیان حلفی میں جو دفتر فرنچ قونصل میں شب وقوعہ کے بعد صبح کو داخل کیا گیا تھا۔ یہہ لکھا یا کہ میں اپنی والدہ کے گھر سے کھانا کھا کر آ رہا تھا کہ مجھے راستہ میں ایک لڑکی ملی اور وہ کچھ مجھ سے دریافت کرنے لگی میں ہنوز اس کا مطلب سمجھنے اور اس کے سوال کا جواب شافی دینے بھی نہ پایا تھا کہ یکایک ایک حبشی نمودار ہوا اور اس نے مجھے مار کر گرا دیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میری جیبوں میں جس قدر قیمتی چیزیں تھیں وہ سب غائب ہیں۔ ماریہ نے جو رپٹ حلفی اپنے ملک اسپین کی قونصل کے پاس لکھائی اس میں یہہ بیان تھا کہ شب وقوعہ سے ایک رات پہلے مجھے نیند اچھی طرح نہیں آئی تھی۔ اس لئے تماشہ ختم ہونے کے بعد میں تازی ہوا میں تھوڑی دیر ٹہلنے اور اس کے بعد گرجا میں جانے کے ارادہ سے ساحل بحر کیطرف نکلی تھی کہ ایک عرب نے مجھ کو مخاطب کیا۔ میں نہایت متعجب ہوئی اور اس خوف سے کہ مبادا کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے میں امداد کے لئے چلائی۔ میری آواز سنکر ایک حبشی دوڑکر آیا اور اس عرب سے کچھ گفتگو کرنے لگا جس کو میں نہیں سمجھی۔ عرب نے اپنی لکڑی حبشی کو مارنے کے لئے اٹھائی تو میں نے اس خوف سے کہ مبادا میری وجہہ سے کوئی کشت وخوں ہو در اندازی کی اور ان دونوں میں بیچ بچاؤ کرانا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ لکڑی کی ضرب سے میری ایک انگلی ٹوٹ گئی اور میرا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ اور مجھے ان ضربات سے اسقدر صدمہ پہونچا کہ میں اپنا فرض منصبی یعنی رقص و سرود عرصہ دراز تک انجام نہیں دے سکتی۔ مار پیٹ کے بعد موقع پر میں بیہوش ہو گئی اس لئے میں نہیں کہہ سکتی کہ لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا۔ مگر میں جب گھر پہونچی اور مجھے ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ میری ایک مالائے مروارید اور تین انگشتری ہائے الماس اور ایک طلائی گھڑی اور زنجیر غائب ہے میری درخواست یہہ ہے کہ یہہ اشیاء مسروقہ یا ان کی قیمت اور میری شکستہ انگلی اور مفلوج ہاتھ کا معاوضہ مجھ کو دلوایا جاوے اور اگر ممکن ہو تو میری پنشن مادام الحیات مقرر کرا دیجاوے کیونکہ مجھے امید نہیں ہے کہ میں پھر اپنی فرائض منصبی ادا کر سکونگی۔ ایلیونز حبشی نے جو حلف نامہ برٹش قونصل متعینہ طنجہ کے یہاں داخل کیا۔ اس میں بیان کیا کہ میں ایک پرتگالی جہاز ”میٹ“ کی خدمت پر مقرر ہوں مگر برطانیہ کی رعیت ہوں۔ میں کل آدھی رات کو ایک قیمتی سگار۔ ساحل بحر کے قریب پی رہا تھا۔ کہ ایک خونخوار عرب نے جو بستول اور جنبیہ سے مسلح تھا مجھ پر یکایک حملہ کیا میں نے باسانی اس کے ہتھیار اس سے چھین لئے۔ مگر اس اثنا میں میرے دو دانت جھڑ گئے اور میری آنکھ بھی سخت مضروب ہوئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے یہہ حملہ کیوں کیا۔ عورت وہاں کوئی موجود نہ تھی۔ میں جب گھر پہونچا اور میں نے کپڑے

آتارسے تو معلوم ہوا کہ میرا ایک پاکٹ کیس جسمیں "بہتر" پونڈ کے نوٹ رکھے تھے اور ایک گلے میں لگانیکی الماس کی آپین غائب ہیں جو مجھے یقین ہے کہ اس عرب نے نکال لی -

ان تینوں قنصلوں نے جو طویل تحقیقات کی اس کے دوران میں ایک گواہ نے بیان کیا تھا کہ تماشہ ختم ہونے کے بعد اس رقاصہ اور حبشی کو ایک قہوہ خانہ میں جہاں سینما کا تماشہ ہو رہا تھا اس گواہ نے قریب بیٹھے ہوئے اور سُرخ شربت پیتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر وہ رقاصہ اور حبشی ساحل بحر کی طرف چلے گئے محمد بھی وہاں دکھلائی پڑا تھا مگر گواہ نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں دیکھا -

ہر سہ دول عظمیٰ کے سفیروں کی کوشش کے باوجود حبیب اور کوئی شہادت دستیاب نہوئی تو بہت سی گفت وشنید اور رسل ورسائل کے بعد بادل ناخواستہ تحقیقات بند کردی گئی - ماریہ کو جب کوئی امید الفاف اور معاوضہ کی نرہی - تو اس واقعہ کے ایک یا دو ہفتہ بعد وہ اپنی تماشہ کرنیوالی کمپنی کے ساتھ جنوبی امریکہ کیطرف چلی گئی وہاں اس کا مفلوج ہاتھ سنا ہے کہ درست ہوگیا اور رقص و سرود کی قابلیت اسمیں بدستور عود کر آئی - مالائے مروارید اور خاتم الماس اور ساعت طلائی کا خیال اس نے غالبًا اب چھوڑ دیا ہو - محمد اس واقعہ کے چند روز بعد فرانس کیطرف سے لڑتا ہوا اثنائے جنگ عظیم میں مارا گیا اور الیونزو جس پرتگالی جہاز پر نوکر تھا وہ دوران جنگ میں گولا مار کر مع الیونزو اور دیگر اشخاص کے جو اسپر سوار تھے - ڈبو دیا گیا -

(شیبانی)

نظریاتِ منظر!

میں سمجھا تھا جنوں کا جوش ہے جیب و گریباں تک
خراشِ بیخودی سے چاک نکلا جسمِ عریاں تک

قفس سے جا رہا ہوں ڈھونڈنے کو آشیاں اپنا
چراغِ داغِ دل روشن ہے یارب گلستاں تک

مجھے بے بال و پر کرکے نہ ہو صیاد آزردہ
جو لایا ہے وہی لیجائے گا صحنِ گلستاں تک

بنالیں آنسوؤں سے رات کو اک منظرِ بارش
رہیں بیکار کیوں آنکھیں طلوعِ صبحِ باراں تک

اسیری کی گھڑی وقتِ رہائی یاد آتی ہے
کہ پہونچانے مجھے صیاد آیا ہے گلستاں تک

یہ دونوں چاک ملجائیں تو پھر وحشت مکمل ہو
ابھی کچھ فاصلہ ہے چاکِ دل سے چاکِ داماں تک

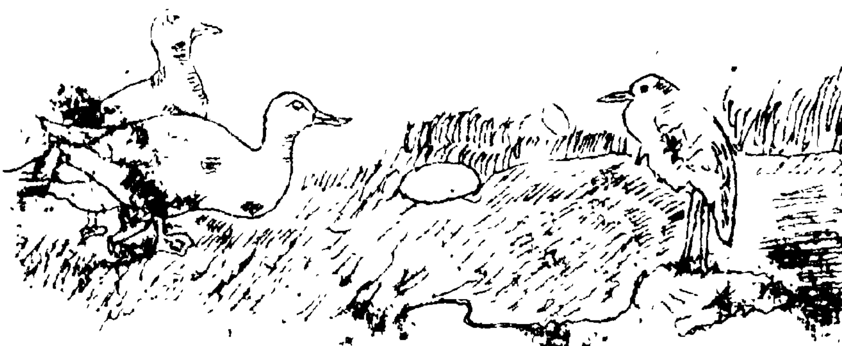
گلستاں تک رسائی اب کہاں وحشت نصیبوں کی
بھٹکتے ہیں تو ہو آتے ہیں دیوارِ گلستاں تک

ترا سطحی مداوا چارہ گر ناسورِ درماں ہے
دوا ایسی بتا کوئی کہ پہونچے زخمِ پنہاں تک

اسیری میں ذرا آزادیوں کی سیر کر آؤں　　قفس کے ساتھ پہونچا دے کوئی صحن گلستاں تک
یہ خانے سے میرے چاندنی کو یہہ کدورت تھی　　کہ آئی بھی تو آئی روزنِ دیوارِ زنداں تک
درازیِ شامِ غم کی طعنِ مایوسی ندے منظر　　ہماری زندگانی ہے یقینِ عہد و پیماں تک

(شمشاد حسین منظر صدیقی سیمابی اکبرآبادی)

نکتہ چینی



منی اور چینی دونوں بطوں میں مراسم دیرینہ اور تعلقات برادرانہ تھے۔ ٹہلتے ٹہلتے ایک روز دونوں پاس والے تالاب کیطرف جا نکلیں جہاں ایک پتھر پر بگلا گردن سمیٹے مچھلیوں کی تاک لگائے تنہا خاموش کھڑا تھا۔

منی۔ "اوئی توبہ ہے! قسم میں تو ڈر گئی کمبخت کیسا بھونڈا جانور ہے ٹانگیں تو دیکھو جیسے چرخہ کا تکلا بھلا کس کام آتی ہونگی؟"

چینی۔ "ہاں بہن سچ تو ہے اور اس لمبائی پر موئے کی گردن کا پتہ بھی نہیں۔ معلوم کیسا ہوتا ہے جیسے اُلو بیٹھا ہو"

بگلے کو منی چینی کی باتیں واقعی ناگوار گذریں۔ دل میں کہنے لگا کہ دونوں انتہائی بدتمیز اور کم ظرف معلوم ہوتی ہیں اور جھٹ اپنی چھپی ہوئی لمبی گردن باہر نکال کر بولا:

"شاید آپ کو معلوم نہیں کہ میری گردن میں عیب کی جگہ یہی کمال ہے کہ جسطرح چاہوں رکھوں، رہیں ٹانگیں ان کی لمبائی اسوقت کام آتی ہے جبکہ پانی کے اندر کھڑے ہو کر میں اپنا شکار پکڑتا ہوں"

بگلا۔ یہ کہہ کر اڑ گیا۔ اور منی چینی اپنا سا منہ لیکر رہگئیں۔ ان کو معلوم ہو گیا کہ بلا سوچے سمجھے کسی پر نکتہ چینی کرنے سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے۔

(دیوانہ دبریلوی) از کانپور

لال قلعہ

۱۶۳۸ء میں جبوقت شاہجہان بادشاہ نے شہر نو شاہجہان آباد کی بنیاد رکھی - تو ساتھ ہی اس نئے قلعہ کو سنگ سُرخ سے بنوانا شروع کیا اور سرخ پتھر کی مناسبت سے لال قلعہ کے نام سے موسوم ہوا مگر بانی نے پہلے ہی سے اس کا نقشہ ایسا تیار کیا تھا کہ دوسرے قلعہ مثل لاہور و آگرہ کے اس کے سامنے بے حقیقت ہو جائیں اور در اصل یہہ قلعہ اپنی ہستی میں ایسا ہی تھا - مگر غدر ۱۸۵۷ء کی تباہی میں مثل اپنے ساکنین کے یہہ بھی محفوظ نہ رہ سکا - بہت سے عمدہ عمدہ مکانات خاصکر شاہی بیگمات کے محل تو بالکل حرفِ غلط کی طرح سرزمین قلعہ سے محو ہو گئے - اس بربادی کے متعلق سر ڈبلیو کین صاحب ممبر پارلیمنٹ اپنی مشہور کتاب پکچرس انڈیا میں سرکار انگلشیہ پر اظہار عتاب کرتے ہیں -

دہلی جنکشن سے اُتر کر کمپنی باغ کے دروازے کے آگے سے گذرتے ہوئے مسجد فتحپوری کے پاس سے ہو کر چاندنی چوک میں داخل ہوتے ہیں - یہاں سے بخط مستقیم دہلی کے مشہور بازار چاندنی چوک کا منظر دیکھتے ہوئے گھنٹہ گھر کی خوبصورت عمارت (جو چاندنی چوک کے بیچوں بیچ واقع ہے) کے نیچے سے دریبہ کے سرے پر پہونچتے ہیں - تھوڑی دور آگے چلکر بازار کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے - مگر شاہجہاں مرحوم کے وقت میں بازار قلعہ کے دروازے تک تھا - بازار کا یہہ حصہ بھی غدر کی نذر ہو گیا - اب آپ قلعہ کے سامنے کھڑے ہیں - یہہ لال قلعہ کا لاہوری دروازہ ہے - اصلی دروازہ کلاں کہ جسپر یونین جیک لہرا رہا ہے - وہ تو اس چھوٹے دروازے کے عقب میں ہے یہہ چھوٹا دروازہ گویا بڑے دروازہ کے لئے ایک پردہ ہے - یہہ اورنگ زیب عالمگیر کی ایجاد ہے کہ دہلی اور آگرہ کے قلعوں کے آگے ہر بڑے دروازہ کے سامنے تھوڑا سا احاطہ کھینچکر چھوٹا سا دروازہ (جس میں سے سوار بخوبی جا سکتا ہے - مگر ہاتھی نہیں) بنا دیا ہے اسیر شاہجہاں مرحوم نے اپنی قید میں اورنگ زیب کو لکھا تھا - کہ "عروس قلعہ بے نقاب بود تو برخش نقاب دادہ" مگر اس چھوٹے دروازہ کے آگے خندق پر جو پل ہے - شاہی میں محض تختہ تھا - جو جب چاہتے تھے اٹھا سکتے تھے - اور دروازہ قلعہ کا بند ہو جاتا تھا -

۱۸۱۱ء میں اکبر شاہ ثانی کے عہد میں قلعہ معلّٰے کے ہر دو دروازوں کے سامنے بجائے تختوں کے پختہ پل بنا دئے گئے - اور دونوں پلوں پر یہہ کتبہ لگا ہے "

سنہ ۵ جلوس (اکبر شاہ ثانی) و الا ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء در عہد شاہ جمجاہ محمد اکبر بادشاہ

غازی صاحبقران ثانی بہ اہتمام دلاور الدولہ رابرٹ میکفرسن بہادر دلیر جنگ کل فیض منزل تعمیر یافت"
قلعہ معلی کا بیرونی منظر بھی اس وقت تک کچھ کم دلفریب نہیں ہے یہ مثل ایک پھول کے ہشت پہل بنا تھا مگر ایک پہل شمالی طرف کا توڑ دیا گیا۔ جسمیں سے ریل گذرتی ہے اور بجائے ہشت پہل کے ہفت پہل رہگیا۔ یہ قلعہ سر سے پاؤں تک تنگ سرخ سے گلرنگ اور ہر چہار طرف فصیل پر کنگورے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر خوشنا برج غرضکہ بیرونی منظر سے ایک شان کے ساتھ رعب برستا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دس بیس برس کی عمارت ہوئی۔ حالانکہ ۴۲ برس اور گذرنے پر کامل تین صدی کا زمانہ ہوجائیگا اور ابھی صدیوں تک اپنے بانی شاہجہاں مرحوم کا نام نامی اس دار ناپائدار میں برقرار رکھے گا۔
کوئی شخص شاہی میں بلا توسل کسی ملازم شاہی کے اندر نہ جاسکتا تھا۔ اب شاہی نہ رہی مگر اب بھی بلا ٹکٹ (شاہی آداب کو قائم رکھنے کی غرض سے) اندر نہیں جاسکتے۔ آئیے ناظرین اندر چلیں اس چھوٹے دروازہ سے گذر کر بائیں جانب گھومنے سے اب وہی دروازہ کلاں جسپر یونین جیک لہرا رہا ہے نظر آتا ہے۔ اس میں داخل ہوکر ایک حصہ میں پہنچتے ہیں۔ یہ ایک لمبا مسقف بازار شاہی تھا۔ جو چیز شہر کے بازار میں نہ ملتی تھی وہ اس بازار میں ملا کرتی تھی۔ اسی لئے خاص خاص مقررہ دنوں میں عوام شہر بھی اس بازار میں آکر کسی ضروری شے کے لئے یا محض برائے تفریح طبع پھر جایا کرتے تھے۔ اس کی چھت بہت عمدہ اور نہیت کاری سے مزین تھی۔ مگر اب منبت کاری بہت سی خراب ہوگئی۔ اور دو طرفہ فوجی گوروں کے درزی یا اور ردوکا ندار قلعہ کے گورہ فوج کی ضرورتا بیچتے ہیں۔ اور بیچ کا چوک جسپر گنبد تھا۔ وہ بھی روشنی اور ہوا کے لئے کھولدیا ہے۔ اب اس بازار سے نکل کر سامنے نقار خانہ یا نوبت خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ نوبت بجا کرتی تھی۔ اسی لئے نقار خانہ یا نوبت خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی مقام پر نقارہ کی آواز سنکر پہلا سلام بادشاہ کو ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ اس کے سامنے دیوان عام ہے جسمیں ایک بلند چبوترہ پر بادشاہ دور سے نظر آتے تھے۔ اسی دیوان عام کی عمارت میں بادشاہ دربار عام کرتے تھے۔

دیوان عام ۔ یہ عمارت بھی بالکل رنگ سرخ سے گلرنگ ایک سو چار گز لمبے اور ساٹھ گز چوڑے بلند چبوترے پر بنی ہے۔ چبوترہ کے بیچوں بیچ بڑا ہال یا کمرہ خوشنما ستونوں پر کھڑا ہے چبوترہ تین طرف سے قدرے چھت سے باہر تک نکلا ہے۔ اور چوتھی طرف ایک دیوار ہے جس کے بیچوں بیچ قد آدم سے بھی بلند ایک خوشنما بنگلہ نما مقام بنا ہے اسمیں بادشاہ تخت پر بیٹھکر دربار کیا کرتے تھے۔ اس بنگلہ نما مقام کی چھت پشت اور پہلوؤں پر جو نقش ونگار اور چرند و پرند کی تصاویر

اور جنگل کا منظر بنا یا ہے۔ اسوقت تک دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اب نہ تخت ہے اور نہ اس کے متمکن۔ وہ شہ نشین بالکل خالی پڑا ہے۔ مگر یہی وہ شہ نشین ہے۔ جہاں سے گریٹ مغل نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈاکٹر باٹن کو پہلے پہل اپنے سامنے شرف حضوری بخشا تھا۔ اور جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں مرحوم کی صحت کے صلہ میں محصول کی معافی کا پروانہ۔ نہیں نہیں بلکہ سرکار انگلشیہ کی حکومت کی بنا رکھنے کی سند ملی تھی۔

یہی وہ دربار کی جگہ ہے۔ جہاں اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے برادر زادہ سپہر شکوہ یعنی سلیمان شکوہ کے چھوٹے بھائی اور دارا کے بیٹے کو (جب وہ صوبہ دار کشمیر کی معرفت پکڑا ہوا آیا تھا) قتل کا حکم دیا تھا۔ یہ وہی دیوان عام ہے جہاں سیواجی بھی اورنگ زیب کی حضور میں گرفتار ہو کر کھڑا کیا گیا تھا۔

اسی دربار میں بزم نادری بھی محمد شاہ کے پہلو میں ہو چکی۔ احمد شاہ ابدالی بھی اپنا رعب داب دکھا گئے۔ غلام قادر روہیلہ نے بھی اپنی نالائقی کا ثبوت شاہزادگان والا تبار کے ساتھ اسی جگہ دیا۔ کیوں نہ ہو جو شہر مصائب پسند ہو تو اس کا قلعہ کیوں محروم رہے۔

اس شہ نشین یا نشیمن ظل الٰہی یا سنگین تخت کے پہلو میں بادشاہ کے محل سے آنے کا راستہ تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ اسی دیوان عام کی پشت سے زنانہ محل اور مکانات ملے ہوئے تھے۔ آج ان کا پتہ بھی نہیں۔ اسی دربار عام کے باہر کے دالان کے سامنے سنگ مرمر کا کٹھرا دے کر اسپر سنہری کلسیاں بہت خوشنما لگائی گئی تھیں۔ آج ان سنہری کلسیوں کا نشان بھی نہیں۔

دیوان عام کے قریب ہی پشت کی جانب ایک نہایت خوبصورت اور عالیشان عمارت رنگ محل کے نام سے اب تک موجود ہے۔ یہی گوروں کا مس روم تھا۔ مگر اب چھوڑ دیا گیا۔ اتنا بڑا اور کوئی مکان سوائے دیوان خاص کے نہیں ہے۔ اسکے سامنے صحن نہایت وسیع تھا۔ جسمیں نہر کے ذریعہ فوارے چھوٹتے تھے۔ باغ لگا تھا۔ اب باغ کی جگہ گھاس اور فواروں کا نام بھی نہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے صحن کے باغ کے گرد شاہجہانی وقت میں ایک سنگ سرخ کا محجر لگا تھا اور محجر پر دو ہزار سنہری کلسیاں تھیں۔ جو قبل غدر مرہٹہ گردی میں مٹ گئیں۔ اس رنگ محل کے درمیان سے نہر گذرتی تھی مگر اب خشک ہے اور نہر کا گذرگاہ بھی سنگ مرمر کی سلوں سے پٹا ہوا ہے۔ محرابیں اور ستون اس عمارت کے نہایت نفیس اور باوجود مضبوط ہونے کے نہایت سبک اور نازک اور آئینہ کمال نقش و نگار ہیں۔ کہ عقل انسانی حیران ہوتی ہے چھت کے چاروں کونوں پر چار چھجے

اسطرح سے بنائی ہیں۔گویا چھت کے چاروں طرف چار پہرہ دار کھڑے کئے ہیں۔جن سے مکان کی رفعت اور شان دوبالا ہو جاتی ہے۔مگر محلات سے (جن کا اب پتہ بھی نہیں) بے جوڑ ہونے کے باعث اب کسی عمارت کو بھی ہم نہیں سمجھ سکتے کہ بانی نے کس غرض سے اور کس کے لئے بنائی۔جس عمارت کے ستون اور محراب طرح طرح کی پچی کاری سے مزین ہوں۔ایسے مکان کی چھت کیسی ہوگی۔کہتے ہیں اس کی چھت نری چاندی کی تھی۔مگر فرخ سیر کے وقت میں چاندی کے بجائے تانبے کی کردی گئی۔اکبر شاہ ثانی کے وقت میں تانبے کی بجائے لکڑی کی کردی گئی۔اب وہ بھی بوسیدہ ہوگئی۔افسوس! ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

اسی عمارت کے قریب امتیاز محل تھا۔جس کا اب پتہ بھی نہیں۔اسی رنگ محل کے بائیں جانب ایک اور عمارت خوابگاہ یا بڑی بیٹھک واقع ہے یہ عمارت سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کی بنی ہے سونیکے کام کی پتھر پر وہ گلکاریاں کی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

اس کے عین درمیان میں شہ نشین کیطرح ایک مکان بنا ہے۔جس کے جنوباً شمالاً دو بڑے بڑے لداؤ کے در ہیں۔جن کی محرابوں پر سعداللہ خاں پنجابی وزیر شاہ جہاں کے دو کتبے لکھے ہوئے ہیں۔چنانچہ کتبہ محراب شمالی ناظرین شباب کے لئے پیش کرتا ہوں:۔

بمصافحۂ آسمانیاں مائل بالائی متلالی است بانعام زمینیاں نازل وحوض کہ ہمہ از آب زندگانی پر بہ صفا رشک نور و چشمۂ خورد وازدہم ذی الحجہ سال جلوس اقدس مطابق ہزار وچہل وہشت ہجری بعالمیاں نوید کامرانی داد وانجامش کہ بصرف پنجاہ لک روپیہ صورت پذیرفت۔بست وچہارم ربیع الاول سال بست ویکم جلوس ہمایوں موافق سنہ ہزار وپنجاہ وہشت بہ فرقدوم میمنت لزوم گیتی خداوند کیہاں خداوندبانی ایں مبانی آسمانی شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی در فیض بر روئے جہانیاں بکشاد۔

ابیات زرنگار بر دیوار

شہنشاہ آفاق شاہ جہاں — باقبال ثانی صاحبقراں
در ایوان شاہی بصد احتشام — چو خورشید بر چرخ باد امدام
اساس است تا ناگریز ایں بنا — بود قصر اقبال او عرش سا
زہے دلنشیں قصر پیراستہ — بہشتے بصد خوبی آراستہ
شرافت یکے آیہ در شان او — سعادت در آغوش ایوان او

به بالش سرِ صدق هر کس که سود — چو دریای چون آبرویش فزود
زمانه چو دیوار او برفراشت — به پیشش رخ مه آئینه داشت
زلیس دری دیوارش آراسته است — زنقاش چین رو نما خواسته است
چنان بر سرش دست ایام کرد — که گردون بلندی از و وام کرد
ز فواره و حوض دریا نشان — به آئینه شسته رو آسمان
چو جائے شهنشاه عادل بود — از آن بادشاه منازل بود

اس شہ نشین کے آگے ایک اور پنج درہ دالان ہے۔ یہ بھی خالص سنگ مرمر کا اور نہایت نفیس و لطیف پچیکاری سے مزین ہے۔ ہر دو طرف اس کے بڑی محرابیں ہیں۔ انہیں سے غربی محراب سے ایک حجرے سے گذر کر دیوان خاص کو جا سکتے ہیں۔ اسی پنج درہ دالان میں ایک مستطیل حوض ہے نہایت خوبصورت یہ بھی سنگ مرمر کا۔ مگر اسمیں فوارے نہیں۔ حوض کی تہ پر مختلف پتھروں سے نہایت عمدہ پھول اور پتے اور پھولوں کی پنکھڑیاں نہایت صنعت سے بنائی ہیں اور انمیں ایک ایک چھید رکھا ہے جنمیں سے پانی ابلتا تھا۔ اور قدرتی چھوٹے چھوٹے سوتے معلوم ہوتے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے سوتے بھی فراق نگیں میں ہمیشہ کو سو گئے۔ اس کے آگے جو صحن ہے وہ بھی سنگ مرمر کا۔ اس صحن میں سے نہر گذر کر رنگ محل کو جاتی تھی۔

اسی عمارت کے قریب جانب شرق برج طلا یا ثمن برج مثل دیگر عمارتوں کے سنگ مرمر کا بنا ہوا اور سنہری کام سے آراستہ اسمیں بادشاہ بغرض تفریح طبع کے لئے دریا کا نظارہ دیکھنے کو بیٹھا کرتے تھے۔ اب دیکھنے والے نہ رہے تو دریا بھی بہت دور تک ذرا الگ ہو کر ہٹ گیا۔ سوائے برسات کے موسم کے (وہ بھی جب بہت بارشیں ہوں) کبھی قلعہ کے قریب بھی نہیں آتا۔

خوابگاہ کی جانب شمال ایک بہت بڑا اونچا چبوترہ بنا ہے۔ اس کے وسط میں ایک عمارت جو تیس گز لمبی اور چھتیس گز چوڑی موجود اور مفقود سب عمارات سے بڑھ کر نہایت منقش اور سنہری کام سے مزین ہے۔ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے انسان سکتہ میں رہجاتا ہے بنی ہے اور دراصل یہی وہ عمارت ہے کہ جس کی چھت کی منبت کاری اور محرابوں اور چھت کی جڑ میں وہ وہ بیل بوٹے جو جو انسانی صناعی کا اعلےٰ نمونہ ہیں دیکھ کر ایک دفعہ بے اختیار منہ سے نکل جاتا ہے۔ سہ

اگر فردوس بر روے زمین است — همین است و همین است و همین است

اور یہی اس کے جنوبی جانب ایک ارکنده بھی ہے۔ اسی عمارت کا نام شاہ محل یا دیوان

خاص ہے ۔ متذکرہ بالا شعر سے بڑھ کر اس کی توصیف اور کیا ہو سکتی ہے ۔ واقعی یہ عمارت
ایسی ہی ہے ۔ اسوقت میں جبکہ اس کے اند تخت طاؤس بھی نہیں اور نہ نیچے کسی قسم کا قالینی فرش
نہ شاہانہ رہائش نہ ظاہری زیبائش ۔ سو بھی شاہانہ رعب ٹپکتا ہے ۔ خدا کی شان تو جب
نظر آتی ہوگی جبوقت شاہجہاں سا بادشاہ عورت کا شائق آٹھ کروڑ کے تخت طاؤس پر اوکروڑ کے
تکیہ سے پشت لگائے اس دیوان خاص کی طرائی مسند کا تخت کے نیچے بیٹھا ہوگا ۔ اور وزرا
و امراے نامدار اور شاہزادگان [illegible] استادہ ہوتے ہونگے ۔ اور [illegible]
شاہیانہ بالکل مفید و شہرت [illegible]
استادہ ہونگے ۔ واقعی [illegible]
دیتا ہے [illegible] ایک [illegible]
[illegible] خوانہ کہتے ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] جنوب و عقب
حمام کہلاتا ہے [illegible] ملحق عمارت اصل حمام کی ہے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
پچیکاری کا نمونہ دکھاتا ہے [illegible]
گویا پتھر کو مثل قالین کے منقش [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] شاہجہاں [illegible]
نہ آئی ۔ اسی کے عقب میں [illegible] ایک بلند دیوا
سے محصور ہے اور قبلہ رخ بیت چھوٹے [illegible] کی جانب [illegible] دروازہ اس کا

ہر چہار طرف سے پردہ دار ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیگمات کے لئے مخصوص تھی - مصلے بھی جوانڈ سنگ مرمر میں سنگ موسے کی دھاریوں سے نمایاں کئے ہیں - چھوٹے چھوٹے ہیں - اور حقیقت میں صنف نازک کے لئے مسجد بھی نہایت ہی خوبصورت اور نازک بنی ہے ایک انگریز مورخ نے اسے "پرفکٹ جیم آف آرٹ" یعنی صنعت کا مکمل جوہر لکھا ہے -

بڑی خوابگاہ اور زنانہ محل کے قریب موتی محل تھا - یہ غدر تک رہا - اسی کے قریب ہی باغ حیات بخش تھا جو واقعی اسم با مسمی ہوگا - مگر اب تو -

صد ہزاراں گل شگفتہ درو　　سبزہ بیدار و آب خفتہ درو

اس کے عین وسط میں ایک حوض تھا - یہی وہ حوض تھا جس کے کنارے محمد شاہ بیٹھے تھے - اور مع اپنے مصاحبین کے عالم آب کا تماشہ دیکھ رہے تھے - کہ نادر شاہ کا ایلچی رقعہ لیکر آیا چونکہ سرور کا عالم تھا - بادشاہ نے رقعہ لیکر شراب میں ڈبو دیا اور کہا مصرع این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولےٰ شاہجہانی وقت میں ۴۹ فوارے چاندی کے لگے تھے - اور حوض کے ہر چہار طرف ایک سو بارہ فوارے اور تھے - یہ بھی چاندی کے - اور دن رات چھوٹا کرتے تھے - نہر کے سبب پانی ہر وقت آتا رہتا تھا - اب ان فواروں کا نام بھی نہیں ہاں فواروں کی جگہ چھید باقی ہیں - جو مصداق اس شعر کے ہیں

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا　　اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا

اسی حوض میں بہادر شاہ مرحوم نے ظفر محل بنایا تھا مگر افسوس کہ ظفر کے ساتھ ظفر محل بھی گیا اس باغ کے جانب جنوب ایک اور مکان سنگ مرمر کا نہایت نفیس و لطیف تھا - جسے بھادوں کہتے تھے جس میں بیٹھکر نہر سے پانی کا گرنا ایسا معلوم ہوتا تھا - جیسے بھادوں کی بارش - بھادوں کو بھی غدر بہا لیگیا -

اس باغ کے جانب شمال ایک ویسی ہی نفیس اور خوشنما بھادوں کے جواب میں ایک عمارت تھی جسے ساون کہتے تھے - اسمیں بھی پانی کی چادر گرتی تھی - اور اس کے نیچے طاقوں میں چراغ جلا کرتے تھے چراغوں کے آگے پانی اس طرح سے گرتا تھا - جیسے ساون کا مینہ برس رہا ہے - مگر اب ساون کا بھی سایہ تک نہ رہا - غرضکہ علاوہ ان متذکرہ بالا مکانات کے چھوٹے چھوٹے اور بھی مکان تھے - وہ اگرچہ شاہجہانی وقت کے نہ تھے مگر دیگر مکانات عالیشان کے مثل چوکیدار و محافظ ضرور تھے - مگر اب وہ سب لامکاں ہیں - قلعے کے جنوبی جانب ایک اور عالیشان دروازہ معہ اپنے چھوٹے دروازے کے بنا ہے یہ قلعہ کا دہلی دروازہ ہے - غدر میں دہلی فتح ہونے کے بعد اسی دروازہ سے بیگمات - بادشاہ اور

شہزادے نکلکر ہمایوں کے مقبرہ کو چلے گئے تھے - ایک چھوٹا سا دروازہ دریا کی طرف بھی ہے جو بند کیا ہوا ہے - اس دروازہ سے صرف بادشاہوں کا جنازہ جایا کرتا تھا اور پھر اسکو چن دیا جاتا تھا یہ قلعہ نو برس میں بنکر تیار ہو گیا تھا یعنی ۱۶۴۷ء میں تیار ہو گیا تھا - اور ایک سال بعد ۱۶۴۸ء میں شاہجہاں مرحوم نے پہلا دربار اس میں کیا ہے - اب باہر نکل کر رخصت ہونے کے قبل یہ بھی معلوم رہے کہ طول قلعہ ایک ہزار گز - اور عرض قلعہ چھ سو گز - فصیل قلعہ ۲۵ گز - اونچی اور گیارہ گز گہری زمین میں - آثار دیوار نیچے پندرہ گز اور چوٹی پر دس گز - مشرق کی جانب یہ قلعہ جمنا کی ریتی سے اور ہر سہ جانب خندق سے محصور ہے - جب مشرق میں جمنا بہتی تھی تو ہر سہ جانب کی خندق نہر کے پانی سے معمور رہتی تھی - محیط خندق تین ہزار چھ سو گز - چوڑائی پچیس گز - گہرائی دس گز - اور فصیل قلعہ اکیس بروج ہیں - جنمیں سات مدور اور چودہ مثمن - گو موجودہ سائنٹفک آلات حرب کی رو سے اسے اب قلعہ نہیں کہا جا سکتا - مگر غدر ۱۸۵۷ء تک نہایت ہی مستحکم قلعہ رہا ہے -

سلیم گڑھ - (جسے سلیم شاہ سوری نے بنایا تھا) سے لال قلعہ میں آنے کو جہانگیر بادشاہ نے ایک پل بنایا تھا - جو قلعہ کے شرقی جانب ابتک موجود ہے - اسی پل کے سامنے قلعہ کا ریلوے سٹیشن ہے جہاں عندالضرورت والسرائے یا فوجی افسر لال قلعہ میں جانے کو اترا کرتے ہیں - آج نہ سلیم شاہ رہے - نہ شاہجہاں مرحوم - نہ اسکی اولاد - قلعہ موجود ہے - بانی قلعہ کی نسل کا بھی پتہ نہیں - سچ ہے - کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام ؕ

(سید انور علی نقوی)

کلامِ مضطر

ہر چند عرض حال کی جرأت نہیں مجھے
یہ تو نہیں کہ تجھ سے محبت نہیں مجھے

کس طرح سے کروں میرا دا فرض بندگی
جب تیری یاد سے ہی فرصت نہیں مجھے

ہے علم مصلحت سے مگر دم بخود ہوں میں
اک لفظ بولنے کی اجازت نہیں مجھے

روتا ہوں اپنی شوخیٔ قسمت کو دیکھکر
شکوہ فلک سے تم سے شکایت نہیں مجھے

سنتا نہیں جو تو - تو کہوں کس سے مدعا
تیرے سوا کسی سے محبت نہیں مجھے

خوش ہوں میں تیرے چاہنے والے کو دیکھکر
اپنے رقیب سے بھی عداوت نہیں مجھے

مضطر ہوں میں بھی حضرت غالب کا ہم خیال | کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

(محمد اسمعیل جی مضطر از بمبئی)

ہولی

(۱) بھائی نند لعل جی گویا گورو صاحب کے سچے سکھوں میں سے ایک تھے۔ آپ فارسی اور عربی زبان کے عالم و فاضل تھے۔ چنانچہ آپ کی تصانیف۔ دیوان گویا۔ زندگی نامہ۔ جوت بگاس وغیرہ جو سب کی سب فارسی نظم میں ہیں۔ اور بیوگور و بگتی۔ اشٹو بھگتی۔ گیان۔ دھیان۔ جوگ ویراگ وغیرہ مضامین کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ سکھوں میں مقبول عام ہیں اور جنہیں سکھ بڑی شردھا اور پریم سے پڑھتے ہیں۔ اور آنند لیتے ہیں۔ جتنا پریم بھائی صاحب کو گورو مہاراج سے تھا۔ اتنی ہی شفقت گورو گوبند سنگھ جی مہاراج بھائی صاحب پر کرتے۔ چنانچہ اس بات کا اظہار گورو صاحب نے اپنے ایک شعر میں کیا ہے۔ سه

آشفتہ آنیم کہ او شیفتہ ماست | ما شیفتہ آنیم کہ [illegible] فدا ایم

(۲) بھائی صاحب کی غزلیات سے پتہ چلتا ہے کہ عام ہندوؤں کی طرح گورو صاحب بھی ہولی کھیلا کرتے تھے۔ اور پوری مسرت سے ان رنگ رلیوں میں حصہ لیتے تھے۔ جناب گویا کی تصانیف سے یہہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ جشن ہولی جس کا انہوں نے بیان کیا ہے۔ کب اور کس مقام پر منایا گیا۔ مگر قیاس غالب ہے کہ یہہ آنند آنند پور میں ہی منایا گیا ہوگا۔

(۳) ذیل میں بھائی نند لعل جی کی غزل درج کی جاتی ہے۔ جس سے نہ صرف جشن کی پوری کیفیت معلوم ہوگی۔ بلکہ یہہ بھی واضح ہوگا کہ ہندوؤں کو فارسی میں کسقدر عبور حاصل تھا۔ جن لوگوں کو قدرت نے سخن فہمی کی نعمت عطا کی ہے وہ جان سکتے ہیں کہ اظہار واقعہ کے ساتھ ساتھ شاعری کے کسقدر اعلیٰ رموز سے کام لیا گیا ہے۔

جشن ہولی

(۱) گل ہولی بباغ دہر بشگفت | لبے چوں غنچہ را فرخندہ خو کرد

(۲) گلاب و مشک و عنبر با عبیر و | چوں باراں بارشے از سو بسو کرد

(۳) زہے پچکاریٔ پُر زعفرانی — کہ ہر بے رنگ را خوش رنگ رُو کرد
(۴) گلاب افشانیٔ دستِ مبارک — زمین و آسماں را مشکبو کرد
(۵) دو عالم گشت رنگیں از طفیلش — چو شاہم جامہ رنگیں در گلو کرد
(۶) کسے کو دید دیدار مقدس — مرادِ عمر را حاصل نکو کرد
(۷) شود قربان خاکِ راہِ نگہت — دل گویا ہمیں را آرزو کرد

(پرمانند اروڑہ ایم۔ اے ملتانی)

"تلخ تجربہ"

"عورتوں کی نازآفرینی اور دلفریبی سے مسحور ہو کر میں خوب زک اٹھا چکا ہوں اب مجھے کافی تجربہ ہو چکا ہے کہ عورتیں بڑی مطلبی ہوتی ہیں"۔

"نہیں پیارے فیروز میری دلربا حسین تارا ویسی نہیں ہو سکتی"۔

فیروز۔ ہاں دوست ہرمز! میرا بھی یہی خیال تھا۔ میں نے پہلی بار اسے پارک میں مصروف گلگشت دیکھا۔ آہ وہ دلفریب ضیا پاش حسن! وہ موزوں متناسب اعضا! میری آنکھیں چکاچوند ہو گئیں دل مجروح پہلو میں دبائے۔ ایک گوشے میں چھپکر اس کی حسن سوز کی بلائیں دور سے لیتا رہا۔ میرا گمان تھا کہ وہ حسین نازنین طائرانِ خوشنوا کی سامعہ نواز نغمہ سرائی۔ فضائے چمن کے لطیف تاثرات شگفتہ پھولوں کی تبسم روح افزا۔ اور نسیم سحری کی دل کش تیز آفرینیوں سے تنہا لطف اندوز ہونے کو آئی ہوگی۔ مگر آہ! مجھے کسقدر ناامیدی ہوئی! جبکہ میری متجسس نگاہیں ایک گرانڈیل سیاہ فام عورت پر پڑیں۔ یہ بھی اس کے ہمراہ اس دل کش منظر میں شریک تفریح تھی۔"

"ہرمز اچھا پھر؟" فیروز۔ ان لوگوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد میں عمداً ٹہلتا ہوا ان کے قریب سے گذرا۔ لیکن جلد ہی اس پرکیف فضائے سحری کا خاتمہ ہو گیا۔ اور آفتاب عالمتاب جاہ و جلال سے جلوہ افروز ہوا۔ وہ دونوں بھی چمن سے واپس جانے لگیں۔ جب وہ خرام ناز سے طاؤس طناز کیطرح قدم برگشتہ جا رہی تھی۔ میری نظر یکایک اس نشستگاہ پر پڑی جہاں وہ بیٹھی تھی۔ اس پر ایک سفید باریک معطر رومال پڑا تھا۔ میں نے اٹھا لیا۔ چوما اور اپنی آنکھوں سے لگا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس گرانڈیل طویل القامت بڑھیا کی ہمرہی کی وجہ سے وہ آتے

آہستہ جارہی تھی۔ میں بھی یہ غنیمت سمجھ کر۔ کہ چلو اچھا موقع ہاتھ لگا۔ یہی رومال تعارف کا کام دیگا یہی رومال منزلِ مقصود تک پہونچائے گا۔ ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اور ان کے گھر جا پہونچا۔ وہ دروازہ پر موجود تھی۔ میں اسقدر از خود رفتہ ہو رہا تھا قبل اس کے کہ میں کچھ بیان کروں اسنے جھٹ رومال میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اور کہنے لگی "آپ کا بہت بہت شکریہ جناب! خالہ جان ابھی بگڑ رہی رہی تھیں کہ رومال کدھر گیا" اور پکار اٹھی خالہ جان! جناب نازک اندام خالہ جان کی آہٹ پاکر میں سہم گیا۔ مجھے کچھ بھی یاد نہیں کہ اس دیو پیکر خاتون کے ڈر سے میں کسطرح وہاں سے بتہ توڑ بھاگا۔

ہرمزا! اوہو! تو آپ نے اس بڑھیا چڑیل کے رومال پر اپنے تمام جذبات کا خاتمہ کر دیا!"

فیروز ہاں یار! میں نے اتنے ہی عرصے میں خیالی طوفان برپا کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس نو دمیدہ غنچۂ محبت کی وکالت اسی رومال کے ذریعہ ہوگی۔ یہی رومال میرے دلولہ جذبات کی سفارش کرے گا۔ مگر افسوس چند لمحوں میں یہ خیالی قلعہ منہدم ہو گیا۔ اور میں اس دلربا کی دلکش اداؤں کا تشنہ کام مسحور! میں روزانہ پارک میں جانے لگا۔ مگر شومیٔ قسمت تو دیکھئے پندرہ دن گذر گئے اس حور شمائل کے رخ روشن کی بلائیں لینے کو آنکھیں ترستی رہگئیں مگر وہ نہ آئی۔

سوئے اتفاق سے ایک سنیچر کو سہ پہر کے وقت میں نے آفس سے لوٹتے وقت کچھ پھل ترکاریاں اور کیک اتوار کے روز احباب کے تفنن طبع کے لئے خرید کر کینوس کے بیگ میں لئے روزانہ لوکل ٹرین سوار ہوا بیگ ایک کنارے رکھدیا اور خود ایک سیٹ پر اخبار دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں گاڑی ایک اسٹیشن پر ٹھہری اور ایک نازنین سوار ہوئی۔ صنفِ نازک سے شرف باریابی حاصل ہونے پر تعظیماً سروقد ایستادہ ہو جانا میرا ادنےٰ شعار اور فرض اولیں تھا۔ میں بھلا اس زریں موقعہ کو کب ہاتھ سے جانے دیتا فوراً تسلیم خم کئے حاضر تھا۔ لیکن آنکھیں چار ہونا تھا کہ میرے ہر رگ و پے میں ایک تلاطم برپا ہو گیا۔ میری روح ارتعاش مضطر کے ساتھ کسی ناقابل برداشت بار عظیم کو اپنے سے علیحدہ کرتی محسوس ہوئی۔ میں نے اس کو پا لیا جسکی مجھے تلاش تھی۔ جس کے لئے میں اسقدر سراسیمہ اور حیران تھا۔ اسوقت ایک جوش کے ساتھ مضطربانہ سانس لے رہا تھا۔ اور حصول مدعا میں کامیابی پر وفور مسرت سے میری ہستی میں ایک متلاطم سمندر کی سی کیفیت ہو رہی تھی۔ اس صحبت و گفتگو سے لطف اندوز ہونے کے شوق نے مجھے از کار رفتہ بنا رکھا تھا۔ روئے سخن پر غور کر رہا تھا۔ کہ کس پیرایہ پر سلسلہ جنبانی کیجائے۔ اور کسطرح اس معزز حسینہ کو دام محبت میں پھنسایا جائے اسکی غزال رعنا سی پر کیف آنکھیں نہایت بے پروائی کی ادا سے مجھ پر اٹھیں۔ میں ہمہ تن

شوق تھا کہ اب وہ رومال والا قصہ چھیڑا جائے گا۔ مگر واسئے ناکامی اس نے مجھے محض اجنبی جیسے سلوک نارو کا مستحق قرار دیا۔　　"ہرمز۔ پھر آپ نے کیا کیا؟"

فیروز۔ نہ پوچھو اس امید و بیم یاس و ناکامی کا جاں فرسا سین پیش نظر کہ کسطرح اس جفا شعار کے ہمرکاب تھا؟ اتنے میں ٹرین منزل مقصود پر پہونچی اور سب اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اتر گئے۔ پھر میں سوچ کر اور ایک چال چلا۔ کہ چلو کسیطرح گفتگو کا موقع تو ہاتھ لگے۔ پھر وہ کون ہیں میں کون ہوں آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔

وہ حسینہ میری خلاف امید بجائے ٹیکسی کے پیدل ہی روانہ ہو گئی۔ میں بھی اس کے تعاقب میں ہمراہ ہو لیا۔ تقریباً نصف میل چلکر وہ ایک نکڑ پر ٹھیری۔ میں بھی ہانپتا ہوا قریب گیا اور سلام کیا وہ چونک اٹھی۔ میں نے کہا "آپ نے ٹرین میں شاید سہواً یہ بیگ چھوڑ دیا تھا۔ میں نے احتیاطاً اٹھا لیا" "اوفوہ! میں بھی کس قدر بے خیال ہوں" (اس نے جواب دیا) یہ آپ کی عین عنایت ہے کہکر بیگ لیکر یہ جا وہ جا! ہرمز۔ کیا وہ تمہارا بیگ لیگئی؟

فیروز۔ ہاں اور کس کا؟ گویا اس کے باپ کا تھا۔ میں نے تو صرف سلسلہ جنبانی کا راستہ نکالا اور بی صاحبہ وہ اطمینان سے لیکر صاف ہو گئیں!! میں منہ دیکھتا رہگیا۔ (جمیلہ ابراہیم از کلکتہ)

تیغِ ستم

قیصر بلڈنگ کے لوگ ابھی بستر استراحت پر دراز ہیں مگر ایک شخص جو بشرے سے نوجوان اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے۔ بیدار ہے اور سنگھار میں مشغول ہے۔ کلاک نے سات بجا دئے۔ یہ نوجوان اب ناشتہ کر رہا ہے اس کے قریب ایک چھ سال کا بچہ نعیم خوبصورت گورا چٹا اپنی بھولی بھولی باتوں سے نوجوان کا دل بہلا رہا ہے۔ مسٹر قیصر بی۔ اے۔ آکسفورڈ بار ایٹ لا ہے۔ نعیم اس کا اکلوتا بیٹا ہے ان کے قریب ایک دوسری کرسی پر مس میری ایک یوریشین عورت بیٹھی ہے۔ کسی پارسی کمپنی میں یہ ایکٹرس تھی۔

نعیم: "ابا یہ مٹھائی بہت مزیدار ہے"

قیصر: "ہاں نعیم تمہاری اماں گو میم ہیں مگر انہیں پکانا اچھا آتا ہے یہ ہندوستانی مستورات کی خام خیالی ہے کہ وہ کام کرنے سے گھبراتی ہیں۔ اور اسے کسر شان سمجھتی ہیں۔ مس میری کو کھانا پکانا ہیں

تمہاری حقیقی والدہ سے زیادہ مہارت ہے"۔
میری۔ یہ آپ کی عنایت ہے ورنہ مجھے کیا آتا ہے۔ نعیم کی والدہ سے میری برابری کہاں ہو سکتی ہے"
قیصر۔ نعیم کی والدہ پر میں نے بہت ظلم کیا۔ میں غصہ میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ افسوس"
کسی نے دستک دی۔ ملازم لفافہ میں بل لئے ہوئے آیا۔ مسٹر قیصر کے چہرے کی رنگت بدل گئی
میری۔ کیا درزی کا تقاضہ ہے"۔
قیصر۔ تمہاری فیشن پرستی نے مجھے برباد کر دیا۔ ابھی ایک مہینہ نہیں ہوا کہ آٹھ سو روپیہ چکایا ہے اور آج پانچسو کا پھر تقاضہ ہونے لگا۔ کچھ شک نہیں۔ میں ہزار روپیہ ماہوار کے قریب کماتا ہوں لیکن آپ کی تمہاری فضول خرچی کیوجہ سے میرا بال بال قرضہ میں بندھ چکا ہے۔ کچھ سوچو نعیم کی اماں ہندوستانی عورت تھی جسے تم ذلیل اور بدتہذیب سمجھتی ہو۔ لیکن اس نے دو سال کے اندر چھ ہزار روپیہ پس انداز کر کے نعیم کے نام بنک میں جمع کرا دئے تھے۔ ایک تم ہو کہ مزور امینٹ سے امینٹ بجادوگی۔
میری۔ "مسٹر قیصر تمہاری زبان درازی حد سے بڑھ گئی ہے۔ میں اس قسم کے سلوک کی عادی نہیں ہوں۔ میں تمہاری بندھوا نہیں ہوں۔ اب میرا تمہارے ساتھ گذارہ ناممکن ہے"۔
قیصر۔ (گرم ہو کر) بہتر ہے۔ ابھی تشریف لیجاؤ۔ تمنے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ خدا تم سے سمجھے افسوس تم نے اور میری جلد بازی نے مجھے تباہ کر دیا۔
مس میری۔ بھری بیٹھی تھی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسباب بندھوایا۔ گاڑی منگائی اور ایسی گئی جیسے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کی روانگی کے وقت نعیم جیسا کہ بچوں کا دستور ہے بسورنے لگا مگر اس سنگدل عورت نے مطلق پروانہ کی۔ اس کے خوبصورت جسم میں دل کی جگہ لوہے کا توا یا پتھر کی سل ہوگی۔ مس میری کی روانگی کے بعد جوہری کا بل آیا اور قیصر نے جل بھنکر نعیم کا روپیہ اٹھا کر دو ہزار روپے ادا کئے۔ ان پے در پے صدمات سے مسٹر قیصر اس قدر پریشان ہوئے کہ جنون کی نوبت پہنچ گئی۔ اور بڑی مشکل سے ایک سال میں طبیعت بحال ہوئی۔

صبح کا سہانا سماں ہے اور ایک دل کُش کوٹھی کے پُرفضا چمن میں ایک نازنین آرام چوکی پر تکیہ لگائے بیٹھی ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ چہرہ کہہ رہا ہے کہ کچھ بیمار ہے اور درد سے بیقرار۔ یکایک ایک اور حور شمائل وہاں آئی اور مرلفیہ کا شانہ ہلا کر قہقہہ لگایا۔
مسز حسن "بہن مرجبیں آج کہاں چھپتی پھرتی ہو"۔

مہ جبیں - بھابی آج درد کل سے زیادہ ہے دل بہلانے کے لئے یہاں آ بیٹھی تھی کہ مناظرہ قدرت سے تکلیف میں کمی محسوس ہو۔"

مسز حسن - "میری ایک سہیلی لیڈی ڈاکٹر ہیں اگر اجازت دو تو انہیں بلوا لوں - ان کے ہاتھ میں شفا ہے۔" مہ جبیں - ابھی بلوائیے نا - ان کی فیس کیا ہے؟"

مسز حسن - تو بہن وہ میری پیاری سہیلی ہے بھلا تم سے فیس لیتی ہے - فوراً ایک خادم بائیسکل اُڑاتا ہوا لیڈی ڈاکٹر کے ہاں پہنچا اور تھوڑی دیر کے بعد ان کی گاڑی کوٹھی کے پھاٹک میں داخل ہوئی - مسز حسن نے چائے تیار کر رکھی تھی - اِدھر اُدھر کی گفتگو کے بعد مہ جبیں کی انگلیاں دکھائی گئیں اور بتایا گیا کہ عرصہ ہوا انگلیوں میں لڑکوں کے کھیلنے کی بندوق کے چھرے لگے تھے تب ہی سے ہاتھ لئے بیٹھی ہیں - بہت علاج ہوا - مگر زخم نہیں بھرتا - ناچار سسرال سے یہاں چلی آئی ہیں - اور مجبور ہو کر آپ کو تکلیف دی گئی - ہم سب کا آپ پر بڑا اعتقاد ہے - لیڈی ڈاکٹر نے زخم دیکھا اور نسخہ لکھ کر کہا کہ گھبرانے کی بات نہیں - ایک ہفتہ میں آرام ہو جائے گا - مہ جبیں نے چاہا کہ فیس دے مگر لیڈی ڈاکٹر نے ہنس کر واپس کر دی - اور کہا کہ بہنوں سے فیس لینا گناہ ہے - اتفاق سے مہ جبیں کا چھ سال کا بچہ کھیلتا ہوا اُدھر آ نکلا لیڈی ڈاکٹر نے اسے سینے سے لگایا - پیار کیا اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے - مسز حسن تو عرصہ سے تہیہ کئے بیٹھی تھی کہ لیڈی ڈاکٹر کی سرگذشت سُنے - پوچھنے لگی تمہیں ہر وقت پریشان دیکھتی ہوں آخر اس پریشانی کا باعث کیا ہے -

لیڈی ڈاکٹر نے کہا - بہن کیا پوچھتی ہو - میرا دل ارمانوں کا مدفن ہے - زندگی اجیرن ہے ؎

میں وہ قلب مضطرب ہوں جسے کل سے کل نہ آئے ۔ وہ نہال بے ثمر ہوں کہ پھلوں تو پھل نہ لائے

بہن میں موسم بہار میں شاخِ بریدہ ہوں - میرے والد سب جج تھے - میری تعلیم و تربیت اعلےٰ پیمانہ پر ہوئی - پندرہ سال کی عمر میں میری شادی ایک ولایت کے تعلیم یافتہ اکسفورڈ کے بی - اے - بار ایٹ لا سے ہوگئی - چند سال جوں توں گذر گئے - ایک بچہ تو چھ ماہ کا ہو کر داغِ مفارقت دے گیا اور ایک جیتے جی چھٹ گیا - خاوند نے عمر بھر کے لئے منہ موڑ لیا - والدین پہلے ہی رحلت فرما چکے تھے - میرے لائق شوہر نے جاں نثاری اور تابعداری کا یہ صلہ دیا کہ ایک ایکٹرس کو گھر میں بلا لیا - خدا جانے اس نے کیا سکھایا پڑھایا کہ مجھ سے بیزار ہو گئے - میرے دل کو چکنا چور کر دیا - میرا نعیم مجھ سے چھین لیا اور بلا سوچے سمجھے مجھے طلاق دیدی - طلاق نامہ کے ساتھ

پانچ ہزار کا چیک بابت مہر ملفوف تھا - مقام غور ہے کہ اس عورت کے لئے جس نے کبھی گھر کی چار دیواری سے باہر قدم نہ نکالا ہو - یہ کیسی آفت ناگہانی تھی - میں دیوانی ہوگئی - مدت تک بیمار رہی زندگی تھی بچ گئی - حرام موت مرا نہ گیا - ناچار اُسی روپیہ سے ڈاکٹری پڑھی - اگر مہر کا روپیہ نہ ہوتا تو خدا جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتی پھرتی - مگر بہن مہ جبیں تمہارے چہرے کا رنگ فق کیوں ہو گیا

مہ جبیں - (افسردہ خاطر ہوکر) آپ کی دلخراش داستان سے میری روح کو صدمہ پہنچا ہے مسٹر قیصر میرے شوہر کے حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں - میری ستم رسیدہ بہن میں کوشش کروں گی کہ نعیم آپ سے ملا کرے - صبر کرو خدا تم پر رحم کرے۔" (حلیمہ بشارت علی از کلکتہ)

نور العین

حامد علی عرب کا باشندہ تھا - وہ خالص عرب تھا - ٹیونس میں اسکی دوکان تھی - وہ مشہور عطار تھا ہر قسم کے عطر اس کی دوکان پر موجود تھے - اس کی بیوی کا نام نور العین تھا - میاں بیوی میں انتہا کی محبت تھی - نور العین اپنے وقت میں بہشت کی حور تھی - حامد علی بھی جمیل اور شکیل تھا - ان کی شادی کو سولہ سال ہوگئے - حامد علی کی عمر چالیس سال کی اور نور العین کی بتیس سال کی ہوگئی - لیکن ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی - لوگ جیسا کہ دستور ہے طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے - ہر گھر میں چرچا ہونے لگا - کہ جب نور العین بانجھ ہے - تو عطار خدا اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتا - دوسری شادی کرے تاکہ صاحب اولاد ہو - حامد علی سنتا تھا - اور بے پروا تھا - کیونکہ وہ نور العین کو دیکھ کر جیتا تھا - نور العین کے حسن کی دوپہر ڈھل چکی تھی - مگر اس کے خاوند کی محبت کا آفتاب بدستور نصف النہار پر تھا -

ایک دن حامد علی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا - کہ ایک عربی تاجر کی دختر نقاب افگندہ اس کی دوکان پر ئی اور کہا کہ عطر دکھاؤ - عطار نے کئی قسم کے عطر پیش کئے - مگر اس نازنین نے عطر یاسمین خریدا - س کی خادمہ نے کہا کہ ہماری بانو کو عطر یاسمین اس لئے پسند ہے کہ اس کا نام یاسمین ہے روانگی کے قت حامد علی نے اس نازنین کا چہرہ اتفاقاً بے نقاب دیکھ لیا اور اسکی شعاع حسن سے اس کی آنکھیں بندھیا گئیں - شام کو عطار دوکان بڑھا کر حسب معمول قہوہ خانہ گیا - وہاں موذن - امام مسجد - قاضی ردیگر عرب موجود تھے - سب نے اسے قائل کر لیا اور اس بات پر مجبور کیا کہ دوسری شادی ضرور ہو -

سب نے کہا کہ تمہاری بیوی کا یہ فرض ہے کہ تمہیں بربادی سے بچائے اور خود تمہارے لئے دوسری زوجہ تلاش کرے۔ رات کو حامد علی جب گھر آیا تو کچھ افسردہ خاطر تھا۔ نور العین جو اس کے انتظار میں کھانا لئے بیٹھی تھی سمجھ گئی کہ ضرور اس کا خاوند کسی وجہ سے پریشان ہے۔ جب شوہر نے اسے اصلیت سے آگاہ کیا تو اس کا خون خشک ہو گیا۔ اس کا دل مرغ نو گرفتار کی طرح پھڑکنے لگا لیکن اس نے طبیعت پر جبر کر کے کہا کہ خاوند واقعی مجھ سے قصور ہوا۔ میرا فرض تھا کہ خود تمہارا نکاح کسی اچھی جگہ کراتی۔ اور تمہاری اولاد کو اپنے کلیجہ سے لگاتی۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ تم کو خوش اور آباد دیکھوں اگر میری قسمت میں اولاد نہیں ہے تو تم کیوں اس سے محروم رہو۔ اور تمہاری اولاد فی الحقیقت میری اولاد ہوگی۔

دوسرے دن تمام ٹیونس میں دھوم مچ گئی کہ دولتمند عطار اب دوسرا نکاح کرنے کو رضامند ہے اس خبر کے مشتہر ہوتے ہی کئی اچھے اچھے گھرانوں سے پیغام آئے۔ مگر نور العین نے ایک معزز تاجر کی دختر یاسمین کو منتخب کیا اور بڑے تزک و احتشام سے برات دولہن کے گھر گئی۔ جب نور العین دولہن کے کمرے میں گئی تو اسے چشم پُر آب دیکھا۔ نور العین نے اسے سمجھایا کہ اگرچہ تمہارا شوہر نوجوان نہیں رہا لیکن ابھی تک خوبصورت ہے وہ ہزار جوانوں سے اچھا ہے۔ اس عمر کے لوگ بیوی کو ہرگز نہیں ستاتے اور نوجوان نہ صرف تنگ کرتے ہیں اور بیوی کی چھاتی پر مونگ دلتے ہیں۔ بلکہ مار پیٹ سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ خدا کا شکر کرو کہ تمہیں ایسا خاوند ملا ہے۔ میں تم دونوں کی خادمہ بن کر رہوں گی۔ میری طرف سے بیفکر رہو۔

نکاح ہو گیا۔ یاسمین دولہن بنکر حامد علی کے گھر میں آگئی۔ اب عطار کو معلوم ہوا کہ اس کی دولہن وہی عورت ہے جس نے اس کی دوکان سے عطر یاسمین خریدا تھا۔ حامد علی آخر انسان تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے دل میں یاسمین کی محبت نے گھر کر لیا۔ اور نور العین کی محبت اس نئی محبت کے مقابلہ میں ماند پڑ گئی۔ اس بات کا نور العین کو سخت صدمہ ہوا۔ اس کی بھوک سوکھ گئی۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ حامد علی اگرچہ اس کی بڑی دلجوئی کرتا تھا اور کوئی بات اس کے مشورے کے بغیر نہ ہوتی تھی لیکن یہ دلجوئی آگ پر تیل کا کام کرتی تھی۔ اب نور العین یہ چاہنے لگی کہ کسی طرح یاسمین کا کام تمام ہو جائے یا اسے موت آئے تاکہ رقابت کی آگ سے اسے نجات ملے مگر قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ اس کی تمنا بر نہ آئی۔

شادی کو ایک سال ہو گیا۔ شام کا وقت تھا۔ یاسمین اپنے کمرے میں بیتاب تھی۔ اور یاسمین سے

ہزار درجہ بڑھ کر حامد علی بیقرار تھا وہ درد زہ کی وجہ سے ماہی بے آب تھی۔ اور عطار جوشِ محبت سے سیماب بنا ہوا تھا۔ یکایک یاسمیں کی چیخوں میں بچہ کے رونے کی آواز سنائی دی۔ نور العین سے رہا نہ گیا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں گئی ایک شیشی صندوق سے نکالی اور اس کا عرق پی کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ نور العین کا کلیجہ زہر سے کٹ رہا تھا وہ بستر پر تڑپ رہی تھی۔ کہ چاروں طرف سے مبارک کی صدائیں آنے لگیں اور اسکی پتھرائی ہوئی آنکھوں نے دیکھا کہ حامد علی وہی حامد علی جس کی کبھی وہ تنہا بلاشرکت غیرے مالک تھی اپنا بچہ دیا اور یاسمیں کا بچہ گود میں لئے خوش خوش اس کے کمرے میں داخل ہوا ہے۔ نور العین کی طاقت سماعت میں ذوق آچکا تھا۔ اس نے صرف اتنا سنا کہ بیوی تمہیں بیٹا مبارک ہو میں نے اسکا نام محمود رکھا ہے۔ لو سینے پر لٹا لو ....

جب حامد علی نے چاہا کہ نور العین کے سینہ پر بچہ لٹا دے تو اسے معلوم ہوا اس کا جسم مٹی ہو چکا ہے۔ (سبزہ بیگم)

میاں بیوی کا مقدمہ

میرے نانا جناب شیخ خیر الدین مرحوم امرتسر کے آنریری مجسٹریٹ اور سوداگر تھے۔ وہ پرانے فیشن کے پکے مسلمان تھے۔ ہاں بازار میں امرتسر کی جامع مسجد جو اس شہر میں سب سے بڑی اور خوبصورت مسجد ہے۔ ان کی یادگار رہے۔ قریباً چالیس سال ہوئے جب یہ غالباً ڈیڑھ لاکھ کی لاگت سے تیار ہوئی تھی۔ قطعہ تاریخ لاجواب ہے۔ ؎

زہے مسجد کہ خیر الدیں بنا کرد　　بشارت ساجدانِ نیک پے را
خرد از بہر تاریخش رقم زد　　جزاک اللہ فی الدارین خیرا

اس مسجد کے ایک کونے میں میرے نانا کا مزار ہے اور ان کے قریب ہی نانی جان عالم خواب میں ہیں۔ حشر کے دن دونوں جاگیں گے۔ نانا کو تو میں نے دیکھا ہی نہیں اور نانی کی شکل یاد نہیں رہی۔ گذشتہ ہفتہ مجھے امرتسر جانے کا اتفاق ہوا اور ایسی پر سکنڈ کلاس کے کمرے میں کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے مجھے فرسٹ کلاس کے کمرے میں بیٹھنا پڑا۔ وہاں ایک یوروپین مشنری لیڈی مجھ سے پہلے موجود تھی۔ مجھ سے نہایت خندہ پیشانی سے ملی۔ تعارف کے بعد بہت جلد شیر و شکر ہوگئی۔ یہ لیڈی ڈاکٹر تھی۔ اس نے شادی نہیں کی کہنے لگی کہ میں شباب اردو منگاتی ہوں اور تمہارے ابا جان کے

کئی ناول پڑھے ہیں - واقعی اردو خوب جانتی تھی - دورانِ گفتگو میں اس نے کہا کہ میں نے امریکہ کے ایک رسالے میں مضمون پڑھا ہے - اس مضمون کا عنوان ہے "مرد اپنی بیویوں سے کیوں نفرت کرتے ہیں" میں نے اس کا جواب لکھا ہے - تمہیں سناتی ہوں اگر ہو سکے تو میرے خیالات کا شباب اردو میں اعلان کر دو - میں نے اپنی معزز ہمسفر سے وعدہ کیا اور آج ایفائے وعدہ کرتی ہوں - اس کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے -

"عورتوں کا مذاق جدا گانہ ہے کوئی تو ایسے مرد کو پسند کرتی ہے جو خوشبو لگائے - بال سنوارے زرق برق لباس پہنے - اور کوئی ایسے مرد کو جو چھیلا بنا رہے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے - کوئی عورت شاعر مزاج شوہر پسند کرتی ہے - اور کوئی با عمل کارکن خاوند - مگر یاد رہے کہ ہر مزاج کی عورت بخیل خاوند کو سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے - بخیل کی محبت عورت کے دل میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی - انگریزی زبان میں ایک مثل ہے کہ جب غریبی آتی ہے تو محبت اڑ کر مکان کی کھڑکی کے راستہ سے ہوا ہو جاتی ہے - یہ غلط ہے - عورت تنگی ترشی برداشت کرتی ہے - لیکن کنجوسی سے اس کو بیر ہے - تونگری بدل است نہ بمال - کنجوس امیر بھی ہوتے ہیں اور غریب بھی - یہ مرض دونوں طبقوں میں پایا جاتا ہے - کچھ شک نہیں کہ زر میں بڑی طاقت ہے - اس لئے شادی سے پہلے اسے کما لینا چاہئیے - تاکہ شادی کے بعد بے لطفی اور پریشانی نہ ہو - دیکھا گیا ہے کہ مالدار شوہر روپیہ کے انتظام میں اور غریب شوہر محنت اور مشقت میں تاکہ روپیہ آئے اسقدر محو ہو جاتا ہے کہ اسے بیوی کی دلجوئی کے لئے وقت نہیں ملتا - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محبت گھٹتے گھٹتے مفقود ہو جاتی ہے - دوسری بات جو عورت کو نہیں بھاتی وہ یہ ہے کہ شادی کے بعد خاوند اکثر کاہل ہو جاتے ہیں اور اپنے جسم یا لباس کی غور و پرداخت چھوڑ دیتے ہیں - اگر کوٹ ہے تو میلا - اگر جوتا ہے تو پھٹا ہوا - اگر ناخن ہیں تو بڑھے ہوئے - مہینہ گذر جاتا ہے اور حجامت کا خیال تک نہیں آتا - غسل تو درکنار آٹھ آٹھ دن منہ پر پانی کا چھینٹا تک نہیں پڑتا - اس غفلت سے ظاہری صورت خواہ مخواہ مکروہ ہو جاتی ہے - اور بیویاں گھبراتی ہیں - خیال کیجئے دولہا کس آن بان سے بنتے ہیں اور پیچھے چرکین ہو جاتے ہیں تیسری بات جو بیوی کے خیال میں نفرت خیز ہے یہ ہے کہ مرد عورت کی رائے کو قابل وقعت نہیں سمجھتے - انتظام خانہ داری میں اسے محض لاشے جانتے ہیں - ہر چیز میں اپنی مرضی برتتے ہیں عورت کے سر میں دماغ ہے - اس کے پہلو میں دل ہے وہ اپنے گھر کی مہارانی ہے - پھر وہ کیوں حکم نہ چلائے - بار ہا مرد دانستہ اندھے ہو جاتے ہیں - جب بیوی انہیں خوش کرنے کو بناؤ سنگھار کرتی ہے

تو مضحکہ اڑاتے ہیں - یا لباس میں کیڑے ڈالتے ہیں یا جان بوجھ کر بے پروائی کرتے ہیں اور بیوی کا دل ٹوٹ جاتا ہے - ایسی حالت میں نفرت اور ناچاقی لازمی ہے -

چوتھا قصور مردوں کا یہ ہے کہ شادی کے بعد کچھ مدت کے لئے وہ بیوی کے عاشق دکھائی دیتے ہیں اور پھر دفعتاً بدلجاتے ہیں - اور اس قسم کی بے رخی کرتے ہیں کہ بیوی جو شروع میں ان کی معشوقہ تھی کنیز سے بدتر ہو جاتی ہے - بیوی تختِ محبت سے معزول ہو جاتی ہے - اس کا یہ کام ہوتا ہے کہ بچہ کو دودھ دے - روٹی پکائے - دانہ دلے - کپڑے دھوئے - جھاڑو دے - اور مرد اس کی چھاتی پر مونگ دلے - متلون مزاج مرد سے عورت کو ہمیشہ نفرت ہو جاتی ہے -

پانچواں عیب مردوں میں یہ ہے کہ وہ جب گھر میں آتے ہیں تو ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں - دفتر میں یا دوکان پر خلیق اور ملنسار دکھائی دیتے ہیں - لیکن گھر میں آتے ہی بھوت بنجاتے ہیں - ہمیشہ پیشانی پر بل پڑا رہتا ہے - بات کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرج رہا ہو بات بات پر الجھتے ہیں یہ بدمزاجی محبت کی دیوار کے لئے دیمک سے کم نہیں -

خاوند اپنی اہلیہ کی محبت سے اور بسا اوقات خود زوجہ سے اس لئے محروم ہو جاتا ہے کہ

(۱) وہ خود لپسند ہے اور اپنے آرام پر بیوی کے آرام کو قربان کر دیتا ہے -

(۲) وہ اپنے لئے ضیافتِ طبع کے سامان تلاش کرتا ہے لیکن ہمیشہ یہ ہی چاہتا ہے کہ بیوی گھر کی چاردیواری میں قید رہے وہ اندھی اور بہری ہو جائے -

(۳) وہ روپیہ کو خدا سمجھتا ہے اسے جمع کرتا ہے اور بیوی کو ضروریات کے لئے ترساتا ہے -

(۴) وہ دلجوئی سے جی چراتا ہے - میٹھی زبان سے گفتگو نہیں کرتا - تندخو اور ترشرو بنجاتا ہے -

(۵) وہ اپنے کاروبار اور محبت زر میں اسطرح منہمک ہوجاتا ہے کہ بیوی کو بھول جاتا ہے -

(۶) شادی کے وقت کچھ ہوتا ہے - اور شادی کے بعد کچھ اور پہلے فرشتہ پھر بھوت بہت جلد بدلجاتا ہے

(۷) وہ بیوی کو ہر بات میں مونس و دمساز ہمدم و ہمراز نہیں بناتا -

شادی وہ مقدس اور فرحت خیز محبت آمیز رشتہ ہے کہ یہ دو دل کو ایک بناتا ہے اس میں پھولوں کی مہک ہے اسمیں جواہرات کی جھلک افسوس مردوں کی غفلت سے پھول کملاجاتے ہیں - سوکھ جاتے ہیں - سڑ جاتے ہیں اور جواہرات چکناچور -

(خورشید سلطانہ)

نمک دان ظرافت

پولیس والا:۔ "ابے سنتا نہیں میں دیر سے چلا رہا ہوں"
موٹر ڈرائیور۔ آخا۔ کیا آپ تھے۔ میں یہہ سمجھتا رہا کہ کوئی میری موٹر کے پیچھے آگیا ہے اور چیخ رہا ہے

ایک پروفیسر کتابوں کا کیڑا تھا۔ مطالعہ کے سوا اور کسی بات کا اسکو خیال نہ تھا! ایکدن اسکی بیوی نے اسے ایک گلدستہ دیا۔
پروفیسر متعجب ہوکر:۔ "پیاری آج کیا ہے۔ خیریت تو ہے۔
بیوی:۔ "اجی کیا بھول گئے آج تمہاری شادی کی پہلی سالگرہ ہے۔ کل سے دوسرا سال شروع ہوگا"
پروفیسر:۔ "اچھا۔ اچھا تو جبدن تمہاری شادی کا دن آئے مجھے یاد دلانا۔ میں بھی گلدستہ پیش کرونگا"۔

بیوی۔ اے میاں جب میں گاتی ہوں تو تم برآمدے میں باہر کیوں جا کھڑے ہوتے ہو کیا میری آواز دور سے سہانی معلوم ہوتی ہے
میاں:۔ "نہیں بیوی میں اسلئے باہر جا کھڑا ہوتا ہوں کہ ہمسایہ مجھے دیکھ لیں اور انہیں یقین آجائے کہ میری مار پیٹ سے تم رو نہیں رہی ہو"۔

باپ۔ افسوس ہے تمہیں جھوٹ بولنے کی عادت ہو چلی ہے مجھے اس بات کا صدمہ ہے وعدہ کرو کہ اب کبھی جھوٹ نہ بولوگے۔
بیٹا۔ "بہت اچھا۔ ابا میں وعدہ کرتا ہوں"۔
باپ:۔ "شاباش تو جاؤ اور دیکھو دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے۔ اگر کوئی قرضخواہ ہو تو کہدینا کہ ابا گھر میں نہیں ہیں"

خاوند۔ بیوی وہ تمہارے پاس کون کھڑا تھا۔ کتنا بدشکل انسان تھا۔ بیوی۔ وہ تو۔ میرا حقیقی بھائی تھا۔ جو ابھی ابھی افریقہ سے آیا ہے۔ خاوند۔ مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ تم سے اسکی شکل بہت ملتی تھی۔
ڈاکٹر:۔ "تمہیں بدہضمی کی شکایت ہے تم کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد خوب ہنسا کرو"
مریض۔ ڈاکٹر یہ ناممکن ہے کیونکہ پہلے میں کھانا خود پکاتا ہوں۔ اور کھا کر برتن دھوتا ہوں"
معلم:۔ "مجھے تم پر اعتبار نہیں رہا تم سب کو دھوکا دیتے ہو"۔
شاگرد:۔ "نہیں قبلہ۔ تمہاری ریش مبارک کی قسم تمہیں پہلے شخص ہو جسے میں نے دھوکا دیا ہے" (زبیدہ)

"تلخابۂ شیریں"

اس کی سریلی آواز اور دلفریب صورت ، یہ جنت نگاہ تھی وہ فردوس گوش - وہ بازاری عورت تھی - لوگ اسے فاحشہ کہتے تھے - ملّا نے اور زاہد اس کے نام پر ناک بھوں چڑھاتے تھے شرفا اسے ادبار مجسم اور نحوست مطلق کہتے تھے - لیکن بایں ہمہ ایسے لوگوں کی اکثر آمد و رفت رہتی تھی جن کی وضع قطع شریفانہ تھی اور ممکن ہے اخلاقی لحاظ سے وہ خود بہت شریف نہوں لیکن کم از کم شریفوں کی اولاد ضرور تھے - عوام میں مشہور تھا کہ اس نے بہتیروں کو لوٹ لیا - مال و دولت کسی کی کم لوٹی کسی کی زیادہ - لیکن متاعِ جاں اور نقدِ دل تو سب کا سنبھال لیا - اس کی آنکھیں رسیلی تھیں جن میں کیفیت سرور ہر وقت جلوہ ریز رہتی تھی - شہر کے آوارہ مزاج کہتے تھے اِن آنکھوں میں کیفیت سحر ہے جو چشم نظارہ کے لئے برق سے کم نہیں -

میں اس شہر میں نووارد مسافر تھا - گردش روزگار مجھے یہاں لے آئی تھی - مجھے ازل سے خدا کی حسین مخلوق سے اُنس بلکہ عشق ہے - اس لئے میں اس مجسمۂ حسن و خوبی - اس شمع انجمن اس شاہدِ رعنا کی سحر کاریوں سے جو اس کی ہر ادا میں پنہاں تھیں محفوظ نہ رہ سکا - میں نہیں کہہ سکتا کہ اس جادو کا مجھ پر کس حد تک اثر ہوا - لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جسدن سے میں نے اس پیکرِ حسن کو اول اول دیکھا میرے لئے غربت کی شام بہت کم یاس انگیز اور یاد وطن قطعًا فراموش ہوگئی - جنونِ عشق کی بیباکیاں رہ رہ کر دل میں چٹکیاں لیتی تھیں - آخر ایکدن جی میں آیا چلو - کچھ نہیں تو حسرت ہی سہی - تیغ نگاہ کا گھائل تو ہو ہی چکا ہوں - لذت کلام کی حلاوت سے بھی بہرہ اندوز ہولوں کہ یہ عرصہ محبت کا دوسرا قدم ہے - اگر اس جنس گرانمایہ کے خریداری کی تاب نہیں تو نہ سہی - مسافر نوازی کا جذبہ اور ہمسایگی کا لحاظ ہی شاید انہیں دردِ دل سننے کی تکلیف گوارا کرا لے -

اس کے پرسطوت بالاخانہ کا راستہ سامنے تھا اور دربار عام - نہ حاجب نہ دربان - البتہ ایک سگ لیلی ہر وقت پہرہ دیتا رہتا تھا - جسکی تانیں گاہ بیگاہ سنائی دیتی تھیں -

پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ اوپر سے آواز آئی "عائشہ ذرا وضو کے لئے لوٹا تو بھر لانا" یہ کسی عورت کی آواز تھی - مگر شیریں کی آواز سے مختلف - میں نے سوچا بڑی بی ہونگی - مگر ہیں یہ نمازن کب سے ہوگئیں ؟

سرِ خدا کہ عارفِ سالک بکس نگفت   درحیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

خیر حلوان سے بھی دل لگی ہوگی - اگر شیریں کی صورت میری روح کو تسکین دیگی تو بڑی بی کی داستان کہنہ کے جستہ جستہ مقامات نہ صرف عرصہ ملاقات کو دراز کریں گے بلکہ کچھ شغل ظرافت بھی ہوجائیگا۔

پہلی کے بعد دوسری پھر تیسری اسیطرح میں سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ بالاخانہ کا دروازہ پہلو میں تھا اور چشم عاشق کیطرح کھلا تھا - ایک عورت تخت پر بیٹھی تھی - سامنے ایک کمسن لڑکی بیٹھی پان لگا رہی تھی - اور پاس ہی کوچ پر ایک ادھیڑ عمر کا شخص ہندوستانی وضع کا پاجامہ اور شیروانی پہنے تکیہ کے سہارے بیٹھا حقہ پی رہا تھا -

میں کیف بیخودی میں سرشار تھا - دیوانہ وار اندر چلا گیا اور ایک ایسی آواز سے جس سے بیباکانہ شوخی کا پہلو نکلتا تھا - کہا "السلام علیکم"

جسطرح ایک بمب کا گولہ ایک امن پسند مجمع کے عین وسط میں پہنچ جائے - عین اسیطرح بھاگڑ پڑ گئی - عورت تخت چھوڑ کر بھاگی - لڑکی نے باورچی خانہ میں پناہ لی اور وہ شخص جس سے مجھے ایک غیر معمولی آؤ بھگت کی توقع تھی چین بجبیں ہو کر حیرت اور غصہ کے لہجہ میں بولا "ہیں آپ کیسے آئے؟ آپ کون ہیں؟"

میں خود بھی اس انداز گفتگو اور اس غیر متوقع فرار و گریز سے کچھ متعجب اور کچھ رنجیدہ ہو رہا تھا - لیکن اس بڑے میاں کے لحظہ لحظہ حیرت و استعجاب کی افزونی دیکھ کر تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے بیساختہ کہا -

"آہ یہہ جلوہ ریزیاں اور پھر پرہیز - پرہیز نے حضور کے بیمار کر دیا - میں ایک غریب مسافر سہی مگر پہلو میں ایک ایسا دل رکھتا ہوں جو نہ صرف دنیوی لحاظ سے غنی صفت ہے - بلکہ جسمیں توشۂ محبت اور آذوقۂ وفا کی بھی کمی نہیں - آپ انہیں بلائیں - میں چاہتا ہوں کہ جس طلسم کو میں نے مستور دیکھا اور جس سحرِ موسیقی کو میں نے پس پردہ سنا - اسے عریاں اور خنداں دیکھوں اور رُو در رُو سنوں - نہ صرف اس کی داد دوں - بلکہ اس کی قیمت میں نقد دل اور ہدیۂ جان پیش کروں - کہ اسی میں مجھ آوارۂ محبت کی حیات ہے اور یہی میری حیاتِ مستعار کی روح ہے -

میں نے دیکھا اس کے چہرے پر عتاب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور !؟!؟!؟ اس کا استعجاب لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جاتا تھا - یا الٰہی یہہ ماجرا کیا ہے - یہہ قوم اور اسپر یہہ انداز مزاج - انہیں تو صید طرحدار دیکھ کر، مرغ نوگرفتار پا کر فرشِ راہ ہوجانا چاہئے تھا - مگر نہیں میں نہیں آخر تک آزماؤنگا - مطلب کی تہ تک پہونچنا شرطِ دانشمندی ہے - آچکا ہوں تو درد دل کہے بغیر داستانِ غم سنائے بغیر ٹلنا صریح حماقت اور کمزوری ہے -

مگر یہ نیچے سے آوازیں کون دے رہا ہے ۔" میر صاحب ۔ میر صاحب" خیر کوئی ہوگا ان کا ملنے والا ۔ میری طرح آوارہ وطن ۔ ننگ اخلاق ۔ داغ شرافت ۔

پہلے تو صرف چہرۂ آزردہ جذباتِ مجروح کا پتہ دے رہا تھا ۔ یا اب ان کی زبان کو بھی جنبش ہوئی اور میں نے دو چار فقروں میں ہی معلوم کر لیا ۔ کہ ان کو اخلاق اور شرافت چھو نہیں گئی اول تو ان کی تقریر میں عجلت کا پہلو خاص طور پر نمایاں تھا ۔ دوسرے اس میں بے شمار مغلظات اور بازاری کلمات فواحش تھے جن کے سننے سے نہ صرف میری روحِ ادب لرز اٹھی بلکہ میرے جذبات خودداری بھی بے قابو ہو گئے ۔ شیریں جیسی مشہور عالم رقاصہ اور ایسا بدتمیز عملہ ماتحت مجھے قحط الرجال یا سوءِ انتخاب کی اس سے زیادہ بُری مثال کوئی نظر نہ آتی تھی ۔

ایک فاحشہ کے گھر میں بجائے تواضع اور انکسار کے ایک خادم یا خود اسی فاحشہ کے لفظوں میں "استاد جی" سے ایسی بے نقط سننے کا مجھے پہلی بار اتفاق ہوا تھا ۔ اور میں چاہتا تھا کہ اس کی بدتمیزی کا جواب اصل مع سود کے دوں ۔ لیکن میری مسافرانہ حیثیت اور مصلحت وقت اسی کی مقتضی تھی کہ گھر کی مالکہ سے دادخواہی کی جائے ۔ مالکہ خدا جانے کس کونے میں دبکی ہوئی تھی کہ نہ ہی استاد جی کی زبانِ بے ہنگام کو لگام دیتی تھی اور نہ ہی خود ظاہر ہوتی تھی کہ اس کا حسنِ دلنواز ہی میرے قلبِ مجروح کا مرہم بنتا ۔

آخر میں نے کہا ۔" دیکھو جی میں ایسی بیہودہ گفتگو سننے کا عادی نہیں ہوں ۔ میرا معاملہ یا تو بڑی بی سے ہے یا ان کی بری جمال لاڈو سے ۔ تم تو جا کر ساز درست کرو ۔ تم کو شریفوں سے معاملہ کرنا ہی نہ آیا ۔ خدا جانے آدھا سر دھوپ میں سفید کیا یا عمر بھر پتھر ہی ڈھوتے رہے .... ہیں لو وہ باقاعدہ مدافعت اور مزاحمت پر اُتر آیا ۔ پہلے صرف مناظرہ تھا ۔ اب مجادلہ اور مقابلہ کی صورت ہونے لگی ۔ اس نے لاٹھی اُٹھائی اور برسرِ پیکار ہو گیا ۔ چاہتا تھا کہ وار کرے کہ پھر نیچے سے آواز آئی ۔" میر صاحب ۔ میر صاحب" میں نے اب آگے قدم بڑھانا بند کر دیا اور اس کے ساتھ پھر بہ نرمی گفتگو کا آغاز کیا ۔ دل میں کہہ رہا تھا ۔ الٰہی اس ثالث بالخیر کا دل موم کر جو نہ دلیل سے قابو میں آتا ہے نہ اخلاق سے ۔

" بھلے میاں ! مجھے ان سے دو باتیں ہی کر لینے دو ۔ خواہ بزاری ۔ خواہ بہ زر ۔ اس کے نغمہ ہائے دلنواز میری قسمت میں نہ سہی ۔ لیکن حسن کی پرستش تو ہر انسان کا پیدائشی اور فطری حق ہے ۔ مجھے اس عارضِ زیبا پر ہی نثار ہو لینے دو ۔ جس کا میں پروانہ صفت شیدائی ہوں ۔ مجھے

ان گیسوؤں کی بلائیں ہی لینے دو جن کی یاد میں میری رات کا سکون حرام ہے۔ قریب سے نہ سہی دور سے ہی سہی۔ وہ متبسم لب۔ وہ خنداں چہرہ۔ وہ فنکار آنکھیں، وہ دلدوز نگاہیں، وہ پیکرِ رعنا۔۔ وہ۔ بانکپن، غرض وہی شیریں آہ وہی شیریں جس کی یاد میرا سرمایۂ حیات جس کی۔۔۔۔۔۔۔۔

بس بس یہ بیہودہ۔۔۔۔۔۔ گفتگو یہیں ختم کر دیجئے۔ یہ گھر میرا ہے۔ شیریں خانہ خراب کا مکان پاس والا چوبارہ ہے جس کی سیڑھیاں میرے گھر کے زینے سے ملحق ہیں۔ اندھے۔ یا۔۔۔جی کہیں کے۔۔۔۔۔۔۔۔ آجاتے ہیں دنیا میں بودوباش رکھنے کے لئے۔

اتنا کہا اور سٹر پڑ میرے سر پر دو لگائے۔ اب مجھے ہوش آیا۔ لاحول ولاقوۃ۔ میں غلطی سے ایک شریف شخص کے تہاں خانہ میں گھس آیا تھا۔ آہ غلطی اور کیسی اہم غلطی۔

صاف ظاہر ہے کہ اسقدر سرزنش اور عملی سبق کے بعد شیریں کی دید یا اس کے نغمۂ سرور آگیں کی ہوس کم از کم اس شب کو مجھے باقی نہ رہی تھی۔ افتاں وخیزاں اپنے مکان پر واپس آیا اور اس واقعہ پر ندامت مجسم بنکر تبصرہ کرنے لگا۔

اسے بہت عرصہ نہ گذرا ہوگا۔ شہر میں کوئی غیر معمولی تبدیلی نہ ہوئی۔ شیریں کے نغمے اسی طرح سرور آگیں تھے۔ اس کا حسن اسیطرح طلعت ریز تھا۔ لیکن میرے کیفِ بیخودی میں ایک گونہ کمی آگئی تھی۔ شاید یہ اسی عصائے موسوی کا اثر ہو جو اس شب کو میرے سرِ شوریدہ پر برسا تھا۔ ہاں میر صاحب کو میں نے دیکھا۔ دوسرے دن اس مکان سے اسباب اٹھوا رہے تھے۔ شاید انہوں نے مکان بدلنا ہی مناسب سمجھا۔ تاکہ کوئی اور بھولا بھٹکا مسافر نہ مغالطہ کھا جائے۔

کیا اس واقعہ سبق آموز اور عبرتناک سے جہاں اور بے شمار سبق ملتے ہیں وہاں اس امر کی ضرورت نہیں ظاہر ہوتی کہ ملک کے اس بدنام طبقہ کو اگر بہر حال رکھنا منظور ہے تو کم از کم کسی علیحدہ جگہ بودوباش کی جگہ دیجائے جہاں یہ اور ان کی تیرہ وتار زندگی بھی بے خلل گذر جائے اور ان کے بدقسمت مگر شریف ہمسائے بھی مداخلت بیجا اور مدافعت غیر متوقع سے بچ جائیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ نادان مگر بدنصیب مسافر بھی دیارِ غیر میں جاکر کم از کم زدوکوب کی مصیبت سے محفوظ رہ سکیں

(رفیق احمد از بجاولپور)

کرشمۂ قدرت

ایک ہفتہ کا ذکر ہے کہ میرے پاس ایک عورت مرغی کے انڈے میں سے تازہ نکلا ہوا بچہ لائی

جس کے چھ ہاتھ پاؤں تھے اور شکل چوہے کے نوکدار دم تھی - مگر وہ مُردہ تھا - اس نے یہہ بھی ذکر کیا کہ چند دن ہوا اس کے یہاں ایک مرغ کا بچہ (جو اب پورا مرغ ہو گیا ہے) اسطرح انڈے سے نکالا گیا کہ ایک ظروف گلی میں کچھ دال رکھ کر انڈا برتن کے بیچوں بیچ رکھدیا گیا - کچھ مدت کے بعد وہ انڈا از خود ٹوٹا ہوا پایا گیا - اور اسمیں مرغی کے بچہ کی "چوں چوں" کی سی آواز سنائی دی - دیکھنے پر معلوم ہوا کہ دراصل زندہ مرغی کا بچہ ہے جو اب تک یعنی دس ماہ کی زندگی گذار کر اس وقت تک زندہ ہے - وہ لوگ جو قدرتِ خدا کو محض خیالی بات سمجھتے ہیں - اس سے سبق لیں - فاعتبروا یا اولی الابصار (مسز کے ظہیر الدین - از امریا)

"حضرت اُمِ عمارہ رضؓ"

یہہ جلیل القدر اور بہادر خاتون ہجرت نبوی سے تقریباً چالیس سال قبل مدینہ منورہ میں پیدا ہوئیں ان کے والد ماجد کا نام کعب ہے - جو قبیلہ بنی نجارین سے تھے - ان کے دو نکاح ہوئے پہلا تو زید بن عاصم (ان کے چچا زاد) سے اور پہلے شوہر کے انتقال کے بعد انہیں کے قبیلہ کے ایک شخص عزیہ بن عمر نامی سے ہوا ان کے دونوں شوہروں سے چار اولادیں تھیں پہلے سے دو بیٹے عبداللہ - اور حبیب - اور دوسرے کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا تمیم تھے یہہ ہجرت سے چند سال قبل مدینہ طیبہ میں اسلام لائیں اور بیعت عقبہ میں بھی شریک تھیں (جو کہ کفار سے پوشیدہ ہو کر مدینہ کے بہت سے مسلمانوں نے ایک پہاڑی میں رسول اللہ سے کی تھی اور آپ کو ہجرتِ مدینہ کی ترغیب دلائی تھی) یہہ مختلف جنگوں میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہتیں اور اپنی بہادری کے وہ وہ جوہر دکھاتی تھیں کہ لوگ دنگ رہجاتے تھے چنانچہ جنگِ اُحد میں (۱۱ شوال ۳ھ کو حضور صلعم نے ایک درہ پر پچاس مسلمانوں کو تعینات کر دیا تا کہ وہ وہاں سے دشمن کی آنیوالی کمک کو روکیں اور نہایت سختی سے انہیں وہاں جمے رہنے کی تاکید فرمائی - چنانچہ جب سپاہِ مشرکین نے وہاں سے گذرنے کا عزم کیا - تو مسلمانوں نے نیزوں کے ذریعہ انہیں روکنے کی تدبیر کی وہ اس بے موقعہ حملے سے سخت گھبرائے اور میدان میں نہ آسکے - لڑائی زوروں پر تھی اور قریب تھا کہ دشمن اسلام پسپا ہو جائے - کہ ناگاہ لشکر اسلام کا علمبردار شہید ہو گیا (فریق مخالف نے یا تو مسلمانوں کو دھوکا دینے کو یا واقعی وہ ایسا ہی سمجھے) نعرہ لگا یا کہ نبی شہید ہو گئے ان کی یہہ آواز اہل اسلام کے دلمیں تیر کیطرح لگی اور اسلامی فوج میں سخت گڑبڑ مچ گئی - کسی کو اپنے تن بدن کی خبر نہ تھی - دشمن کی فوج نے یہ موقع غنیمت جانا اور مسلمانوں پر ایک ساتھ حملہ کر دیا - اسی گھبراہٹ میں درے کے سپاہی بھی منتشر ہو گئے - پھر کیا تھا فوراً خالدؓ نے (وہ جب تک اسلام نہیں لائے تھے - اور مشرکین کی فوج کے سردار تھے) اپنے سپاہ کو بھی حملہ کا حکم دیدیا

مسلمانوں کو اس سراسیمگی کی حالت میں مقابلہ کی تاب کہاں تھی - مزید براں یہہ کہ حضرت امیر حمزہؓ (حضورؐ کے چچا) شہید ہو گئے - اب اہل اسلام کے قدم میدان کارزار میں جمنے دشوار تھے - بہت سے تو بھاگ نکلے اور بہتوں نے راہ حق میں لڑکر جان دیدی - اسوقت حضور کی خدمت میں بجز چند مسلمانوں کے اور کوئی نہ تھا منجملہ ان کے اُم عمارہ معہ اپنے دو بیٹوں اور شوہر کے تھیں اسکی بابت خود ان کا بیان نقل ہے " میں نے کندھے پر مشک لی پیاسوں کو پانی پلا رہی تھی کہ اچانک مسلمانوں نے شکست کھائی اور ان کے قدم اُکھڑ گئے کفار چاروں طرف سے ہم پر ٹوٹ پڑے میں نے مشک پھینک کر تلوار لیلی اور جناب سالت مآب کی حفاظت کیواسطے مستعد ہو گئی - مگر میرے پاس ڈھال نہ تھی - چنانچہ کسی شخص کیطرف حضورؐ نے اشارہ کیا وہ اپنی ڈھال پھینکتا گیا - میں وہ ڈھال اُٹھالی - اور دشمنوں کے وار کو اسپر روکنے لگی مگر غنیم سواریوں پر تھے اور ہم پیدل - سوار اپنی پوری قوت سے ہمارے اوپر حملہ آور تھے - اور پیدل ہونیکی وجہ سے ان کے وار کا روکنا ہمیں سخت دشوار تھا - مگر میں یہہ ترکیب کرتی تھی کہ جب کوئی سوار وار کرتا تو اسے روکتی - اور جب وہ آگے بڑھتا تو پیچھے سے ایسی تلوار مارتی کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں کٹ جاتا اور وہ اپنے سوار سمیت گر پڑتا یہ معاملہ دیکھ کر حضور صلعم میرے بیٹے عبداللہ کو آواز دیتے تاکہ وہ میری مدد کرے چنانچہ وہ فوراً آجاتا اور ہم دونوں ملکر اس سوار کو تہ تیغ کر دیتے " ان کے بیٹے عبداللہ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ میں اور میری ماں حضور کی حفاظت کر رہے تھے میں دوسری طرف مشغول تھا کہ ایک مشرک نے میرے پیچھے سے تلوار ماری - اس سے میرے بازو پر بہت گہرا زخم لگا - میں نے اسپر حملہ کیا مگر وہ بھاگ گیا - میرا خون کسیطرح بند نہوتا تھا - رسول نے میری ماں کو حکم دیا کہ اس کے زخم پر پٹی باندھو - وہ پٹی باندھکر کہنے لگیں کہ بیٹا اُٹھو اور لڑو - میں خون نکلنے کی وجہ سے غایت درجہ کمزور ہو گیا تھا - مجھ سے نہ اُٹھا گیا آنحضرت فرمانے لگے کہ اُم عمارہ ہر شخص تیری مانند طاقتور نہیں ہے - اتنے میں وہ شخص جو کہ مجھے زخمی کر گیا تھا واپس پلٹا - حضورؐ فرمانے لگے کہ اُم عمارہ وہی آدمی آرہا ہے جس نے تیرے بیٹے کو زخمی کیا تھا - میری ماں نے لپک کر اسپر وار کیا اور اس کی ایک پنڈلی صاف کٹ گئی وہ گر پڑا اور میری ماں نے اسکا سر کاٹ لیا - حضورؐ مسکرا کر فرمانے لگے - کہ اے اُم عمارہ اللہ نے تجھے بڑا تازہ بدلہ دیا " اسی درمیان میں ایک کافر لعین کے پتھر سے آپکا دندان مبارک شہید ہو گیا اور زیریں لب زخمی اسی پر بس نہ تھا بلکہ ابن قمئہ نامی ایک کافر نے آپ پر ایسا وار کیا جس سے خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں سما گئے اور جب وہ نکالے گئے تو زخم سے خون نکلنے لگا - اُم عمارہ کو اسکی تاب کہاں تھی انہوں نے فوراً اس موذی پر حملہ کیا - اس کافر نے لوٹکر انکے تلوار ماری - اسکا زخم بہت کاری پڑا مگر باوجود اسکے وہ پیاپے وار کرنے سے باز نہ آئیں لیکن وہ عدوے دین دو زرہ پہنے تھا اسوجہ سے کوئی گزند نہ پہونچا اور بچکر نکل گیا - ام عمارہ کے زخم سے بہت خون نکلنے لگا آنحضرت نے انکے زخم پر پٹی بندھوائی - اور فرمانے لگے کہ " آج اس بہادر عورت کا کارنامہ فلاں فلاں صحابہ سے کہیں بڑھکر ہے - اس نیک نہاد خاتون نے عرض کیا - کہ یا رسول اللہ میرے واسطے دعائے خیر فرمائیے - آپنے دعا فرمائی - اور وہ کہنے لگیں کہ بس میں آخرت ہی کی بھلائی چاہتی ہوں - دنیا میں میرے اوپر خواہ کچھ گذر جائے بہت دیر تک یہی حالت رہی ام عمارہ کے زخموں کی کوئی انتہا نہ تھی مگر انکی چستی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا اور ایسی حالت میں بھی وہ اپنے عالی مرتبت اور باوقار سردار (حضور صلعم) کی حفاظت میں برابر نہایت تندہی سے مشغول تھیں -

(م - ب - شروانیہ)

صبح کا ستارہ

اے صبح کے ستارے گھونگٹ ذرا اٹھا دے
ترچھی نظر سے بانکے تکتا ہے مسکرا دے

بادِ سحر کے جھونکے لیں گے تری بلائیں
غنچے چٹک چٹک کر دیں گے تجھے دعائیں

جس نورِ سرمدی سے تو خود چمک رہا ہے
خورشید و ماہ و ذرّہ اس سے دمک رہا ہے

اک رقص کیفیت میں فوّارے گا رہے ہیں
جوشِ شبابِ گل کو بےخود بنا رہے ہیں

آبِ رواں پہ شاخیں مستی میں جھومتی ہیں
موجیں ہیں یا کہ پریاں جھولوں میں گھومتی ہیں

شاخیں نہیں ہیں حوریں جنت سے آ رہی ہیں
اربابِ گلستاں کو کوثر پلا رہی ہیں

اس جھٹ پٹے سمے میں اے پردہ پوش آجا
سب مست بیخودی ہیں ہے کسکو ہوش آجا

آ دیکھ چشمِ نرگس آنکھیں بچھا رہی ہے
صدقے میں تیرے شبنم موتی لٹا رہی ہے

لالہ بھی منتظر ہے تھامے ہوئے جگر کو
سنبل بھی ہے پریشاں کھولے ہوئے ہے سر کو

رو رو کے یاسمیں کا آنچل ہوا ہے گیلا
غصہ میں ہو رہا ہے سوسن بھی نیلا پیلا

ہر شاخ منتظر ہے ہر کاخ منتظر ہے
ساری بہار تیری آمد پہ منحصر ہے

او منتظر دلوں سے آزاد رہنے والے
دامانِ صبر آ جا شیدا نہ پھاڑ ڈالے

(محمد خدا بخش ٹوانہ شیدا)

غزل

شمع سے سرگوشیاں کچھ کر رہا پروانہ ہے
یہ پتنگا ہو نہ ہو میری طرح دیوانہ ہے

خندہ زن آبادیوں پر کیوں یہ ویرانہ ہے
یعنی ہر ویرانہ دیوانوں کا دولتخانہ ہے

زندگی دادوستد کا ظرف اک میخانہ ہے
ہر سبو اسمیں رہینِ منتِ پیمانہ ہے

غور سے دیکھو تو زیرِ پردۂ سوز و گداز
شمع کہتے ہیں جسے وہ جوہرِ پروانہ ہے

بعد مُردن آہ اپنے بھی پرائے ہو گئے
سبزۂ تربت تو دیکھو کسقدر بیگانہ ہے

ساقیا خونِ تمنا سے مگر لبریز ہے
ورنہ کیوں اتنا چھلکتا عمر کا پیمانہ ہے

خود بخود گرتا ہے آنکھوں سے سنبھل سکتا نہیں
اشک کو کیا ہو گیا بیخود ہے یا مستانہ ہے

قمریوں کو حفظ ہے اور بلبلوں کو یاد ہے
کس قدر مقبول میرے سوز کا افسانہ ہے

کہدے میں صدقے ترے اے ساقیِ بزمِ وفا
نقشِ تحریرِ مقدر اک خطِ پیمانہ ہے

کاوشِ امید مجھکو دردِ سر سے کم نہ تھی
نیند آ جاتی ہے جب سے یاس سے یارانہ ہے

بندۂ الفت ہے احمدؔ اور اُس کی زندگی
قصۂ فرہاد ہے یا قیس کا افسانہ ہے

نرخنامہ اشتہار

	ٹائیٹل کا صفحہ ۲ یا ۳ یا ۴	معمولی صفحہ
سال بھر کے لئے	مائعہ	سعہ
چھ ماہ	سعہ	سعہ
تین بار	لعہ	لعہ
ایک بار	صعہ	عہ

نوٹ

نصف صفحہ سے کم اشتہار نہیں لیا جائیگا خلاف تہذیب اشتہار کسی قیمت پر بھی شائع نہ ہوں گے۔

منیجر شباب اردو لاہور

طبی معلومات میں حیرت انگیز اضافہ

نامے کو میرے پڑھنا ذرا غور و خوض سے کاغذ پہ رکھدیا ہے کلیجہ نکال کے

ناظرین والا تمکین قضا کا تو علاج نہیں اور نہ حیات و ممات خالق عالم کے سوا کسی دوسرے کے قبضۂ قدرت میں ہے لیکن بقائے صحت و زندگی کے لئے ادویات کا استعمال ضروری ہے انسان کا خاصہ ہے کہ کبھی بیمار کبھی تندرست اس لئے ہر ایک شخص حصول صحت و بقاء تندرستی کی خاطر ہمیشہ ان کا متلاشی ہو کہ کوئی اکسیر نسخہ ملجائے تو مشکلات حل ہو جائیں اور زمانہ کی نئی رفتار بھی اسبات پر مجبور کرتی ہے کہ طب یونانی کے وقار و شہرہ اور بقا کی خاطر اس کے کرشموں کا اظہار کیا جاے - نیز زمانہ میں ایسے لوگوں کی ایک کثیر جماعت نظر آ رہی ہے جو اسبات کی متلاشی ہو کہ اگر کامل تجربات دستیاب ہو جائیں تو نااہلوں کے ہاتھوں سے بچ جاویں ان خیالات کو مدنظر رکھکر بندہ نے کمال جستجو اور برسوں کی محنت شاقہ کے بعد بفضل خدا "مجربات نورانی یعنی طب انسانی" چار سو صفحہ کی تالیف کی ہے جسمیں انسانی جسم کے تمام امراض نئے اور پرانے پیچیدہ داخلی و خارجی بیماریوں کے تیر بہدف مجرب المجرب ہزاروں نسخہ جات صدری مخفیہ درج کئے ہیں یعنی طب یونانی کا لب لباب و سرمایۂ حیات و متاع زندگی کا نچوڑ لیکر دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے اس مجربات کے بیان کردہ قواعد پر عمل کرنے سے انسان کی دینی و دنیاوی زندگی کا بلکل کایا پلٹ جاتی ہے انسان ہمیشہ تندرست و چست و چالاک رہتا ہے - اسبات کو دنیا نے مان لیا ہے کہ یونانی علاج معالجہ سے سراسر فائدہ ہے نقصان کا احتمال نہیں بلکہ طب یونانی جملہ علوم و فنون کی سردار ہے تمام ماہرین یعنی ڈاکٹر و ید ہومیوپیتھک وغیرہ اسی خرمن کے خوشہ چیں ہیں - ایسے کامل مجربات کی ایک جلد منگوا کر ملاحظہ فرمائیں اگر آپ ہزاروں روپیہ خرچ کر ڈالیں تو دوسری جگہ ایسے مجربات نسخہ جات دستیاب نہو سکیں گے - جو آج تھوڑے داموں میں اس کامل مجربات میں مل سکتے ہیں - قیمت فی جلد مجلد درجہ اول (للعہ) درجہ دوم - تین روپیہ آٹھ آنہ (عہ) بلا جلد تین روپیہ چار آنہ ...... (سے)

ملنے کا پتہ

حکیم نور محمد ولد حکیم مولوی فضل احمد صاحب مالک شفاخانہ اکسیر صحت کشمیری بازار لاہور

چھ مشہور دوائیوں کا بکس

ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب دوائیں گذشتہ ۳۱ سال سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں۔ اس لئے قدیم خریداروں کو جتانے کی ضرورت نہیں صرف نئے اصحاب کے لئے جو ہماری ادویات سے متنفر ہو گئے ہوں یقین دلانے اور آزمائش کیلئے یہ مندرجہ ذیل چھ مشہور اور مجرب ادویات کے نمونہ کا بکس بنایا ہے جس میں اس قدر کافی ہے کہ ہر ایک دوا کی آزمائش پوری طور سے ہو سکتی ہے!

دواؤں کا نام

دمہ کی دوا کیسا ہی پرانا دمہ ہو فوراً دباتی ہے۔ کولا ٹانک ہر ایک کیلئے طاقت بڑھانیکی دوا۔ مقوی باہ کی گولیاں جیسا نام ویسا فائدہ۔ عرق کافور ہیضہ اور گرمی کے دست کی ایک دوا۔ جلاب کی گولیاں شب کو سوتے وقت کھا لینے سے صبح کو خلاصہ اجابت ہوتی ہے۔ عرق پودینہ سبز۔ درد شکم اور ریاحی درد کی دوا۔ پورے حالات کی فہرست بلا قیمت طلب کر کے دیکھئے ادویات ہر جگہ دوکانداروں اور دوا فروشوں سے ملسکتی ہیں ورنہ کارخانہ سے طلب کیجئے!

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دا سٹریٹ کلکتہ

جلاب کی گولیاں

کاروباری آدمی کیلئے بغیر کسی تکلیف کے دست لانیکی اکسیر گولیاں ہیں۔ رات کے وقت دو گولیاں کھا لیجئے۔ دوسرے دن خلاصہ دست ہو جائیگا پیٹ میں گرمی یا مروڑ کچھ بھی نہیں ہوگی اور کھانے پینے میں کوئی احتیاط کرنیکی ضرورت نہیں ہے یہ گولیاں کل سے بنتی ہیں اسلئے ہر ایک زمین برابر اور چکدار ہیں۔ اور کھاتے وقت کوئی تکلیف اور بدمزگی معلوم ہوتی ہیں۔ سفر کیلئے نہایت فائدہ کی چیز ہے قیمت فی شیشی ... محصولڈاک ...

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دا سٹریٹ کلکتہ

بدہضمی و بدہضمی کے دست کی ٹکیہ

غذا تحلیل نہ ہونیکو بدہضمی کہتے ہیں جیسے غذا کرنے کے بعد پیٹ کا بھاری رہنا۔ پیٹ میں ریاح ہونا۔ جی متلانا۔ کھٹی ڈکار آنا۔ قوت ہاضمہ کے خراب ہو جانے سے ہوتا ہے جب غیر غذا کیا تو تب پیٹ میں گڑ گڑ بہت ہوتی ہے اور پیٹ پھولتا ہے اور دست ہوتے ہیں اور اسوجہ سے جسم نحیف اور مرض لاعلاج ہو جاتا ہے اس مرض کے ہونے کے اسباب یوں ہیں ضعیفی کا عالم۔ کسی خاص بیماری کے بعد ضعف کا ہونا۔ کم کھانا۔ منی کا بیجا ضائع ہونا۔ زیادہ محنت فکر و تردد یا غم اور ان خرابیوں کی حالت میں جو بچہ جننے کے وقت ہوتی ہیں ان باتوں کو غور کر کے ڈاکٹر برمن نے یہ بدہضمی کی ٹکیہ بنائی ہے جس سے غذا تحلیل ہوتی اور بدہضمی کی خرابی دور کرتی ہے۔ قیمت فی شیشی (۱۲) محصولڈاک ایک سے چار شیشی تک چھ آنہ .... (۶)

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دا سٹریٹ کلکتہ

اپنی صحت سے غافل نہ رہئے

اسمیں تو شک نہیں کہ ایک تندرستی ہزار نعمت اگر تندرستی میں فرق ہے تو دنیا کی دولت ہی بیکار رہے مگر افسوس کہ ایسے لوگ بہت ہیں جو اپنی صحت سے غافل رہکر کسی مفید چیز سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے عرق پودینہ کی ہری پتیوں سے بنا ہے۔ بدہضمی۔ پیٹ کا پھولنا متلی۔ نفخ۔ ریاح وغیرہ کے لئے نہایت ہی مجرب دوا ہے۔ بچوں کے لئے اس سے بڑھکر کوئی دوا نہیں ہے ہر گھر گرہستی کو اس دوا سے غافل نہ رہنا چاہئے۔

قیمت فی شیشی (۱۲) محصولڈاک چھ آنہ (۶)

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دا سٹریٹ کلکتہ

[illegible]

نوٹ [illegible]

سیرۃ احمدی

یعنی

سوانح عمری [illegible] عالم محمد مجتبیٰ [illegible]

[illegible]

مؤلفہ

خان احمد حسین خان صاحب [illegible]

باہتمام

میاں مبارک علی [illegible]

المشتہر [illegible] الرشید برادرز تاجران کتب [illegible] دروازہ [illegible]

[illegible]